ابانا
شمیم نوید

پیش لفظ

برسوں پہلے کی بات ہے کہ ہم ماہنامہ عوامی ڈائجسٹ کراچی کے چیف ایڈیٹر تھے۔ اُس وقت عوامی ڈائجسٹ کو شائع ہوئے چند ماہ گزرے تھے، لیکن اس مختصر عرصے میں خلافِ توقع پرچے نے مقبولیت حاصل کر لی۔ اسی دوران میں ہمیں ایک پراسرار کہانی بڑے پراسرار حالات میں ملی۔ ہمیں اس کہانی کا مسودہ ڈاک سے موصول ہوا مسودے کے ساتھ بھیجنے والے کا خط بھی تھا۔

''محترمی ایڈیٹر صاحب عوامی ڈائجسٹ! اسلام علیکم۔

میں اس خط کے ساتھ آپ کو جو فرسودہ اور دیمک زدہ مسودہ بھیج رہا ہوں، میں اس کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ مسودہ مجھے اپنے والد مرحوم کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔ میں نے اس مسودے کی تحریر اپنے والد مرحوم کی تحریر سے ملا کر دیکھی۔ یہ میرے والد کی تحریر ہرگز نہیں تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کہانی کا مصنف کون ہے اس لئے کہ مصنف کا نام دیمک چاٹ گئی ہے۔ ویسے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کہانی پر میرا نام دے سکتے ہیں۔ نیاز مند......''

اور یہ کتنی عجیب اور پراسرار بات ہے کہ اس مسودے کے ساتھ خط بھیجنے والے کا نام پتہ بھی دیمک نے کھا لیا۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ قدرت اصل مصنف کے ساتھ بددیانتی نہیں چاہتی۔ ان حالات میں دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم اس پراسرار کہانی کو بغیر کسی نام کے شائع کرتے، سو ہم نے یہی کیا۔

یہ کہانی برسوں گزر جانے کے بعد پہلی بار کتابی صورت میں شائع کی جا رہی ہے۔ ہم نے یہ پوری کہانی دوبارہ لکھی کیونکہ اس کے بہت سے حصے دیمک زدہ ہونے کی وجہ سے کہانی بے ربط ہو گئی تھی۔ ہم نے اس میں ربط پیدا کیا۔ اس کے علاوہ کچھ حصوں کو قلم زد بھی کیا۔ اس کے باوجود کہانی کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ حصے

رہنے دیئے۔ اس کا مقصد ہرگز لذت اندوزی نہیں بلکہ حیوانی جبلتوں کا اظہار ہے۔

اُمید ہے کہ حیرت انگیز پراسرار کہانی ''انابا'' آپ کے ذوقِ مطالعہ پر پوری اُترے گی۔ ممکن ہے آپ نے ہمارے تحریر کردہ پراسرار ناول پڑھے ہوں۔ یہ کہانی اپنے طرزِ تحریر کے اعتبار سے آپ کو یقیناً پسند آئے گی کیونکہ اس میں ہماری محنت و کاوش بھی شامل ہے۔

خیر اندیش
شمیم نوید

بارش اچانک تھم گئی، تیز طوفانی ہوا کے تھپیڑے بادلوں کو کھدیڑ کر پورب کی سمت اڑا لے گئے اور ذرا ہی دیر میں آسمان صاف ہو کر نکھر گیا۔ شفاف فضا میں چاند کا روشن تھال پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ ماحول پر چھایا ہوا وہ آسیبی اثر ختم ہو گیا جو غیر معمولی موسم نے دوپہر سے طاری کر رکھا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا فضا نے بھی ان دیکھی آسیبی بلاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا ہو۔

اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اپنے جسم کو دیکھا اور خوف سے جھرجھری لے کر ساکت ہو گئی۔ خیالات کی مکڑی نے اس کے ذہن میں عجیب وغریب جالے بننے شروع کر دیئے۔ یہ اس کے جسم کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کے جسم سے ریشمی بالوں کی وہ ردا کہاں غائب ہو گئی؟ یہ ریشمی بال جو اسے سردیوں میں گرم رکھتے تھے اور گرمیوں میں تیز دھوپ کی تپش سے بھی اسے محفوظ رکھتے تھے۔ اس نے دہشت زدہ انداز میں اپنا ہاتھ اٹھایا۔ یہ ہاتھ بھی اس کا اپنا ہاتھ نہ تھا پھر اس نے کروٹ بدل کر گھٹنوں کو پیٹ کی سمت سمیٹا اور پنجوں کو دیکھا۔ کیسی عجیب تبدیلی تھی۔ اس کا تو سراپا ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے پچھلے پیروں کو چاٹنا چاہا مگر......مگر...... آج اس کی ریڑھ کی ہڈی کا وہ لوچ غائب ہو چکا تھا۔ اس نے بہتیری کوشش کی مگر اس کا منہ ناخنوں تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور پنجوں کو پھیلا کر دیکھا۔ ان پنجوں میں اُسے اپنے انگوٹھے بڑے عجیب لگے۔ یہ ٹھنڈ نما چیز پہلے اس کے جسم کا حصہ نہ تھی۔ اس کی ہیئت اور جسمانی ساخت یکسر بدل گئی تھی۔ وہ لیٹی رہی اور اپنی اس عجیب وغریب ہیئت کے متعلق اپنے حیوان ذہن سے سوچتی رہی۔ لیکن اس کی محدود حیوانی فکر، جسمانی ساخت میں اس تبدیلی کا کوئی جواز تلاش نہ کر سکی پھر اس کی پیٹھ پر کسی موٹے سے چیونٹے نے کاٹا۔ اس نے تلملا کر اپنی دم پیٹھ پر مارنی چاہی۔ مگر بے سود پھر اس کا ہاتھ بے اختیارانہ پیٹھ پر گیا۔ اس کی انگلیاں ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ پھسلتی ہوئی نیچے تک چلی گئیں۔ ریڑھ کی ہڈی ختم ہو گئی۔ اُف! اس کی گھنی ملائم بالوں والی دم بھی غائب تھی۔ کتنا بڑا نقصان تھا یہ۔

پھر اس نے قریب ہی پڑے ہوئے ایک بھاری پتھر سے رگڑ کر اپنا ہاتھ زخمی کر لیا اور زخم سے چھلکتے ہوئے خون کو سرخ زبان سے چاٹا۔

اس کے دل کی دھڑکن رک گئی۔

اُس کے خون کا ذائقہ بدلا ہوا تھا۔

یہ بھیڑیئے کا خون تو نہ تھا۔

ابھی وہ اُسی ادھیڑ بُن میں تھی کہ اس کے نتھنوں سے ریچھ کی بدبو آ ٹکرائی۔ عام حالات میں وہ شاید ریچھ سے اتنی خوفزدہ نہ ہوتی۔ مگر آج نہ تو اس کے جسم پر بالوں کی ڈھال تھی۔ نہ اس کے پنجوں میں فولادی رنگ کے نیلگوں سیاہی مائل تیز نوکیلے ناخن تھے۔ وہ چوکنا ہوگئی۔ گہرے گہرے سانس لے کر پھر ریچھ کی بو کو سونگھا کہ اس سمت کا اندازہ لگائے کہ جدھر سے یہ بدبو آرہی تھی۔ وہ جھرجھری لے کر چاروں ہاتھ پیروں کے بل کھڑی ہوگئی اور وہاں سے بھاگی مگر آج اس کے پیر زمین کو نہ پکڑ رہے تھے۔ زمین پر بکھرے ہوئے پتھر اور کنکر اس کی ہتھیلیوں اور تلوؤں میں چبھ رہے تھے۔ مگر وہ بھاگتی رہی۔ اسی دوران اس نے اپنے پیچھے ایک بڑے ریچھ کو تیزی سے لپکتے ہوئے دیکھا۔ وہ پھر بھاگی۔ مگر آج نہ تو وہ زقند بھر سکتی تھی۔ نہ اس کی رفتار میں وہ پہلی سی پھرتی تھی۔

اور پھر سیاہ دیو قامت ریچھ نے اسے آ ہی لیا۔ اس نے ریچھ کی گرفت سے نکلنے کی بے حد کوشش کی اپنے پنجوں سے اس کا منہ نوچنا چاہا۔ اپنے دانتوں سے ریچھ کو بھنبھوڑنے کی کوشش کی۔ اس نے ریچھ پر ہر وہ حربہ آزمایا جو قدرت نے حیوانوں کو اپنے بچاؤ کے لیے دیا ہے۔ مگر آج اس کا کوئی حربہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ اس کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ اور ریچھ اسے اپنی گرفت میں لئے بھاگتا رہا۔ اور پھر اس کی مدافعت دم توڑ گئی۔

ریچھ..... حسن پرست حیوان اس کے جسم سے کھیلتا رہا اس کے جسم کو چاٹتا رہا۔ اس کے حیوانی ذہن پر خمار کی دھند چھائی ہوئی تھی۔

اس نے خود کو ریچھ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس کے منہ سے سسکاریاں ابل رہی تھیں۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور پھر ریچھ نے نامعلوم اسے کس طرح اپنی گرفت میں لے کر اس طرح بے بس کر دیا کہ وہ اپنے اجنبی جسم کو اپنی مرضی کے مطابق جنبش بھی نہ دے سکتی تھی۔ اس کی کیفیت گدھ کے پنجوں میں ایک بے بس چڑیا کی سی تھی جو اپنی مرضی سے چڑیا کے جسم کے جس حصے کو چاہتا ادھیڑ سکتا تھا۔ وہ درد سے بے چین ہوگئی۔

پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اُسے کچھ احساس نہ رہا کہ وہ کہاں ہے۔

البتہ ذہن کے اتھاہ تاریکیوں میں ڈوبنے سے قبل اس نے غار کے دھانے پر دو ٹانگوں والے جانوروں کی ملی جلی آوازیں سنی تھیں۔ پھر ایک تیز روشنی سے غار جھلملا اٹھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک تیز خوف ناک، دھائیں کی آواز ہوئی تھی۔

یہ ویسی ہی آواز تھی۔ جس کے ساتھ اس نے جنگل میں رہنے والے اپنے کئی ساتھیوں کو گرتے دیکھا تھا۔ پھر اُن کے جسم سے خون ابلنے لگتا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتے تھے۔

☆......☆

یہ اُسی دن کا واقعہ ہے۔

موسم کے تیور اچانک بگڑ گئے تھے۔ نصف صدی ادھر اگر موسم یہ رُخ اختیار کرتا تو بڑی بوڑھیاں پہلوٹھی کے بچوں، نو بیاہتا دلہنوں، شیر خوار بچوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کو کوٹھریوں اور کمروں

میں بند کر لیتیں کہ کہیں وہ اندھیاؤ کے پہلے جھونکوں کے ساتھ آنے والی بلاؤں، چڑیلوں اور ڈائنوں کے اثر میں نہ آ جائیں۔

کئی دن کی سخت گرمی اور شدید حبس کے بعد، صبح کے وقت پورے افق پر زرد ریت کی چادر پھیلی پھر یہ چادر بلند ہونے لگی اور اُس کے ساتھ ہی اس میں چیلیں، کوے، قازیں اور ابابیلیں، نہایت بدحواسی کے عالم میں پچھم کی سمت پرواز کرنے لگے۔ یوں گویا کوئی خوف ناک خونی پرندہ ان کے تعاقب میں ہے۔ پھر افق پر تنی ہوئی یہ زرد چادر ہر طرف پھیل گئی۔ سارے ماحول کو اس نے ملفوف کر لیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آندھی کے جھکڑوں کے ساتھ ریت کے ذروں نے ہر طرف شہر پر یورش کر دی۔ قیامت صغریٰ برپا ہوگئی۔ بڑے بڑے درخت زمین بوس ہوگئے۔ کچے مکانوں کی چھتیں اڑ گئیں، ٹین کی چادریں کٹی ہوئی پتنگوں کی مانند آسمان میں اڑنے لگیں، توڑ پھوڑ، چھناکے، زناٹے، اور شور و غوغا کی خوف ناک آوازوں نے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کئی افراد تیز و تند ہواؤں کے ریلوں میں اڑ گئے۔ یوں لگتا تھا گویا اندھیاؤ کا سب سے زیادہ زور شہر کی اس مضافاتی بستی میں تھا اور اس کا مرکز ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی بنی ہوئی تھی۔

جس وقت اندھیاؤ، کی یورش شروع ہوئی۔ ڈاکٹر فرقان کی بیوی کامنی برآمدے میں کھڑی تھی۔ اس کا شیر خوار بچہ سامنے ایک گھنے درخت کے سائے میں کھڑی ہوئی اپنی چھوٹی سی گاڑی میں بیٹھا تھا، اس کے سامنے کئی رنگ برنگے کھلونے پڑے ہوئے تھے۔ آیا ابھی کامنی سے کہہ کر اندر پانی پینے گئی تھی۔ اندھیاؤ نے اچانک ہی آ لیا تھا۔ کامنی اپنے بچے کو اٹھانے کے لیے باہر بچے کی گاڑی کی طرف بھاگی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ گاڑی کے پاس پہنچتی اسی اندھیاؤ کے درمیان ریت اور ہوا کا ایک مرغولہ تیزی سے ناچتا، چکراتا، اور گھومتا ہوا ایک سمت سے آیا اور بچے کو گاڑی سمیت اپنی آغوش میں سمیٹتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''میرا بچہ......''

پوری شدت کے ساتھ کامنی کی چیخ ابھری۔ گاڑی بچے سمیت مرغولے میں بلند ہوتی چلی گئی۔

''میرا بچہ......''

کامنی کے منہ سے ایک فریاد ابھری مگر وہ بھی آندھی کے شور میں دب گئی۔ آندھی نے پھر زور پکڑا اور پھر تو گویا قیامت برپا ہوگئی۔ کھڑکیوں، دروازوں اور دریچوں کے زور زور سے کھلنے اور بند ہونے کی پرشور آوازیں، شیشے ٹوٹنے کے چھناکے، مختلف چیزوں کے ہوا میں اڑاڑ کر ٹکرانے اور ٹوٹنے کی آوازیں، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کامنی آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔ دیکھتی رہی۔ اور پھر وہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔

یہ قیامت پانچ منٹ جاری رہی پھر اچانک یہ سب کچھ ختم ہوگیا۔ زرد ذرے ایک دم زمین پر بیٹھ گئے۔ تیز ہوا نے گویا دم سادھ لیا۔ سناٹا، خاموشی اور گہرا سکوت، ہر چیز پر ریت کی ہلکی ہلکی تہہ بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی پر موت کا مہیب سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کامنی لان کے سبز مخملیں فرش پر بے

ہوش پڑی تھی، اس کے چہرے پر خوف اور ہیبت کے آثار منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ آیا جو آندھی کے آتے ہی باہر لپکی تھی۔ دیوار پر لگی ہوئی ایک بڑی تصویر کے گرنے اور بھاری فریم کی شدید ضرب سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ہوش میں آتے ہی سر پکڑ کر باہر آئی۔ کامنی کو بے ہوش پا کر اس نے نوکروں کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر باورچی خانے میں پہنچی۔ جہاں باورچی زخمی پڑا تھا۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اور باورچی خانے کی کھڑکی کا ایک پٹ اکھڑا پڑا تھا۔ آیا دیوانہ وار نوکر کو آوازیں دیتی باہر آئی...... اور مالی کی کوٹھری کی طرف لپکی۔ کوٹھری ڈھے چکی تھی۔ پوری چھت مالی پر آ پڑی تھی۔ اس کا تمام جسم ملبے میں دبا ہوا تھا۔ صرف منہ ملبے سے باہر تھا۔ اس کی زبان باہر آ گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور ہونٹوں کے گوشوں سے گاڑھا گاڑھا خون نکل کر زمین میں جذب ہو رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر آیا پھر چیختی چلاتی واپس آئی، وہ اب بھی نوکر کو آوازیں دے رہی تھی۔ مگر اب یہ آوازیں بے معنی بن گئی تھیں۔ اس کے منہ سے کوئی لفظ صاف اور واضح نہ نکل رہا تھا۔ مختلف الفاظ آپس میں گڈمڈ ہو کر بڑے بے ہنگم اور بے معنی شور میں بدل جاتے تھے۔

وہ پھر بے ہوش کامنی کے پاس آئی اور پھر اچانک اس کی نظریں آسمان کی سمت اٹھ گئیں۔ جہاں بچے کی گاڑی اب بھی مرغولے میں چکرا رہی تھی اور عین اسی لمحہ آسمان میں اسی مرغولے میں ایک انتہائی خوف ناک، روح فرسا اور لرزہ خیز منظر نے جنم لیا۔ وہ اس خونین منظر کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان کی حالت بے حد خراب تھی۔ اُس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اُس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ قدرت نے کسی خطا پر اس سے یہ بھیانک انتقام لیا ہے۔ اس کا بھرا پرا گھر اُجڑ گیا تھا۔

اس کی کامنی جسے اُس نے اپنے وجود کی تمام سچائیوں کے ساتھ، اپنے احساسات کے تمام تر خلوص سے چاہا اور اپنایا تھا اور اس کا بچہ امان، جس کی کلکاریوں سے اس کا خون بڑھتا تھا اور جو غوں غاں کرتا اس کی طرف اپنے ننھے منے ہاتھ بڑھا کر اس کی آغوش میں آتا تھا آج یوں اچانک اس سے بچھڑ گئے تھے۔ اور اب اُس کے پاس کیا رہ گیا تھا۔ اپنا وجود، جو اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا، جسم جو بے روح رہ گیا تھا۔ زندگی جس کا تمام حسن ختم ہو چکا تھا، اور دل جو غم و اندوہ کا گہوارہ تھا۔ اور ذہن جہاں ماضی کی یادوں کی چتائیں بھڑک رہی تھیں۔ ماضی جو صبح تک پر مسرت حال تھا اب محض ایک یاد، ایک خلش بن کر اس کے دل میں پھانس بن کر کھٹک رہا تھا۔

”کسے معلوم تھا۔“ اُس نے گہرا سانس لے کر دل ہی دل میں کہا۔ ”یہ سب کچھ یوں ماضی کی سرد قبر میں دفن ہو جائے گا۔“

وہ قبرستان میں ایک پکّی قبر کے پشتے پر بیٹھا بارش میں بھیگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ویران سی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سامنے پیڑ کے نیچے رکھی ہوئی کامنی اور امان کی میتوں کو ٹکٹکی باندھے گھور رہا

تھا۔ کفنائی ہوئی لاشیں میتوں کی چارپائیوں پر رکھی تھیں۔ جنہیں بارش سے بچانے کے لیے اوپر ترپال ڈال دی گئی تھی۔

اس وقت میتوں کو قبر میں اتارنا ناممکن تھا۔ بارش اتنی شدت سے ہو رہی تھی کہ مستقل پانی اُلیچنے کے باوجود بھی قبریں پانی سے بھر جاتی تھیں۔ آسمان سے چھاجوں پانی برس رہا تھا۔ عجیب سا موسم تھا۔ چاروں طرف بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور آسمان کے وسط میں بادل اس طرح پھٹے ہوئے تھے گویا کسی نے ان کو چھری سے کاٹ دیا ہو۔ اس حصے میں چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا کھلی ہوئی چاندنی میں نتھری ہوئی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ چاندنی پانی کے گرتے ہوئے قطروں میں پگھل پگھل کر زمین پر آ رہی تھی۔

بارش، بادل اور چاندنی...... ان تینوں نے ماحول کو بڑا پراسرار اور غیر فطری سا بنا دیا تھا۔ اور ان کے درمیان ہوا سسکیاں لے رہی تھی۔ مگر ڈاکٹر فرقان اس تمام ماحول سے بے پرواہ ایک پکی قبر کی منڈیر پر بیٹھا بھیگ رہا تھا۔ اور جنازے کے ساتھ آئے ہوئے اس کے دوست اور ساتھی ایک گھنے درخت کے نیچے سمٹے ہوئے تھے۔ جن کے چہروں پر پیڑ کے پتوں سے چھن چھن کر آنے والی چاندنی نے برص کے داغ جیسے دھبے بُن دیئے تھے۔ اور کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ڈاکٹر فرقان کو دلاسہ دیتا۔

ڈاکٹر فرقان نے ایک مرتبہ پھر دن بھر کے ناقابل یقین اور بعید از فہم واقعات کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ آندھی آنے کے بعد اس نے بار بار گھر فون کیا تھا۔ مگر دوسری طرف کوئی جواب نہ ملا۔ صرف گھنٹی بجنے کی آواز اسے سنائی دیتی رہی۔ پھر وہ نہایت بدحواسی کے عالم میں گھر پہنچا تھا۔

مگر کیا وہ گھر تھا......؟

یہ اُس کا گھر تو نہ تھا جہاں خوشیاں بکھری رہتی تھیں۔ جہاں کامنی کا کومل وجود اسے بے حد آسودگی بخشتا تھا۔ جہاں کامنی کی محبت بھری رسیلی باتیں اسے انجانی دنیا کی مسرتوں سے ہمکنار کیا کرتی تھیں، جہاں ننھے امان کی غوں غاں کی نغمگی بکھری رہتی تھی۔ یہ گھر تو نہ تھا؟ یہ اس کی خوشیوں کا مسکن تو نہ تھا۔ یہاں تو ہر طرف موت تھی اور تباہی تھی اور سناٹا تھا۔ یہ تو موت اور غم و اندوہ کا مرکز تھا۔ یہاں زندگی دم توڑ چکی تھی۔ اور نغمہ آوارہ ہو کر گم ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر فرقان نے فوراً ہی فون کر کے ہسپتال سے ایمبولینسیں منگوائی تھیں۔ کامنی، آیا، باورچی اور ایک نوکر کو بے ہوشی کے عالم میں مالی کی لاش کے ساتھ ہسپتال بھجوایا تھا۔ پھر اس نے تمام گھر چھان مارا، مگر ننھا امان اسے کہیں نہ مل سکا۔

ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی میں ہونے والے خونی اور المناک واقعات کی خبر آس پاس کے علاقے میں تیزی سے پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لوگوں کا مجمع لگ گیا۔ پھر جب لوگوں کو ننھے امان کی گمشدگی کے بارے میں علم ہوا تو کسی لڑکے نے قریبی میدان میں ایک ننھی سی لاش کی اطلاع دی۔

یہ لاش امان کی ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر فرقان نے لاش کو اس کے ہاتھ کے تل سے پہچانا تھا۔ لاش سر بریدہ تھی۔ اس کی کیفیت

بڑی عجیب تھی گردن کے قریب کٹا ہوا گوشت بالکل سفید تھا۔ یوں لگتا تھا گویا کسی نے گردن کاٹ کر خون پی لیا ہو اور بعد میں دیر تک کٹی ہوئی گردن کو چوستا رہا ہو۔ لاش کے پاس ہی بچے کی گاڑی تڑی مڑی حالت میں پڑی تھی۔ گاڑی کی حالت ایسی تھی گویا کسی نہایت طاقتور وجود نے اسے پنجوں میں لے کر پوری قوت سے بل دے دیا ہو۔

وہ کوئی نامعلوم قوت ہی تھی جس نے ڈاکٹر فرقان کو اپنے بیٹے کی سربریدہ لاش دیکھنے کے باوجود بھی بے ہوش نہ ہونے دیا۔

بس اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے رہے اور سسکیاں ابلتی رہیں۔

کامنی سہ پہر کے وقت بے ہوشی کے عالم ہی میں مرگئی تھی۔

ڈاکٹر فرقان اس وقت کامنی کے قریب ہی موجود تھا۔ مرتی ہوئی کامنی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور کامنی کے منہ سے بار بار صرف یہ بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔

''میرا بچہ...... بچاؤ...... اُسے بچاؤ...... خدا کا واسطہ اسے بچاؤ...... ارے وہ اڑ گیا...... پکڑو اسے......''

آیا ہوش میں آ گئی تھی مگر اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ پہلی مرتبہ ہوش میں آتے ہی وہ چلائی۔

''ارے وہ کھا گئی۔ وہ سر کھا گئی......'' یہ کہہ کر وہ بے ہوش ہو گئی۔ دوسری مرتبہ ہوش میں آنے کے بعد اُس نے پھر یہی رٹ لگائی۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد تھا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کے آثار تھے اور اس کے منہ سے یہی الفاظ نکل رہے تھے۔ ''وہ کھائے جا رہی ہے...... وہ خون پی رہی ہے۔'' پھر یہ تمام الفاظ باہم گڈمڈ ہو کر بے معنی چیخ و پکار میں تبدیل ہو گئے۔

باورچی بے ہوش تھا۔ اس کے سر میں شدید ضرب آئی تھی اور بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اور نوکر...... وہ صرف یہ بتا سکا تھا کہ وہ اسٹول پر کھڑا گھڑی میں چابی دے رہا تھا۔ کہ تیز ہوا کے جھکڑ نے اس کے قدم اکھاڑ دیئے تھے۔ وہ نیچے آ رہا تھا۔ اس کی پیشانی کھڑکی کی نگر سے ٹکرا گئی تھی۔ پر اسے کچھ خبر نہ رہی تھی۔

ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں یہ تمام واقعات چند لمحوں کی رفتار کے ساتھ آئے اور گذر گئے۔

اب اس کا ذہن پھر موجودہ ماحول میں واپس آ گیا تھا۔ وہی قبرستان تھا۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ اس کے عزیز واقارب اور دوست احباب قبرستان میں موجود تھے۔ کامنی اور امان کی لاشیں تدفین کی منتظر تھیں۔ قبروں سے اب بھی پانی الیچا جا رہا تھا۔

اور اچانک بارش کی شدت میں کمی آ گئی۔ موسلا دھار بارش پھوار میں تبدیل ہو گئی۔ ہوا کے جھونکے تیز ہو گئے۔ تیز پچھوا نے بادلوں کو منتشر کرنا شروع کر دیا۔ قبروں سے تیزی سے پانی الیچا جانے لگا۔

آسمان پر چاند پوری آب و تاب سے حکمراں تھا۔ سوگوار چاندنی میں پہلے کامنی کی اور پھر امان کی سربریدہ لاشیں قبروں میں اتار دی گئیں۔

اور عین اس وقت جبکہ قبروں کو بند کیا جا رہا تھا آسمان بادلوں سے صاف ہو گیا۔

ڈاکٹر فرقان نے قبروں کو مٹی دیتے ہوئے زندگی کی بے ثباتی کے بارے میں سوچا۔ وہ کامنی جس کے چہرہ پر وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ آج اس کے لیے ڈاکٹر فرقان کے پاس مٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ڈاکٹر فرقان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہے اور مٹی میں جذب ہوتے رہے۔

آسمان میں چاند اب بھی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔

☆......☆

اور جب چاروں شکاری اس بے ہوش عورت کو لے کر سول ہسپتال پہنچے تو ایمرجنسی میں موجود ڈاکٹر اور نرس اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''مسز فرقان......''

نرس کے منہ سے بے اختیارانہ نکلا۔

''مگر وہ تو......''

ڈاکٹر اعجاز نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

شکاریوں کا بیان تھا کہ وہ پرتاب گڑھ کے جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ رات کے وقت وہ درندوں سے بچنے کے لیے مچان پر بیٹھے بارش میں بھیگ رہے تھے کہ اچانک انہیں پے در پے کربناک چیخیں سنائی دیں اور انہی کربناک چیخوں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ ایک غار میں پہنچے تھے۔ جہاں انہوں نے اس عورت کو ریچھ کی گرفت میں بے بس دیکھا تھا۔ اور پھر انہوں نے ریچھ پر پے در پے کئی فائر کئے اور یوں اس عورت کو ریچھ کی گرفت سے نجات دلائی تھی۔

باقی تفصیلات نہایت ہولناک تھیں۔ ریچھ نے اس عورت کو اپنی ہوس کا شکار بنایا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ خراشوں سے خالی نہ تھا۔ یوں لگتا تھا گویا اس کے نرم و نازک سفید مرمریں جسم کو کسی نے ریتی سے رگڑ دیا ہو۔

وہ کس طرح اس غار میں پہنچی تھی۔ چاروں شکاری اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے تھے۔ شکاریوں کا کہنا تھا کہ اس عورت کی حالت دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئے تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنا تمام سامان پیک کیا اور عورت کو جیپ میں ڈال کر جنگل سے سیدھے شہر آئے اور سول اسپتال پہنچے تھے۔

چاروں شکاری اپنا نام پتہ لکھوا کر واپس جا چکے تھے۔ اسپتال میں اس نئی مریضہ کی آمد کی خبر پھیل چکی تھی۔ تمام ڈاکٹر اور نرسیں ایمرجنسی میں موجود تھے۔ فوری طور پر ضروری انجکشن وغیرہ لگانے کے بعد اس نئی مریضہ کو ایک نئے کمرے میں لے جایا گیا۔ ڈاکٹر اور نرسیں اس کے جسم کو آلودگی سے صاف کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس کا جسم خون سے لت پت تھا۔ ہر جگہ خراشیں تھیں۔ صرف اس کا چہرہ خراشوں سے پاک تھا۔ لیکن چہرے پر بے ہوشی کے باوجود اذیت کے آثار منجمد تھے۔

ڈاکٹروں کے لیے اس نئی مریضہ کی مختلف طبی رپورٹیں بھی حیرت انگیز تھیں۔ اس کی نبض میں انسانی نبض کی سی باقاعدگی نہ تھی۔ اس کا دورانِ خون، انسانی دورانِ خون کے مطابق نہ تھا۔ دل کی دھڑکن کا بھی یہی عالم تھا۔ اور سب سے بڑھ کر حیرت انگیز رپورٹ اس کے خون کے بارے میں تھی۔

اس کا خون اب تک دریافت شدہ انسانی خون کے کسی ٹائپ کے ذیل میں نہ آتا تھا۔ لیبارٹری رپورٹ کے مطابق اُس مریضہ کے خون میں کوئی خصوصیت انسانی خون کی نہ تھی بلکہ اس میں درندوں اور خون پینے والے جانوروں کی خصوصیات موجود تھیں۔

تمام حالات، واقعات، اور رپورٹوں کی روشنی میں سول ہسپتال کے ڈاکٹروں کے اس بورڈ نے جو متفقہ رائے قائم کی تھی وہ یہ تھی۔

''تمام آثار و شواہد، واقعات اور طبی رپورٹوں کے نہایت جائزے اور مطالعے کے بعد ہمارے قیاسات اور اندازے مندرجہ ذیل ہیں۔

1: اس نامعلوم مریضہ نے بچپن ہی سے درندوں میں پرورش پائی ہے، اس نے حیوانی دودھ پیا ہے، اس کی پرورش کچے گوشت اور خون پر ہوئی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ خونی درندوں کی طرح گوشت خور ہے۔

2: شکاریوں کا یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے کہ مریضہ کی بے ہوشی ریچھ کی ہوس کا سبب ہے۔ اس کے طبی معائنہ کی رپورٹ اسی نظریہ کو تقویت پہنچاتی ہے۔

3: ہمارے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے کہ اگر اس مریضہ نے جیسا کہ آثار و شواہد سے ظاہر ہے، ابتداء ہی سے درندوں میں پرورش پائی ہے تو اس کے بال اتنے سلجھے ہوئے، صاف اور ملائم کیوں ہیں، اس کے ناخن اتنی خوبصورتی سے تراشے ہوئے کیوں ہیں۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں کیوں نہیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تلوے اور ہتھیلیاں اس قدر نرم کیوں ہیں۔

4 آخر میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مریضہ ہمارے رفیق کار ڈاکٹر فرقان کی اہلیہ سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔ اور مسز فرقان کا انتقال کل ہی ہوا ہے۔

5: ممکن ہے کچھ سوالوں کا جواب مریضہ کے ہوش میں آنے کے بعد مل جائے۔'' ویسے اس کی امید کم ہی ہے۔''

ڈاکٹروں کی مکمل راز داری کے باوجود اس نامعلوم مریضہ کی خبر شہر میں پھیل گئی۔ ہسپتال میں لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ اور پھر یہ ہجوم اتنا بڑھا کہ ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹر کو پولیس طلب کر لینا پڑی۔

اس کے ساتھ ہی اخباری رپورٹروں اور فوٹو گرافروں نے بھی ہسپتال پر یلغار کر دی۔ ڈاکٹروں نے عام لوگوں سے تو جان بچالی تھی۔ مگر ان اخبار والوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ آخر کار ایڈمنسٹریٹر نے اس یلغار سے بچنے کے لیے ایک پریس کانفرنس میں تمام تفصیلات بتا دیں۔ ساتھ ہی میڈیکل بورڈ کے فیصلے کی نقلیں بھی پریس کانفرنس میں اخباری رپورٹروں کو تقسیم کر دی گئیں۔ تاہم ان نقل میں رپورٹ کا وہ حصہ حذف کر دیا گیا تھا جس میں مریضہ اور مسز فرقان کی مشابہت کا تذکرہ تھا۔ اور ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ ڈاکٹر فرقان کو اس صدمے کے بعد جو ایک دن پہلے اس پر گذر چکا تھا۔ کسی اور صدمے سے دوچار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اخباری فوٹو گرافروں کا اصرار تھا کہ مریضہ کی فوٹو بھی لی جائے مگر ایڈمنسٹریٹر نے انکار کر دیا اور اس کے لیے مریضہ کے ہوش میں آجانے تک اپنی معذوری کا اظہار کیا۔

مگر ڈاکٹروں کی یہ کوشش بے سود رہی۔

اگلے دن شائع ہونے والے ایک اخبار ''صبح نو'' نے بڑے فخر کے ساتھ اپنے نمائندے ''شریف عثمانی'' کے نام سے ڈاکٹروں کے بورڈ کی رپورٹ کا وہ حصہ بھی شائع کر دیا۔ جس میں نامعلوم مریضہ اور ڈاکٹر فرقان کی مشابہت کا ذکر تھا۔ ساتھ ہی اس اخبار نے کسی تقریب کے گروپ فوٹو سے مسز فرقان کی تصویر لے کر اس کا انلارجمنٹ بھی شائع کر دیا تھا۔ اور تصویر کے نیچے یہ کیپشن درج تھا ''مسز فرقان...... نامعلوم مریضہ انہی کی ہمشکل ہے۔'' اس خبر میں بھی لکھا تھا کہ نمائندے شریف عثمانی نے ڈاکٹر فرقان سے بھی رابطہ قائم کرنے کی بے حد کوشش کی مگر وہ نہیں مل سکے۔ وہ گذشتہ روز اپنی اہلیہ اور بچے کو سپرد خاک کرنے کے بعد ابھی تک اپنی کوٹھی پر واپس نہیں پہنچے۔

''صبح نو'' نے اس کے ساتھ ہی چاروں شکاریوں کے انٹرویو بھی شائع کیے تھے اور ان شکاریوں کے شکریہ کے ساتھ اس غار کی تصویریں بھی شائع کی تھیں جہاں نامعلوم مریضہ پائی گئی تھیں۔ ان میں وہ تصاویر بھی شامل تھیں جو ایک شکاری نے ریچھ کو گولی مارنے کے بعد اتاری تھیں۔

اس خبر میں ''صبح نو'' نے اس دن باقی تمام اخباروں کو پیٹ دیا تھا۔

☆......☆

مریضہ کو دیکھنے کے بعد ڈاکٹر فرقان نڈھال سا ہو گیا۔

وہ ''صبح نو'' کی خبر پڑھ کر ہسپتال پہنچا تھا۔ اور پھر جب اس نے بیڈ پر لیٹی ہوئی مریضہ کو دیکھا تو اس کے منہ سے بے ساختہ ''کامنی'' کا لفظ نکلا جس میں حیرت اور اچنبھے کا عنصر نمایاں تھا۔

مریضہ کو غور سے دیکھنے کے بعد اسے یوں لگا گویا اس کی تمام جسمانی قوت سلب ہو کر رہ گئی ہو۔ وہ اپنی جگہ بھونچکا ہو کر ساکت کھڑا رہ گیا۔ اس کی ٹانگیں لرز کر رہ گئیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ یہ آنسو خوشی کے تھے یا غم کے اس کے بارے میں دوسرے تو کیا ڈاکٹر فرقان کچھ نہ بتا سکتا تھا۔

اس نے غور سے مریضہ کو دیکھا۔ اور مریضہ کے لیے اپنے دل میں چاہت اور اپنائیت کا احساس موجزن پایا۔ اور اسی لمحہ اس نے سوچا ''کیا یہ خود غرضی ہے...... ؟ کیا محبت صرف چہرے سے ہوتی ہے۔'' اور پھر خود ہی اس نے ان سوالوں کا جواب دیا۔ ''نہیں محبت کا چہرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' اس کے باوجود وہ مریضہ کی طرف سے اپنے دل میں لاتعلقی محسوس نہ کر سکا۔

ڈاکٹروں اور نرسوں نے اس کی محویت اور بے خودی کو دیکھا اور اسے سہارا دے کر مریضہ کے بیڈ کے قریب ہی پڑی ہوئی ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

کامنی، جسے وہ پرسوں رات ہی اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے دبا کر آیا تھا۔ اس کے سامنے لیٹی تھی۔

''مگر کیا یہ واقعی کامنی تھی...... ؟'' اس نے پھر خود سے سوال کیا۔ ''نہیں یہ کامنی نہیں ہو سکتی۔'' تو پھر یہ کون ہے؟ ڈاکٹر فرقان کا ذہن ایسے ہی لاتعداد سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

اور جب ایک نرس نے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو وہ اپنی اس کیفیت سے نکلا۔

''آئی ایم سوری۔''

اس نے گلاس لے لیا اور ایک ہی سانس میں تمام پانی غٹا غٹ پی گیا۔

ٹھنڈے پانی نے اس کے اعصاب اور ذہن پر خوشگوار اثر ڈالا۔ جذباتی ہیجان کی جو کیفیت اس پر طاری تھی۔ ختم ہوگئی۔ اب اُس میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہوگیا تھا۔

اس نے پھر بے ہوش نا معلوم مریضہ کو دیکھا اور منطقی انداز میں سوچنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کامنی اور امان کی موت کا زخم ابھی مندمل ہی کہاں ہوا تھا کہ اس کامنی کی ہمشکل مریضہ نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا تھا۔

اس غم کی کسک اور چبھن کچھ اور تیز ہوگئی۔

کامنی کی ہمشکل بے ہوش تھی۔ اس کی بے ہوشی، نقاہت اور ذہنی صدمے کا نتیجہ تھی۔ اس وقت بے ہوشی کے عالم میں اس کے چہرے پر وہی معصومیت کھیل رہی تھی۔ جو سوتے میں کامنی کے حسن کو دوبالا کر دیتی تھی۔ اس کے دونوں گالوں میں وہی حسین گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ وہی آوارہ، سیاہ، ریشمی بال، ان بالوں کو وہ ساون کی گھٹاؤں سے تشبیہہ دیا کرتا تھا۔

''دیکھو کامنی بیگم...... '' ایک مرتبہ اُس نے کہا تھا۔ ''میں شاعر ادیب تو ہوں نہیں۔ اور تمہارے حسن کی تعریف کے لیے تو شاید ادیبوں اور شاعروں کا فن بھی ہیچ رہے۔ اور تمہارے بال جو ہیں نا، وہ نیچے گھاٹی پر پھیلی ہوئی اودی اودی گھٹائیں دکھ رہی ہو۔ اور یہ مانگ...... وہ نیچے وادی میں بہتی ہوئی پہاڑی ندی کی چمکتی ہوئی نقرئی لکیر دکھ رہی ہو۔''

''تم مجھے مغرور بنا دو گے فرقان!'' کامنی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اس نے نرم و نازک ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر مخروطی انگلیوں کو چوم لیا تھا اور کامنی نے اس کے چوڑے چکلے سینے سے سر ٹکا کر کہا تھا۔ ''میں چاہتی ہوں کہ لوگ دنیا بھر کا حسن، اچھائیاں اور خوبیاں صرف تمہاری ذات میں دیکھیں۔ میں تمہاری داسی ہوں فرقان مجھے دیوی کا درجہ نہ دو۔''

کس قدر خلوص تھا ان جملوں میں، کتنی اپنائیت تھی اور کتنا پیار تھا۔ کامنی ہمیشہ اس سے اس انداز میں گفتگو کرتی تھی۔ ڈاکٹر فرقان نے بڑے دکھ کے ساتھ کامنی کے ساتھ گذرے ہوئے اس لمحہ کو بڑی عقیدت سے یاد کرتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔ ''مگر آج تم میرے لیے واقعی دیوی بن گئی ہو۔ میری دسترس اور پہنچ سے دور پھر اس نے مریضہ کو دیکھا۔ مریضہ نا معلوم، گمنام، عین مین کامنی کی شکل، اس کی اپنی کامنی کی مانند، نازک و نرم اور معصوم، ہی بڑی بڑی غلافی آنکھیں۔ بے قرار اور چمکیلی جھیل کی طرح گہری، پہاڑی جھرنے کے گرتے ہوئے جھاگ اڑاتے پانی کے قطروں کی طرح شفاف۔

''کامنی یوں اتنی وحشت سے مجھے نہ دیکھا کرو۔ تمہاری آنکھوں کا سحر ان کی کشش، ان کا طلسم کسی دن مجھے پاگل کر دے گا۔''

''یہ تم کبھی کبھی کیسی باتیں کرنے لگتے ہو فرقان!'' کامنی نے کہا تھا۔ ''تمہیں پسند نہیں تو حکم دو ابھی پھوڑے لیتی ہوں ان آنکھوں کو۔''

''نا...... نا...... نا'' کہہ کر اس نے کامنی کی آنکھوں کو چوم لیا تھا۔ ''مجھے یہ آنکھیں، یہ چمکتے ستارے، ان کی ان کہی باتیں، ان سے پھوٹتی ہوئی محبت کی کرنیں، ان میں منعکس ہوتی ہوئی اپنی تصویر، یہ سب بے حد پسند ہیں۔ تمہیں کیا پتہ، یہ آنکھیں میری کتنی بڑی دولت ہیں۔''

''کیا واقعی......''

''ہوں......''

''اور آج میں بالکل کنگال ہوگیا ہوں۔ میری تمام پونجی لٹ گئی ہے۔ میری تمام خوشیاں بھی چھن گئی ہیں۔ میں بری طرح بکھر گیا ہوں کامنی! کون ہے جو اس بکھرے ہوئے وجود کو سمیٹے گا۔ کون مسیحائی کرے گا......؟''

ڈاکٹر فرقان بے ہوش مریضہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو اس نے نہایت غور سے دیکھا تھا۔ اور اس میں کامنی کے چہرے کے نقوش سے سر مو فرق نہ پایا تھا۔

ہونٹ...... گلاب کی کلیاں، پتلے پتلے، تراشیدہ ہونٹ، شہد میں ڈوبے ہوئے سرخ یاقوتی ہونٹ۔ ان ہونٹوں کا انداز تخاطب کتنا عجیب تھا۔ ایک جھرنا تھا کہ اپنی موسیقیت کے ساتھ رواں رہتا تھا۔

مگر آج یہ جھرنا سوکھ گیا ہے۔ وہ نغمہ مر گیا ہے۔ وہ رومان پرور وادی اجڑ گئی ہے۔ ہر طرف ویرانی ہے، خاک اڑ رہی ہے، ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر ہیں۔ کامنی بیگم یہ خزاں کیوں بکھیر دی ہے تم نے میری زندگی میں۔

ڈاکٹر فرقان کرسی پر بیٹھا تھا۔ مریضہ کا ٹمپریچر لیا جا رہا تھا۔ دوران خون ٹسٹ کیا جا چکا تھا۔ مریضہ کی کھلتی ہوئی رنگت پر زردی کھنڈ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر اب بھی ایک مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

اور جب نرس نے انجکشن لگانے کے لیے مریضہ کی آستین الٹ کر بازو ننگا کیا تو ڈاکٹر فرقان وہاں سرخ نشان دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بائیں بازو پر واقعی پدم تھا۔ اور بالکل اسی جگہ کامنی کے بازو پر بھی پدم تھا۔

اس نشان کو دیکھنے کے بعد ڈاکٹر فرقان اپنی کرسی سے اٹھا، مریضہ کے بائیں کان کو موڑ کر دیکھا، کان کے پیچھے سیاہ مسہ موجود تھا۔ مگر ایک اور اہم نشانی بھی۔

اس نے مریضہ کا منہ کھولا اور......

اف خدایا...... مریضہ کے جبڑے میں دائیں طرف نیچے کی تیسری داڑھ میں سونا بھرا ہوا تھا۔

مریضہ نہ صرف کامنی کی ہمشکل تھی بلکہ اس میں وہ تمام نشانیاں بھی موجود تھیں جو کامنی کی ذات کا حصہ تھیں۔

''بالکل کامنی......''

ڈاکٹر فرقان نے کہا۔ اور قریب ہی کھڑے ہوئے ڈاکٹر کو دیکھا۔ ڈاکٹر اعجاز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فرقان نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ وہ نڈھال سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا خواب اور اگر حقیقت ہے تو کیا ایسا ممکن ہے؟

فرقان انہی سوالات سے الجھتا رہا۔

☆......☆

اب رات کے دو بجے کا عمل تھا۔

ڈاکٹر فرقان مریضہ کے کمرے میں بیڈ کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھا تھا۔ مریضہ اب بھی بے ہوش تھی۔ کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔ کمرے کے باہر دروازے کے پاس ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اخباری نمائندے آج دن بھر اسے گھیرے رہے تھے اور الٹے سیدھے سوالات کرتے رہے تھے۔ آج انہوں نے بیہوش مریضہ کی کئی تصاویر بھی اتاری تھیں۔ اس نے اخباری نمائندوں کو گول مول، ادھورے اور نامکمل جواب دیئے تھے۔

اس ہنگامے سے نمٹنے کے بعد وہ بارہ بجے کے قریب پھر اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے ساتھی ڈاکٹروں نے اس سے بے حد کہا، اسے بے حد سمجھایا کہ وہ زحمت نہ کرے، مگر ڈاکٹر فرقان کی ضد کے سامنے ان کے تمام دلائل اور مشورے بے سود گئے۔

نامعلوم مریضہ کو دن میں تھوڑی دیر کے لیے ہوش آیا تھا۔ اور اس نے اپنے چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگوں کو بڑے عجیب وغریب انداز میں گھور کر ایک چیخ ماری تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی۔ تمام دواؤں اور انجیکشن اور وٹامن کی گولیوں کے باوجود اور پھلوں کا عرق پلانے کے باوجود مریضہ کی نقاہت دور نہ ہو سکی تھی، بلکہ اس کے چہرے پر زردی کچھ اور ہی گہری ہو گئی تھی۔ مریضہ کی بے ہوشی خطرناک نہ تھی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اب اسے کب ہوش آئے گا۔

ڈاکٹر فرقان نے گھڑی دیکھی، اسے اس کرسی پر بیٹھے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں ڈاکٹر فرقان کامنی کی رفاقت میں بیتی ہوئی زندگی کی کتاب کا ایک ایک ورق الٹ چکا تھا۔ ہر ہر واقعہ ایک حسین یاد تھی۔ اور ان یادوں کے پس منظر میں جب وہ اس بیہوش مریضہ کو دیکھتا تو اس کے دل میں پھر محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔

ڈاکٹر فرقان نے اپنے دل کو بے حد ٹٹولا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس مریضہ کی طرف کیوں تیزی سے کھنچتا چلا جا رہا ہے۔ یہ مریضہ صرف کامنی کی ہمشکل ہی تو تھی، کامنی تو نہ تھی۔ اس کی کامنی ......اس کی اپنی کامنی، جسے اس نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی اور سب سے حسین انعام سمجھا تھا۔ جو اس

کے ایک بچے کی ماں تھی۔ اس وقت منوں مٹی تلے دبی پڑی تھی اور اس کا ننھا بچہ امان وہ بھی اپنی ماں کے پہلو میں ایک قبر میں لیٹا تھا۔

اور وہ تھا کہ اس غم کا مداوا ڈھونڈ رہا تھا۔ اب اس کے دل میں خوشی کی ہلکی سی کرن پھوٹ چکی تھی۔ جو کسی بھی وقت آفتاب بن سکتی تھی۔ اور اس کی وجہ سامنے بیڈ پر لیٹی ہوئی مریضہ تھی، جو اس کے لیے ایک اجنبی عورت تھی لیکن کامنی کی ہمشکل ہونے کی وجہ سے وہ اسی کو کامنی سمجھنے پر آمادہ ہو رہا تھا۔ کتنی خود غرضی تھی یہ۔ ''یہ عورت......ٹھیک ہے اس کا جسم کامنی کا ہے، اس کا چہرا، اس کے چہرے کا ہر نقش کامنی کا ہے مگر کامنی تو نہیں ہے۔ اس نے سوچا اور پھر خود اپنے آپ سے سوال کیا۔ محبت صرف جسم سے تو نہیں ہوتی صرف چہرے سے تو نہیں ہوتی۔ یہ سب تو محبت کے اظہار کے وسیلے ہیں۔ محبت کا تعلق تو ان فانی چیزوں سے ماورا کسی اور ہی چیز سے ہے۔ تو پھر......تو پھر اس نامعلوم مریضہ کے لیے یہ ہمدردی، یہ محبت کیوں؟''

اُسے اپنی خود غرضی پر بڑا طیش آیا۔

''فرقان صاحب! یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی کہ آپ اس مریضہ میں صرف اس لیے دلچسپی لیں کہ یہ کامنی کی ہمشکل ہے۔ مگر صرف ہمشکل ہونا تو کوئی بات نہیں۔ کیا یہ آپ کی ہمراز ہے۔ مونس و ہمدم ہے یا آپ کی ہمراز ہو سکتی ہے؟ کیا آپ صرف اس مریضہ کے لیے کہ یہ کامنی کی ہمشکل ہے، اپنی کامنی کی تمام رفاقتوں اور محبتوں کو قربان کر دیں گے۔ یہ بہر حال وہ کامنی تو نہیں ہے۔ جسے آپ دیوی کہتے تھے اور جو خود کو آپ کی داسی کہتی تھی۔ کیا یہ مریضہ اگر کامنی کی زندگی میں آپ کے سامنے آپ کی زندگی کی راہ پر اس طرح آتی تو کیا اس وقت بھی اس کے لیے یہی احساسات آپ کے دل میں موجزن ہوتے؟ تو گویا فرقان صاحب آپ اپنی کامنی اور اپنے ننھے منے بیٹے کی موت کو بھی بھلا بیٹھے؟ کتنے خود غرض ہو کہ محض سائے کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔''

حالات پر خالص عقلی اور منطقی انداز میں ایک عملی انسان کی حیثیت سے غور کرنے کے باوجود فرقان اس مریضہ سے دور ہونے پر تیار نہ ہوا۔ اُس نے کئی مرتبہ وہاں سے اٹھنا چاہا اس ہسپتال سے بھاگ جانا چاہا، مگر دوسرے لمحے کامنی کی ہمشکل مریضہ کے خیال نے آسیب بن کر اس کے ارادے کو بیڑیاں پہنا دیں۔ اور پھر اس نے اپنے سر کو جھٹک کر ان پریشان کن حالات سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

''میرے اور اس عورت کے درمیان، جو پلنگ پر بے ہوش پڑی ہوئی ہے محض ڈاکٹر اور مریض کا رشتہ ہے۔'' اس نے خود کو دلاسہ دے کر مریضہ کے پاس ہی ٹھہرنے کا بہانا تلاش کر لیا۔

رات کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

پہاڑی کے دامن میں شہر کے ایک کنارے پر بنے ہوئے سول ہسپتال پر رات کی سیاہی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ ہسپتال کی گہما گہمی بالکل ختم ہو گئی تھی کبھی کبھی مختلف وارڈوں سے مریضوں کی کھانسیوں اور کراہنے کی آوازیں اس سناٹے کو توڑ جاتیں جو ہسپتال پر طاری تھا۔ باہر ہلکی ہلکی بارش کی رم جھم کی موسیقی فضا میں گھلی ہوئی تھی۔ ہسپتال کی بیرکوں کی ٹین کی چھتوں پر بارش کے ننھے ننھے قطرے گر کر عجیب سی

جلترنگ بجا رہے تھے۔ ہسپتال کے شمال میں چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں بہنے والے چشمے کے پار پھیلے ہوئے جنگل سے گیدڑوں، چکاروں، اور بھیڑیوں کی بلند آوازیں کبھی کبھار ٹھنڈی ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی ہسپتال تک پہنچ جاتی تھیں۔

سول ہسپتال پر ایک عجیب سی سوگواری طاری تھی۔ ماحول میں ایک عجیب سی نامانوسی تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ کوئی دلدوز خوف ناک واقعہ، ہسپتال کے گیٹ کے دونوں ستونوں پر ہنڈلے جل رہے تھے اور ایک پہلو پر بنی ہوئی کوٹھری میں پہریدار جو خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اب نیند کی شدت سے کچھ نڈھال سے ہو گئے تھے۔ ان کی گفتگو میں وہ شدت نہیں رہی تھی۔ اور گفتگو کے دوران خاموشی کے لمحات طویل ہونے لگے تھے۔ اچانک وہ چونک پڑے بارش میں بھیگی ہوئی ایک چمگادڑ کوٹھری میں آئی تھی۔ اور کوٹھری میں دو چکر لگانے کے بعد وہ تڑ سے ان کے سامنے فرش پر گر پڑی تھی۔ چمگادڑ زخمی تھی۔ اس کے بازوؤں سے نکلنے والے خون سے فرش پر بڑا سا دھبہ پڑ گیا تھا چمگادڑ نے پھڑ پھڑا کر ان کے سامنے دم توڑ دیا تھا۔

''خدا خیر کرے.....'' نجف خان نے کہا۔ ''آج کی رات بڑی بھاری معلوم ہوتی ہے۔ میری ماں کہتی تھی۔''

''نا نا..... بس تو کوئی قصہ نہ سنا..... نہ معلوم تیری ماں نے تجھے کیسی کیسی کہانیاں سنا رکھی ہیں۔ اور آج کی رات ویسے ہی خوف ناک ہے۔'' احمد دین نے کہا اور اٹھ کر ایک ڈنڈے سے مردہ چمگادڑ کو باہر پھینک دیا۔

اور پہریداروں کی کوٹھریوں سے دور ہسپتال کی ایک بیرک میں ڈاکٹر فرقان نا معلوم مریضہ کے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا۔ اس وقت اس کی طبیعت میں بے حد الجھن اور بے چینی تھی۔ برآمدے میں کمرے کے دروازے کے ساتھ ہی کرسی پر ایک سپاہی اونگھ رہا تھا۔ ڈاکٹر فرقان تھوڑی دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کمرے میں واپس آ گیا۔

اب وہ نامعلوم مریضہ کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا، اس کی نظریں مریضہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس کے رگ و پے میں ایک ہلچل سی مچی۔ اس کے دل میں اس مریضہ کے سرخ بھرے بھرے ہونٹوں کو چومنے کی خواہش پوری شدت کے ساتھ جاگ اٹھی۔ اس نے اپنی اس خواہش کو دبانے کی لاکھ کوشش کی لیکن وہ اپنی اس خواہش اور پیاس کو نہ دبا سکا۔ اور پھر اس نے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے سلگتے ہوئے ہونٹ مریضہ کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

یہ لمس بڑا عجیب تھا۔

وہ جھجک کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یوں لگا تھا گویا اس نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹ برف کی سیل پر رکھ دیئے ہوں۔ ہونٹ بالکل یخ تھے حرارت نام کو نہ تھی۔ اور اس کی سانس میں عجیب سی بساندھ تھی۔ ایسی جیسے سڑے ہوئے گوشت کی۔ اس نے اس قسم کی بدبو اس سے پہلے کبھی کسی انسان کے منہ سے نہ محسوس کی تھی۔ لیکن یہ بدبو اس قدر ہلکی تھی کہ ہونٹوں اور ناک کے راستے سانس کے ہوا میں بکھرنے کے

ساتھ ہی یہ بدبو معدوم ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر فرقان کے تمام جسم میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ کپکپا کر رہ گیا۔ اس نے مریضہ کی کلائیوں پر ہاتھ رکھ کر نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی کلائیاں گرم تھیں۔ اس نے پھر مریضہ کے ہونٹوں پر انگلیاں رکھیں۔ ہونٹ واقعی ٹھنڈے تھے۔ بالکل پالا۔

ڈاکٹر فرقان کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

ذہن پر نیند کے خمار کی جمی ہوئی گرد کی تہہ چھٹ گئی تھی۔ اب اس کا ذہن بالکل بیدار تھا۔ اور وہ مریضہ کے ہونٹوں اور باقی جسم کے اس سرد و گرم تضاد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

وہ اس سوال پر غور کرتا رہا۔

اور ایک مرتبہ پھر اس نے جیب سے ڈاکٹروں کے بورڈ کی رپورٹ کی نقل اور اس کے ساتھ منسلک تمام کاغذات کی نقلوں کو پڑھا۔ ایک مرتبہ..... دو مرتبہ..... تین مرتبہ..... لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اس نے یہ تمام کاغذات تہہ کر کے پھر جیب میں رکھ لیے لیکن ایک نامعلوم سی خلش اس کے ذہن میں پیدا ہو چلی تھی۔ ایک عجیب سی پھانس اس کے منطقی شعور میں پیوست تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بڑی شدت سے جڑ پکڑ گیا تھا کہ اس مریضہ کا علاج ممکن ہے۔ وہ اس مریضہ کا علاج کر سکتا ہے۔ لیکن یہ علاج عام انسانوں کے علاج سے مختلف ہونا چاہئے۔ اور وہ علاج کیا ہو سکتا ہے؟

اس کا ذہن اسی اہم سوال کا جواب تلاش کرنے میں غلطاں تھا۔

اچانک ہسپتال کی خاموش فضا مرتعش ہو گئی۔ کتوں اور بلیوں نے بڑی بھیانک آواز میں رونا شروع کر دیا تھا۔ جنگل کی سمت سے گیدڑوں، چکاروں، اور بھیڑیوں کے رونے کی آوازیں اور بھی تیز ہو گئی تھیں۔

بارش کی رم جھم بند ہو گئی تھی۔ ماحول پر بھیانک خموشی طاری تھی۔ اور فضا میں جانوروں کے رونے کی آوازوں نے ہولناک تاثر گھول دیا تھا۔ تیز ہوا کے سرکش تھپیڑے دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے بین کرتے ہوئے اور سیٹیاں بجاتے گذر رہے تھے۔

بجلی کی روشنی اچانک مدھم ہو گئی۔ اور اس مدھم بیمار سی روشنی میں اس نے دیکھا۔ باہر سے ایک بھیگی ہوئی بلی چھلانگ لگا کر کھڑکی پر آ بیٹھی تھی۔ اس کے منہ میں چوہا دبا ہوا تھا سیاہ بلی نے کھڑکی میں بیٹھ کر اپنی پیلی پیلی آنکھوں سے کمرے کے ماحول کا جائزہ لیا۔ اور پھر کھڑکی سے نیچے اتر کر باتھ میں گھس گئی۔

بلی کو اس کیفیت میں دیکھ کر ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں۔ ایک کوندا سا لپکا ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ باتھ میں بلی چوہا کھا رہی تھی۔ اور کچر کچر کی آوازیں اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

''بلی چوہا۔''

ڈاکٹر فرقان نے کہا اور پھر وہ ایک فیصلہ کن انداز میں اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کے انداز میں

ساتھ ہی یہ بدبو معدوم ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر فرقان کے تمام جسم میں سردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ کپکپا کر رہ گیا۔ اس نے مریضہ کی کلائیوں پر ہاتھ رکھ کر نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی کلائیاں گرم تھیں۔ اس نے پھر مریضہ کے ہونٹوں پر انگلیاں رکھیں۔ ہونٹ واقعی ٹھنڈے تھے۔ بالکل پالا۔

ڈاکٹر فرقان کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

ذہن پر نیند کے خمار کی جمی ہوئی گرد کی تہہ چھٹ گئی تھی۔ اب اس کا ذہن بالکل بیدار تھا۔ اور وہ مریضہ کے ہونٹوں اور باقی جسم کے اس سرد و گرم تضاد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

وہ اس سوال پر غور کرتا رہا۔

اور ایک مرتبہ پھر اس نے جیب سے ڈاکٹروں کے بورڈ کی رپورٹ کی نقل اور اس کے ساتھ منسلک تمام کاغذات کی نقلوں کو پڑھا۔ ایک مرتبہ...... دو مرتبہ...... تین مرتبہ...... لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ اس نے یہ تمام کاغذات تہہ کر کے پھر جیب میں رکھ لیے لیکن ایک نامعلوم سی خلش اس کے ذہن میں پیدا ہو چلی تھی۔ ایک عجیب سی پھانس اس کے منطقی شعور میں پیوست تھی۔ اس کے ذہن میں یہ خیال بڑی شدت سے جڑ پکڑ گیا تھا کہ اس مریضہ کا علاج ممکن ہے۔ وہ اس مریضہ کا علاج کر سکتا ہے۔ لیکن یہ علاج عام انسانوں کے علاج سے مختلف ہونا چاہئے۔ اور وہ علاج کیا ہو سکتا ہے؟

اس کا ذہن اسی اہم سوال کا جواب تلاش کرنے میں غلطاں تھا۔

اچانک ہسپتال کی خاموش فضا مرتعش ہو گئی۔ کتوں اور بلیوں نے بڑی بھیانک آواز میں رونا شروع کر دیا تھا۔ جنگل کی سمت سے گیدڑوں، چمکاروں، اور بھیڑیوں کے رونے کی آوازیں اور بھی تیز ہو گئی تھیں۔

بارش کی رم جھم بند ہو گئی تھی۔ ماحول پر بھیانک خموشی طاری تھی۔ اور فضا میں جانوروں کے رونے کی آوازوں نے ہولناک تاثر گھول دیا تھا۔ تیز ہوا کے سرکش تھپیڑے دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے بین کرتے ہوئے اور سیٹیاں بجاتے گذر رہے تھے۔

بجلی کی روشنی اچانک مدھم ہو گئی۔ اور اس مدھم بیمار سی روشنی میں اس نے دیکھا۔ باہر سے ایک بھیگی ہوئی بلی چھلانگ لگا کر کھڑکی پر آ بیٹھی تھی۔ اس کے منہ میں چوہا دبا ہوا تھا سیاہ بلی نے کھڑکی میں بیٹھ کر اپنی پیلی پیلی آنکھوں سے کمرے کے ماحول کا جائزہ لیا۔ اور پھر کھڑکی سے نیچے اتر کر باتھ میں گھس گئی۔

بلی کو اس کیفیت میں دیکھ کر ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں۔ ایک کوندا سا لپکا ایک نئے خیال نے اس کے ذہن میں جنم لیا۔ باتھ میں بلی چوہا کھا رہی تھی۔ اور کچر کچر کی آوازیں اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

''بلی چوہا۔''

ڈاکٹر فرقان نے کہا اور پھر وہ ایک فیصلہ کن انداز میں اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کے انداز میں

ایک قطعیت تھی۔ اس کے ذہن کی خلش دور ہو چکی تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے دبے قدموں سے آگے بڑھ کر باتھ کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر ایک سفاک مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

اس نے پھر کھڑکی کے پٹوں کو برابر کیا۔ اور ایک مرتبہ پھر کمرے کا جائزہ لیا۔

ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں ڈاکٹروں کے بورڈ کی رائے گونجی۔

''اس نے حیوان کا دودھ پیا ہے۔ اس کی پرورش گوشت اور خون پر ہوئی ہے۔''

اس نے خود بھی ڈاکٹروں کی اس رائے سے اتفاق کیا تھا۔ اور اگر یہ رائے درست تھی، اگر امر واقعہ یہی تھا تو مریضہ کی نقاہت دور کرنے کے لیے حیوانی خون ہی کی ضرورت تھی۔ طاقت کے انجکشن اور گولیاں بے سود تھیں۔ نقاہت دور ہونے کے ساتھ مریضہ کے ہوش میں آنے کی بھی توقع تھی۔

''میری کامنی...... میری کامنی......''

ڈاکٹر فرقان نے بڑی آہستگی سے مریضہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ''اب میں تجھے نہ جانے دوں گا۔'' اس وقت اس کے ذہن میں نہ اپنے بیٹے کا خیال آیا نہ اس بات کا کہ یہ اس کی کامنی نہیں تھی۔ اس کی کامنی تو قبر کی گہرائیوں میں دفن تھی۔

ڈاکٹر فرقان کے چہرے پر کامنی کے لیے محبت کے تمام احساس عود کر آئے تھے۔

''کامنی...... میں تیرے لیے خون کے سمندر سے بھی گزروں گا......''

ڈاکٹر فرقان نے بڑی آسودگی سے سوچا اور بیڈ کے ساتھ ہی رکھی ہوئی آہنی ریک پر رکھی پھل کاٹنے والی چھری اٹھالی۔

پھر اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں چھری کی دھار پر انگلی رکھ کر دیکھی۔ چھری قدرے کند تھی۔ اس نے کھڑکی کھول کر اس کی پتھریلی نگر پر چھری کی دھار تیز کی اور باتھ کی طرف بڑھا۔

اور پھر کچھ سوچ کر اس نے کمرے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا۔ اپنے جسم سے تمام کپڑے علیحدہ کر دیئے۔ اس نے بیڈ کے نیچے رکھی ہوئی کڈنی ٹرے (Kidey Tray) اٹھائی اور باتھ کی طرف بڑھ لیا۔

وہ بڑی احتیاط سے باتھ میں گھسا۔ اس طرح کہ بلی اس سے باہر نہ نکل سکی۔ پھر اس نے بلی کو اپنی گرفت میں لے ہی لیا۔ بلی نے اس کی گرفت سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی بلی نے شور مچا مچا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ لیکن ڈاکٹر فرقان کو یقین تھا کہ اس باتھ سے بلی کی چیخیں باہر بھونکنے والے کتوں اور بلیوں کے رونے کی آواز میں شامل ہو کر بے معنی بن جائیں گی۔

بلی ڈاکٹر فرقان کی گرفت میں تھی۔

اور بری طرح پنجے مار رہی تھی۔ مگر اس نے بلی کو بے بس کر کے تیز دھار کی چھری سے بلی کا حلق کاٹ ہی ڈالا اور گرم گرم، گاڑھا، سرخ خون کڈنی ٹرے میں جمع کر لیا۔ بلی ساکت ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر فرقان کے ہاتھ اور جسم پر کئی جگہ بلی کے پنجوں کی خراشیں آ گئی تھیں۔ اور ان سے خون کی ننھی ننھی بوندیں

چھلک کر اوپر آگئی تھیں۔

اس کا جسم خون کے چھینٹوں سے داغدار ہو گیا تھا۔ ہاتھ خون میں بھرے ہوئے تھے اور بلی کا سرد جسم فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دیکھا اور واش بیسن کا نل کھول کر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنا تمام جسم اور ہاتھ صاف کیئے اور بلی کے تازہ خون سے بھری ہوئی کڈنی ٹرے لے کر کمرے میں آ گیا۔

پھر اُس نے بڑی احتیاط کے ساتھ مریضہ کے منہ میں چمچے سے خون ڈالنا شروع کیا۔

باہر بلیوں اور کتوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ بجلی کی روشنی بڑی مدھم ہو گئی تھی۔

پندرہ منٹ میں وہ بلی کا تمام خون مریضہ کو اس احتیاط کے ساتھ پلا چکا تھا کہ کہیں خون کا ایک دھبہ تک مریضہ کے بستر یا چادر پر نہ گرا تھا۔

خون پلانے کے بعد اس نے پہلے بلی کی لاش کو انتہائی احتیاط سے کھڑکی کے راستے باہر پھینکا پھر باتھ میں گھس کر کڈنی ٹرے چھری اور چمچہ دھویا، فرش پر پانی بہا بہا کر بلی کا خون صاف کیا اور کمرے میں آ گیا۔ لباس پہن کر کھڑکیاں اور دروازے کھول کر اطمینان کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ بڑا مطمئن اور مسرور تھا۔

اُس نے مریضہ کا علاج تلاش کر لیا تھا اور وہ اس علاج سے مطمئن تھا۔ پھر اُس نے اطمینان سے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ ذرا ہی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

کمرے میں بلب سلگتا رہا۔

باہر کتے اور بلیاں روتی رہیں۔ اور ٹھنڈی ہوا سسکتی رہی۔

OOO

علی الصبح ڈاکٹر فرقان کی آنکھ کھلی تو اس نے کامنی کی ہمشکل مریضہ کو سوتے ہوئے پایا۔ خود اس کے اعصاب پر کسلمندی اور تھکن چھائی ہوئی تھی۔ اس کا دماغ بوجھل تھا آنکھیں گدلائی ہوئی تھیں۔ بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ کئی دن کی شب بیداری نے اسے نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ لیکن اس کو یہ اطمینان تھا کہ اس نے اس اجنبی مریضہ کا علاج تلاش کر لیا ہے۔ اس نے بڑی محبت کے ساتھ اس مریضہ کو دیکھا۔ وہ بڑی میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اس کے گالوں پر ہلکی ہلکی سرخی دوڑ رہی تھی۔ یہ سرخی جو کل تک ناپید تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس سرخی کا سبب کیا ہے۔ اس سرخی کا سبب اس سیاہ بلی کا خون تھا جس کو اس نے رات ذبح کر کے مریضہ کو اس کا خون پلایا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا اور باہر اس سمت دیکھا جہاں رات اس نے مردہ بلی کو پھینکا تھا۔

اس نے پھر مریضہ کو بڑی محبت سے دیکھا۔ اب وہ اس مریضہ کے بارے میں ایک واضح پروگرام بنا چکا تھا۔ وہ طے کر چکا تھا کہ اس مریضہ کا علاج کس طرح کرے گا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج ہی شام تک یا زیادہ سے زیادہ کل دوپہر تک اس مریضہ کو گھر لے جائے گا۔ ہسپتال میں اس مریضہ کا علاج وہ علاج جسے وہ مناسب سمجھتا تھا۔ ممکن نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ہسپتال کے حکام کو کسی نہ کسی

طرح اس بات پر آمادہ کر لے گا کہ اس مریضہ کو اپنے گھر لے جائے۔

پھر اس نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا۔ اور خود کو پہلے سے کچھ بہتر پایا۔ اب اسے بہت تیزی سے کام کرنا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آیا۔ ہسپتال کی بیرکوں میں ہلکا ہلکا شور ابھر رہا تھا، جو صبح کے ان اوقات میں تمام ہسپتالوں میں روزانہ کا معمول ہوتا ہے۔ اس نے طویل انگڑائی لی اور ڈیوٹی روم میں جا کر نرس کو ہدایت کی کہ وہ مریضہ کے کمرے میں چلی جائے اور خود اس نے گھر روانہ ہونے کے لیے بیرکوں کے ساتھ بنے ہوئے شیڈ سے کار نکالی۔

ابھی اس کی کار ہسپتال کے گیٹ سے باہر ہی نکلی تھی کہ ''صبح نو'' کا رپورٹر شریف عثمانی سامنے آ گیا۔ اور اس نے کار روک لی۔

''ڈاکٹر فرقان پلیز چند منٹ۔''

عثمانی کی ہیئت اس وقت عجیب تھی۔ اس کا لباس مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ گندے ہو رہے تھے۔ بالوں میں بھی مٹی بھری ہوئی تھی۔

''آئی ایم ویری بزی، ساری۔''

''میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر عثمانی نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''راستے میں چند سوالوں کا جواب......''

''لیکن میں نے کہا کہ میں مصروف ہوں اور میں آپ کو ساتھ بھی نہیں لے جانا چاہتا۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر......'' شریف عثمانی نے کہا۔ ''اس مریضہ کے بارے میں میرے پاس ایک انتہائی اہم اطلاع ہے۔ سوچا تھا شاید تمہارے لیے دلچسپی کا سبب ہو......'' شریف عثمانی کہتا رہا اور اس نے تیزی سے کار آگے بڑھا دی۔

''کم بخت اخباری رپورٹر'' وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ کار چلاتا ہوا اپنے گھر کی طرف رواں رہا۔ صبح کے وقت سڑکوں پر زیادہ رش نہ تھا لہٰذا اسے تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

گھر پہنچ کر اس نے ابھی کپڑے ہی بدلے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ یہ فون شریف عثمانی کا تھا۔ اور اس نے جو کچھ کہا وہ ڈاکٹر فرقان کو سوچ اور تشویش میں مبتلا کر گیا۔

اس نے کہا تھا۔

''ڈاکٹر فرقان میں نے پچھلی تمام رات کالی کی ہے۔ آپ نے مجھے دیکھا ہی ہوگا۔ میرے کپڑے اور میرے ہاتھ مٹی میں آلودہ تھے۔ یہ مٹی ڈاکٹر فرقان! قبرستان کی تھی۔ مزید تفصیلات چاہو تو خوب غور کر کے آج رات 9 بجے تک فون کر لینا۔ بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔ یہ خبر لوگوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھی جائے گی ڈاکٹر!''

ڈاکٹر فرقان کو شریف عثمانی کا یہ فون بے حد پراگندہ کر گیا تھا۔ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ آخر وہ مجھے کیوں دھمکانا چاہتا ہے۔ کیا وہ مجھے کسی معاملے میں بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔

اور پھر اس نے جلدی جلدی الٹا سیدھا ناشتہ کیا اور نوکر کو گھر کے بارے میں ضروری ہدایات دیتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆......☆

کھڑکی سے ابھرتے ہوئے سورج کی نرم گرم کرنوں نے اس کی آنکھوں کو چوما اور وہ جھرجھری لے کر اٹھ گئی۔ آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھا۔ یہ ماحول بڑا عجیب اور غیر مانوس سا تھا۔ یہ ماحول وہ تو نہ تھا جس میں وہ پلی بڑھی تھی۔ یہ تو کوئی عجیب سی ہی جگہ تھی۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی بری طرح دکھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا وہ نہایت بے آرامی سے سوئی ہو۔ ریڑھ کی ہڈی کچا پھوڑا بنی ہوئی تھی۔ اس تکلیف اور اعصاب میں رچی ہو تھکن کو دور کرنے کے لیے اس نے عادت کے مطابق لوٹ لگانی چاہی اور وہ ایک اونچی جگہ سے جو نرم اور گرم تھی سخت اور سرد فرش پر آگری۔

اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے سے آتے ہوئے دو ٹانگوں والے جانور کو دیکھا۔ جس کے جسم سے اسے مادہ کی خوشبو اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ یہ دو ٹانگوں والی چیخ مار کر اس کی طرف لپکی تھی۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام کمرہ دو ٹانگوں والے ان جانوروں سے بھر گیا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ اور اس نے چاروں ہاتھ پیروں کی مدد سے پلنگ کے نیچے دبکنا چاہا۔ اور پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا کہ اس کے جسم پر بھی کچھ بوجھ ہے۔ یہ بوجھ کمبل اور چادر کا تھا جس میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔

پھر ان دو ٹانگوں والے جانوروں نے اسے زبردستی پکڑ کر پلنگ پر لٹا دیا اور زبردستی اس کی ٹانگوں میں ایک عجیب و غریب چیز پہنا دی جس نے اس کے تمام نچلے دھڑ کا چھپا لیا۔ اس کے بعد ان دو ٹانگوں والے جانوروں نے اسے ریڑھ کی ہڈی کے سرے پر بوجھ دے کر بٹھا دیا۔ اس طرح بیٹھنے میں اسے بے حد تکلیف ہوئی۔ پھر ان دو ٹانگوں والوں نے اس کی گردن کے گرد ایک اور کپڑا لپیٹا اور ایک گول سخت گہری چیز میں رکھی ہوئی کوئی رقیق چیز دھات کی ایک چیز میں اٹھائی اور اس کے منہ میں ڈالی۔ یہ جو کچھ بھی تھا بڑا بدمزہ تھا۔ وہ یہ بدمزہ چیز اس کے حلق میں ڈالتے ہی رہے۔

اور وہ ان سب کے درمیان گھری بڑی بے بسی سے سوچتی رہی کہ آخر اس کی خوراک کہاں ہے۔ آخر اب اسے اپنا شکار کہاں سے ملے گا۔ اس کے ذہن میں تازہ تازہ گوشت اور گرم گرم خون کا ذائقہ گھوم رہا تھا۔ تو کیا اب وہ ہمیشہ کے لیے اس گوشت اور خون کی لذت سے محروم ہو جائے گی۔

اس کے بعد اس نے ایک دو ٹانگوں والی مادہ کو ایک عجیب سی نوکدار چیز لاتے ہوئے دیکھا۔ اور پھر سب دو ٹانگوں والوں نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ آپس میں نا معلوم کیا کیا کہہ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر اس نے دیکھا اس دو ٹانگوں والی نے سفید سفید چیز کو کسی چیز میں ڈبویا۔ اس میں عجیب سی بو تھی پھر اس نے سفید سفید چیز اس کی ایک اگلی ٹانگ کے اوپر کے حصے میں ملی اور پھر وہ نوکدار چیز اس کے جسم میں اتر گئی۔ اس نے غصہ میں دو ٹانگوں والی ایک مادہ کے بازو کا بُچہ بھر لیا۔ جس نے اس کو پکڑ کر رکھا تھا۔ اس نے پوری قوت سے اپنے دانت اُس بازو میں گاڑ دیئے۔ وہ دو ٹانگوں والی درد سے بلبلا اٹھی۔ اور بری طرح چیخنا شروع کر دیا۔ کمرے میں بھونچال سا آ گیا۔ اس پر ہر طرف سے دوہتھڑ پڑنے

لگے۔ مگر اس نے دانتوں پر اور پھر زبان پر گرم گرم خون کا ذائقہ محسوس کیا۔ خون کے ذائقے نے اسے پاگل کر دیا اور اس نے اپنے دانت اور بھی زور سے گاڑ دیئے۔ یہاں تک کہ اسے گوشت کے نیچے ہڈی کی سختی محسوس ہوئی کمرے میں موجود باقی دو ٹانگوں والے جانوروں نے اسے بری طرح پیٹنا، نوچنا، شروع کر دیا۔ اور وہ دو ٹانگوں والی جس کا بازو اس کے دانتوں میں تھا درد اور تکلیف کے مارے چیخ چیخ کر روتی رہی۔ آخر کار اس نے ایک جھٹکا مار کر اس کے بازو سے بوٹی اتار ہی لی۔

مگر ان کم بخت دو ٹانگوں والوں نے اسے مزے لے کر کھانے بھی تو نہ دیا۔ نہ معلوم کس نے اس کے جسم میں کوئی نکیلی چیز بھونک دی تھی۔ اور اسے گوشت کا یہ لجلجا ٹکڑا حلق سے بغیر چبائے نگلنا پڑا۔ اس دو ٹانگوں والی کو جس کے ہاتھ پر اس نے کاٹا تھا باقی دو ٹانگیں والے اٹھا کر لے گئے۔ دروازے کے باہر اور کمرے کے اندر دو ٹانگوں والے کھچا کھچ بھر گئے تھے۔

وہ بڑی آسودگی اور اطمینان کے ساتھ پلنگ پر بیٹھی ہوئی ان لوگوں کی سرگرمیاں دیکھتی رہی۔ لیکن ہسپتال میں پھیلی ہوئی جراثیم کش دواؤں اور فینائل کی بو اس کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ تھوڑی دیر بعد کئی اور دو ٹانگوں والے جانور وہاں آئے۔ پھر آپس میں نہ معلوم کیا کچھ کہتے رہے۔

اور اس کے تھوڑی دیر بعد اس کے جسم میں پھر وہی چیز بھونکی گئی۔ لیکن اس مرتبہ دو ٹانگوں والے جانوروں نے اسے بالکل بے بس کر رکھا تھا۔ اور پھر وہ سو گئی۔ گہری نیند۔

☆......☆

اور اب ڈاکٹر فرقان مریضہ کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ واپس ہسپتال پہنچ کر اسے صبح مریضہ کو انجکشن لگاتے ہوئے پیش آنے والا واقعہ معلوم ہوا تو اسے زخمی نرس سے بڑی ہمدردی محسوس ہوئی اور اسے یوں لگا گویا اس کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے اور جب اس نے اس زخمی مریضہ سے ملاقات کر کے اظہار معذرت کیا تو اس نے بڑی حیرانی سے پوچھا تھا۔

''اس میں آپ کو معذرت کرنے کی کیا ضرورت ہے ڈاکٹر۔''

''وہ کامنی کی ہمشکل تو ہے۔'' ڈاکٹر فرقان نے نہایت بھونڈا سا بہانہ گھڑا لیکن اس وقت اس سے بہتر بات وہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

''مگر کامنی تو نہیں ہے......''

''ہاں......ہاں......''

پھر اس نے اس اجنبی مریضہ کے بارے میں ڈاکٹروں کے بورڈ کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔ اور ڈاکٹروں کے اس بورڈ نے اس کے اس خیال سے اتفاق کیا تھا کہ اس مریضہ کو ایسی غذا دی جائے جو گوشت خور جانور کے لیے قابل قبول ہو۔ جسے گوشت خور رغبت سے کھا سکیں۔ اس نے بڑی ٹھوس دلیلیں دے کر یہ بات ثابت کر دی تھی۔ اور اس سلسلے میں سب سے مضبوط دلیل میں اس نے ڈاکٹروں کے بورڈ کی اس رپورٹ کو بنیاد بنایا تھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ اس مریضہ کی پرورش گوشت اور خون پر ہوئی ہے۔ پھر اس نے اس مریضہ کی مکمل نگرانی اور علاج کی ذمہ داری خود سنبھالنے کی پیش کش کی۔ اور

ڈاکٹروں نے سوچا تھا کہ یہ سب کچھ ڈاکٹر فرقان اس لیے کہہ رہا تھا کہ مریضہ کامنی کی ہم شکل تھی۔ پھر وہ اس کے اس انہماک اور توجہ کو بھی دیکھ چکے تھے۔ جس سے اس نے گذشتہ روز اس مریضہ کی خبر گیری کی تھی۔ وہ اس مریضہ کے علاج میں اس قدر منہمک ہو گیا تھا کہ اپنا تمام غم اور رنج والم بھی بھول چکا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس پر کیا کچھ بیت چکا ہے۔ وہ اپنی کامنی اور اپنے ننھے سے بچے کی موت کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔ اور یہ سب کچھ سوچ کر بورڈ نے ڈاکٹر فرقان کی یہ تجویز بھی منظور کر لی۔

اور اب ڈاکٹر فرقان مریضہ کے کمرے میں تھا۔

وہ مریضہ کی بے ہوشی دور کرنے کا انجیکشن لگا کر اس کے اثر کا منتظر تھا۔ وہ اس مریضہ میں ایسی ہی دلچسپی لے رہا تھا گویا یہ عورت اس کے لیے اجنبی نہ ہو۔ بلکہ وہی کومل کامنی ہو جیسے وہ برسوں سے جانتا تھا۔ کس قدر عجیب بات تھی کہ وہ ڈاکٹر فرقان جو کل تک کامنی اور امان کی موت پر نیم پاگل ہو رہا تھا آج یوں لگتا تھا گویا وہ ان دو عزیز ترین ہستیوں کی موت کو بھلا چکا ہو۔ اسے اب کسی مریض اور ہسپتال سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو صرف کامنی کی ہمشکل مریضہ کا ہو کر رہ گیا ہو۔

مریضہ نے کسمسا کر پہلو بدلا، اور آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ شروع شروع میں ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور تھوڑی دیر بعد پھر انہیں کھولا۔ چیزیں اب بھی حرکت کر رہی تھیں۔ مگر ان میں وہ تیزی نہ تھی۔ پھر اس نے ہاتھ پیر مار کر اپنے جسم سے کمبل اور چادر کو علیحدہ کر دیا۔ اسے جسم پر لپیٹا ہوا ڈھیلا ڈھالا لباس بھی مصیبت معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے یہ لباس بھی اپنے جسم سے علیحدہ کر دینا چاہا۔ مگر اس کے ناخنوں میں وہ تیزی اور نوکیلا پن بھی نہ تھا۔ جو کپڑے کو لہر لہر کر سکتا۔ وہ اتنی ذہین نہ تھی کہ ان کپڑوں کو کسی اور طریقہ سے جسم سے علیحدہ کر دیتی۔ وہ بہر حال اپنے کپڑوں سے الجھتی رہی اور ڈاکٹر فرقان اسے بڑی دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ اور اب جو اس نے دو ٹانگوں والے اس جانور کو یوں اپنی طرف گھورتے دیکھا تو سہم کر پلنگ کے ایک جانب سمٹ گئی۔ کپڑے کو جسم سے علیحدہ کرنے کی کوشش میں اس کا ڈھیلا ڈھالا لباس جگہ جگہ سے سرک گیا تھا۔ لیکن اسے اس کا کوئی احساس نہ تھا۔

پھر ڈاکٹر فرقان آگے بڑھا تو وہ سمٹ کر چار پائی کے کونے میں ہو گئی۔ ''یہ شخص کیا کرنے والا ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔ خود کو کمزور اور بے بس پا کر اس نے مدافعت یا حملے کا خیال ترک کر دیا۔ ویسے بھی اسے اس شخص کے انداز میں ہمدردی اور محبت کی بو محسوس ہوئی تھی۔ اس میں اپنائیت تھی اور ہمدردی تھی۔ اس وقت جبکہ وہ اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر فرقان کے جسم سے احساسات اور جذبات کا ایسا غبار چھوٹتا محسوس کیا۔ ایسی باس اس کے سانسوں سے ابل رہی تھی جس میں ہمدردی اور محبت کے علاوہ کوئی اور جذبہ نہیں پایا جاتا تھا۔ ایسا جذبہ وہ اپنے نر بھیڑیے میں محسوس کرتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ اس کی جانب بڑھنے والے ہاتھ اسے گزند نہیں پہنچانا چاہتے۔ اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اور جب ڈاکٹر فرقان نے اس کی کلائی پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ غیر ارادی طور پر اور سمٹ گئی۔ ڈاکٹر فرقان نے اس پر چادر اور کمبل ڈال دیا۔ اور اس کی کلائی پر آہستگی سے ہاتھ رکھا۔ کتنا

عجیب تھا یہ لمس۔ اس مریضہ نے اس لمس میں بڑے معنی پنہاں پائے تھے۔ جس کا تعلق صرف محبت کے جذبات سے تھا۔ اس نے جھجکتے اور ڈرتے ہوئے ڈاکٹر فرقان سے مانوسیت کا اظہار کرنے کے لیے اس کا ہاتھ چاٹنا شروع کر دیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی کتا پہلی مرتبہ کسی اجنبی سے اپنی اُنسیت کا اظہار کرے۔

''حیوانی جبلت، قطعی حیوانی جبلت۔'' ڈاکٹر فرقان نے سوچا اور آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

اور پھر ڈاکٹر فرقان نے اسے ابلا ہوا نیم گلا گوشت کھلایا۔ ان دونوں شیشیوں کو خالی کر دیا جو وہ مرغی کے خون سے بھر کر لایا تھا۔ اس مریضہ نے اس خوراک کو اپنے لیے صبح کی خوراک کے مقابلے میں زیادہ غنیمت سمجھا اور پیٹ بھر جانے پر پھر ڈاکٹر فرقان کے ہاتھ کو چومنا شروع کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ڈاکٹر فرقان بڑی آہستگی کے ساتھ اس کے بیڈ پر بیٹھا اور پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

اجنبی مریضہ اس کا منہ تکتی رہی۔ یہ شخص کیا بھوں بھوں کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

''تم کون ہو؟''

ڈاکٹر فرقان بار بار یہی سوال دہراتا رہا مگر مریضہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ ایک مرتبہ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو صرف ''ہاؤں ہاؤں'' کے بے معنی الفاظ اس کے منہ سے نکل کر رہ گئے۔

بڑی دیر تک ڈاکٹر فرقان اس سے مغز ماری کرتا رہا۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان کی مغز پچی سے وہ مریضہ اکتا گئی تھی اب اُس کی ''ہاؤں، ہاؤں'' میں غراہٹ اور غصہ آ گیا تھا۔ اس وقت اسے ایک نرس نے آ کر پیغام دیا کہ اس کا فون آیا ہے۔ ڈاکٹر فرقان وہاں سے ڈیوٹی روم میں آیا۔

فون پر دوسری طرف شریف عثمانی تھا۔

''پہچانا ڈاکٹر...... میں شریف عثمانی ہوں۔''

''کہو......''

''میں یہ پوچھنا چاہتا تھا ڈاکٹر! کہ تم نے صبح مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ میں اتنی صبح کہاں سے آ رہا تھا۔ میرے کپڑے کیچڑ میں کیوں لتھڑے ہوئے تھے۔ میرے ہاتھ مٹی میں کیوں لت پت تھے۔''

''مجھے یہ سب کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

''حالانکہ اس رات بھر میں تمہارے لیے ہی خاک چھانتا پھرا ہوں ڈاکٹر فرقان!''

''کیا بکواس لگا رکھی ہے۔''

''یہ بکواس ہی نہیں ڈاکٹر! بڑی رازداری کی بات ہے۔ ابھی صرف مجھ تک محدود ہے ہو سکتا ہے کل پورا ملک اس راز سے واقف ہو جائے۔ نو بہت دیر میں بجتے ہیں ڈاکٹر! میں نے سوچا تمہیں جو مہلت میں نے [illegible] اس میں کمی کر دوں۔''

''میں تمہاری بکواس کا مطلب نہیں سمجھا مسٹر عثمانی!''

''اس بکواس کا مطلب اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا ڈاکٹر! اس کے لیے راتیں کالی کرنی پڑتی ہیں۔ ویسے تم اگر اس بکواس کا مطلب سمجھنا چاہتے ہو تو شام چھ بجے کیفے گرین میں پہنچ جاؤ۔''

''میرے پاس فضول لوگوں کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''جو مرضی آپ کی...... بہر حال میں ٹھیک چھ بجے تک کیفے گرین میں آپ کا انتظار کروں گا۔ ویسے اتنا بتا تا چلوں کہ اس کا تعلق آپ کی نئی مریضہ، اور کامنی سے ہے۔ اصل حقیقت کا میں نے پتہ چلا لیا ہے ڈاکٹر!''

یہ کہہ کر عثمانی نے فون بند کر دیا تھا۔ اور ڈاکٹر فرقان ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا۔

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کس واقعہ اور کس اسرار کی بات کرنا چاہتا ہے۔ پھر اسے عثمانی کا صبح کا جملہ یاد آیا جس میں اس نے کپڑوں پر لگی ہوئی مٹی کو قبرستان کی مٹی قرار دیا تھا۔ بہر حال اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شام کو عثمانی سے ضرور ملے گا۔

اور اس شام پھر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی پہاڑی بارش بس آناً فاناً ہی آئی تھی۔ ڈاکٹر فرقان اس موسلا دھار بارش سے بے نیاز کیفے گرین کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں مختلف خیالات نے یلغار کر رکھی تھی۔

وہ جس وقت کیفے گرین کا دروازہ کھول کر ہال میں داخل ہوا تو اس نے عثمانی کو گھڑی دیکھ کر ایک میز سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ ہال میں اس وقت دو ایک میزیں بھری ہوئی تھیں۔ باقی تمام میزیں خالی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان کو دیکھتے ہی عثمانی چیخا۔

''ہیلو ڈاکٹر فرقان! کہئے آپ کی مریضہ کا کیا حال ہے۔''

فرقان اس وقت اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ''تمہیں اس طرح اعلان کرنے کے لیے کس نے کہا تھا۔''

عثمانی نے بڑی چبھتی ہوئی مسکراہٹ کے درمیان کہا۔ ''میں سمجھا کہ تم شاید میری بکواس کو سننا پسند نہیں کرتے، پڑھنا چاہتے ہو۔''

''سیدھی طرح بتاؤ...... معاملہ کیا ہے...... بلیک میلروں کی طرح مجھ سے بات نہ کرو۔''

''یہ بلیک میلنگ نہیں ڈاکٹر...... میری اپنی محنت کا صلہ ہے۔''

''کہو...... کیا بات ہے۔''

''بیٹھو ڈاکٹر! اب اتنی عجلت بھی کیا ہے۔''

پھر اس نے میز پر آنے والے بیرے کو کافی لانے کے لیے کہا اور اپنے بیگ میں سے ایک لفافہ نکالا۔ اور اس لفافہ میں سے مختلف فوٹوؤں میں سے ایک فوٹو نکال کر ڈاکٹر فرقان کو دے دیا۔

''میرا خیال ہے ڈاکٹر اب تم سمجھ جاؤ گے۔''

ڈاکٹر فرقان نے تصویر کو غور سے دیکھا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ تو یہ کمبخت بھی اسی فیصلہ پر پہنچا تھا۔ جس کی طرف میرا ذہن گیا تھا۔

ڈاکٹر فرقان نے سوچا۔

''کیا خیال ہے ڈاکٹر......'' عثمانی نے کہا۔

''تمہارا انداق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔''

''خوب تو میں بتاتا ہوں۔ یہ قبر ہے۔ اس میں ایک بھیڑیا نظر آ رہا ہے جو کفن میں لپٹا ہوا ہے۔''

''قبر میں بھیڑیا...... اس عنوان پر اچھا پراسرار ناول لکھ سکتے ہو تم۔''

''نہیں ڈاکٹر فرقان...... اس طرح بات کو نہ ٹالو۔ اور اگر تم اس طرح سمجھنا نہیں چاہتے تو ڈاکٹر فرقان! تو میں بتاتا ہوں پوری تفصیل کے ساتھ۔''

''ضرور سناؤ۔''

''ڈاکٹر فرقان! میں نے تمام رات کالی کی ہے۔ میں نے قبرستان میں تمہاری بیوی، کامنی کی قبر کو رات کو کھودا تھا۔ سمجھے ڈاکٹر...... خود ہی سوچو کتنا کٹھن کام رہا ہو گا۔ بارش، سردی، اور ایک کدال اور پھاوڑا اور قبرستان...... کیا خیال ہے میں نے یہ تمام محنت صرف شوقیہ تو نہیں کی تھی۔ بہر حال اس قبر میں مجھے کامنی کی لاش نظر نہیں آئی۔ بھیڑیے کی لاش البتہ اس قبر میں کفنائی ہوئی رکھی تھی۔''

تمہاری اس کہانی میں کتنی حقیقت ہے۔''

''ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔ اب ڈاکٹر! تم خود ہی سوچو! جب حقیقت اتنی پراسرار ہو تو زیب داستان کے بعد وہ کیا رنگ لائے گی۔''

''اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔''

فرقان نے کہا۔

''تمہیں نقصان تو پہنچ سکتا ہے۔''

''وہ کیسے......''

''تم کامنی کو گھر نہ لے جا سکو گے۔''

''تم کیا چاہتے ہو......''

ڈاکٹر فرقان نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں اس راز کو راز رکھنے کی قیمت چاہتا ہوں۔''

''کتنی قیمت لگاتے ہو اس راز کی۔''

''بات یہ ہے ڈاکٹر......'' عثمانی نے کافی پیتے ہوئے کہا۔ ''یہ معاملہ آج ختم ہونے والا تو ہے نہیں۔ یہ تو عمر بھر کی رازداری کی بات ہے۔ کم از کم اس وقت تک کی جب تک کہ میں یا کامنی دونوں میں سے کوئی بھی زندہ ہے۔ سو میں اس راز کی کوئی قیمت یک مشت نہیں لوں گا۔ تم ایسا کرو ہر ماہ کچھ رقم باندھ

دو۔''

دونوں میں بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر کار ڈاکٹر فرقان ہی کو ہار ماننا پڑی۔ معاملہ ایک ہزار روپے ماہانہ پر طے پایا۔

''جو تمہاری مرضی ڈاکٹر......'' عثمانی نے احسان جتاتے ہوئے کہا۔ ''تم شاید ڈاکٹر ہو۔ اس لیے قیاس نہ کر سکو۔ میں بتاتا ہوں کہ تم نے کتنے سستے میں سودا کیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ اب اس شہر میں کیا ہونے والا ہے۔ اب بہت جلد اس شہر میں ایک پراسرار بلا کے واقعات گونجیں گے۔ بچے اپنے گھروں سے غائب ہونے لگیں گے۔ نوجوانوں کی لاشیں ملا کریں گی۔ میں اس شہر میں اصلی ڈراکولا کی آمد محسوس کر رہا ہوں ڈاکٹر! اصلی ڈراکولا کی...... تمہارے بیٹے کی لاش میں نے بھی دیکھی تھی۔''

''سر بریدہ لاش۔''

عثمانی یہ کہہ کر خاموش ہو گیا اور فرقان میز سے اٹھ گیا۔

مگر عثمانی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

''کہاں جا رہے ہو ڈاکٹر...... اتنی جلدی پریشان ہو گئے۔ ابھی تو تمہیں خون کے اس سمندر سے گذرنا ہے۔'' عثمانی کے لہجے میں بے حد کٹیلا پن تھا۔ فرقان کو یہ لہجہ پسند نہ آیا۔ اور عثمانی کہتا رہا۔ تھوڑی دیر اور بیٹھو۔ بارش تو رکنے دو، بہت تیز ہو رہی ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھا باہر واقعی موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اور اس کا شور ماحول میں رچا بسا ہوا تھا۔ سڑک پر جلتے ہوئے بلب، موسلا دھار باش میں یوں لگ رہے تھے گویا کسی نے جلتی لالٹین پر گیلی چمنی چڑھا دی ہو۔

فرقان ویسے بھی اس وقت نہ اٹھنا چاہتا تھا۔ مگر عثمانی نے جس انداز میں آنے والے حالات کا مختصراً تجزیہ کیا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ اضطراری طور پر اٹھ گیا تھا۔ مگر اور اس عزم کے ساتھ اٹھا تھا کہ اس نے کامنی کے روپ میں اس حیوان مریضہ کے بارے میں جو کچھ منصوبہ بنایا تھا۔ اس پر ابھی سے عملدرآمد شروع کر دے۔ وہ واقعی باہر نکل گیا ہوتا مگر عثمانی نے اسے روک کر اس کے ارادے کو بدل دیا۔ اور اسی عرصہ میں وہ یہ بات بھی سوچ سکا کہ یہ منصوبہ کوئی ایک دن یا ایک ہفتہ کی بات تو ہے نہیں اس میں تو برسوں لگ سکتے.. برسوں۔

خود ڈاکٹر فرقان کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ یہ دوسری ماہیت قلب کا کیس ہے۔ اسے اس بات کا شبہ کل اس وقت ہوا تھا جب اس نے اس مریضہ کی داڑھ میں سونا بھرا ہوا دیکھا تھا۔ لیکن اسے تعجب تھا کہ عثمانی کو کامنی کی قبر کھولنے کا خیال کیوں آیا۔ اور اس نے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔

''صرف تجسس ڈاکٹر تجسس، اخباری رپورٹر کا تجسس۔ خود سوچو ڈاکٹر! ایک لمحہ کے لیے تو پہلے مجھے بھی اس خیال سے جھرجھری آ گئی تھی کہ رات کو قبرستان میں ایک شخص تنہا قبر کھودے مگر خیر چھوڑو اس بات کو۔''

''اچھا ڈاکٹر! اب مجھے ذرا رپورٹ تیار کرنے دو۔ تمہاری مریضہ کی خبر کے سلسلے میں آج مجھے

فالو اپ دینا ہے۔ دو ایک باتیں اس رپورٹ کے لیے بتانا پسند کرو گے ڈاکٹر!''

''جو جی چاہے لکھ دو...... پھر مجھے بتا دینا۔'' اور عثمانی وہیں بیگ سے کاغذ نکال کر اپنے اخبار کے لیے رپورٹ تیار کرنے لگا۔

عثمانی لکھتا رہا۔ اور فرقان انجانے وسوسوں میں گھرا رہا۔ پھر اس نے عثمانی سے کہا۔

''میں بھی وہ قبر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آج رات نہیں۔'' عثمانی نے کہا۔ ''مجھے رات ۱۲ بجے ایک خبر کے سلسلے میں باہر جانا ہے۔ کل دوپہر تک واپسی ہوگی۔ کل پر رکھو۔''

''ٹھیک ہے...... مگر ایک بات بتاؤ تم نے اس کے بارے میں کسی اور کو تو نہیں بتایا ہے۔''

''یہ تو میرا اسکوپ ہے ڈاکٹر۔''

''اور فوٹو گرافر۔''

''رپورٹر اگر فوٹو گرافر بھی ہو تو سونے پر سہاگہ ہوتا ہے ڈاکٹر۔ عثمانی کی کامیابی کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ خود رپورٹر بھی ہے اور فوٹو گرافر بھی۔ وہ خبر بنانے کے سلسلے میں کسی اور کا محتاج نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے......'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔ ''اچھا میں چلا......''

''بہت جلدی ہے مریضہ کو دیکھنے کی۔'' عثمانی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور ڈاکٹر فرقان وہاں سے باہر آ گیا۔

☆......☆

رات اپنے آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر فرقان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ اس نے آج مریضہ کے کمرے میں ایک دیوان ڈلوا لیا تھا۔ اور اسی پر لیٹا تھا۔ وہ ۱۲ بجے کے قریب مریضہ کے بیڈ کے پاس پڑی ہوئی کرسی سے اٹھا تھا۔ اور پھر مریضہ کے ماتھے پر بوسہ دے کر دیوان پر آ لیٹا تھا۔ مریضہ کی آنکھیں رات گہری ہونے کے ساتھ سرخ تر ہو گئی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ چنانچہ اس نے مریضہ کے خواب آور انجیکشن لگا دیا تھا۔ اور جب یہ مریضہ گہری نیند سو گئی تھی تو اس نے بھی لیٹنے کا سوچا تھا۔

اور اب ڈاکٹر فرقان نے گھڑی دیکھی رات کے تین بج رہے تھے کمرے میں زردی بکھری ہوئی تھی۔ بجلی کی وولٹیج بہت ہی کم تھی۔ بلب کی دودھیا روشنی اس لیمپ کی سوگوار زرد اور مدھم روشنی معلوم ہو رہی تھی جس کی چمنی صاف نہ کی گئی ہو۔ ڈاکٹر فرقان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے بیڈ پر لیٹی ہوئی مریضہ کو دیکھا وہ اب بھی پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ کھڑکی کی راہ سے باہر نظر آنے والا آسمان تاریک تھا۔ باہر کتوں نے رونا بند کر دیا تھا۔ بارش کی رم جھم بند ہو گئی تھی۔ سیاہ رات کے سناٹے میں صرف مینڈکوں کی آوازیں تھیں یا جھینگروں کی۔ جنہوں نے مل جل کر بھنبھناہٹ کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ اس بھنبھناہٹ میں کسی ایک آواز کو علیحدہ شناخت کرنا مشکل تھا۔

ڈاکٹر فرقان نے فضا میں عجیب سی بے چینی گھلی ہوئی محسوس کی۔ خود اس کی اپنی طبیعت میں

بے چینی اضطراب اور الجھن تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ ابھی پل دو پل میں، کچھ ہی دیر بعد کوئی آفت ٹوٹنے والی ہے۔ اس نے بے چینی سے دیوان پر بیٹھے ہوئے پہلو بدلا اور اس نامعلوم اور اندھے اندیشہ کو اپنے ذہن سے جھٹکنا چاہا۔

ڈاکٹر فرقان ایک عجیب سی آواز سن کر جاگا تھا۔ یہ آواز کیسی تھی؟ یہ آواز کیسی تھی؟ ڈاکٹر فرقان اس کا کوئی جواب نہ پا سکا۔ اور اس وقت اس آواز کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ تاہم اسے اتنا احساس تھا کہ اس آواز میں کوئی ایسی بات ضرور پنہاں تھی۔ جو ذہن اور حواس پر خوف اور دہشت کے احساسات مرتسم کرتی تھی۔

ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ وہی لرزتی، کپکپاتی، بلبلاتی، بین کرتی آواز پھر اس نے سنی یہ آواز بڑی ہی مدھم لیکن نہایت صاف تھی۔ اور باہر اس سمت سے آئی تھی جہاں پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس آواز میں بڑی التجا اور نقاہت تھی۔ اس آواز میں صدیوں کی بھوک مضمر تھی۔ اس آواز میں بھوک سے بلکتے اور مرتے ہوئے آدمی کی بے چارگی تھی۔

ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا گویا یہ آواز صرف اس کمرے کے لیے ہو۔ جس چیز نے اس وقت بھی اس کو خوف زدہ کر رکھا تھا وہ یہ تھی کہ یہ آواز خود ڈاکٹر فرقان کو مریضہ کے بیڈ پر اٹکی ہوئی محسوس ہوئی۔ پہلے اسے یوں لگا تھا گویا یہ آواز چشمے کے اس پار سے آ کر مریضہ کے بیڈ پر اٹک گئی ہو۔ یہ عجیب و غریب آواز گویا مریضہ کے بیڈ پر دستک دے رہی تھی۔

عجیب سی آواز تھی۔

''اب آنا...... ابانا...... اب آنا...... ابانا''

یہ آواز مریضہ کے بیڈ پر سر پٹکتی رہی۔ ڈاکٹر فرقان نے آنکھیں ملیں۔ کانوں میں انگلیاں ڈال کر کانوں کو زور سے ہلایا۔ مگر وہ آواز اپنی جگہ اسی انداز میں بلکتی رہی۔ اس نے کمرے کے باہر بیٹھے ہوئے سپاہی کو آواز دینا چاہی مگر اس کے حلق میں جیسے گولا سا اٹک گیا ہو وہ سپاہی کو آواز نہ دے سکا۔

وہ بلکتی ہوئی سرگوشی کرتی ہوئی آواز اب بھی مریضہ کے بیڈ پر تڑپتی معلوم ہو رہی تھی۔

''اب آنا''...... ''ابانا''...... ''اب آنا''...... ''ابانا'' پھر اس نے دیکھا کہ اجنبی مریضہ میں کچھ حرکت سی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس ملتجی آواز میں بھی شدت پیدا ہو گئی۔ ''ابانا...... اب آنا'' کے درمیان وقفے اور مختصر ہو گئے۔

پھر یہ ایک بھنبھناہٹ بن گئی۔ مریضہ نے آنکھ کھولی اور اس کے چہرے پر اضطراب اور کشمکش کے آثار ہویدا ہو گئے۔ فرقان نے اٹھ کر اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر اس کے پیروں نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے مڑ کر باہر بیٹھے ہوئے سپاہی کو آواز دینا چاہی مگر اس کی آواز نہ نکل سکی۔

اور پلک جھپکتے کے اس عرصہ کے بعد جو سپاہی کو آواز دینے کے لیے مڑنے میں صرف ہوا تھا جب وہ پلٹا تو اس نے مریضہ کو بستر پر بیٹھے ہوئے پایا۔ اس مختصر سے لمحے میں اس کا اتنی آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ جانا حیرت انگیز تھا۔ زرد اور یرقان زدہ روشنی میں اس مریضہ کا سراپا بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے سارے جسم میں اس کی آنکھیں بڑی عجیب معلوم ہوتی تھیں۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں دہکتے انگاروں

کی مانند تھیں۔ ان دہکتی انگارہ آنکھوں میں بڑی عجیب سی کشش تھی عجیب سا نشہ تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے جب پلٹ کر ادھر دیکھا تھا۔ تو مریضہ اسے ٹکٹکی باندھے گھور رہی تھی۔ اور پھر ڈاکٹر فرقان کے لیے ان آنکھوں سے نظریں چرانا ناممکن ہو گیا۔

ڈاکٹر فرقان کو یوں لگ رہا تھا گویا ان دہکتی آنکھوں سے ایک سحر انگیز، پر کیف اور خمار آگیں رو اس کے جسم میں منتقل ہو رہی ہو۔ اس نے اس خمار و کیفیت کو اپنے رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی تیز انجکشن جسم میں آگ سی بھر دیتا ہے۔ یا پیتھوڈین کا انجکشن انسان کو دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتا ہے۔

''کیا ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے گویا مریضہ سے مخاطب ہونا چاہا۔ مگر اس مرتبہ بھی اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ یہ الفاظ بڑے مدھم انداز میں گڈمڈ ہو کر اس کے منہ سے یوں نکلے تھے کہ خود ڈاکٹر فرقان کو ان کے بے معنی ہونے کا احساس تھا۔ اور ساتھ ہی اسے یوں لگا تھا گویا مریضہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا ہو۔ پھر وہ پلنگ سے اٹھ کر زمین پر کھڑی ہو گئی۔

کتنا لوچ اور کتنا بہاؤ تھا اس کی حرکت میں۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر یوں زمین پر کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہوا کا بگولا چکراتا ہوا زمین سے اٹھا ہو، جیسے پانی سے بوجھل بادل کا ٹکرا بلند پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں تیر گیا ہو، جیسے دھوئیں کا مرغولا لہراتا ہوا اوپر اٹھا ہو۔ پلنگ سے اٹھ کر زمین پر کھڑے ہونے کے درمیان مختلف حرکات کا کچھ یہی انداز تھا۔ کہیں بھی خفیف سا بھی جھٹکا نہ تھا۔ بس ایک لوچ اور روانی تھی کہ یہ اندازہ وہ ہی نہ ہوتا تھا کہ اس نے کب پیر سمیٹے، کب انہیں لٹکایا اور کب پیروں پر بوجھ ڈال کر وہ کھڑی ہوئی تھی۔ یہ وہ ہستی نہ تھی جو دن میں اس کے زیر علاج تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی وجود تھا۔ اس میں اور دن والی مریضہ میں بے حد فرق تھا۔ وہ دو پیروں پر کھڑا ہونا نہ جانتی تھی۔ یہ دونوں پیروں پر نہ صرف کھڑی ہو گئی تھی بلکہ بڑی آسانی سے چل بھی سکتی تھی۔

''اب آنا...... ابانا'' کی آواز اب بھی کمرے میں چکرا رہی تھی۔ مریضہ کے انداز میں اب بے پناہ بے چینی تھی۔ پھر وہ ڈاکٹر فرقان کے پاس سے گزر کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کی رفتار پانی کی موج کی مانند تھی۔ وہ نہ ہوا میں اڑتی معلوم ہوتی تھی۔ نہ زمین پر اس کے پیر پڑتے معلوم ہوتے تھے۔ صرف حرکت کا احساس ہوتا تھا۔ نہ آواز نہ چاپ، صرف کپڑوں کی ہلکی سی سراسراہٹ تھی کہ اس کے پاس سے لہراتی ہوئی گذر گئی تھی۔ ڈاکٹر فرقان بھونچکا تھا کہ یہ سب کیا اسرار ہے یہ کیسے ممکن ہے یہ کون ہے؟

اب وہ برآمدے میں تھی۔ ایک لمحے کے لیے ڈاکٹر فرقان کی پلک جھپکی تھی اور وہ دروازہ کھول کر برآمدے میں پہنچ گئی تھی۔ برآمدے میں کھڑے ہو کر اس نے پھر ڈاکٹر فرقان کو گھور کر دیکھا۔ اس کی دہکتی ہوئی آنکھوں سے پھوٹتی ہوئی کرنوں کے دوش پر آتا ہوا ایک پیغام اسے سنائی دیا۔ یہ پیغام بے آہنگ اور بے صدا تھا۔ یہ پیغام جو اس کے کانوں نے نہیں اس کے تمام وجود نے سنا تھا۔

''کیوں کیا تم نہیں آؤ گے؟''

اس پیغام میں ایسی لگاوٹ، ایسی دعوت اور ایسا عکم تھا جسے ٹھکرانا یا جس سے سرتابی کرنا ڈاکٹر فرقان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس میں عجیب سی التجا تھی۔ یہ ایک محبوبانہ حکم تھا۔ اور رفاقتوں اور محبتوں کا واسطہ بھی۔ کم از کم ڈاکٹر فرقان نے اسے یوں ہی محسوس کیا تھا۔ اس میں مخاطب کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

ڈاکٹر فرقان برآمدے میں آیا تو اس کی مریضہ آگے بڑھ چکی تھی۔ کمرے کے دروازے کے ساتھ بیٹھا ہوا سپاہی گہرے خراٹے لے رہا تھا۔ ڈیوٹی روم میں خاموشی تھی۔ پورے ہسپتال پر سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا گویا سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ کہیں کوئی آواز نہ تھی۔ نہ مریضوں کے کھانسنے کی آوازیں نہ کراہنے کی اور ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا گویا تمام کا تمام ہسپتال مردہ خانہ ہو، جس میں جگہ جگہ لاشیں ہی لاشیں رکھی ہوں۔ بے جان، ساکت اور خاموش۔

اس نے دیکھا مریضہ برآمدے میں دس قدم آگے کھڑی ہوئی تھی ''ابانا......اب آنا'' کی آواز اب بھی مریضہ کے وجود کے گرد بکھری ہوئی تھی اور مریضہ کے اضطراب و بے چینی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

مریضہ اسے گھور رہی تھی۔ اور اس مرتبہ پھر فرقان نے یوں محسوس کیا گویا مریضہ نے اپنی چمکتی آنکھوں سے یہ پیغام دیا ہو...... ''چلے آؤ......ڈرتے کیوں ہو؟ سب سو رہے ہیں۔ سب سوتے رہیں گے۔''

ڈاکٹر فرقان خاموشی سے مریضہ کی طرف لپکا۔ وہ تیرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اب وہ بیرک کے وسط میں پہنچ کر اس راہداری میں مڑ گئی جو سامنے وارڈ میں جاتی تھی۔ ڈاکٹر فرقان یہ راہداری طے کر کے دوسرے وارڈ میں پہنچا۔ تو اس نے مریضہ کو دائیں جانب راہداری کے آخری کنارے پر کھڑے دیکھا۔ ڈاکٹر فرقان تقریباً بھاگتا ہوا وہاں پہنچا تو مریضہ آگے بڑھ چکی تھی۔

دوسرے وارڈ سے گذر کر اب مریضہ ہسپتال سے باہر آ گئی تھی اور اب وہ اس پتلی سی پگڈنڈی پر چل رہی تھی جو شمال میں پہاڑی کے دامن میں بہنے والے چشمے کی طرف جاتی تھی۔ ڈاکٹر فرقان اس وقت تقریباً بھاگ رہا تھا مگر وہ مریضہ کے برابر نہ پہنچ سکا۔ وہ ہمیشہ اس سے چند قدم آگے ہی رہی۔ اس تعاقب میں وہ کچھ اور سوچ ہی نہ سکا۔ اندھیرے میں اس کے ساتھ چلنا اس کے لیے دوبھر ہو رہا تھا اور اس کے ذہن میں صرف یہی خیال تھا کہ اس مریضہ کو اوجھل نہ ہونے دے۔

اور اب آخر کار وہ اس پہاڑی چشمے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہاں اس اجنبی مریضہ نے اس طرح زمین کو سونگھا گویا وہ کچھ تلاش کر رہی ہو۔ پھر وہ اسی انداز میں آگے بڑھتی رہی اور ڈاکٹر فرقان ماحول پر چھائی ہوئی تاریکی میں اس کی سرخ آنکھوں کی روشنی سے یہ جان سکا کہ اس وقت اس کی مریضہ کہاں ہے۔

مریضہ تیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی ڈاکٹر فرقان بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اب وہ دونوں پہاڑ کے دامن میں اس جگہ پہنچ گئے تھے جہاں ایک بڑی پتھریلی چٹان کے قدموں سے یہ چشمہ ابلتا تھا۔ اور پھر ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا گویا ایک مرتبہ پھر وہی آواز پہاڑ کے دامن میں گونجی ہو۔

''اب آنا''......''ابانا''......''اب آنا''......''ابانا!''

اس آواز میں بڑی عجیب سی بے قراری تھی۔ اور نہایت دردناک التجا، انسانی مجبوریوں کی انتہا اس آواز میں چھپی ہوئی تھی۔ کتنی دل دوز آواز تھی۔ مریضہ اس آواز کو سن کر مضطرب سی ہو گئی۔ ڈاکٹر فرقان نے سوچا کہ یہ آواز اس کھوہ سے آ رہی ہے۔ جو اس پتھریلی چٹان کے اوپر پہاڑی میں بنی ہوئی ہے۔ اس وقت مریضہ اس کے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی کہ پھر وہی رقت بھری آواز ابھری۔

''ابانا......اب آنا۔''

ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا گویا وہ شخص جو یہ آواز لگا رہا ہے بے حد کمزور ہے۔ اور زندگی کے آخری دور میں ہے۔ اسے اس آواز میں جانکنی کی سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔

''ابانا......اب آنا'' اور اس مرتبہ مریضہ وہاں سے آگے بڑھی تو فرقان نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ مگر یہ ہاتھ اس کی گرفت سے مچھلی کی مانند نکل گیا۔ اور چشم زدن میں وہ زقند بھر کے اسی چٹان پر پہنچ کر غار کی سمت چلی گئی اور ڈاکٹر فرقان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر فرقان بھی اس چٹان پر پہنچ چکا تھا۔ جس کی سپاٹ چٹان بالکل خالی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر اس پہاڑی غار کی طرف بڑھا جو اس چٹان کے پیچھے تھوڑے فاصلے پر پہاڑ میں بنا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے ننھی ٹارچ نکال لی۔ اب وہ بڑا محتاط ہو کر قدم اٹھا رہا تھا۔

اس وقت جبکہ وہ اس مریضہ سے علیحدہ ہوا تھا تو ایک لمحہ کے لیے اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آخر اس کی مریضہ کیونکر یہاں آ گئی۔ آخر وہ آواز، کپکپاتی، رقت بھری، التجا کیسی تھی؟ کس کی تھی؟ اور مریضہ کا اس سے کیا تعلق تھا؟ آخر وہ یہاں کیا کرتی پھر رہی ہے؟ لیکن ان سب سوالوں کا جواب پانے سے پہلے ضروری تھا کہ وہ اس مریضہ کو تلاش کرتا جو یہاں آ کر اچانک غائب ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر فرقان دبے پاؤں غار کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ بے حد چوکنا تھا۔ بارش کی وجہ سے ناہموار زمین میں جگہ جگہ پانی بھرا ہوا تھا۔ آخر وہ اس غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ پھر اس نے آہٹ لی اور غار میں جھانک کر دیکھا غار میں گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایک جانب اس نے تاریکی میں دو دہکتے انگارے دیکھے وہ ان انگاروں کو پہچان گیا۔ یہ اس کی مریضہ کی آنکھیں تھیں۔ ایسی آنکھیں اس نے آج تک نہ دیکھی تھیں۔

وہ انہی آنکھوں کے پیغام کے سہارے یہاں پہنچا تھا۔ مگر اس وقت ان انگاروں سے پھوٹتی کرنوں کے دوش پر اسے کوئی پیغام آتا محسوس نہ ہوا۔ ڈاکٹر فرقان تھوڑی دیر تک غار کے دہانے پر کھڑا رہا۔ پھر اس نے غار میں داخل ہونے سے پہلے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

اس کا خیال واقعی درست نکلا۔ وہ مریضہ ہی تھی۔ کامنی کی ہمشکل مریضہ۔

مگر اس وقت وہ بڑے عجیب عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے غار کے ایک کونے میں بڑے سے پتھر سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس کے سینے پر دو چھوٹے چھوٹے بچے لپٹے ہوئے تھے۔ اور چسر چسر دودھ پی رہے تھے۔ یہ بچے انسانی بچے نہ تھے۔ ڈاکٹر فرقان نے ایک ہی لمحہ میں جان لیا تھا کہ یہ بھیڑیئے کے

بچے تھے۔

مریضہ نے ان بچوں کو بڑی محبت سے اپنے سینے سے چمٹا رکھا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف مامتا تھی۔ چہرے پر صرف مامتا برس رہی تھی۔ وہ انہیں بالکل ماں کی طرح، اپنے بچوں کی طرح دودھ پلا رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی فرقان کو دیکھ رہی تھی۔ مگر انتہائی لاتعلقی سے۔ اسے اس وقت صرف اپنے بچوں کا خیال تھا۔ فرقان یہ منظر دیکھ کر ایک لمحہ کو ساکت رہ گیا۔

اس نے ٹارچ کی روشنی مریضہ کی آنکھوں پر ڈالی اور اس نے غرا کر اس کی طرف دیکھا اور اپنے بچوں کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ''تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی۔'' اس نے مریضہ کی آنکھوں کا پیغام سنا۔

فرقان نے اس پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے مریضہ کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اٹھایا تھا کہ غار کے دوسرے کونے سے ایک نحیف اور کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

''اسے مت چھیڑو...... اسے مت چھیڑو۔''

فرقان یہ آواز سن کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے آواز کی سمت ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ وہاں اس نے ایک نحیف و نزار دبلے پتلے شخص کو ننگ دھڑنگ لیٹے دیکھا۔ ڈاکٹر فرقان سمجھ گیا کہ اسے ٹوکنے والا یہی تھا۔
اس وقت ڈاکٹر فرقان کو احساس ہوا کہ وہ عجیب و غریب آواز جسے اس نے ہسپتال میں اور پھر چشمے کے قریب سنا تھا۔ اسی شخص کی تھی۔ فرقان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس غار میں اس شخص کی موجودگی کا مقصد کیا ہے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں اس شخص کا جائزہ لیا۔ یہ شخص نہایت ضعیف تھا۔ سر اور داڑھی کے بالکل سفید تھے۔ بھنویں برف بنی ہوئی تھیں۔ اور بھنوؤں کے لمبے ریشمی بال آنکھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ یہی حالت مونچھوں اور داڑھی کی تھی۔ اس کے منہ کا دہانہ ان میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ سینے کی ایک ایک ہڈی نمایاں تھی ہنسلی کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ پیٹ کمر سے لگا ہوا تھا۔ کولہے کی ہڈیاں علیحدہ ابھری نظر آ رہی تھیں۔ بازو پتلے پتلے تھے۔ کلائیاں پھپھیوں کی مانند تھیں، سوکھی سوکھی، پتلی شاخوں کی مانند انگلیاں تھیں۔
جسم میں کہیں کسی جگہ بھی گوشت نام کو نہ تھا۔ صرف چمڑی تھی۔ جو ہڈیوں پر منڈھی ہوئی تھی لیکن یہ چمڑی یا کھال بڑی تروتازہ تھی۔ جو بالکل سرخ، صحت مندی کی سرخی، جس سے خون جھلکتا محسوس ہوتا تھا۔ صاف، چمکیلی اور چکنی، بڑھاپے کے باوجود جو اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ اس کی کھال جھریوں سے صاف تھی۔ نہ ماتھے پر جھریاں تھیں۔ نہ ہاتھوں پر، نہ پیٹ پر، نہ ہی بازوؤں یا کلائیوں پر۔ اور آنکھیں وہ بھی بڑی روشن تھیں، سیاہ لانبی اور چمکیلی آنکھیں۔

یہ آدمی بڑے اطمینان سے لیٹا رہا۔ اور فرقان ٹارچ کی روشنی میں اسے دیکھتا رہا۔ اس دوران وہ اس مریضہ کو بھی بھول چکا تھا۔ جس کا تعاقب کرتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچا تھا۔

''کون ہو تم۔''

ڈاکٹر فرقان نے ڈپٹ کر کہا۔

''شش...... خاموش۔''

بوڑھے نے اسے خاموش کرنا چاہا۔

''کون ہو تم......'' فرقان نے پھر پوچھا۔

''میں بھوکا ہوں......'' بوڑھے نے کہا۔

''مگر ہو کون......'' فرقان جھلا گیا تھا۔

''تو کون ہے......'' بوڑھے کی نحیف آواز آئی۔

''میں ڈاکٹر فرقان...... مگر تو کون ہے۔''

''اس کا جواب بہت طویل ہے اور میں بھوکا ہوں۔''

''تمہارا نام کیا ہے۔''

''میرے لیے بولنا دوبھر ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے محسوس کیا کہ یہ اجنبی اس کے سوالوں کا جواب دینے سے گریز کر رہا ہے۔ اور یہ سوچتے ہی وہ بھڑک گیا۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس ضعیف شخص نے اس سے کہا۔

''تم نے غلط سوچا ہے۔ میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔ ابھی یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔'' بوڑھے نے مریضہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر فرقان خاموش ہو گیا۔ اس نے دوسرے کونے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ مریضہ اب بھی دودھ پلا رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے ڈاکٹر فرقان نے سوچا کہ وہ اس جگہ سے بھاگ جائے۔ اس گورکھ دھندے سے نکل جائے۔

''اسے ساتھ ہی لے کر جانا''

بوڑھے کی آواز آئی۔ وہ یقیناً مریضہ کے لیے کہہ رہا تھا۔

ڈاکٹر فرقان اس وقت غار کے اندر کھڑا ہوا تھا۔ کوئی فیصلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ یہاں اس غار میں کھڑے رہنے میں بھی اس کے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا۔ بس مجبوری اور زبردستی کی بات تھی۔

''میں......'' بوڑھے نے کہا۔ ''تم میرے بارے میں پوچھ رہے تھے میں ایک طرح سے اس کا بچہ ہی ہوں۔''

بوڑھے نے مریضہ کے بارے میں کہا۔

''کیا بکواس لگا رکھی ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

''ہاں یہ میری ماں بھی ہے۔''

ڈاکٹر فرقان خاموش ہوا۔

تب ڈاکٹر فرقانق نے اسے پاگل سمجھ کر اس سے مغز ماری کو بے سود سمجھا۔ اور پھر مریضہ کی طرف بڑھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ بھیڑیے کے دونوں بچوں کو مریضہ کے سینے سے علیحدہ کر کے مریضہ کو

وہاں سے لے جائے گا۔"

بوڑھا پھر چیخا۔

"اسے مت چھیڑنا۔ اسے مت چھیڑو وہ اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔"

مگر ڈاکٹر فرقان نے بوڑھے کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اور وہ پورے عزم کے ساتھ مریضہ کی طرف بڑھا۔

مریضہ نے گویا اس کے ارادے کو بھانپ لیا۔ اس نے بچوں کو سینہ سے علیحدہ کیا اور خونخوار نظروں سے ڈاکٹر فرقان کی طرف دیکھا وہ بے حد چوکنا تھی۔ ڈاکٹر فرقان نے اس مرتبہ پھر اس کی آنکھوں سے ایک پیغام اپنے لیے روشنی کی کرنوں کے سہارے آتا محسوس کیا۔

"یہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔"

"اونہہ......" ڈاکٹر فرقان نے سر جھٹکا اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

"رک جاؤ......"

OOO

ڈاکٹر فرقان ٹھٹھک کر رک گیا بوڑھے کے لہجے میں کچھ اتنی سفاکی تھی کہ اسے جھرجھری سی آ گئی تھی۔

"بہتر یہی ہے کہ اسے نہ چھیڑ، اسے اپنے بچوں کو دودھ پلانے دے۔" بوڑھے کی آواز پھر تاریک غار میں گونجی۔

فرقان نے ٹارچ کی باریک سی روشنی کی لکیر بوڑھے کے منہ پر ڈالی۔ بوڑھا بڑی کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ اور سفید بگا سی داڑھی کپکپا رہی تھی۔ بوڑھا اس وقت بے حد غصہ میں تھا۔ اس کا تمام جسم غصہ سے کپکپا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت تیندوے کی آنکھوں کی سی چمک تھی اور وہ یوں چوکنا بیٹھا تھا گویا فرقان کی طرف سے ذرا سی بھی جنبش ہوئی اور وہ زقند بھر کر اس پر آ رہے گا۔

بوڑھے کے ہاتھ پیر دیکھ کر اور اس کی نقاہت کے پیش نظر فرقان کو اس کی دھمکی عجیب لگی۔ اور اس نے بوڑھے کے سفاک لہجے کو محض گیدڑ بھبکی تصور کیا۔ اس نے سوچا کہ کامنی کی ہمشکل مریضہ کے سینہ سے بھیڑیئے کے بچوں کو علیحدہ کرنے سے پہلے اس بوڑھے کو ختم کر دے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے اس خیال کو عملی شکل دیتا۔ شیطان بوڑھے کی سرد آواز پھر تاریک غار میں گونجی۔ اس بوڑھے نے شاید اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ تمہارے لیے مجھ پر قابو پانا ممکن نہیں اس خیال سے باز آ جاؤ۔"

مگر ڈاکٹر فرقان پر اب اس کی تنبیہہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ تیزی سے بوڑھے کی طرف لپکا۔

بوڑھا اپنی جگہ بالکل ساکت بیٹھا رہا۔ اس نے ڈاکٹر فرقان کی حرکت پر اپنے بچاؤ کے لیے کوئی حرکت نہ کی۔ فرقان نے بڑھ کر بوڑھے کے سر پر زور سے مکا مارا۔ مگر بوڑھے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر اس نے بوڑھے کی گردن پکڑ لی تو اس کو یوں لگا۔ گویا اس نے گوشت و پوست پر ہاتھ نہیں رکھا بلکہ کسی سرد پتھر پر ہاتھ رکھا ہو۔ فرقان کی گرفت اس کی گردن پر سخت نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر فرقان پاگل سا ہو گیا تھا اس نے پوری قوت سے بوڑھے کو جھنجھوڑ دیا مگر بوڑھا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

اور اس کے بعد بوڑھے نے اس کی پنڈلی اپنے استخوانی ہاتھوں کی گرفت میں لے لی اور پھر ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا گویا اس کی پنڈلی شکنجے میں کس دی گئی ہو۔ پتلی پتلی انگلیاں اسے اپنے گوشت میں

اترتی محسوس ہوئیں اور پھر اسے یوں لگا گویا اس کی پنڈلی کی ہڈی چور چور ہو جائے گی۔ پتلی پتلی انگلیاں گوشت کاٹتی ہوئی ہڈی تک اتر جائیں گی۔ اس کے لیے تکلیف کی شدت سے کھڑا رہنا دو بھر ہو گیا۔ بوڑھا اپنی انگلیوں کی گرفت سخت کرتا رہا۔ اور پھر ڈاکٹر فرقان لہراتا ہوا درد کی شدت سے کراہتا زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی۔ اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔

پھر شیطان بوڑھے نے اس کی پنڈلی پر اپنی انگلیوں کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اور فرقان کو ایک طرف دھکا دے دیا۔ ڈاکٹر فرقان بے سدھ زمین پر پڑا پنڈلی کو مسلتا رہا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ تکلیف کی شدت سے وہ پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔

کامنی کی ہمشکل غار کے کونے میں اسی طرح بڑے انہماک سے بھیڑیئے کے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کی دہکتی ہوئی آنکھیں غار کی تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ اور غار میں دودھ پینے کی چسر چسر کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ زمین پر پڑی ہوئی ٹارچ کی روشنی بوڑھے کے منہ پر پڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وہی سفاکانہ چمک تھی۔ اور نامعلوم ڈاکٹر فرقان کیوں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہی شیطان بوڑھا کامنی کے جسم پر ایک اجنبی روح کے قبضہ کا ذمہ دار ہے۔

''تم نے بالکل صحیح سمجھا۔''

بوڑھے نے اسی طرح ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے سے ایسی کوئی علامت ظاہر نہ ہوتی تھی کہ اس نے کوئی محنت کی ہو۔ حالانکہ ڈاکٹر فرقان کو اپنی پنڈلی پر گرفت کی سختی سے یوں لگ رہا تھا گویا اس شیطان بوڑھے نے تمام طاقت صرف کر دی تھی۔

''میں نے ہی اسے یہ روپ دیا ہے۔ اور میری زندگی تمہارے لیے ضروری ہے۔''

''کیا......؟''

ڈاکٹر فرقان نے جی کڑا کر کے کہا۔ اسے تعجب تھا کہ یہ شیطانی بوڑھا کیوں کر اس کے خیالات تک رسائی حاصل کر سکا ہے۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے محتاج ہیں۔ اس لیے ہم دونوں کو اس کی ضرورت ہے۔'' بوڑھے نے نامعلوم مریضہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''ابانا ہم دونوں کی مشترکہ کمزوری ہے۔''

''ابانا......''

''ہاں میں نے اسے یہی نام دیا ہے۔ اس کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ یہ میری ماں ہے۔ یہ میری ریاضت اور میری تپسیہ کا حاصل ہے۔ اس نے مجھے ماں کی ممتا دی ہے۔''

تکلیف کی شدت اور نامعلوم خوف کے باوجود ڈاکٹر فرقان بے بسی سے ہنس پڑا۔

بوڑھا خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے بوڑھے سے پھر پوچھا۔

''مگر تم کون ہو۔''

''یہ میری ماں ہے تمہیں بس اتنا ہی جاننا کافی ہے۔''

فرقان کی پنڈلی میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر تکلیف کے سبب وہ نہ اٹھ سکا۔ دکھتی ہوئی پنڈلی نے اس کے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

پھر بڑی دیر تک غار میں خاموشی طاری رہی۔ فرقان فرش پر بیٹھا تکلیف سے ہانپتا رہا۔ غار میں بھیڑیئے کے بچوں کے دودھ پینے کی چسر چسر کی آوازیں ابھرتی رہیں۔ اور پھر ڈاکٹر فرقان نے اس بوڑھے کے منہ سے وہی بین کرتی آواز سنی جس کا تعاقب کرتی ہوئی ابانا کامنی کی ہمشکل مریضہ......اس غار تک پہنچی تھی۔

فرقان نے مریضہ کی طرف دیکھا کہ اس آواز کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ اٹھائی اور ابانا پر ٹارچ کی روشنی ڈالی بوڑھا بھوکے بچے کی مانند اب بھی ہمک رہا تھا۔ اور اس کی وہی بین کرتی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

''اب آنا......ابانا......اب آنا......ابانا!''

اس کے بعد فرقان نے جو کچھ دیکھا وہ بہت حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھا اور اس کے بعد ہی اس کی سمجھ میں آیا کہ بوڑھے کے اس جملے کا کہ ''یہ میری ماں ہے۔'' کیا مطلب ہے۔ ابانا نے بھیڑیئے کے بچوں کو علیحدہ کر دیا تھا۔ ٹارچ کی کمزور روشنی میں اس نے ابانا کو کھسک کر بوڑھے کی طرف آتے دیکھا۔ اور پھر اگلے ہی لمحے بھیڑیئے کے بچوں کی جگہ وہ بوڑھا لے چکا تھا۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے بھی کھسکتے ہوئے ابانا کے پاس آ گئے تھے۔ اور وہ اس کے پاس ہی کھیل رہے تھے۔

ڈاکٹر فرقان کے لیے یہ منظر ناقابل برداشت تھا مگر اس میں اٹھنے کی سکت نہ تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر زناٹے کا ایک تھپڑ بوڑھے کے مارے اور اسے مریضہ سے علیحدہ کر دے مگر اس کی پنڈلی کی ٹیسیں اتنی شدید تھیں کہ وہ اپنی جگہ بے بسی سے پڑا۔ یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اسے کامنی کے جسم کی یہ بے حرمتی قطعی پسند نہ تھی۔ وہ اس جسم کو اس شیطان بوڑھے کے تسلط سے آزاد کرنا چاہتا تھا۔ اسے ابانا کی اس کیفیت سے یا یوں کہئے کہ کامنی کے مفتوح جسم سے بے حد ہمدردی تھی۔ وہ بری طرح اپنی بے بسی پر کڑھتا رہا۔

ڈاکٹر فرقان نے گھڑی دیکھی۔ بوڑھے کو دودھ پیتے ہوئے نصف گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اب رات کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ اور پھر اس کے دل میں اندھے وسوسے نے جنم لیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہسپتال میں ابانا اور اس کی عدم موجودگی سے کوئی باخبر ہو جائے۔

بوڑھے نے منہ ہٹا لیا۔ اس نے پھر ڈاکٹر فرقان کا ذہن پڑھ لیا تھا۔

اس نے کہا۔ ''کچھ نہیں ہوگا۔''

ڈاکٹر فرقان نے کوئی جواب دینا پسند نہ کیا۔ اسے اس خبیث بوڑھے سے بے حد کراہت آ رہی تھی۔ اور بے حد نفرت اس کے لیے دل میں تھی مگر اپنی بے بسی کے سبب وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔

پھر ابانا بوڑھے کے پاس سے ہٹ آئی۔ اور اس نے ڈاکٹر فرقان کی دکھتی ہوئی پنڈلی پر ہاتھ رکھا اور بڑی محبت سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس کے انداز میں ڈاکٹر فرقان نے بے حد اپنائیت محسوس

کی۔

بوڑھے نے کہا۔

''ابانا بڑی رحمدل ہے۔ اس میں ممتا کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اسی کی وجہ سے میں آج زندہ ہوں۔ اس نے مجھے اس وقت زندگی دی تھی جب میں موت کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ میں اس کا محتاج ہوں۔ تمہیں اس کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں کو اپنی ضرورتوں کی بنا پر ایک دوسرے سے سمجھوتہ کر لینا چاہئے۔ ابانا سے دستبردار ہونا میرے لیے ناممکن ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے بوڑھے کی بات کا جواب نہ دیا۔ ویسے بھی وہ اس کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ اسے یہی معلوم نہ تھا کہ بوڑھا کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ وہ پورے حالات سنے بغیر بوڑھے سے کوئی وعدہ نہ کرنا چاہتا تھا۔ لہذا وہ خاموش ہی رہا۔ ابانا اس کی پنڈلی کو اب بھی سہلا رہی تھی۔ اور اس کی انگلیوں کے لمس میں عجیب سی مٹھاس تھی۔ ایسی مٹھاس جس نے اس کی تکلیف کی شدت کو کم کر دیا تھا۔

بوڑھے نے پھر کہا۔ ''میں اس وقت تمہیں زیادہ نہیں بتا سکتا۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔ تم جاؤ...... اب ہم دونوں کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کے بغیر کوئی چارہ نہیں...... ابانا کون ہے...... کیا ہے...... میں تمہیں بتا دوں گا...... مگر ابھی نہیں...... ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں...... میں سونا چاہتا ہوں۔ میں سو رہا ہوں۔''

بوڑھے کی آواز آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی۔ اور پھر غار میں اس کے خراٹے گونجنے لگے۔

پھر ابانا نے فرقان کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔ اس کی پنڈلی اب بھی دکھ رہی تھی۔ وہ اس پر پورا بوجھ نہ ڈال سکتا تھا۔ ڈاکٹر فرقان کی واپسی عجیب انداز میں ہوئی۔ ابانا نے اس کا تمام بوجھ اپنے اوپر سہار لیا تھا۔ اور ابانا اسے یوں لئے جا رہی تھی۔ گویا کوئی تنکا ہوا کے سہارے بھاگ رہا ہو۔ وہ دونوں جب ہسپتال میں واپس پہنچے۔ تو وہاں ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا ہر شخص پر بے ہوشی طاری ہو۔ ہر شخص سحر زدہ تھا۔ کوئی آواز کوئی چاپ نہ تھی۔ ایک پر ہول سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ بجلی کی زرد روشنیاں مدھم ہو رہی تھیں۔

وہ دونوں کمرے میں آئے۔ ابانا نے فرقان کو سہارا دے کر دیوان پر بٹھا دیا۔ اور خود اپنے پلنگ پر چلی گئی۔ اس کی چال اس کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز میں وہی ایک حسین لوچ تھا۔ اس میں کہیں بھی کوئی جھٹکا نہ تھا۔ ایک لے کے اتار چڑھاؤ کی مانند اس کے بدن کی ہر حرکت میں نغمگی تھی۔

ابانا نے پلنگ پر بیٹھ کر پھر ڈاکٹر فرقان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردی تھی۔ اس کی سرخ آنکھوں کی روشنی کے سہارے ڈاکٹر فرقان نے پھر یہ پیغام سنا۔

''مجھے افسوس ہے...... مجھے معاف کر دو......''

ابانا کا یہ پیغام اس کے تمام وجود نے سنا تھا۔ کمرے میں کوئی آواز نہ گونجی تھی۔ اس کے باوجود اس نے محسوس کیا کہ ابانا اس سے یہی کہنا چاہتی ہے۔

اس خیال نے ڈاکٹر فرقان کو بے حد آسودگی بخشی اور وہ دیوان پر لیٹ گیا۔ ابانا پھر کچھ سوچ

کر اٹھی اور اس کے پاس آ گئی اور اس نے اپنی مخروطی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی شروع کر دی۔ کس قدر سکون بخش تھا اس کے ہاتھوں کا لمس۔ ابانا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی اور وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

☆......☆

صبح کا دھندلکا پھیل رہا تھا کہ ڈاکٹر فرقان کی آنکھ پھر کھل گئی۔

وہ ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا اور کھڑکی میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ بے حد تر و تازہ تھا۔ رات کے واقعات نے اس کے جسم کو چور چور کر دیا تھا۔ اب نہ اس کے جسم پر تھکن طاری تھی نہ کسلمندی، نہ بے خوابی سے آنکھوں میں جلن یا گدلا پن تھا۔ اس کا ذہن بالکل صاف تھا۔ اور دماغ پر کوئی بھاری پن نہ تھا اس کی کیفیت ایک ایسے شخص کی تھی جو گہری نیند کے بعد اٹھا ہو۔ اُس نے گھڑی دیکھی تو گویا وہ صرف ڈیڑھ گھنٹہ سویا تھا۔ لیکن ڈیڑھ گھنٹے کی میٹھی نیند اس کے اعصاب کی ساری تھکن اور دماغ کا تمام بوجھل پن اتار گئی تھی۔ اور اس نے اس کا ذمہ دار ابانا کو ٹھہرایا۔ جس نے اس غار سے واپسی پر اس کا سر دبایا تھا۔ اگر وہ سر نہ دباتی تو شاید اس کے لیے آنکھ جھپکنا ہی ناممکن تھا۔ وہ واقعات ہی ایسے تھے۔ جن سے گزرنے کے فوراً بعد نیند کا آنا محال تھا۔ مگر ابانا کے ہاتھ کا لمس اس قدر سکون بخش تھا اور اس کے ہاتھوں سے ایسا میٹھا میٹھا کیف آور خمار اس کے تھکے ہوئے جسم کے ایک ایک روم میں سرایت کر رہا تھا۔ اس نے اس خمار آگیں کیفیت کی رو اپنے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتے محسوس کی تھی۔ اور پھر اس کے لیے آنکھیں کھلی رکھنا ناممکن ہو گیا۔

اس نے پلٹ کر ابانا کو دیکھا۔

وہ اس وقت بڑے سکون سے سو رہی تھی۔ ابانا کے لیے اس وقت اس نے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت کے احساسات موجزن پائے۔ رات کی ابانا کا یہ روپ اس کے لیے نہایت مسرت بخش تھا۔ حالانکہ رات کی ابانا بے حد پراسرار تھی اور خوفناک بھی مگر اس ابانا سے اسے کوئی خوف محسوس نہ ہوا۔ نہ معلوم اسے کیوں یقین ہو گیا تھا کہ ابانا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس خیال نے فرقان کو بے حد تقویت دی اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ابانا کو اس خبیث بوڑھے سے ضرور نجات دلائے گا۔

خبیث بوڑھا جس کے خیال سے اس وقت بھی اسے جھرجھری آ گئی تھی۔ فرقان کو یقین تھا کہ وہ بوڑھا کچھ ایسی قوتوں کا مالک ہے جو عام انسان کے پاس نہیں ہوتیں۔ اس خوف کے باوجود وہ اس بوڑھے کی اصلیت کا پتہ چلانا چاہتا تھا۔ اور اگر ابانا کسی طرح اس کے زیر اثر تھی تو وہ اسے اس خبیث بوڑھے سے نجات دلانا چاہتا تھا مگر کیسے یہ سب کچھ وہ کیسے کر سکے گا۔ سوال تو بس یہی تھا کہ وہ اس خبیث بوڑھے سے کیونکر نمٹے گا......؟

باہر مشرقی گھاٹی میں دور کسی پہاڑی کے پیچھے سورج طلوع ہو چکا تھا۔ آسمان پر بکھری ہوئی روشنی نے تمام ماحول کو روشن کر دیا تھا۔ وہ پراسرار رات ختم ہو گئی تھی۔ فرقان نے اطمینان کا گہرا سانس لیا

اور کھڑکی سے ہٹ آیا۔ ہسپتال میں ہلچل کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اب خاکروب آ کر کمرے کی صفائی کرنے والا تھا۔ اور اس کے بعد ہسپتال کی ہماہمی شروع ہونے والی تھی۔

وہ ابانا کے پلنگ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ابانا بڑے سکون سے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس کے گالوں پر سرخی جھلک رہی تھی۔ ان میں ایسی تازگی تھی جو کلی کے کھلنے پر گلاب کے پھولوں کی پتیوں پر بکھری ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں کی سرخی اور بھی گہری ہو گئی تھی۔ اس نے جھک کر ابانا کے ہونٹوں کو چوما۔ مگر دوسرے لمحے وہ ہٹ گیا۔ ابانا کی سانس میں گھلی ہوئی بدبو نے اس کے جذبات کو سرد کر دیا تھا۔

پھر اچانک اسے ایک بات نہایت عجیب لگی۔ ابانا کا لباس ذرا بھی میلا نہ تھا۔ اس کے پاؤں بھی گندے نہ تھے۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ رات وہ ننگے پیر باہر نکلی تھی۔ اور وہ دونوں کچے راستوں اور اونچی نیچی پگڈنڈیوں سے گذرتے، کیچڑ اور پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں کو پھلانگتے، چشمے کے پیچھے پہاڑی دامن میں بنے ہوئے غار میں پہنچے تھے۔

اس کے باوجود ابانا کے پیر ذرا بھی گندے نہ تھے۔ نہ اس کے لباس پر کوئی چھینٹ آئی تھی۔

پھر ڈاکٹر فرقان کو یہ بھی یاد تھا کہ ابانا نے اس غار میں زمین پر بیٹھ کر بھیڑیئے کے بچوں اور اس خبیث بوڑھے کو دودھ پلایا تھا۔ اس سب کچھ کے باوجود اس کا لباس بے داغ تھا۔

اس نے اپنے لباس کو دیکھا جس پر جگہ جگہ مٹی کے دھبے تھے۔ پائینچے اب بھی سیلے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ ان پر مٹی اور گندے پانی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے جوتے مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے پائینچے چڑھا کر اپنی پنڈلی دیکھی پنڈلی پر خبیث بوڑھے کی گرفت کی نیلی نیلی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور پنڈلی پر ورم تھا لیکن اس وقت پنڈلی میں وہ درد اور ٹیس بالکل نہ تھی۔ شاید یہ بھی ابانا کے ہاتھوں کے لمس کا نتیجہ تھا۔

ایک لمحہ کے لیے ڈاکٹر فرقان نے سوچا کہ کہیں وہ خواب میں چلنے کا تو عادی نہیں ہو گیا ہے۔ ابانا اور اپنی حالت میں اس تضاد کے بعد وہ شاید اس سے زیادہ منطقی نتیجے پر پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ مگر پنڈلی کا نشان رات کے واقعہ کے سچے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی ٹارچ دیکھی ٹارچ غائب تھی۔ وہ رات اسی غار میں رہ گئی تھی۔

''تو یہ سب کچھ خواب نہیں ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے سوچا اور اس نے اسی وقت حقیقت کا پتہ چلانے کی ٹھان لی..... اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ابھی پھر اسی غار میں جائے گا۔

اس نے دیوان کے نیچے سے اٹیچی نکالی اور ان میں سے کپڑے نکال کر باتھ میں گھس گیا۔

☆......☆

اور اب وہ اس پہاڑی چشمے کے پاس پہنچ چکا تھا۔

اس وقت سورج قدرے اوپر چڑھ آیا تھا۔ لیکن مشرقی پہاڑیوں کی آڑ میں ہونے کے سبب

دھوپ ابھی وادی میں نہ پھیلی تھی۔ چشمے کے پاس پہنچ کر غار کی صرف بڑھنے سے پہلے اس نے اپنا سانس درست کیا۔ وہ اصل حقائق جاننے کے لیے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اب یہاں پہنچ کر اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ کہیں اس نے تنہا آ کر غلطی تو نہیں کی ہے۔ رات کے واقعات کا خوف ایک مرتبہ پھر اس پر غالب آ رہا تھا۔ غار میں اسے نہ معلوم کن واقعات سے سابقہ پڑ سکتا تھا۔ لیکن اس نے ان اندیشوں اور وسوسوں کو ذہن سے جھٹک کر غار میں جانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا......'' فرقان نے سوچا۔ ''آخر اس خبیث بوڑھے کو میری مدد کی بھی تو ضرورت ہے۔''

اسے اس وقت اس بوڑھے کے رات کے مکالمے یاد آ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسے ابانا کا خیال آیا کامنی کے جسم کا خیال آیا۔ جس میں ابانا کی روح حلول کر گئی تھی۔ ابانا جو شاید مادہ بھیڑیا تھی وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر اس بوڑھے کی کیا مجبوری ہے جو وہ اس کی مدد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے تعاون چاہتا ہے۔

''اور تب شاید میں اس بوڑھے کو ٹھکانے لگا سکوں۔'' ڈاکٹر فرقان نے سوچا...... ''اس بوڑھے سے مقابلہ کرنے کے لیے اس کی کمزوریوں سے بھی تو واقف ہونا لازمی ہے۔''

اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد اس نے غار کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

وہ دبے قدموں چلتا ہوا اس چٹان پر پہنچا جس کے دامن سے چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ یہاں سے اس نے پنجوں کے بل آگے بڑھنا شروع کیا۔

وہ اس وقت بے حد چوکنا تھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

لیکن اس وقت سورج کی روشنی اس کے لیے تقویت کا سب سے بڑا سبب تھی۔ وہ اس وقت کم از کم اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ سکتا تھا۔ اپنی طرف بڑھنے والے خطرے سے واقف ہو سکتا تھا۔ اور اس کے بعد وہ بچاؤ بھی کر سکتا تھا۔ اسے کم از کم اتنا تو یقین تھا کہ کوئی اس کو انجانے میں گزند نہیں پہنچا سکے گا۔

اب وہ غار کے دہانے کے پاس تھا۔ اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ اس غار کے ایک نیم تاریک کونے میں بوڑھا لیٹا ہوا نظر آیا۔ فرقان غار میں داخل ہو گیا۔ وہ اب بھی بے حد چوکنا تھا۔ اس نے تھوڑی دور پڑی ہوئی اپنی ٹارچ اٹھا لی۔

ننھی سی ٹارچ کے سیل ختم ہو گئے تھے۔

پھر وہ آہستہ آہستہ بوڑھے کی طرف بڑھا جو اس سے سات فٹ دور پیٹ میں گھٹنے دیئے پڑا تھا۔ اس کے دونوں جانب بھیڑیئے کے بچے بھی لیٹے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھا لیکن اسے ٹھٹھک جانا پڑا۔ ایک سانپ جو بوڑھے کے پاس ہی کنڈلی مارے بیٹھا تھا چوکنا ہو کر اپنا پھن لہرا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے منہ سے بار بار اس کی سرخ زبان لپلپا کر باہر آ رہی تھی۔ اور اس کے منہ سے ابھرنے والی سوں سوں کی آواز غار میں بھر گئی تھی۔

ڈاکٹر فرقان کے آگے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

اس نئے خطرے کو اس سے پہلے اس نے غار میں پھیلی ہوئی ملگجی روشنی میں نہیں دیکھا تھا۔ سانپ کا انداز ایسا تھا گویا وہ اس بوڑھے کی حفاظت پر مامور ہو۔ اس نے اپنی جگہ سے آگے کھسکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ ڈاکٹر فرقان آہستہ آہستہ الٹے قدموں واپس ہونے لگا۔ اور جب وہ غار کے دہانے پر پہنچ گیا۔ تو سانپ نے پھر اپنا منہ کنڈلی میں دے دیا۔

''کمبخت خبیث بڈھا''

اس کا یہاں آنا بے کار ہو گیا تھا۔

اس نے آواز دی۔

''بڑے میاں۔''

مگر اس بڈھے کو جنبش نہ ہوئی۔ پھر اس نے کنکر اٹھا کر بوڑھے کے مارا۔ مگر بوڑھا ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس نے پھر چیخ کر بڈھے کو جگانا چاہا۔ مگر بے سود۔

سانپ اس کے پاس ہی اب بھی کنڈلی مارے ہوئے تھا بالآخر اسے بے نیل و مراد واپس آنا پڑا۔

☆......☆

اور پھر وہ تمام دن بھی معمول کے مطابق گذر گیا۔ اس دن ابانا کا رویہ پہلے روز سے زیادہ بہتر تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے ہی اپنی نگرانی میں ابانا کو کھانا کھلوایا تھا۔ وہی ابلا ہوا گوشت، مرغی کا تازہ خون۔ پھر ڈاکٹر فرقان ہی نے اس کے انجکشن لگایا۔ آج ابانا کی کیفیت کسی سدھے ہوئے وحشی جانور کی تھی۔

لیکن فرقان کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ دن میں ابانا کی آنکھوں سے نہ تو اسے کوئی پیغام ملتا محسوس ہوا، نہ ہی اس کے اٹھنے بیٹھنے کی نغمگی اور لے کا وہ لبھاؤ تھا جو ڈاکٹر فرقان نے رات محسوس کیا تھا۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے اور ردعمل کے اظہار میں وہی جنگلی پن تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے جب اس کی نبض دیکھنے کے لیے اس کی کلائی پر ہاتھ رکھا تھا تو اس نے ہاتھ کو اس طرح چاٹا تھا جیسے کوئی پالتو کتا اپنے مالک کے ہاتھ چاٹتا ہے۔ لیکن جب ایک نرس اس کے انجکشن لگانے کے لیے اس کی طرف بڑھی تو وہ پلنگ پر اس طرح سمٹی تھی جس طرح کوئی چوپایا سہم کر کسی کونے میں دبکتا ہے۔

اس دن بھی اخبارات میں اس اجنبی مریضہ کی تصاویر اور دیگر تفصیلات شائع ہوئی تھیں۔ اس کے بارے میں کئی ماہرین حیوانات کے بیانات اور آرا شائع ہوئی تھیں۔ شریف عثمانی نے یہ انکشاف کیا تھا کہ ڈاکٹر فرقان اس مریضہ کو جو ان کی اپنی مرحومہ بیوی کی ہمشکل ہے۔ تربیت دینے کے انتظامات کر رہے ہیں۔ تاکہ اس کی وہ حیوانی خصلتیں جو جانوروں میں پرورش پانے کی وجہ سے اس میں پیدا ہوئی ہیں۔ تبدیل ہو جائیں اور اس میں وہی انسانی مصلحتیں بیدار ہو جائیں جو اس میں خوابیدہ ہو چکی ہیں۔ دیکھئے وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔

ساتھ ہی ملک بھر سے اور بیرون ملک سے اس مریضہ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کے لیے بے شمار تار ہسپتال میں موصول ہوئے تھے۔ اس خبر نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اور ماہرین

انسانیات و ماہرین حیوانیات نے اس مریضہ سے بے حد دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ بیرونی اخبارات کے کئی نمائندے وہاں پہنچ چکے تھے۔

ڈاکٹر فرقان کے لیے سب سے پریشان کن یہ اطلاع تھی کہ وزارت صحت نے اس مریضہ میں بے حد دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اور اس کا ایک نمائندہ ماہرین کی ایک جماعت کے ہمراہ دارالحکومت سے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اور تمام دن وہ ڈاکٹر فرقان کا دماغ چاٹتے رہے تھے۔ لیکن اس سلسلے میں بھی ابانا ہی نے اس کی مدد کی تھی۔ یہ ماہرین جب کمرے میں داخل ہوئے تھے تو اس نے بری طرح غرانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد غصہ میں تھی۔ اور ڈاکٹر فرقان، ابانا کے اس ردعمل کے بعد ان ماہرین کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ ان کا مریضہ کے پاس جانا مریضہ کے لیے اچھا نہیں ہے۔

ہسپتال میں سب کے لیے یہ بات بڑی عجیب تھی کہ یہ مریضہ جو عورتوں تک سے مانوس نہیں تھی اور جو عورتوں کو بھی کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی کیونکر ڈاکٹر فرقان سے اتنی جلد مانوس ہو گئی تھی۔

اور ڈاکٹر فرقان نے اس کی صرف یہی تاویل پیش کی تھی کہ اس نے مریضہ کو اس کی مرغوب غذا کھلائی تھی۔ جس کی بناء پر آدمیوں کی اس بھیڑ میں وہ صرف اسے ہی اپنا ہمدرد تصور کرتی تھی۔

دن بھر کی ان مصروفیات کے بعد شام کو جب ڈاکٹر فرقان کو چھٹکارا ملا تو یہ سوچنے کا موقع ملا کہ اسے اس مریضہ کے بارے میں جسے وہ خبیث بوڑھا ابانا کہتا تھا۔ آئندہ کیا طریق کار اختیار کرنا چاہئے۔ وہ ابانا کو فوراً ہسپتال سے منتقل کرنا چاہتا تھا مگر ڈاکٹروں کے بورڈ کا اصرار تھا کہ اسے دو ایک دن اور ہسپتال میں رہنا چاہئے۔ ابھی اس کا اندرونی زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا۔ اس کے جسم کی خراشیں ٹھیک ہو گئی تھیں۔ ویسے مریضہ کی حالت بہت تیزی سے سنبھل رہی تھی۔ اس کے صحت یاب ہونے کی رفتار بہت تیز تھی جس پر ڈاکٹر بھی حیران تھے۔ لیکن اس کی تاویل یہی پیش کی گئی کہ اس کی پرورش جس انداز اور جس ماحول میں ہوئی وہ قطعی فطری تھا اور اس کی غذا ہمیشہ خالص جڑی بوٹیاں اور گوشت و خون رہا ہے۔ لہٰذا فطری طور پر اس میں مدافعت اور صحت یاب ہونے کی صلاحیتیں عام انسانوں سے زیادہ تھیں۔

شام کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ڈاکٹر فرقان کی بے چینی بڑھنے لگی تھی۔ نہ معلوم اسے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ گذشتہ رات جو واقعات پیش آئے تھے، ان کا اعادہ آج پھر ہو گا۔ اور وہ ان سے نمٹنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نہ معلوم اسے کیوں یہ احساس ہو رہا تھا کہ ابانا کی موجودگی میں وہ خبیث بوڑھا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس نے پیش آنے والے واقعات کا مقابلہ کرنے کی پوری تیاریاں کر لی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس اسے یقین دلا رہی تھی کہ آج رات پھر اسے وہ غیر پسندیدہ تفریح کرنی تھی۔ آج رات پھر اسے ابانا کا تعاقب کرنا تھا اور اسی غار تک پہنچنا تھا۔ اس نے اس خبیث بوڑھے سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو وہ اس کے چکر سے نکل جائے اور ابانا کو بھی اس کے اثر سے نجات دلا دے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس خبیث بوڑھے کی اس کمزوری سے بھی واقف ہو جس پر وہ سمجھوتہ کرنا چاہتا تھا۔

وہ اس ملاقات کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

چاند کی آخری تاریخوں کی ابتدائی رات کی سیاہی گہری ہوگئی تھی۔ ہسپتال میں سناٹا تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے اس کی حالت میں سورج غروب ہونے کے ساتھ ساتھ نمایاں تبدیلی دیکھی تھی۔ دن بھر اس پر جو گھبراہٹ سی طاری تھی۔ وہ اس وقت ختم ہوگئی تھی۔ اس کا سہما پن بھی ختم ہوگیا تھا۔ اور اس وقت اس کے چہرے پر بڑی آسودگی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی روشنی میں تیزی اور سرخی آ رہی تھی۔

فرقان نے کھڑکی کے پٹ بند کیے اور وہاں سے ہٹ آیا۔ اور ابانا کے پلنگ کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کس قدر عجیب بات ہے۔ اس نے سوچا جب سے ابانا نے نرس کے بازو کی بوٹی اتاری تھی۔ ہر شخص اس سے ہراساں تھا۔ کوئی تنہا اس کے کمرے میں آنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ اور سب حیران تھے کہ آخر ڈاکٹر فرقان کے پاس وہ کون قوت ہے جو اس نے اس وحشی عورت کو یوں رام کر لیا ہے کہ اس کے سامنے اس کی تمام خونخواری ختم ہوجاتی ہے اور وہ بھیگی بلی بن کر رہ جاتی ہے۔

''ابانا...... کامنی......''

ڈاکٹر فرقان نے آہستگی سے کہا اور ابانا نے کسمسا کر پہلو بدلا۔ اور اس وقت اس نے ڈاکٹر فرقان سے مانوسیت کے اظہار کے لیے اس کے ہاتھ نہیں چاٹے۔ ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس میں جانوروں کی جبلت کا شائبہ ہوتا۔ اس کے برعکس اس نے اپنا سفید نرم ملائم اور گرم ہاتھ ڈاکٹر فرقان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ کیسا عجیب لمس تھا اس کے ہاتھوں کا۔ اسے اس لمس میں اسی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ جو اس نے پہلی مرتبہ کامنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محسوس کی تھی۔ ابانا کی گرفت میں بے حد اپنائیت تھی۔ فرقان نے اس نرم و ملائم ہاتھ کو اپنے سلگتے ہوئے ہونٹوں سے چوم لیا۔ اس وقت اس کے رگ و پے میں آگ سی بھر گئی تھی۔ خون کی گردش تیز ہوگئی تھی۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

ابانا کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔ اس نے منہ کھول کر ہونٹوں کو گردش دی مگر ان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔ کوئی آواز نہ ابھری اور پھر اس نے ڈاکٹر فرقان کے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچ کر چوم لیا۔

ڈاکٹر فرقان کو یوں لگا۔ گویا اس کے گرم ہاتھوں پر برف کی قاش رکھ دی گئی ہو۔ لیکن اس برفیلے بوسے میں ایک عجیب سی نشیلی کیفیت تھی۔

ایک عجیب مسحور کن نشہ تھا جو اس برفیلے بوسے سے اس کے جسم میں دوڑ گیا تھا۔

فرقان بے تاب ہوگیا۔

اس وقت وہ ابانا میں کھو جانا چاہتا تھا۔ اسی کا ایک حصہ بن جانا چاہتا تھا۔ اس کے تمام جسم میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ اس وقت اس کو کچھ خیال نہ رہا تھا۔ نہ اس خبیث بوڑھے کا، نہ اس غار کا، نہ ابانا کے پراسرار وجود کا۔ اس وقت وہ صرف جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا۔ ابانا کا اصل روپ کیا تھا۔ اسے اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ ابانا نے اس کا ہاتھ اب بھی تھام رکھا تھا۔ ابانا کے ہونٹوں سے اس کے جسم میں منتقل ہونے والی لذت نے اس کا جسم کپکپا کر رہ گیا تھا۔

اس نے ابانا کو دیکھا اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ اس کے گالوں پر دوران خون کی تیزی سے سرخی کچھ زیادہ ہی گہری ہوگئی تھی۔ فرقان نے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔ ابانا کے گال دھک رہے تھے۔ اس کے گالوں سے آنچ سی اٹھ رہی تھی۔ اور اس کے ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔

ڈاکٹر فرقان کو اپنے حلق میں گولا سا اٹکا محسوس ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ باہر نکل کر اس نے انگڑائی لی۔

سپاہی اسٹول سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

''کیا ہے صاحب!''

''کچھ نہیں تم بیٹھو۔''

''مریضہ کی حالت کیسی ہے؟''

سپاہی نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے...... سو رہی ہے۔''

''کوئی خطرہ تو نہیں۔''

''نہیں...... خطرے کی کیا بات ہے۔''

''کل اس نے کاٹ کھایا تھا نرس کو۔''

سپاہی نے کہا۔

''بلی کی دم پر پیر رکھو گے تو وہ پنجہ ہی مارے گی۔''

''آپ اسے سدھائیں گے صاحب!''

''ارادہ تو یہی ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

''آپ کو اس سے ڈر نہیں لگتا؟''

''ڈر کی کیا بات ہے۔ تم نے سرکس کے سدھے ہوئے شیر نہیں دیکھے۔ تماشائی شیر سے ڈرتے ہیں مگر رنگ ماسٹر نہیں ڈرتا۔''

''جی ہاں یہ بات تو ہے۔'' سپاہی نے کہا۔

''اچھا میں سو رہا ہوں۔ اندر سے دروازہ بند کر لوں گا۔''

یہ کہہ کر فرقان اندر آگیا۔ اور دروازہ بند کر لیا۔

کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے جب اس نے لیٹ کر ابانا کو دیکھا تو اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی دیکھی۔ اس مسکراہٹ میں بے شمار معنی پنہاں تھے۔ اور ڈاکٹر فرقان اس کی ان کہی باتوں کے تمام مفہوم کو جو اس نے ابانا کے انداز، اس کے گالوں پر ابھر آنے والی بیر بہوٹیوں سے اخذ کیا تھا۔ صرف ''مکمل خود سپردگی'' کا نام دے سکا۔ اور پھر وہ اٹھ کر ابانا کے پلنگ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ یوں لگتا

تھا کہ جیسے اسے کوئی نادیدہ طاقت اُس کی طرف بڑھا رہی ہو۔

☆......☆

پھر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا تھا۔ پھر ڈاکٹر فرقان کو اپنی اور ابانا کی حالت کا احساس ہوا۔ ''اگر کوئی آجائے تو'' یہ سوچتے ہی وہ جلدی سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنی اور ابانا کی حالت درست کی اور پھر وہ اپنے دیوان پر آ بیٹھا۔

ابانا اب پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اچانک ہسپتال کی لائٹ چلی گئی...... آج پھر بجلی فیل ہو گئی تھی۔

تاریکی میں اس نے ابانا کی آنکھیں چمکتی ہوئی دیکھیں۔

اور وہ چوکنا ہو گیا۔ شاید شاید...... اب پھر کل والے سفر پر روانہ ہونا پڑے۔ اس نے دیوان کے ساتھ ہی رکھے ہوئے اسٹول پر سے چھ سیلوں والی بڑی ٹارچ اٹھا لی۔ یہ ٹارچ آج ہی اس نے خریدی تھی۔ اور محض اس خیال سے کہ اگر اسے پھر رات کے وقت اس غار میں جانا پڑے تو غار میں اسے تاریکی کا احساس نہ ہو۔

اس نے ابانا کو دیکھا۔ اس کی دہکتی ہوئی آنکھیں اس کی طرف جمی ہوئی تھیں۔

پھر اس نے ان آنکھوں سے روشنی کی کرنوں پر گذشتہ رات کی طرح پیغام سنا۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟''

''کچھ نہیں......'' اس نے کہا۔ ''تم کون ہو......''

''میں...... کون ہوں...... میں...... میں......'' وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔

''نہیں معلوم۔''

ڈاکٹر فرقان نے پھر بے اختیارانہ کہا۔

''معلوم تو ہے...... یاد نہیں......'' روشنی کے دوش پر وہی پیغام اسے ملا۔

''وہ بوڑھا کون ہے۔''

ڈاکٹر فرقان نے ایسا محسوس کیا گویا ابانا اس بوڑھے کے ذکر پر کپکپا اٹھی ہو۔

''میرا آقا......''

اس نے جواب دیا۔

اس کے بعد ان کے درمیان سلسلہ کلام منقطع ہو گیا۔ وہی بین کرتی، سسکتی، تڑپتی اور بلبلاتی آواز اس کمرے میں گونجی تھی۔

''ابانا...... اب آنا...... ابانا......''

یہ آواز ابانا کو بے چین کر گئی۔

وہ پلنگ سے کھڑی ہو گئی...... اور دروازے کی طرف لپکی۔

''ابانا......''

ڈاکٹر فرقان نے آواز دی۔

''ابانا...... اب آنا......''

لرزتی ہوئی آواز نے گویا کمرے میں دستک دی۔

''تم بھی آجاؤ......''

ابانا کی آنکھوں سے پھوٹتی ہوئی کرنوں کے دوش پر اسے پیغام ملا۔

وہ پہلے ہی اس کے لیے تیار تھا۔

رات کی گہری تاریکی میں وہ ابانا کے ساتھ ساتھ انہی ناہموار پگڈنڈیوں پر چشمے کی سمت بڑھتا رہا جن سے وہ کل رات اور صبح گذرا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ آج ابانا کی رفتار میں اتنی تیزی اور بے قراری نہ تھی۔ وہ آج بھی ہوا میں تیرتی ہوئی چل رہی تھی۔ اس کی رفتار کا عالم وہی تھا۔ احساس یہی ہوتا تھا کہ اس کے پیر زمین سے نہیں ٹکرا رہے ہیں۔ وہ ہوا کے جھونکے کی مانند سرسراتی ہوئی بڑھ رہی تھی۔ لیکن آج فرقان کے لیے ابانا کا ساتھ دینا مشکل نہ تھا۔ وہ کل ابانا کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔ لیکن شاید آج ابانا نے خود ہی اس کے خیال سے رفتار کم کر رکھی تھی۔ ڈاکٹر فرقان نے اسے یوں ہی محسوس کیا تھا اور اس احساس نے اسے بے حد تقویت بخشی تھی۔

چٹان پر پہنچ کر ابانا ایک لمحہ کے لیے رکی۔ فرقان اس کے برابر ہی تھا۔ ابانا نے اسے اپنی نظروں سے پھوٹتی ہوئی روشنی سے پیغام دیا۔

''فکر نہ کرو...... چلے آؤ...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' کتنی اپنائیت تھی اس پیغام میں۔ کتنا دلاسہ تھا ان الفاظ میں۔

ابانا کے اس پیغام نے اس کے دل کو اور بھی تقویت بخشی اور وہ جو اب تک دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ یہاں پہنچا تھا۔ نہایت پر اعتماد ہو گیا۔ انجانے واقعات کا خوف ایک دم اس کے دل سے معدوم ہو گیا۔ اور اس نے نہایت اعتماد سے آگے قدم بڑھائے۔

اب وہ غار کے دہانے پر پہنچ چکے تھے یہاں ابانا نے پھر اسے پیغام دیا۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ابانا تمہارے ساتھ ہے۔ ابانا تمہاری ہے...... تم ابانا کے ہو......''

غار سے وہی بین کرتی بلبلاتی آواز ابھر رہی تھی۔

''ابانا...... اب آنا...... ابانا۔''

ابانا غار میں داخل ہو گئی۔

ڈاکٹر فرقان چند لمحے وہاں ٹھہرا۔ اور پھر ٹارچ روشن کرتے ہوئے وہ بھی غار میں داخل ہو گیا۔ بڑی ٹارچ کی روشنی سے غار بھر گیا تھا۔ اس نے ابانا کو اسی کونے میں جہاں اس نے پچھلی رات بھیڑیئے کے بچوں کو دودھ پلایا تھا، بیٹھے دیکھا۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے آج بھی اسی طرح دودھ پینے میں مصروف تھے۔

خبیث بوڑھا غار کے دوسرے کونے میں لیٹا ہوا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اٹھ بیٹھا اس کے

چہرے پر بڑی کینہ توزی بکھری ہوئی تھی اور وہ بڑی خباثت سے ڈاکٹر فرقان کو گھور رہا تھا۔اس وقت ڈاکٹر فرقان نے دیکھا۔اس کی آنکھیں بڑی عجیب تھیں۔دونوں آنکھوں کے پپوٹوں کی کوروں میں گہری سیاہی تھی جو پپوٹوں کے ساتھ سفید پلکوں کی جڑوں پر حلقہ بنائے ہوئے تھیں۔اس کی آنکھوں کے ڈیلوں میں سیاہ دائرہ نہ تھا۔اس دائرے کی جگہ صرف ایک ملگجا سا زردی مائل حلقہ تھا۔اور اس کے درمیان اس کی سیاہ پتلی چمک رہی تھی۔

یہ آنکھیں دیکھ کر اسے جھرجھری سی آ گئی۔ان آنکھوں کو دیکھ کر صرف خوف کا احساس پیدا ہوتا تھا۔

''بیٹھو......''

بوڑھے نے غار میں پڑے ہوئے ایک پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فرقان نے ابانا کو دیکھا۔ابانا کے چہرے پر کراہیت کے آثار تھے۔گویا جو کچھ ہو رہا تھا۔وہ خود اسے بھی ناپسند تھا۔لیکن ایسا کرنے کے لیے وہ مجبور تھی۔

فرقان پتھر پر بیٹھ گیا۔اس نے اپنے اوسان اور ہوش و حواس مجتمع کئے۔اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔اس نے ابانا کی طرف دیکھا جس نے اسے یہ پیغام دیا۔

''خاموش نہ بیٹھو...... وقت نہ گزارو...... بات کرو کوئی بھی بات چھیڑو......''

بوڑھا اب بھی اسی کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔مونچھوں اور داڑھی کے سفید بال آپس میں مل گئے تھے۔

''میں آج صبح یہاں آیا تھا''ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

''میں جانتا تھا تم آؤ گے......اور تم سانپ دیکھ کر بھاگ گئے......''

''ہاں......''

''اچھا ہی کیا......''بوڑھے نے کہا''وہ میرا محافظ ہے۔''

''اب کہاں ہے......''

''یہیں ہے......مگر اب میں اس کی حفاظت کر رہا ہوں ہم ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔''

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟''

''ہاں بنیادی مسئلہ یہی ہے......مگر تم کیا چاہتے ہو''بوڑھے نے کہا۔

''میں ابانا چاہتا ہوں......''

فرقان نے فوراً جواب دیا۔

''اور میری زندگی کے لیے بھی ابانا لازمی ہے۔میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔''بوڑھے نے ابانا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''ابانا ہم دونوں کی کمزوری ہے۔نہ تم اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہو نہ میں اسے چھوڑنے پر آمادہ ہوں،چھوڑ ہی نہیں سکتا۔یہ میری زندگی کا سوال ہے۔''

''مگر اب تم جی کر کیا کرو گے۔اتنے بوڑھے تو ہو چکے ہو''ڈاکٹر فرقان نے تلخی سے کہا۔

''وہ چیز جس کے لیے میں نے اتنی تپسیا کی۔تمام لذتیں اپنے اوپر حرام کیں وہ مجھے اب حاصل ہوئی ہے تم کہتے ہو میں جی کر کیا کروں گا۔''

''کون سی لذتیں حرام کی تھیں۔''ڈاکٹر فرقان سمجھا کہ بوڑھا شاید اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔

''میں عورت سے دور رہا ہوں۔عورت کے قرب کی لذت سے دور رہا ہوں......کیوں کیا یہ آدمی کے لیے سب سے بڑی لذت نہیں۔''

''اپنی عمر دیکھی ہے؟''

''یہی تو بات ہے......میری عمر......میں تم سے زیادہ جوان ہوں۔''

''کون عورت تجھے چاہے گی خبیث بڈھے۔''فرقان نے برہم ہو کر کہا۔

''مجھے اس پر غصہ نہیں آیا خبیث تو میں ہوں۔رہا سوال عورت کو چاہنے کا،تو عورت تجھے چاہے گی اور وہ پیاس میری بجھائے گی......میری ہوس کا شکار ہو گی۔''

''کیا......؟''

فرقان دہاڑا۔

''غصہ کی ضرورت نہیں۔''بوڑھے نے کہا۔''یہی ہونا ہے۔تمہارا مقدر یہی ہے اور یہی ہونا ہے۔''

''اگر ایسا نہیں ہوا تو......اگر میں تیری بات نہ مانوں تو؟''

''پھر ابانا تجھے نہ مل سکے گی......وہ میرے کام آئے گی۔''

ڈاکٹر فرقان ہونقوں کی طرح بوڑھے کو دیکھنے لگا۔اس کے چہرے پر خباثت بکھری ہوئی تھی۔

''مگر وہ......تو اسے اپنی ماں کہتا ہے۔''

''سنو!میں تمہیں اپنے متعلق ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں''بوڑھے نے کہا اور اپنی زندگی کی کہانی سنانے لگا

''میں اگھوری ہوں۔تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔اگھوری اس دیس کے پرانے باشندے تھے۔وہ آدمخور تھے۔آدمیوں کا گوشت ان کی مرغوب ترین غذا تھی۔پھر شمال کی طرف سے آنے والوں نے انہیں کھدیڑ کر نیچے بھگا دیا۔اگھوری تتر بتر ہو گئے۔اوروں کا تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔مجھے اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں علم ہے۔وہ اس دوآبے میں اور ترائی کے اس علاقے میں آ بسے صدیاں بیت گئیں لیکن ان کی آدمخوری ختم نہ ہوئی یہ چھوٹا سا قبیلہ سال میں ایک مرتبہ انسانی گوشت کی ضیافت ضرور کرتا۔اس موقع پر بڑی خوشیاں منائی جاتیں۔میں بھی اس قبیلے کا ہوں اور شاید آخری شخص ہوں۔ایک مرتبہ ہم نے ایک سفید چمڑی والے کا گوشت کھایا تھا۔اس کی اطلاع نہ معلوم کس طرح ان گوروں کو ہو گئی۔اور انہوں نے ہماری پوری بستی کو بھون ڈالا تھا۔جس وقت گوروں نے ساری بستی پر حملہ کیا میں ایک چھپر پر چڑھا ہوا تھا بس اسی وجہ سے میری جان بچ گئی۔اس وقت میری عمر یہی کوئی دس بارہ سال کی ہو گی۔

پھر مجھے ایک یوگی نے پالا وہ ان دنوں ایک پہاڑی گپھا میں کوئی جاپ کر رہا تھا۔اس کا تعلق

اس گروہ سے تھا جو لنگ پو جا کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ کوئی پندرہ برس رہا لیکن وہ اپنا جاپ پورا کئے بغیر مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اس کا جاپ پورا کروں گا۔ میں نے پورے خلوص سے اس کا جاپ پورا کرنا شروع کیا۔ مگر اس کا آخری مرحلہ بڑا کٹھن تھا۔ سو میرا وہ جاپ نامکمل رہا۔ اور میں ابدی زندگی نہ پاسکا۔ لیکن میں نے اس جاپ کی ایک اور شاخ کو مکمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اسی دوران مجھے ایک اور راہ سمجھائی دی۔ جاپ اور منتر کوئی طے شدہ چیزیں نہیں ان میں بھی تجربے ہو سکتے ہیں۔ سو وہ تجربہ میں نے کیا اور اس کا نتیجہ ابانا ہے۔ اور دوسرا جاپ مکمل کرنے پر میں نے وہ چیز پالی ہے۔ اور وہ ہے ناقابلِ شکست جوانی۔ میرا مطلب تم سمجھ گئے ہو گے۔"

"ہاں سمجھ گیا......" فرقان نے بیزاری سے کہا۔

"اور اب مجھے عورت کی ضرورت ہے۔ اب میں اس سے مزید محروم نہیں رہنا چاہتا۔ میں نے ۸۰ سال کی پہاڑ سی زندگی بڑی مصیبتوں سے کاٹی ہے۔ اب مجھے ان مصیبتوں کا پھل کھانا ہے۔ میں نے یہ طویل عمر صرف جانوروں کے سہارے گذاری ہے۔ اس طویل جاپ میں عورت کی قربت مجھے دوسری دنیا میں پہنچا دیتی اس لئے میں عورت سے دور رہا اور اب جبکہ میں جاپ مکمل کر چکا ہوں مجھے عورت چاہئے۔ مجھے اپنی محنت کا پھل چاہئے۔ اس سے مجھے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ میں نے یہ تکلیف اس لیے نہیں اٹھائی تھی کہ اپنے مقصد کو حاصل کئے بغیر مر جاؤں۔ مجھے عورت چاہئے۔ میں عورت چاہتا ہوں...... اور تمہیں میری مدد کرنی ہوگی۔"

عورت کے تذکرے کے ساتھ ہی ڈاکٹر فرقان نے دیکھا کہ اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔"

"اور اگر تم نے میری بات نہ مانی۔" بوڑھے نے دھمکانے والے لہجہ میں کہا۔ "تو ابانا میرے کام آئے گی۔ ابانا جس نے مجھے زندگی دی ہے۔ جاپ کے آخری مرحلوں مین جب میری حالت بے حد خراب ہو گئی تھی میں بھوک سے نڈھال تھا۔ میں منڈل سے باہر نہ آ سکتا تھا۔ نہ کوئی انسان میرے منڈل میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس وقت اس نے، ابانا نے اپنا دودھ پلا کر مجھے تقویت دی تھی۔ اور میں اپنا یہ جاپ مکمل کر سکا تھا۔ ابانا بڑی رحمدل ہے۔"

ڈاکٹر فرقان خاموش بیٹھا رہا۔

اس کے دماغ میں آتش بازی چل رہی تھی اور خبیث اگھوزی کہہ رہا تھا۔

"میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہیں چار دن کی مہلت دیتا ہوں۔ میں آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اور ایک آخری جاپ مکمل کر کے وہیں پہنچ جاؤں گا۔ جہاں تم ہو گے تم مجھ سے نہیں بچ سکتے۔ اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔ کہ تم میرا کام کس طرح کرو گے۔"

بوڑھا خاموش ہو گیا تھا اور ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں انگارے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بوڑھے سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ ابانا اب بھی بھیڑیئے کے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔

بوڑھے نے کہا۔

"اور ہاں...... تم چاہو گے کہ ابانا کو زبان مل جائے۔ وہ تم انسانوں کی طرح بات کر سکے تو جاؤ۔ وہ آج سے تین دن بعد تمہاری طرح بولنے بھی لگے گی۔ وہ نہایت ذہین طالبہ ثابت ہو گی۔ بڑی ذہین، مگر تمہیں اس کے بولنے کی صلاحیت کو دوسروں سے چھپانا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اس کی وجہ تم خود تلاش کر لو گے...... کہ ایسا کیوں ضروری ہے۔"

اور اس کے بعد بوڑھا لیٹ گیا۔ اس نے پھر وہی آواز نکالی۔

"ابانا...... اب آ بھی نا......"

اور چند لمحوں بعد وہ بوڑھے خبیث کو دودھ پلا رہی تھی۔

فرقان پتھر پر بیٹھا بت بنا دیکھتا رہا۔ بوڑھے کی باتیں اس کے لئے بے حد پراسرار تھیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا اس شخص نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ ڈاکٹر فرقان اس تمام داستان پر یقین کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اس سے انکار بھی اس کے بس میں نہ تھا۔

اور اسے اپنے اوپر بے حد غصہ آیا۔ آخر وہ اس بوڑھے سے اتنا مرعوب کیوں ہو گیا کہ یہ بھی نہ پوچھ سکا کہ ابانا آخر ہے کون۔"

بوڑھے نے سر نیہوڑ کر کہا۔

"ابانا مادہ بھیڑیا تھی۔ اس نے مجھے دودھ پلایا۔ اور میری زندگی بچائی۔ میں نے اسے دعا دی اچھی تبدیلی کی دعا...... یہ میری دعاؤں سے تمہاری بیوی کے قالب میں آئی ہے۔"

"مگر......"

فرقان نے کچھ کہنا چاہا۔

"باقی پھر...... اب مجھے تنگ نہ کرو۔"

بوڑھا پھر دودھ پینے میں مصروف ہو گیا۔ ڈاکٹر فرقان نے اس وقت بھی ابانا کے چہرے پر بے حد ناگواری دیکھی اس کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ بوڑھے کو اس طرح دودھ پلانے پر خوش نہیں ہے۔ ایسا لگ رہا تھا گویا اسے خود بے حد گھن آ رہی ہو۔ اور ڈاکٹر فرقان نے اس کی جانب سے پیغام آتا محسوس کیا۔

"میرے فرقان...... میرے اچھے فرقان...... میں مجبور ہوں مجھے معاف کر دو۔"

ڈاکٹر فرقان بے حد اداس ہو گیا۔

☆......☆

بوڑھے کے سو جانے کے بعد ان کی واپسی ہوئی۔ اس وقت ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ ابانا اس وقت بے حد عجلت میں تھی اور فرقان کو اس کا ساتھ دینے کے لیے گذشتہ رات کی طرح بھاگنا پڑ رہا تھا۔ ابانا اس وقت بہت عجلت میں تھی اور وہ جلد از جلد واپس ہسپتال پہنچنا چاہتی تھی۔

وہ بہت جلد ہسپتال پہنچ گئے۔

ہسپتال پر گذشتہ رات کی طرح آج بھی ہر طرف سناٹا اور خوابیدگی طاری تھی۔ ہسپتال تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے ابانا کے کمرے کی طرف آئے۔ کمرے کے دروازے کے باہر بیٹھا ہوا سپاہی گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور برآمدے میں اس کے خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔

ابانا کمرے میں جا چکی تھی۔

ماحول پر چھائی ہوئی اس پراسرار کیفیت کا ایک لمحہ جائزہ لینے کے بعد وہ بھی کمرے میں داخل ہو گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ آج بھی ہسپتال میں کسی کو ان کی غیر حاضری کا علم نہیں ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے جب وہ پلٹا تو اس نے ابانا کو اپنا منتظر پایا۔ اسی وقت ہسپتال بھی روشن ہو گیا۔ لائٹ آ گئی تھی۔ روشنی کے ساتھ ہی ماحول میں گھلی ہوئی وہ پراسراریت بھی ختم ہو گئی۔ جو تاریکی کی وجہ سے چھائی ہوئی تھی۔

ابانا نے فرقان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اپنے ساتھ پلنگ تک لے آئی۔ فرقان اس وقت ایک سحر زدہ شخص کی طرح اس کے ساتھ تھا۔ بوڑھے کی باتوں نے اس کے ذہن کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ اس کے سوچنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی تھیں اور وہ اس وقت خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔

ابانا کو فرقان کی اس کیفیت کا دکھ بھی تھا اور افسوس بھی لیکن وہ مجبور تھی۔ وہ اس وقت فرقان کو خوش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے فرقان کو اپنے پلنگ پر بیٹھا دیا۔ اور خود اس کے سامنے کھڑی رہی۔

فرقان کی نظریں اس وقت کہیں کھوئی ہوئی تھیں۔

اس نے ابانا کے چہرے کی طرف دیکھا اور ابانا کی آنکھوں نے اس کو ایک سرور آگیں پیغام دیا۔

''تم ناراض ہو...... ناراض نہ ہو...... خوش ہو جاؤ...... بس چار دن کی بات ہے۔''

''مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آخر یہ کیا چکر ہے۔'' فرقان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''صرف چار دن اور انتظار کر لو...... صرف چار دن۔'' ابانا کا یہ پیغام اس کی روح نے سنا۔

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔''

''تم کیا بتاؤ گی۔''

فرقان نے بیزاری سے کہا۔

''سب کچھ بتا دوں گی...... کیا تم ابانا پر بھی یقین نہیں کرتے۔ اپنی ابانا، اپنی کامنی کو بھی جھوٹا سمجھتے ہو۔''

''کامنی......'' ڈاکٹر فرقان کو گویا کوئی بھولا ہوا لفظ یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک داستان بھی۔

''ہاں کامنی......'' ابانا کا یہ پیغام اسے اپنی روح میں گھلتا ہوا محسوس ہوا۔

''صرف چار دن اور انتظار کرو......'' ابانا نے کہا...... ''میں نہ کامنی ہوں نہ ابانا...... میں ان

دونوں کا امتزاج ہوں...... اگر تم کامنی کو چاہتے ہو تو ابانا کو بھی چاہنا ہو گا۔ تم اب ان دونوں کے ہو۔ کوئی بھی ان دونوں کو الگ نہیں کر سکتا۔ یہ دونوں دودھ میں پانی کی طرح گھل مل گئی ہیں۔''

پھر ابانا اس کے بہت قریب آ گئی تھی۔ اس وقت ابانا کی سانس میں وہ سڑے ہوئے گوشت کی بو بہت کم تھی اتنی کم کہ فرقان کو وہ گراں محسوس نہ ہوئی۔ برفیلے بوسے کا سرور اس کے جسم میں گھلتا چلا گیا۔

اس کے بعد فرقان بے بس ہو گیا تھا۔ اُس کے اعصاب شل تھے۔

جو کچھ ہو رہا تھا یکطرفہ تھا۔ یہ جو کچھ عطا تھی ابانا کی تھی۔ اور پھر اس نے فرقان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اُس نے فرقان کو منفعل کر دیا تھا۔

اور اس وقت فرقان کو بے حد ندامت محسوس ہوئی تھی۔ اور خود پر غصہ بھی آیا تھا۔

☆......☆

وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

ابانا کے چہرے پر اس وقت نئی آسودگی اور اطمینان پھیلا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر تازگی کی سرخی کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ فرقان نے محسوس کیا کہ گویا ابانا کے چہرے پر پہلے کوئی سایہ پھیلا ہوا تھا جو اب ختم ہو گیا ہے۔

''میری ابانا...... میری کامنی......''

فرقان نے کہا...... اور اس کے گالوں کو تھپتھپایا۔ پھر اس نے دروازے کی چٹخنی گرائی اور اپنے دیوان پر آ کر لیٹ گیا۔

فرقان نے ایک مرتبہ پھر رات کے واقعات کو ذہن میں دہرایا۔ کس قدر عجیب واقعات تھے یہ...... خبیث بڈھے کی دھمکی اس کے لیے بے حد پریشان کن تھی۔ اسے بوڑھے کی اس دھمکی سے جو اس نے ابانا کے سلسلے میں دی تھی خوف آ رہا تھا۔ مگر خود بوڑھے نے ابانا کو اپنی ہوس کا شکار نہ بنانے کے لیے جو شرط عائد کی تھی۔ وہ بھی اسے قبول نہ تھی۔ لیکن اس کو احساس تھا کہ بوڑھے کی شرط پورا کرنا اس کا مقدر بن گیا ہے۔

اُسے اس تصور ہی سے گھن آ رہی تھی۔

فرقان نے اس نئی مشکل کے بارے میں جو اس کے سامنے منہ کھولے کھڑی تھی۔ بہت کچھ سوچا مگر ا۔ ٹالنے کی کوئی ترکیب اس کے ذہن میں نہ آئی۔

''تو کیا مجھے بوڑھے کا دلال بننا پڑے گا۔''

کس قدر تکلیف دہ تھا یہ خیال۔ مگر ابانا...... اس مسئلہ کا یہ پہلو سب سے نازک تھا۔ وہ اگر بوڑھے کی بات نہ مانے تو گویا ابانا اس کی ہوس کا شکار ہو جائے گی۔

ہر طرح اس نئی افتاد پر غور کرنے کے بعد فرقان اسی نتیجے پر پہنچا کہ طوعاً و کرہاً اسے بوڑھے کی یہ شرط منظور کرنی ہی پڑے گی۔ لیکن اس سے پہلے وہ ایک مرتبہ پھر بوڑھے سے دوٹوک بات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے باوجود اسے اپنی ناکامی کا یقین تھا۔ لیکن کوشش کر دیکھنے میں اس کا کیا نقصان تھا۔

اور پھر اچانک ایک اور الجھن اس کے ذہن میں پیدا ہوئی۔ اگر اسے بوڑھے کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔

''تو...... تو کیا اسے بوڑھے کے پاس اسی غار میں جانا ہوگا۔ اس کے لیے یہ بات ناممکن تھی۔ وہ کسی لڑکی کو بوڑھے کی ہوس کی بھینٹ چڑھانے کے لیے رات کی تاریکی میں تو اس غار کی طرف لے کر جا نہیں سکتا تھا۔

''تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بوڑھا بھی اس کے ساتھ ہی رہے گا۔'' تمام حالات کا تجربہ کرنے کے بعد یہی منطقی نتیجہ نکلتا تھا اور شاید اس خبیث بوڑھے کا مطلب بھی یہی تھا۔

تب اچانک فرقان کو اپنی آبائی حویلی کا خیال آیا۔ جو اسی شہر کے ایک گاؤں میں تھی۔ اس کا فاصلہ بھی زیادہ نہ تھا۔ یہ حویلی جو خونی حویلی کے نام سے مشہور تھی عرصہ سے خالی پڑی تھی۔

اس کے دادا نے اپنے والد کے قتل اور اس کے بعد اپنی والدہ اور بھائی کی پراسرار اموات کے بعد اس حویلی کو چھوڑ دیا تھا۔ ایک عرصہ تک یہ حویلی ویران پڑی رہی۔ پھر اس کے والد نے اس حویلی کو صاف کرایا تھا۔ اور اس کی نگہداشت کے لیے ایک ملازم رکھ دیا تھا۔ وہ بوڑھا ملازم اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اب بھی اسی حویلی کے ایک حصہ میں مقیم تھا۔ سال میں دو تین مرتبہ اس کے والد وہاں جاتے اپنی نگرانی میں حویلی کے کمروں وغیرہ کی صفائی کرواتے اور چلے آتے۔ والد کے بعد خود فرقان کا بھی یہی وطیرہ رہا۔

اور اس حویلی کا خیال آتے ہی فرقان مطمئن ہوگیا۔ پیش آنے والے پراسرار واقعات کی بناء پر ڈاکٹر فرقان نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ ابانا کے ساتھ اسی حویلی میں منتقل ہو جائے گا۔ اور وہاں اگر وہ خبیث بوڑھا بھی رہا تب بھی کسی کے لیے کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی۔ شہر کی مضافاتی بستی کی کوٹھی میں اس بوڑھے کی موجودگی چہ میگوئیوں کا سبب بن سکتی تھی۔

نامعلوم فرقان کو اس حویلی میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیوں درست معلوم ہوا اور وہ مطمئن ہو کر کروٹ بدل کر سو گیا۔

OOO

ڈاکٹر فرقان نے خونی حویلی کی مرمت، تجدید اور سجاوٹ پر بے دریغ رقم خرچ کی۔ تین دن کے اندر راج، مزدوروں اور بڑھیوں نے شب و روز کام کر کے اس حویلی کی شکل ہی بدل ڈالی۔ اور اس حویلی کو جدید زندگی کے تمام تر تقاضوں اور لوازمات سے ہم آہنگ اور آراستہ کر دیا۔ دروازوں کے پرانے بھاری پٹوں کے کواڑوں کو بدلوا دیا گیا۔ مشرقی اور مغربی پہلوؤں کے کمروں کے دریچوں کو چوڑا کیا گیا۔ روشنی کے لیے چھت کے قریب بنے ہوئے موکھلوں کو روشن دانوں میں تبدیل کیا گیا۔ مشرقی، مغربی اور جنوب کے کمروں اور شمال کی سمت بنے ہوئے دالان کے درمیان کے وسیع و عریض ہال کو جدید ترین ڈرائنگ روم کے انداز میں آراستہ کیا گیا۔ دالان کو پورچ کی شکل دی گئی۔ شمال کی سمت پھیلے ہوئے وسیع و عریض باغ کے درمیان گیٹ سے پورچ تک صاف و شفاف سنگریزوں سے راستہ بنایا گیا۔

اس چوڑے راستے کے دونوں سمت گملے رکھے گئے۔ باغ کی تراش خراش کی گئی۔ گھاس کو ہموار کیا گیا۔ جھاڑ جھنکار صاف کئے گئے۔ حویلی کی لمبی چوڑی چاردیواری پر مختلف مقامات پر چڑھنے والی بیلوں کو تراشا گیا۔ ہر کمرے میں مختلف قسم کے پینٹ کئے گئے۔ کھڑکیوں میں نیلگوں رنگ کے بلجم کے شیشے لگائے گئے۔ دروازوں اور کھڑکیوں میں خوش رنگ اور خوش نما دبیز پردے لگائے گئے۔ نئے فرش اور قالین، کمروں اور ڈرائنگ روم میں بچھائے گئے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور محاذ پر ایک بڑا معرکہ سر کیا۔ یہ معرکہ ابانا کو اپنی تحویل میں لینے کا معرکہ تھا۔ اس سلسلے میں اس نے تمام کارروائیاں مکمل کر لی تھیں۔ اور اب وہ ابانا کا مختار اور اتالیق بن گیا تھا۔ اس نے مرکزی حکومت کے ماہرین اور دوسرے ڈاکٹروں کے ایک بڑے اجلاس میں اپنے اس موقف کی پرزور وکالت کی تھی کہ ابانا کو پھر سے انسانی زندگی، ماحول اور آداب سے شائستہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور اس کام کے لیے اس نے اپنی تمام تر خدمات بھی پیش کی تھیں۔ اس سلسلے میں ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹر نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ اور نفسیاتی حربے سے کام لیتے ہوئے اس بورڈ کے سامنے اس نے فرقان اور کامنی کی مثالی محبت کا حوالہ دیا تھا۔ فرقان کے ساتھ پیش آنے والے ہولناک واقعہ کا ذکر کیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر جس انداز میں ایڈمنسٹریٹر نے کیا تھا۔ اس سے تمام ماہرین بڑے متاثر ہوئے تھے۔ خود ڈاکٹر فرقان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور اسی بنیاد پر اس نے یہ دلیل دی کہ اس نئی مریضہ کی دیکھ بھال جسے فرقان نے ''ابانا'' کا نام دیا تھا۔ فرقان سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے حق میں فیصلہ کرانے میں وہ ابانا کا بھی بے حد ممنون تھا۔

اس نے ہر موقع پر جب بھی یہ ماہرین اسے دیکھنے آئے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اور ایک موقع پر اس نے ایک ماہر پر حملہ بھی کر دیا تھا۔ اور ہر موقع پر فرقان ہی کی مداخلت اور چمکار نے پر ابانا کی حالت معمول پر آئی۔ ہر ایسے موقع پر ابانا اسے معنی خیز انداز میں مسکرا کر دیکھتی گویا کہہ رہی ہو۔

"کہو...... کیسا ڈرامہ رہا۔"

بہر حال فیصلہ فرقان ہی کے حق میں ہوا اور اس شرط پر کہ وہ ابانا کے بارے میں ۱۵ روزہ رپورٹ مرکزی حکومت کو دیا کرے گا اور ہر ماہ ڈاکٹروں کی ایک جماعت ابانا کا معائنہ کیا کرے گی۔

فرقان کو یہ شرائط منظور کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ اور یوں وہ اس معرکے کو سر کر سکا۔

اور تیسرے روز شام کے وقت وہ ابانا کو اس حویلی میں لے آیا جو خونی حویلی کے نام سے بدنام تھی۔ لیکن اب اس نے اسے "گلستانِ ابانا" کا نام دیا تھا۔ ابھی اس حویلی میں تبدیلی و ترمیم اور تجدید کا کام باقی تھا۔ لیکن یہ تمام کام حویلی کے بیرونی حصوں میں ہو رہا تھا۔ اور انہیں منتقل ہونے میں کوئی دشواری نہ تھی۔

فرقان نے وہ رات بہت پریشانی کے عالم میں گذاری اسے اگلے دن کے خیال نے پریشان کر رکھا تھا۔ اسے اس شیطان بوڑھے کا خیال تھا۔ جس نے چار دن بعد پھر اس کے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا یا دھمکی تھی۔ وہ اس میں کوئی امتیاز نہ کر سکا تھا۔

"میں چار دن بعد پھر آؤں گا۔"

ان تین دنوں میں وہ ابانا کے اور بھی قریب آ گیا تھا۔ ابانا نے اسے ایسی ایسی جسمانی لذتوں اور راحتوں سے آشنا کیا تھا۔ جن کا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

یہ ابانا جو کامنی کے روپ میں پھر اس کے سامنے آئی تھی کامنی سے زیادہ جذباتی تھی۔ اور وہ اس لذت سے محروم نہ ہونا چاہتا تھا۔ وہ محض اس لذت کی خاطر ابانا کو چاہتا تھا۔ لیکن وہ خبیث بوڑھا ایک خوف ناک کنکھجورے کی مانند اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اور اسے بے کل کر رکھا تھا۔

اس خبیث بوڑھے سے چھٹکارا حاصل کرنا فی الحال اُسے محال نظر آ رہا تھا۔

اس بے کلی میں اور اس خبیث بوڑھے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی مختلف ترکیبیں سوچتے سوچتے رات گذر گئی۔

وہ بستر سے اٹھا۔ اس نے بستر کی شکنیں درست کیں اور اٹھ کر کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں۔ ابھرتے سورج کی نرم نرم کرنیں ابا کے چہرے پر پڑیں۔ اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور آنکھیں کھول دیں۔

فرقان اس پر جھکا ہوا تھا۔

ابانا کے چہرے پر گلاب کے پھول کی وہ نوخیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی جو کلی کے کھلنے پر پنکھڑیوں پر لرزتی ہے۔

"میری ابانا...... میری ابانا۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"میرے فرقان......"

ایک انتہائی شیریں آواز ابھری۔ ایک جھنکار نے کمرے میں نغمگی بکھیر دی۔

فرقان جھجک کر پیچھے ہٹا۔

اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ ایسی مسحور کن، ایسی رس بھری، شیریں اور محبت سے معمور آواز اس نے آج تک نہ سنی تھی۔ کیسی عجیب آواز تھی۔

فرقان ابانا کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

مندروں کی نقرئی مقدس گھنٹیاں پھر بج اٹھیں۔

"میں بول سکتی ہوں فرقان۔"

فرقان کو اب بھی اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے ابانا کے ہونٹوں کو پھڑکتے ہوئے دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کوئی بول رہا ہو۔

اس کے ساتھ ہی اس نے وہ آواز بھی سنی تھی۔ مگر کیا یہ واقعی ابانا کی آواز تھی۔

"کیا واقعی......"

فرقان نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔

"ہاں......"

ابانا کے گلاب ایسے ہونٹوں کی پنکھڑیاں کپکپائیں اور ایک نغمہ کمرے میں بکھر گیا۔

"یقین کرو فرقان۔"

فرقان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

مگر دوسرے لمحہ خبیث بوڑھے کے خیال کے کنکھجورے نے اس کے ذہن میں اپنی باریک باریک ٹانگیں پیوست کر دیں۔ اس نے ابانا کے بارے میں کہا تھا کہ آج سے چار دن بعد یہ بولنے لگے گی۔ اس وقت اسے بوڑھے کی یہ بات محض ایک طفل تسلی معلوم ہوئی تھی۔ مگر اسے یقین نہ تھا۔ کہ ایسا ہو بھی جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے آنے والی رات کے خوف نے دہلا دیا۔ جب اس کے کہنے کے مطابق ابانا بول سکتی ہے تو وہ اپنے وعدے کے مطابق اور دھمکی کے مطابق یہاں بھی آ سکتا ہے۔

فرقان کو اس خبیث بوڑھے کی آمد کا پورا یقین تھا۔ اور جس دن اس نے اس حویلی کی مرمت شروع کرائی تھی اس دن اسے یاد آیا تھا کہ اسے اس خونی حویلی میں منتقل ہونے کا فیصلہ کیوں درست معلوم ہوا تھا۔ اس حویلی میں ایک تہہ خانہ بھی تھا اور فرقان نے اس خبیث بوڑھے کے لیے یہی تہہ خانہ مناسب سمجھا تھا۔ یہ تہہ خانہ اس کی خاندانی حویلی کا ایسا راز تھا۔ جس سے صرف خاندان کا سربراہ واقف ہوتا تھا۔ اور وہ اس راز کو مرتے وقت اپنے وارث کو منتقل کر دیتا تھا۔

یہ خاندانی روایت چلی آ رہی تھی کہ اس حویلی کا بٹوارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ حویلی صرف اس شخص کو منتقل ہوتی تھی جو مرنے والے سربراہ خاندان کا سب سے بڑا بالغ لڑکا ہوتا تھا۔ بصورت دیگر یہ مرنے

والے کے سب سے قریبی عزیز بھائی یا بھتیجے کو جو بالغ ہوتا منتقل ہوتی۔ بہر حال آج تک ایسا نہ ہوا تھا کہ یہ حویلی ایسے کسی عزیز کو منتقل ہوتی۔ اس تہہ خانے کا راستہ کتب خانے کی بھاری آبنوسی میز کے نیچے تھا۔ اس آبنوسی میز کے پائے زمین میں گڑھے ہوئے تھے اور اس بڑی آبنوسی میز کے نیچے ہمیشہ ایک سیاہ بکس رکھا رہتا تھا۔ جس کی کنڈی میں بڑا سا تالا لٹکا رہتا تھا۔

اس آبنوسی میز کو حویلی سے علیحدہ کرنا یا اپنی جگہ سے کھسکانا ممنوع تھا۔ اس کے ساتھ کئی پر اسرار داستانیں منسوب تھیں کہ اگر اس میز کو ہٹایا گیا تو پورے خاندان پر تباہی آ جائے گی۔ یہی کیفیت سیاہ بکس کی تھی۔ اسے صرف سربراہِ خاندان ہی کھول سکتا تھا یا ہٹا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی ایک داستان وابستہ تھی۔ اس تہہ خانے کا راستہ اسی بکس کے نیچے تھا۔ بکس ہٹا کر ایک طرف کر دیا جاتا اور پھر دبیز قالین اٹھایا جاتا اس کے نیچے تہہ خانے کے دروازے کے پٹ تھے۔ جنہیں کھول دیا جاتا۔ تہہ خانے میں یہاں سے سیڑھیاں اترتیں۔

یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ اس میں صرف ایک ہی شخص اتر سکتا تھا۔ نیچے بہت گہرائی میں تہہ خانہ تھا۔ اور ایک سمت اندر ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ جس کو آہنی جالی سے بقیہ تہہ خانے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اس تہہ خانے سے ایک راستہ جو اتنا تنگ تھا کہ اس میں آدمی لیٹ کر کھسک کھسک کر ہی آگے بڑھ سکتا تھا۔ مشرقی سمت جاتا تھا اور اس کا دھانہ ایک ندی کے کنارے بنے ہوئے ایک غار میں ہوتا تھا یہاں اس راستہ کا دہانہ ایک بڑی چٹان سے بند تھا۔ جو ایک خاص میکنزم سے کھلتا تھا۔ اس راستے میں نقص یہی تھا کہ غار میں پہنچ کر اگر اسے بند کر دیا جاتا۔ اور یہ چٹان اپنے قبضوں پر ہلکے دروازے کی مانند گھوم جاتی تھی تو پھر اسے غار میں سے نہیں کھولا جا سکتا تھا۔ حویلی کے تہہ خانے سے اس غار تک آنے والی یہ سرنگ پختہ تھی۔ اور نہایت تنگ بھی۔

''کیا سوچنے لگے فرقان۔''

اباناکی آواز نے پھر اس کے کانوں میں جلترنگ بجایا۔

''کچھ نہ سوچو ...... اب تمہیں فکر کرنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تمہاری پریشانیوں میں میرا بھی حصہ ہے۔''

''مگر اس پریشانی کا تعلق میری ذات سے ہے۔''

''تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہو۔ نہ میں تم سے الگ کوئی حیثیت رکھتی ہوں۔'' ابانا کے لہجے میں گھلی ہوئی شیرینی اس کے وجود کو مسرور کر گئی۔

''پھر بھی ابانا......'' فرقان نے اس سے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔''

''میرے لئے کوئی چیز مصیبت نہیں بن سکتی فرقان...... سوائے اس کے جو تمہارے لئے مصیبت ہو......''

ابانا نے پھر اسے دلاسہ دیا۔

''تم میرا مطلب نہیں سمجھیں ابانا۔''

فرقان نے کہا۔

''ابانا سے تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تمہارے خیالات بھی ابانا کے لیے بالکل عیاں ہیں۔''

ابانا کے منہ سے یہ بات سن کر اسے عجیب سا محسوس ہوا۔

''تم بابا سے چھٹکارا پانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔''

شیطان بوڑھے کی آمد کے خوف نے پھر اسے آ لیا۔ اس دن کے ختم ہونے کے بعد، سورج کے غروب ہونے اور تاریکی پھیلنے کے بعد وہ کسی بھی وقت واپس آ سکتا تھا۔ وہ جو شاید اب کے اس لئے آ رہا تھا کہ پھر یہاں سے نہ جائے گا۔ اور اس کے لیے خود اس نے اپنی چھٹی حس کے فیصلے کے مطابق تہہ خانہ میں ٹھہرنے کے انتظامات سوچے تھے۔

''مگر ہم کس طرح اس خبیث سے نجات حاصل کریں گے۔''

فرقان نے اتنی آہستگی سے کہا کہ خود اسے اپنا ہی جملہ محض سرگوشی معلوم ہوا۔

''ہمیں ایک مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔'' ابانا نے کہا۔

''میں نے سوچا ہے......'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

اور اس نے دیکھا کہ ابانا کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ اس کی رنگت پھٹے ہوئے دودھ کی مانند ہو گئی۔

''میں نے سوچا ہے کہ گدڑی والے بابا سے بات کروں۔'' ابانا مضمحل سی ہو گئی۔

اس کا رنگ فق ہو گیا۔

اس کی آنکھوں کی چمچماتی روشنیاں مدہم ہو گئیں۔

''کیوں کیا ہوا ابانا......'' فرقان نے اس کی متغیر حالت دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسی باتیں نہ سوچو......''

ابانا کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''مگر اس میں ہرج بھی کیا ہے۔''

فرقان نے کہا۔

''کیا تمہیں میری ضرورت ہے۔ میرے وجود کی ضرورت ہے۔'' ابانا نے کہا۔

''تم سے علیحدگی کا تصور بھی اب میرے لیے محال ہے۔''

''تو پھر ایسا نہ سوچو۔'' ابانا نے ملتجیانہ لہجہ میں کہا۔ اس کے لہجے میں ایسی التجا تھی جسے فرقان کے لیے ٹالنا ناممکن تھا۔

''مگر کیوں......''

فرقان کے لہجے میں تجس تھا۔

''میری زندگی کی خاطر...... میری رفاقت کی خاطر۔'' ابانا نے کہا۔

''تو پھر ہم اس خبیث بوڑھے سے کیونکر پیچھا چھڑائیں گے؟''

''ہم اسے اسی کے طریقوں سے ماردیں گے۔'' ابانا کے لہجے میں ایک عزم جھلک رہا تھا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔'' فرقان نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ اس کے پاس اس کا کوئی جواب بھی نہ تھا۔ وہ تو بس ابانا کو چاہتا تھا۔

ابانا نے اس کو اس طرح مسخر کرلیا تھا کہ وہ ابانا کو اپنے تصرف میں رکھنے کے لیے ایک مرتبہ شیطان بھی بننے کے لیے تیار تھا۔

''اس کا مسئلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' ابانا نے گویا یہ گفتگو اختتام کو پہنچادی۔

سورج ابھر چکا تھا۔

اس کے بعد فرقان نے ابانا کو سمجھایا کہ ابھی اسے کچھ عرصہ تک کسی کے سامنے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ بول سکتی ہے۔ اور اس پر ابانا نے اس سے کہا تھا کہ اسے اس سلسلے میں کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں ہے ''میں سب سمجھتی ہوں فرقان۔'' کہہ کر ابانا نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ پھر فرقان کے پوچھنے پر ابانا نے اسے بتایا تھا کہ خون اور کچا گوشت اس کے لیے لازمی غذا ہے۔ اور فرقان کو یہ جان کر قدرے دکھ بھی ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ابانا نے خود کو انسانی زندگی کے آداب سے شائستہ ثابت کردیا تھا۔ شاید وہ خوراک کے سلسلے میں بھی انسانی خصائل کی حامل ہوگی۔

وہ دن بھی نہایت مصروفیت میں گذرا۔ اس نے ابانا ہی کے اصرار پر حویلی کے پرانے چوکیدار کو حویلی سے اپنی کوٹھی کی چوکیداری کے لیے منتقل کردیا تھا۔ اور حویلی میں کام کاج اور کھانا وغیرہ پکانے کے لیے دوسرے ملازم رکھ لئے تھے۔ فرقان کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ ابانا اس بوڑھے چوکیدار کو اس حویلی سے نکالنے پر کیوں مصر ہے۔ اُسے اس بات کا احساس ہی نہ ہوسکا کہ ابانا نے اس چوکیدار کو محض اس لیے حویلی سے نکلوایا تھا کہ وہ بڑا نیک، سچا، اور پرہیز گار آدمی تھا۔ پنج وقتہ نمازی تھا اور ابانا اس کی انہی خصوصیات سے خوفزدہ تھی۔

فرقان نے ابانا کو اسی کمرے تک محدود کردیا تھا۔ اور جب فرقان باہر گیا تھا تو اس کے چہرے پر بڑی آسودہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس نے اپنی سمت بڑھنے والے ایک خطرے کو ٹال دیا تھا۔ وہ اس خیال پر لرز کر رہ گئی تھی کہ فرقان اس بوڑھے سے نجات پانے کے لیے گدڑی والے بابا کی مدد لینے کے نتیجے پر پہنچا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ گدڑی والے بابا کے میدان میں آنے سے یہ مقابلہ خیر اور شر کی قوتوں میں ہوگا جس میں خیر کی قوت کا کامیاب ہونا لازمی تھا۔ اور پھر کیا ہوتا؟ پھر بوڑھے کی شکست کے ساتھ ہی اس کا یہ وجود ختم ہوجاتا جو صرف بوڑھے کی تپسیہ اور تپ آگ کا نتیجہ تھا۔ بوڑھے کی شکست کا مطلب اس کی موت تھا۔ اور اس کی موت کا مطلب اس کے تمام علم اور قوتوں کا خاتمہ تھا اور اس کے معنی اس علم اور قوتوں کے نتائج کا خاتمہ تھا۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وہ اپنی اس جون سے محروم ہوجاتی۔

ابانا خوش تھی کہ اس نے فرقان کو اس سمت کوئی قدم اٹھانے سے روک دیا تھا۔ اور اسے

اطمینان تھا کہ اب اس سلسلے میں فرقان اس کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا۔

اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

اس نے کمرے میں رکھی ہوئی فرقان کی تصویر کو بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اپنے ناخنوں کو اس طرح چاٹنے لگی جیسے کوئی بلی کسی کبوتر یا مرغی کو اپنے پنجوں سے ادھیڑ کر اور پیٹ بھر جانے کے بعد اپنے نوکیلے ناخنوں کو چاٹتی ہے۔

پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل میں لگے ہوئے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

اسے اپنا یہ روپ بے حد پسند آیا۔

اس نے مختلف زاویوں اور مختلف انداز میں اپنے جسم کو موڑ کر، لیٹ کر، بیٹھ کر، اپنے جسم کے نقوش، خطوط، زاویئے اور قوسیں دیکھیں۔

''میں اپنے اس روپ کو، اپنے اس جسم کو کبھی ضائع نہ ہونے دوں گی۔''

اس نے سوچا۔

اور عین اسی وقت شریف عثمانی اس حویلی سے دور ایک چٹان پر کھڑا دوربین سے اس حویلی کا جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک اس کی دوربین کے دائرے میں یہ کمرہ آیا اور ابانا اس کی نظروں کے سامنے آ گئی۔

وہ ابانا کی ان حرکتوں کو کوئی معنی نہ دے سکا۔

لیکن کامنی کے حسین جسم کو اپنی آغوش میں سمیٹ لینے کی خواہش اس کے ذہن میں پیدا ہوئی اور وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''فرقان بہت خوش قسمت ہے۔''

اُس نے سوچا۔

اس وقت وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ اس وقت اسے نہ قبرستان یاد رہا تھا۔ نہ کامنی کی قبر اور نہ قبر میں مادہ بھیڑیئے کی کفنائی ہوئی لاش۔

☆......☆

یہ دن، عجیب طویل اور کبھی ختم نہ ہونے والا دن آخر کار اندھے بھینسے کی طرح رینگتا ہوا اختتام کو پہنچا۔ اس طویل دن کے گذرتے ہوئے ہر لمحہ کے ساتھ فرقان کے اضطراب میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس کے ذہن پر پراسرار اگھوری بوڑھے کا خوف لمحہ بہ لمحہ اپنا سایہ گہرا کرتا چلا گیا۔

''وہ آئے گا۔ وہ آنے والا ہے۔''

اس کے ذہن میں اپنے ہی خیالات کی بازگشت ہوتی رہی۔ اس نے ایک طرح سے خود کو ذہنی طور پر بوڑھے کی تمام شرائط پوری کرنے پر آمادہ کرلیا تھا۔ اور اس فیصلے کے باوجود وہ پریشان تھا۔ نامعلوم وہ کم بخت بوڑھا اور کیا کیا شرائط عائد کردے۔ ویسے بھی اس نے ابانا سے دست کش ہونے کے لیے جو

شرط عائد کی تھی وہ ہی ایسی تھی کہ فرقان کو اس شرط کو پوری کرنے کی راہ تلاش کرنے میں خاصی مشکل دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ابانا کو ہر صورت میں اپنانا چاہتا تھا۔ اس کی پریشانی کا ایک سبب یہ تھا۔ کہ اسے یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ یہ سلسلہ کب تک اور کس حد تک جاری رہے گا۔

کس طرح وہ یہ شرمناک کام کر سکے گا۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ وہ اپنی دولت کے سہارے تمام بازاری عورتوں کو خرید سکتا تھا۔ مگر کس طرح ...... وہ کیونکر وہاں جائے گا۔ کیونکر جائے گا۔

مصروفیتوں کے باوجود وہ ذہنی طور پر اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہا تھا۔

سورج بڑی دیر ہوئی اپنا منہ چھپا چکا تھا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اور اب وہ ابانا کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابانا بھنی ہوئی ران ادھیڑ رہی تھی۔

اس کے کھانے کے انداز میں گوشت خور درندوں کا سا وحشیانہ پن تھا۔

فرقان اسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

ابانا ران کھا چکی تو فرقان نے اسے کلیجی کا سوپ پلایا جسے ابانا نے منہ بناتے ہوئے حلق سے اتار لیا۔

''میں اس پر گذارہ نہیں کر سکتی۔'' ابانا نے اس کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے خون چاہئے۔''

''تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

فرقان نے کہا۔

''تمہیں رحم نہیں آتا......'' ابانا نے کہا۔ ''مگر چھوڑو تم جیسا کہو گے میں وہی کروں گی۔''

ابانا کے اس جملے نے فرقان کو فخر کے احساس سے معمور کر دیا۔

باورچی سامان لے کر گیا تو فرقان نے اسے چھٹی کرنے کے لئے کہہ دیا۔

اب حویلی میں اس کے اور ابانا کے سوا کوئی نہ تھا۔ پوری حویلی کا ہر کمرہ روشن تھا۔ ہر بلب جل رہا تھا۔ فرقان اب اس بوڑھے کا منتظر تھا۔ رات کے نو بجے تھے اور وہ کسی بھی وقت آ سکتا تھا۔ وہ نصف شب سے پہلے نہیں آئے گا۔'' ابانا نے اس سے کہا۔

''گویا ابھی چند گھنٹے اور ہیں۔'' اس نے کہا اور اٹھ کر ریکارڈ چینجر پر موسیقی کے کچھ ریکارڈ رکھ دیئے اور پھر کمرے میں ہلکی ہلکی موسیقی بکھر گئی۔

ابانا کے قوت گویائی پانے کے بعد اس نے ایک منصوبہ بنایا تھا۔ تاکہ دنیا کو یہ باور کرا سکے کہ ابانا کو اس نے بڑی محنت کر کے اور سائنٹیفک طریقہ پر تعلیم دے کر باتیں کرنا سکھایا تھا۔ وہ ابانا کی غیر فطری اصلیت کو بہر طور چھپانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حویلی میں ایک تعلیمی ماحول پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے منصوبہ بنایا تھا کہ حویلی میں کسی بھی لمحہ خاموشی نہ رہے گی۔ ہر وقت اس حویلی میں ریکارڈ نگ ہوگی۔ یا ریڈیو بجے گا۔ اس نے زبان سیکھنے کے ریکارڈ لانے کا بھی فیصلہ کیا تھا۔

تعلیمی فلمیں لانے اور انہیں پروجیکٹر کی مدد سے حویلی میں دکھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اپنے اس تمام ڈرامے کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا تھا۔ تاکہ دنیا پر ایک نفسیاتی اثر پڑ سکے کہ ابانا کی قوتِ گویائی میں صرف اس کی کوششوں کو دخل ہو۔ وہ دنیا کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس نے بتدریج اور باقاعدگی کے ساتھ ابانا کو انسانی آوازوں، ماحول اور تہذیب سے آشنا، مانوس اور شائستہ بنایا ہے۔ فرقان کو یقین تھا کہ وہ اپنی ان کوششوں سے ابانا کی غیر فطری صلاحیت کی پردہ پوشی کر سکے گا۔

ہلکی ہلکی موسیقی کمرے میں بکھری ہوئی تھی۔ اور ابانا اس موسیقی کو بڑی محویت سے سن رہی تھی۔ موسیقی کے زیر و بم کے ساتھ اس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہوتا تھا۔

اور اب جو ریکارڈ بج رہا تھا۔ اس کی موسیقی بہت تیز اور برانگیخت کرنے والی تھی۔

۳۳ آر پی ایم کے اس ریکارڈ پر جوں جوں سوئی آگے بڑھتی گئی موسیقی کی لے تیز اور بے قرار ہوتی گئی۔ اور اسی رفتار سے ابانا کے جسم میں ارتعاش بڑھتا گیا۔

فرقان ابانا کو دیکھتا رہا۔

ابانا محو رقص تھی۔

وہ کسی ماہر ڈانسر کی مانند کمرے میں تھرک رہی تھی۔ اس کے رقص میں فرقان کے لیے ایک دعوت تھی اس کا انگ انگ آگ اگل رہا تھا۔ اس کے تھرکنے، ہاتھ چلانے اور قدم اٹھانے میں ایک آہنگ تھا۔ وہ گویا اپنے جسم کی حرکتوں سے موسیقی کی لے اور دھن کے اتار چڑھاؤ کو ادا کر رہی تھی۔

موسیقی کی لے اور تال میں اور زیادہ جوش آ گیا۔ ابانا کے قدموں کی حرکت میں بھی تیزی آ گئی۔ فرقان کو یوں لگا گویا اس وقت کمرے کے درمیان ایک شعلہ رقص کر رہا ہے۔ ایک بجلی کوندر ہی ہے۔ اُس کے ہاتھوں کے جسم پر پھسلنے کے انداز اس کے جسم کی لرزش فرقان کے لیے دعوت تھی۔

فرقان کے لیے ابانا کی دعوت کو رد کرنا ناممکن تھا۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دونوں رقص کرتے رہے۔

ریکارڈ ختم ہو گیا۔

''پھر لگا دو یہی ریکارڈ۔'' ابانا نے گنگنا کر اُس سے کہا تھا۔

اس نے ابانا کے حکم کی تعمیل کی۔

وہ پھر ناچتے رہے۔

ان کے رقص میں جذبات کی انتہاؤں کا پاگل پن آ گیا تھا۔ ابانا کے جسم سے آنچ نکل رہی تھی۔

خود اس کا اپنا جسم بھی بھڑک رہا تھا۔

اس مرتبہ بھی ریکارڈ ختم ہو گیا۔ اور ایک مرتبہ پھر یہی ریکارڈ لگایا گیا۔ اس مرتبہ بھی وہ ریکارڈ ختم ہو گیا۔ فرقان کو یوں لگ رہا تھا گویا اس کا تمام وجود پھٹ جائے گا کھیل کھیل ہو کر بکھر جائے گا۔

فرقان نے بڑھ کر ریکارڈ چینجر کا سوئچ بند کر دیا۔ اور پھر وہاں ابانا نے ایک انتہائی شرمناک کھیل شروع کر

دیا تھا۔ جس کا اختتام بہت دیر میں ہوا تھا۔

فرقان نے گھڑی دیکھی۔ رقص اور اس کے بعد کی آنکھ مچولی میں انہیں دو ڈھائی گھنٹے گذر گئے تھے۔

بوڑھا اب کسی وقت بھی آ سکتا تھا۔ وہ اُٹھا اور درمیانی دروازے سے ہوتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور باتھ میں گھس گیا۔

☆......☆

رات کے دو بجے کے قریب ابانا نے اسے ٹھوکا دے کر بیدار کیا۔ وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر سو گیا تھا۔ اور ابانا کو خود اس نے اصرار کر کے سو جانے پر مجبور کیا تھا۔

''کمرے میں وہی کپکپاتی بین کرتی ہوئی آواز گونج رہی تھی۔

''ابانا......ابانا......''

فرقان کھڑا ہو گیا۔

''تم یہیں ٹھہرو......میں جاتا ہوں۔''

''تم کہاں جاؤ گے؟'' ابانا نے کہا۔

''میں اسی آواز کے تعاقب میں جاؤں گا۔''

''ابانا......ابانا......''

خبیث بوڑھے کی پکار جاری تھی۔

''تم نہیں جا سکتے۔''

اور واقعی یہی ہوا۔ وہ ابانا کو کمرے میں چھوڑ کر باہر آیا۔ اور کمرے کی کنڈی لگا لی۔

مگر آواز معدوم ہو چکی تھی۔

وہ پھر واپس آ گیا۔

''کیوں......میں نہ کہتی تھی۔

اور پھر اسے جبراً وقہراً ابانا کو ساتھ لے جانے پر آمادہ ہونا پڑا۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ابانا نے کتب خانے کا رخ کیا تھا۔ اور پھر وہ بڑی آبنوسی میز کے نیچے رکھا ہوا سیاہ بکس کھسکا رہی تھی۔

''ابانا......ابانا......''

وہ آواز کچھ زیادہ ہی بے قرار ہو گئی۔

فرقان ابانا کے پیچھے پیچھے تہہ خانے میں اترا اور اس نے تہہ خانے کی بتی جلا دی۔

وہ خبیث بڈھا تہہ خانے میں موجود تھا۔

''تم......تم......یہاں کیسے آئے۔''

''اسی راستے سے......'' بوڑھے نے کہا۔ ''جس سے تم آئے ہو'' کوئی رکاوٹ، کوئی تالہ، کوئی بند دروازہ میری راہ نہیں روک سکتا......''

بوڑھا وہاں اس قدر اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا گویا وہ اسی تہہ خانے میں عرصہ سے رہتا چلا آیا ہو۔ اور اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا۔ بوڑھے نے خود ہی معاملے کی بات چھیڑ دی۔ اس کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔ وہ جس انداز میں فرقان سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ فرقان کو بالکل پسند نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا فرقان اس کا غلام ہو اور وہ آقا...... وہ بات نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ حکم دے رہا تھا۔ فرقان کو اس نے بولنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا۔

اس نے کہا تھا۔

''میں یہاں سودے بازی کے لیے نہیں آیا۔ اپنا مقصد حاصل کرنے آیا ہوں۔ تم مجھے برا سمجھو یا بھلا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے عورت کی ضرورت ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں ابانا کو بخش دوں۔ میں ابانا کا دودھ نہ پیوں تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ مجھے ہر ماہ دو عورتیں چاہئیں۔ چاند کی پہلی اور پندرھویں رات کو اس کا تمہیں انتظام کرنا ہوگا۔ یہ انتظام تمہیں اس لئے کرنا ہوگا کہ تم ابانا کو چاہتے ہو۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ میں عورتوں کے پیچھے بھاگنا نہیں چاہتا۔ سمجھے میں گناہ کا مبلغ اور جنس کا پجاری ہوں۔ نیکی اور شرافت میرے نزدیک بے معنی اور احمقانہ الفاظ ہیں۔ میں گناہ کو پوری آزادی، پورے گھناؤنے پن سے کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے فلسفۂ حیات کے مطابق باتیں کر رہا ہوں۔ ورنہ یہ گناہ نہیں ہے۔ میں اسے عبادت کے طور پر کرتا ہوں۔ اور ہاں...... اگر تم چاہتے ہو کہ میں ابانا کا دودھ نہ پیوں تو پھر میرے لیے کسی مادہ بھیڑیئے کا انتظام کر دو......''

فرقان بھونچکا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اسے جو کچھ کہنا تھا جن باتوں کے جواب وہ چاہتا تھا وہ سب یہ بوڑھا کہہ چکا تھا۔

''اچھا چھوڑو...... مادہ بھیڑیئے کا انتظام میں خود کر لوں گا لیکن میں بتائے دیتا ہوں۔ آج سے ایک ہفتے بعد نیا چاند نظر آئے گا۔ تین دن بعد مجھے عورت چاہئے۔ سمجھے...... اب جاؤ میں مادہ بھیڑیئے کی تلاش میں جاتا ہوں۔ تم خود دیکھ لو میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ وہی سب کچھ کر رہا ہوں جو تم چاہتے ہو۔ تمہیں لازم ہے کہ تم بھی مجھے ناخوش نہ کرو ورنہ......''

یہ کہہ کر وہ بھیڑیئے کے دونوں بچوں کو پنجرے میں بند کر کے اس تاریک سرنگ میں رینگ گیا۔ جو غار کی طرف جاتی تھی۔

وہ بت بنا اپنی جگہ کھڑا رہا...... پھر ابانا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''اب چلو......''

فرقان پریشان تھا۔ وہ موہوم سی امید جو ہمیشہ مایوس کن سے مایوس کن حالات میں بھی انسان کو تقویت دیتی رہتی ہے۔ وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ ذہنی طور پر بوڑھے اگھوری کے مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہونے کے باوجود کبھی کبھی وہ سوچتا تھا۔

''شاید......شاید......وہ بوڑھا نہ آئے۔''

لیکن وہ آ گیا تھا۔

''ہم اس سے کیونکر چھٹکارا پائیں گے ابانا۔''

''میں دلاؤں گی چھٹکارا......''

ابانا نے اسے تسلی دی۔

''کب......''

وہ بچے کی مانند بلبلایا۔

''مناسب وقت آنے دو فرقان میں بھی اس کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔''

اور فرقان نے اس پر یقین کر لیا تھا!

☆......☆

اس خوبصورت مضافاتی گاؤں کے لیے یہ واقعہ بہت حیرت انگیز تھا اور خوفناک بھی۔ اس گاؤں میں آج تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ گاؤں کے مکھیا مختار کی بیٹی رات کو گھر میں سوئی تھی۔ لیکن صبح وہ نہایت زخمی حالت میں پن گھٹ کے قریب پائی گئی تھی۔ اس کے جسم کو کسی جانور نے پنجوں سے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ نرخرے پر نوکیلے دانتوں کے نشانات تھے۔ یوں لگتا تھا گویا کسی نے اس کے حلق میں دانت جما کر اس کے جسم کا خون چوس لیا ہو۔ پنگھٹ کے قریب جہاں مکھیا کی لڑکی گوری پائی گئی تھی۔ کم از کم تین بھیڑیوں کے پنجوں کے نشانات تھے۔ لیکن ان نشانات میں سب سے عجیب انسانی پیروں کے نشانات تھے۔ پیروں کے نشانوں سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے انگوٹھے غائب تھے۔

فرقان یہ اطلاع پاتے ہی بڑی پریشانی کے عالم میں مکھیا کے گھر پہنچا تھا۔ گھر میں اُس وقت کہرام مچا ہوا تھا۔ لوگوں کا ہجوم گھر کے باہر جمع تھا۔ گھر میں وہ لڑکی زخمی حالت میں لوگوں کے ہجوم کے درمیان بے ہوش پڑی تھی۔

لوگ اس کو دیکھ کر کائی کی مانند چھٹ گئے۔ گوری کی حالت دیکھ کر وہ کپکپا کر رہ گیا۔ اس کی زندگی کی امید بہت کم تھی۔ فرقان نے اسے ابتدائی امداد دی اور پھر اپنی کار میں اسے ڈال کر مکھیا کے ساتھ شہر روانہ ہو گیا۔

اُس وقت شریف عثمانی لوگوں کے ہجوم میں کھڑا تھا...... وہ آج ابانا سے ملنے کی خاطر آیا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر کے لیے شہر کا چکر لگانا لازمی ہوگا۔ اور وہ پھر اس کی عدم موجودگی میں فرقان کی حویلی میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اور وہ ابانا کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ گوری کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کیا تھے۔ یہ اسے معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اور نہ ہی کوئی اسے بتا سکتا تھا۔ تاہم اس نے اس سلسلے کی تمام دیگر تفصیلات حاصل کر لی تھیں۔ تصاویر اتار لی تھیں۔ اور وہ اب آزاد تھا۔ اور ڈاکٹر فرقان شہر گیا ہوا تھا۔

اس عرصہ میں وہ ابانا کو دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ نہایت عجلت میں ڈاکٹر فرقان کی حویلی تک پہنچا اور نہایت لاپرواہی سے حویلی کی چہار دیواری کے شمالی مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو گیا...... اس نے اپنی اسکوٹر حویلی کے باہر ہی کھڑی کر دی تھی۔

مرکزی دروازے سے حویلی کی اصل عمارت تک پھیلے ہوئے وسیع باغ سے ہوتا ہوا وہ حویلی کی طرف بڑھتا رہا۔ اس نے جان بوجھ کر حویلی کی عمارت تک جانے والے پکے راستے کو نہ اپنایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت حویلی میں فرقان کے نوکروں اور باورچی کے سوا کوئی نہ ہوگا۔ اس کے لیے اس بات کے کئی فیصد مواقع تھے کہ وہ ان لوگوں کی نظروں میں آئے بغیر حویلی میں ابانا کے کمرے تک پہنچ جاتا۔

اور ہوا بھی یہی...... وہ دبے قدم اٹھاتا حویلی میں داخل ہو چکا تھا اور اب ابانا کا کمرہ اس کے سامنے تھا۔

دروازے میں لگے ہوئے ہینڈل پر اس نے ہاتھ رکھا...... دروازہ بند تھا ہینڈل گھوم گیا۔

شریف عثمانی نے ایک لمحہ وہاں توقف کیا۔

ابانا ہوشیار ہو گئی۔ اس نے باہر شریف عثمانی کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے کمبل اپنے اوپر ڈال لیا اور آنکھیں بند کر کے دم سادھ کر پڑ رہی۔ اگلے لمحہ شریف عثمانی نہایت آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

ابانا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر پھیل گئی۔

شریف عثمانی اس وقت بالکل نڈر تھا۔ اسے ابانا کے غیر فطری ہونے کا شبہ تو تھا مگر اس کے باوجود اس نے ابانا سے کوئی جھجک محسوس نہ کی، کوئی ڈر محسوس نہ کیا۔ وہ تو صرف اس کو...... اس کے وحشی حسن کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ پلنگ کے پاس آ گیا۔ ابانا نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ شریف عثمانی نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ ابانا کے جسم میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ شریف عثمانی کا حوصلہ بڑھا۔ اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ابانا اب بھی نہ کسمسائی...... اور شریف عثمانی کو ابانا پر بڑا رحم آیا۔

''شاید ڈاکٹر فرقان نے اسے بے ہوشی کا انجکشن لگا رکھا ہے۔ جبھی تو دروازہ کھلا ہوا ہے۔''

اس نے اپنے دل میں سوچا تھا اور ابانا جو اس کے خیالات سے واقف تھی۔ اس کی نادانی پر ہنس رہی تھی۔

ابانا کو بے ہوش سمجھ کر شریف عثمانی کا حوصلہ اور بڑھا اور اس نے اس کے جسم سے کمبل ہٹا دیا۔

ابانا نے اسے پورا موقع دیا تھا۔ اسی دوران شریف عثمانی کے ذہن نے ایک اور قلابازی کھائی چنانچہ اس نے ابانا کی کئی تصاویر بھی اتار ڈالیں۔ پھر ابانا نے بھی اپنی آنکھیں کھول دیں۔ پہلے تو وہ گھبرایا لیکن جب اس نے ابانا کی طرف سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہ پایا تو وہ بے خوف ہو گیا۔ ابانا نے اس کی پوری طرح حوصلہ افزائی کی تھی۔

مگر جیسے ہی وہ اس کے قریب آیا۔ ابانا نے اس کا منہ گھسوٹ لیا۔ وہ اس وقت بہت غصہ میں تھی۔ شریف عثمانی حیران تھا کہ آخر یہ کیا ہوا۔ اس نے اسے بھی ابانا کی ادا سمجھ کر پھر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اس حد تک آنے کے بعد تشنہ نہ رہنا چاہتا تھا۔ مگر اس مرتبہ ابانا نے بڑی بے رحمی سے اس کے بازو پر دانت جما دیئے۔

شریف عثمانی نے بڑی مشکل سے چیخ کو روکا۔اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ابانا نے اپنے دانتوں کی گرفت سے اس کا بازو آزاد کر دیا۔اور شریف عثمانی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔اس کا بازو بری طرح درد کر رہا تھا۔مگر اس وقت اسے یہاں سے نکلنے کی پڑی ہوئی تھی۔

ابانا مسہری پر بیٹھی رہی۔شریف عثمانی نے جلدی جلدی وہاں سے اپنا کیمرہ اٹھایا اس دوران ابانا اسے دیکھتی رہی۔شریف عثمانی ڈر رہا تھا کہ کہیں پھر ابانا اس پر حملہ نہ کر دے۔مگر اس کا یہ خوف بے بنیاد ثابت ہوا۔اور وہ وہاں سے بڑی بدحواسی کے عالم میں روانہ ہوا۔اس کے دائیں بازو میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

☆......☆

گوری نہ بچ سکی۔پانچ گھنٹہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے دم توڑ دیا تھا۔اس دوران صرف ایک مرتبہ اسے ہوش آیا تھا اور اس میں اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو بتانے کی کوشش کی تھی۔مگر اس کی آواز بے حد کمزور تھی اور سوائے۔

''بوڑھا......بھیڑیا......خون اور دانت'' کے علاوہ کوئی اور لفظ سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ان کے درمیان کے الفاظ اس کی نقاہت کی وجہ سے زبان کے لڑکھڑانے سے بے معنی بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہو گئے۔فرقان کے ذہن پر اس کی موت کا گہرا اثر تھا۔وہ اسے بھی نامعلوم کیوں اپنے حساب میں لکھ رہا تھا۔ اور شاید اسی بناء پر اس کی طبیعت بے حد مکدر ہو گئی تھی۔

اسے یقین تھا کہ گوری کی موت میں اس خبیث بوڑھے کا ہاتھ ہے۔مگر وہ اس بوڑھے کا کچھ بھی تو نہ بگاڑ سکتا تھا۔

گوری کی لاش گاؤں میں بھجوا دی گئی تھی۔اور وہ بھی چلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ شریف عثمانی اس کے پاس پہنچ گیا۔

''کہو ڈاکٹر کیا حال ہے تمہاری مریضہ کا......''

''ٹھیک ہے۔''

فرقان کو اس کی آمد بے حد گراں معلوم ہوئی تھی۔

''دیکھا ڈاکٹر میرے اندیشے کتنے درست ثابت ہوئے۔'' شریف عثمانی نے کہا۔''گوری پہلا شکار ہے۔'' یہ جملہ کہتے ہی اسے یاد آیا کہ گوری کی گردن زخمی تھی۔اور اس کا خون پی لیا گیا تھا یہ بات یاد آتے ہی اسے اپنی گردن پر ہلکی سی چبھن کا خیال آیا۔جہاں ابانا نے کچھ دیر پہلے اپنے ہونٹ رکھے تھے۔

اس نے گردن پر ہاتھ پھیرا۔

''مگر گوری زخمی کیسے ہوئی۔''

''کسی درندے نے شاید بھیڑیئے نے اس پر حملہ کیا تھا۔''

''اور وہ درندہ تمہاری حویلی میں ہے۔'' شریف عثمانی نے کہا۔

''یہ غلط ہے......'' فرقان نے کہا۔''وہ رات بھر اپنے کمرے سے باہر نہیں گئی۔تم چاہو تو چل

کر دیکھ سکتے ہو۔''

''چلوں......''

''کہہ تو رہا ہوں......''

''چلو خیر مان لیا۔'' عثمانی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔فرقان نے کار اسٹارٹ کر لی اور گاؤں روانہ ہو گیا۔

گوری کو دفنا کر جب وہ حویلی پہنچا تو سورج غروب ہو رہا تھا۔اسے اچانک یاد آیا کہ ابانا صبح سے بھوکی تھی۔اس نے نوکروں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ابانا کے کمرے میں داخل نہ ہوں۔اس کا باورچی اور دونوں ملازم پورچ میں سہمے ہوئے کھڑے تھے۔

''کیا بات ہے۔''

اس نے پوچھا۔

''مس صاحبہ کے کمرے سے۔''

ان کی اب تک سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ابانا کو کیا کہا کریں۔لیکن فرقان جس انداز میں ابانا کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔اس کے پیش نظر وہ اسے مس صاحبہ کے سوا کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔

فرقان مس صاحبہ کے انتخاب پر ہنسا۔

''کیا ہوا مس صاحبہ کو۔''

''بہت غصہ میں ہیں چیخ رہی ہیں۔''

''اس کی غذا تیار ہے۔''

''جی ہاں......''

باورچی نے کہا۔

''گرم کر کے لے آؤ۔''

فرقان سیدھا ابانا کے کمرے میں پہنچا۔ابانا واقعی بہت برہم تھی۔فرقان نے اسے اس کی غذا کھلائی تب کہیں جا کر اس کے مزاج ٹھکانے آئے۔ابانا سے نمٹنے کے بعد اس نے خود بھی کھانا کھایا اور ملازموں کو چھٹی دے دی۔حویلی کے خالی ہو جانے کے بعد وہ کتب خانے میں داخل ہوا اور تہہ خانے میں اتر گیا۔وہ گوری کی موت کے بارے میں اس شیطان بوڑھے سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔مگر تہہ خانہ خالی تھا۔وہاں نہ بوڑھا تھا نہ بھیڑیئے کے بچے۔

☆......☆

''ہیلو......صبح نو۔''

''شریف عثمانی سے ملا دیجئے۔میں ڈاکٹر فرقان بول رہا ہوں۔''

''شریف عثمانی۔''

تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔

''کیا حال چال ہیں۔''

''اس توجہ کا مطلب ڈاکٹر......'' شریف عثمانی نے پوچھا۔

''کچھ نہیں کیا تم آج رات میری حویلی میں گذارو گے۔'' فرقان نے کہا۔

''مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔''

شریف عثمانی نے کہا۔

''کیا بات کر رہے ہو۔ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔''

''گوری کی موت میرے سامنے ہے ڈاکٹر......''

''تم احمق ہو......'' فرقان نے جھلائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

''میں ابانا کے بارے میں اپنے پروگرام سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''ابانا......؟''

شریف عثمانی کے لہجے میں استفسار تھا۔

''میں نے اپنی مریضہ کو ابانا کا نام دیا ہے۔'' فرقان نے وضاحت کی۔

''مگر یہ کیا نام ہوا کامنی میں کیا برائی ہے۔''

''نہیں ابانا میری بلی کا نام تھا۔'' ڈاکٹر فرقان نے جھوٹ بولا۔ ''مریضہ کی آنکھیں دیکھ کر مجھے اپنی بلی ابانا یاد آتی ہے۔'' فرقان نے کہا۔ ویسے وہ اسے خود بھی کامنی کے نام سے پکارنا نہ چاہتا تھا۔

عثمانی خاموش رہا۔

اسے دوپہر کا تجربہ یاد تھا۔ اس نے اپنے بازو پر بندھی ہوئی پٹی پر اور پھر گردن پر ہاتھ پھیرا جہاں اب بھی پھانس سی چبھی ہوئی تھی۔

''خاموش کیوں ہو گئے۔''

فرقان نے کہا۔

''میں آ رہا ہوں...... دفتر کو اطلاع دے کر کہ آج رات میں تمہاری حویلی میں رہوں گا۔ ضرورت ہو تو فون کر لیں۔'' عثمانی نے کہا۔ ''اس کا مطلب سمجھتے ہو نا ڈاکٹر۔''

''سمجھتا ہوں۔''

''تو پھر میں آ رہا ہوں......''

عثمانی نے فون بند کر دیا۔

فرقان نے عثمانی کو ابانا ہی سے مشورہ کر کے بلایا تھا۔ وہ عثمانی کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ گوری کی موت میں ابانا کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ ویسے بھی اس نے ابانا کو دنیا کے سامنے ایک مہذب عورت کے روپ میں پیش کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے میں شریف عثمانی اس کے بے حد کام آ سکتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ابانا کے بارے میں ہر نئی بات ''صبح نو'' کو بتانے کا لالچ دے کر عثمانی کو آمادہ کر لے گا۔ وہ ابانا کے سلسلے میں ''صبح نو'' میں ہفتہ وار کالم شروع کرانا چاہتا تھا تا کہ چند ماہ بعد جب ابانا لوگوں کے

سامنے نہایت شائستگی کے ساتھ باتیں کرتی، اٹھتی بیٹھتی پیش ہو تو لوگ اسے اس کا کارنامہ اور جدوجہد سمجھ کر قبول کر لیں۔

فرقان نے پورچ میں شریف عثمانی کا استقبال کیا......اور دونوں اندر آ گئے۔

فرقان جب دروازے بند کرنے لگا تو عثمانی نے معلوم کیا......''کیوں کیا کوئی اور نہیں ہے۔''

''صرف ایک نوکر ہے۔ اور میں نے اس سے کہہ رکھا ہے کہ وہ رات کو آٹھ بجے کے بعد میرے بلائے بغیر کمرے سے نہ نکلے۔''

عثمانی نے مشتبہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''بڑے شکی مزاج ہو یار۔''

''ہاں خبروں کا آدمی جو ٹھہرا۔''

''شرفو......'' فرقان نے آواز دی۔

اور عثمانی نے دائیں جانب راہداری سے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی شرفو آیا۔

''چائے وغیرہ بنا کر لاؤ۔''

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ مگر عثمانی ابانا کو دیکھنا چاہتا تھا۔

''تمہاری مریضہ ابانا کیسی ہے۔''

''ملنا چاہتے ہو۔''

''ہاں......'' عثمانی نے کہا۔ ''مگر وہ کاٹ تو نہیں کھائے گی۔''

''ابانا بہت جلد مانوس ہونے والی مخلوق ہے۔ اس سے پیار اور محبت سے پیش آؤ کبھی کچھ نہیں کہے گی۔ وہ بالکل پالتو جانوروں کی مانند ہے۔''

فرقان نے جب شریف عثمانی کو ابانا کی تعلیم و تربیت کے بارے میں اپنا منصوبہ بتایا تو اسے یقین نہ آیا۔ مگر جس انداز میں اس نے اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے دلائل اور اقدامات بتائے تھے اس سے اس منصوبے کی کسی حد تک کامیابی کی توقع تھی۔ مگر جب عثمانی کے پوچھنے پر فرقان نے بتایا کہ اس تمام منصوبے کی تکمیل پر چار سے چھ ماہ لگیں گے تو اسے فرقان خلل دماغ کا مریض محسوس ہوا۔

''چار چھ ماہ میں تو شاید وہ انسانوں کی طرح چلنا بھی بمشکل سیکھ پائے گی۔'' عثمانی نے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ عام زندگی میں اگر وہ واقعی ویسی ہے جیسی وہ نظر آتی ہے تب۔''

تب فرقان اسے بڑی مشکل سے یقین دلا پایا کہ ابانا اگرچہ قلب ماہیت ہی کی ایک تخلیق ہو سکتی ہے لیکن وہ ایک نوزائیدہ بچے کی طرح ہے۔ اور اس کے بعد فرقان نے اصل مدعا بیان کیا کہ وہ ''صبح نو'' میں ابانا کے بارے میں ہفتے وار کالم شروع کرانا چاہتا ہے اور ابانا کے بارے میں وہ کوئی بھی نئی اطلاع صبح نو کے سوا کسی اور اخبار کو نہیں دے گا۔ اس پر بڑی رد و کد کے بعد شریف عثمانی اس بات پر آمادہ ہوا کہ اگر اسے چار ہزار روپے ماہانہ دیئے جائیں تو وہ یہ کالم لکھنے اور ہفتہ وار اسے شائع کرانے کا انتظام کر ہی لے گا۔''

اس رات اسے فرقان کے کمرے میں اور فرقان کے ساتھ سونے کے باوجود رات بھر نیند نہ آئی۔ ہر لمحہ اسے یہ احساس رہا کہ ابھی ابانا آ کر اس کا خون پی لے گی۔ ابھی فرقان اٹھ کر اس کا گلا گھونٹ دے گا۔ مگر وہ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ رات میں اس نے دیکھا کہ کئی مرتبہ ڈاکٹر فرقان اپنے اور ابانا کے کمرے کا درمیانی دروازہ کھول کر ابانا کو دیکھتا رہا۔ خود اس نے بھی تین مرتبہ ایسا ہی کیا اور ہر مرتبہ ابانا کو پلنگ پر ہی لیٹے پایا۔

اگلے روز پھر اس گاؤں میں ویسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس مرتبہ اس نامعلوم بلا نے ایک گوالے کو اپنا شکار بنایا تھا۔ ایک چشمے کے پاس اس کی لاش پائی گئی تھی۔ یہاں بھی بھیڑیئے کے پنجوں کے علاوہ ایسے انسانی پنجوں کے نشانات موجود تھے۔ جن میں انگوٹھے غائب تھے۔ فرقان اور عثمانی کو یہ اطلاع ناشتے پر ملی تھی۔ اور فرقان نے ایک لحہ کے لیے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ ابانا کے بارے میں عثمانی کے ذہن میں جو خلش تھی وہ اس کی وجہ سے دور ہو جائے گی۔

وہ دونوں جائے واردات پر ساتھ گئے تھے۔ عثمانی کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اب ابانا پر سے اس کا شبہ ختم ہو گیا ہے۔ عثمانی وہیں سے شہر چلا گیا تھا۔ اور وہ پھر گھر واپس آ کر کتب خانہ بند کر کے تہہ خانے میں اترا تھا۔ مگر بوڑھے کا کوئی پتہ نہ تھا۔

فرقان نے ہسپتال سے طویل چھٹیاں لے لیں تھیں۔ یہ اس طویل ڈرامہ کے سلسلے میں تھیں جو اسے ابانا کو ایک مہذب خاتون کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے چار پانچ ماہ تک رچانا تھا۔ مگر اس سے پہلے بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے بوڑھے کی ہوس کی تسکین کا بھی سامان کرنا تھا۔ اور اس کے لیے اس کے پاس دو ہی دن تھے۔ کل رات بوڑھے کو اپنی ہوس کی پہلی بھینٹ درکار تھی۔

مگر اس کے لیے یہ سوال سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ اس کام کے لیے وہ کہاں سے کوئی عورت فراہم کرے۔

اور یہ اس کی خودغرضی کی انتہا تھی کہ اس کے لیے اس نے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا جو اس سے کالج کے زمانے میں محبت کرتی تھی۔ یہ شکیلہ تھی۔ اس نے شکیلہ کے گھر فون کیا اور شکیلہ اس کا فون پا کر بے حد خوش ہوئی۔ اس نے شکیلہ سے ایک ہوٹل میں ملنے کے لیے کہا اور نوکروں کو ہدایت دے کر شہر روانہ ہو گیا۔

''بلیو ہیون'' میں شکیلہ اس کی منتظر تھی۔ وہ اٹھ کر فیملی روم میں آ گئے۔

شکیلہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

''مجھے افسوس ہے فرقان...... کامنی کے انتقال پر مجھے بھی بے حد دکھ ہوا تھا۔ محض تمہاری وجہ سے......اور اس وقت مجھے اپنی خودغرضی پر غصہ آ رہا ہے۔''

''کیوں......''

فرقان نے کہا۔

''میں کامنی کی لاش پر اپنی خوشی کے محل تعمیر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' شکیلہ نے کہا۔

''مجھے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔''

''مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ شکیلہ خودغرض تم نہیں میں ہوں۔''

''میں خوش نصیب ہوں فرقان۔'' شکیلہ نے کہا۔ ''کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔''

اور وہ دونوں بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شکیلہ اُس سے پرانی محبتوں کی باتیں کرتی رہی اُسے اپنی محبت اور محرومی کا یقین دلاتی رہی۔

''اور فرقان! جمیل سے شادی کرنے سے انکار کرنے پر تو ڈیڈی اس قدر ناراض ہوئے تھے۔ اس قدر ناراض ہوئے تھے کہ انہوں نے مہینوں مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ امی نے مجھے دھمکیاں دیں مگر سب کو میرا ایک ہی جواب تھا۔ میں شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔''

مگر فرقان کا ذہن اپنا پروگرام تیار کرنے میں مصروف تھا۔ فی الحال شکیلہ کے علاوہ کوئی اور لڑکی اتنی آسانی سے اس کے ہاتھ نہ آ سکتی تھی۔

''تم کیا سوچ رہے ہو فرقان۔''

''میں......'' فرقان نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ آخر پہلے مجھ سے کیا حماقت ہوئی تھی کہ میں نے تم ایسی مخلص لڑکی کو چھوڑ کر کامنی کو اپنایا تھا۔''

''تمہارا وہ فیصلہ درست تھا فرقان۔'' شکیلہ نے احسانمندی کے لہجہ میں کہا۔ ''وہ بہرحال مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی۔''

''حسن رنگ و روپ کا نام نہیں۔'' فرقان پوری ریاکاری سے کہہ رہا تھا۔ ''تمہارا حسن، تمہاری شخصیت اور ذات میں ہے۔''

''ارے ہاں وہ مریضہ......وحشی مریضہ......اسے بھی تو تم اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو۔''

''وہ محض میرا تجربہ ہے......میں اس تجربہ میں کامیاب ہو گیا تو امر ہو جاؤں گا۔''

''وہ بھی تو کامنی کی ہمشکل ہے۔''

''اسی لیے تو میں اس سے بچنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے تو میں تمہاری پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔''

فرقان کو خود بھی تعجب ہو رہا تھا کہ وہ اتنی ڈھٹائی سے آخر جوٹ کیسے بول رہا ہے۔

اور جب وہ اٹھے تو شکیلہ مسرت سے جھومی جا رہی تھی۔ انہوں نے پھر دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا۔ شکیلہ اس سے اصرار کر رہی تھی کہ وہ اس مریضہ سے آج ہی ملنا چاہتی ہے۔ لیکن فرقان نے اسے بھی دوسرے روز پر ٹال دیا۔ اور دونوں رخصت ہو گئے۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان کے ہزار نہ چاہنے کے باوجود وہ دن طلوع ہو ہی گیا جس کے اختتام پر اسے اگھوری بوڑھے کی ہوس پر پہلی عورت بھینٹ چڑھانی تھی۔

اس گھناؤنے تصور نے اسے رات بھر ابانا کے قرب کے باوجود بے کل کئے رکھا یہ تصور ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا کہ وہ شکیلہ کو اس شیطان بوڑھے کے حوالے کرے گا۔ حالانکہ وہ اسی مقصد کے

لیے شکیلہ سے ملا تھا لیکن اس کی پرخلوص باتوں اور بے ریا محبت نے اس کا ارادہ متزلزل کر دیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ محض اس خیال نے کہ وہ شکیلہ کو بوڑھے کے پاس لے جانے کے لیے اس کو شیشہ میں اتار رہا تھا اور شکیلہ اس کی ریاکاری سے بے خبر اپنی پرانی محبتوں اور محرومیوں کا ذکر کر رہی تھی شکیلہ کے اس انداز نے شکیلہ کے لیے اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات بیدار کر دیئے تھے۔ اور شکیلہ کو دھوکا دینے کے خیال نے اس کی روح کے لیے ایک جہنم تیار کر دیا تھا۔

مگر شکیلہ سے ہمدردی کے ان احساسات کے ساتھ ہی ابانا کا خیال اس کے لیے سکون و راحت کا پیغام لے کر آتا تھا۔ اور ابانا کو اس بوڑھے سے بچانے کے لیے وہ ہر کام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر ضمیر کی بات تو کچھ اور ہی تھی۔ اس کا ضمیر اس کو لعنت ملامت کر رہا تھا لیکن ضمیر کی لعن طعن اس کی الجھن اور مسئلہ کا حل تو نہ تھی اور اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس کا ذہن شکیلہ کی طرف گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ شکیلہ کی کمزوری سے واقف تھا اور اس کو یقین تھا کہ وہ شکیلہ کو محبت کا فریب دے کر اس مقصد کے لیے استعمال کر سکے گا۔ وہ پہلی مرتبہ اس نوعیت کے مسئلہ سے دوچار ہوا تھا۔ اور اس کے حل کے لیے فی الحال کوئی اور راہ اس کے سامنے نہ تھی۔

مگر شکیلہ کی محبت بھری باتوں نے اس کے ارادے کو متزلزل کر دیا تھا۔ کیا وہ اس محبت کی ماری ہوئی لڑکی کو یوں برباد کر سکے گا......؟

یہ یب ایسا سوال تھا جو پھنکاریں مارتے ہوئے سانپ کی مانند اس کے ذہن کو ڈس رہا تھا۔

اور جب وہ اپنے ذہنی خلجان کو لے کر واپس حویلی پہنچا تھا تو بہت کھویا کھویا تھا۔ ایک بے بس انسان کی طرح وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ پھر رات کی تنہائیوں میں جب وہ بھاری دل اور بوجھل قدموں سے ابانا کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ذہن سے تمام وسوسے دور ہو گئے۔ اور اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا کہ ابانا نے اُسے جو لذتیں دی ہیں ان کو برقرار رکھنے کے لیے وہ سب کچھ کر گزرے گا۔ ابانا جو اس کے ذہنی خلجان سے پوری طرح واقف تھی۔

ایک مرتبہ پھر ابانا اس کی مدد کو آئی

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا فرقان! میں تمہارے ساتھ ہوں میں نجات دلاؤں گی تمہیں اس بوڑھے سے تم فکر نہ کرو۔''

''کب آخر کب......''فرقان نے لجاجت سے پوچا۔

''میں خود اس بوڑھے سے......اس کے تسلط جلد از جلد آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح اس کی اسیر ہوں۔''

اور اس کے بعد جب وہ انجانی لذتوں کی وادی کے سفر کی تھکن سے چور ہو کر آنکھیں موند کر پڑ گیا تو ابانا نے پھر بوڑھے اگھوری کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس کے لہجے میں ایسی اپنائیت ایسا پیار اور ایسی محبت تھی کہ فرقان نے ابانا کے سامنے شکیلہ کے بارے میں اپنے تمام تذبذب کو اگل دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابانا سے کوئی بھی بات راز میں رکھے۔ اور پھر ابانا نے اس کے سامنے وہ تمام طریقہ بیان کر دیا جس پر عمل کر

کے وہ آسانی کے ساتھ شکیلہ کو بوڑھے کی خدمت میں پیش کر سکتا تھا اور کسی کی نظروں میں بھی نہ آتا۔ ابانا کا یہ منصوبہ ایسا تھا کہ فرقان کو اس کی کامیابی میں کوئی شبہ نہ تھا۔ اس ذہنی گتھی کے سلجھ جانے پر فرقان مطمئن ہو کر سو گیا۔ ابانا کی انگلیوں کے لمس نے اسے حسین خوابوں کی گود میں پہنچا دیا، جہاں نہ اگھوری بوڑھے کا خوف تھا نہ شکیلہ کو اس اگھوری بوڑھے کی خدمت میں پیش کرنے کے تصور پر ضمیر کی ملامت۔

اور اگلا دن ابانا کے منصوبے کی تکمیل کا دن تھا۔

مگر اس دن کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی شکیلہ کے بارے میں اس کے ذہنی گتھی اور الجھ گئی۔ درست تھا کہ ابانا کا منصوبہ اپنی جگہ نہایت جامع تھا۔ ہر قسم کے سقم سے پاک مگر پھر بھی ایک خلش تھی جو بار بار اس کے دل کو چھید رہی تھی۔ ایک کانٹا تھا جو اس کی روح میں پیوست ہو کر رہ گیا تھا۔ مگر اس کرب سے فرار کی کوئی راہ نہ تھی ابانا کی محبت میں اسے یہ خنجر اپنی روح میں گھونپنا ہی تھا۔ شکیلہ کو بوڑھے اگھوری کو پیش کرنے کے لیے ریاکاری کا ڈرامہ رچانا ہی تھا۔

''طوعاً و کرہاً''اس نے ابانا کے بتائے ہوئے منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

ناشتہ کرتے ہوئے اس نے تمام ملازموں کو تین دن کی چھٹی دیدی۔ اور پھر انہی کے سامنے ان کی مدد سے ابانا کو کار میں سوار کرایا۔ اپنے سامنے نوکروں سے حویلی بند کرائی۔ اور نوکروں کو بھی کار میں بٹھا کر روانہ ہو گیا۔ شہر آ کر اس نے دونوں نوکروں کو ان کے گھروں پر اتارا اور اندھا دھند پھر حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے نوکروں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ ابانا کو لے کر تین دن کے لیے شہر جا رہا ہے لہذا اب حویلی میں تین دن کے لیے ملازموں کی ضرورت نہیں ہے لہذا وہ بھی اس عرصے میں اپنے گھر والوں سے مل آئیں۔

ابانا کو حویلی میں چھوڑ کر وہ پھر اندھا دھند شہر آیا۔ بلیو ہیون میں اس نے شکیلہ کو اپنا منتظر پایا۔ شکیلہ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی اور پھر وہ دونوں دیر تک وہیں بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ مگر وہ دونوں کہاں باتیں کر رہے تھے۔ باتیں تو صرف شکیلہ کر رہی تھی۔ اپنی محبتوں اور محرومیوں کی باتیں اور اپنی خوش قسمتی کی باتیں کہ وہ فرقان کی ہونے والی ہے۔ اور فرقان اس کی تمام باتیں بھی تو نہ سن رہا تھا۔ شکیلہ کے ہر ہر جملہ کے ساتھ اس کی روح میں کانٹے پیوست ہو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اتنا ریاکار کیونکر ہو سکتا ہے؟ اتنا خود غرض کیونکر ہو سکتا ہے؟

''فرقان......کیا سوچنے لگے۔''

''کچھ نہیں......''فرقان نے خجل ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ خوش قسمت تم نہیں میں ہوں کہ تم نے ایک ٹوٹے ہوئے شکستہ شخص کو سہارا دیا ہے۔ تم نے ایک ایسے شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس نے خود تمہاری محبت کا لحاظ نہیں کیا تھا۔'' اور اس کے ساتھ ہی وہ سوچنے لگا کہ آخر وہ کس طرح یہ سفید جھوٹ بول سکا۔

''ایسا نہ کہو فرقان میں تو تمہاری شکر گزار ہوں۔ تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔''

اور فرقان اس کے بعد صرف مکرو ریا کا پیکر بن گیا۔ اس نے بھی شکیلہ کو اپنی محبتوں کا یقین دلا دیا۔ اور پھر اس حد تک آگے گیا کہ اس نے شکیلہ کے جسمانی خطوط، اس کی رفتار، اس کے تیکھے نقوش کی تعریف شروع کر دی۔ وہ کافی دیر تک اُس کے حسن کا تذکرہ بڑی بے باکی کے ساتھ کرتا رہا۔ شکیلہ اُس کی گفتگو پر جھینپتی اور شرماتی رہی۔

بلیو ہیون میں ہی انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور اس کے بعد فرقان نے شکیلہ کے ساتھ شاپنگ کی اس نے شکیلہ کے لیے اس کی پسند کی کئی ساڑھیاں اور کئی جوڑے خریدے "مگر کیوں" شکیلہ کے اُس سوال پر اس نے جواب دیا تھا کہ آخر میں تم سے شادی کر رہا ہوں۔ مذاق تو نہیں کر رہا۔ پھر اس کے بعد اس نے زیورات کی خریداری کی۔ اور اُس کے بعد واپس چل دیا۔

"یہ کدھر جا رہے ہو......"

"کیوں کیا تم اس مریضہ سے نہیں ملو گی۔"

"مگر اب تو بہت دیر ہو گئی۔"

"پانچ ہی تو بجے ہیں...... دو گھنٹہ میں واپسی ہو جائے گی۔" اور شکیلہ مطمئن ہو گئی۔

☆......☆

حویلی پہنچ کر شکیلہ کو یہ بات بڑی عجیب لگی کہ گھر میں ابانا کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور ابانا بھی کمرے میں بند تھی۔ خود فرقان نے اس دروازے کا تالا کھولا تھا۔

"کیوں کیا گھر میں کوئی نہیں ہے۔"

"اب آتے ہی ہوں گے۔" فرقان نے بہانہ بنایا۔ "میں نے انہیں اجازت دے رکھی ہے کہ دوپہر کا کام ختم کر کے گھر چلے جایا کریں۔

"اور یہ حویلی یونہی خالی پڑی رہتی ہے۔"

"تو کیا ہوا چوری چکاری کا یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

اس کے بعد شکیلہ تمام حویلی دیکھتی رہی۔ اور فرقان اس کے ساتھ ساتھ لگا رہا۔ شکیلہ اس حویلی کی سجاوٹ سے بے حد متاثر تھی وہ اس کی ہر چیز کی تعریف کر رہی تھی۔ حویلی دیکھنے کے بعد وہ دونوں ابانا کے کمرے میں آ گئے۔

شکیلہ ابانا کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جو مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔

پھر فرقان نے ابانا کی تعلیم و تربیت اور اسے انسانی معاشرے سے آشنا کرنے کے لیے اپنے منصوبے کی وضاحت کی تو شکیلہ نے کہا۔

"واقعی فرقان...... کیا ایسا ہو سکے گا...... کیا یہ ہماری طرح چل پھر اور بول چال سکے گی؟"

"کیوں نہیں؟" فرقان نے کہا۔ "اسے نوزائیدہ بچے کی مانند سمجھو جس طرح نوزائیدہ بچہ رفتہ رفتہ بولنا اور چلنا سیکھ لیتا ہے۔ اُسی طرح یہ بھی سیکھ سکتی ہے۔"

"کتنی عجیب بات ہو گی۔" شکیلہ نے کہا۔

"اسی لئے تو میں اسے اپنا تجربہ کہتا ہوں۔"

"اور واقعی فرقان یہ تو بالکل کامنی جیسی ہے۔ بالکل اسی طرح ہے سر مو بھی تو فرق نہیں۔"

"کامنی کی یہی مشابہت تو میرے لئے سوہان روح ہے۔" فرقان نے کہا۔ "کامنی جسے میں اپنے ہاتھوں سے دفنا چکا ہوں۔"

"تم اس سے ڈرتے ہو۔"

"ارے نہیں......" فرقان نے کہا۔

وہ نامعلوم کیا کیا باتیں کرتے رہے۔ اب فرقان زیادہ باتیں کر رہا تھا۔ وہ شکیلہ کو وقت گزرنے کا احساس دلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے شکیلہ کو اپنا البم دکھایا۔ اور ہر تصویر کے بارے میں پوری پوری تفصیل اسے بتائی۔

ایک لمحہ پر آ کر فرقان نے محسوس کیا کہ اب اس کے پاس ایسا کوئی موضوع نہیں رہا جس پر وقت گزاری کے لیے باتیں کر سکے۔

"یہ کم بخت نوکروں کو کیا ہو گیا ہے۔ واپس ہی نہیں آئے۔" فرقان نے بات کا رخ موڑنے کے لیے کہا۔ "لاؤ میں تمہارے لئے چائے بناؤں۔"

"نہیں بھئی فرقان...... اب واپس چلو۔"

بہر حال شکیلہ کو چائے پینی ہی پڑی اور اس کے بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔ فرقان نے موقع پا کر اس کی پیالی میں خواب آور دوا ملا دی تھی۔ اس کے بعد شکیلہ رات کو ۱۲ بجے تک ہوش میں نہیں آ سکتی تھی۔ اب ابانا کے منصوبے کے اگلے مرحلے پر عمل کرنا تھا۔ مگر اس کے لیے کافی دیر تھی۔ دوسرے مرحلے پر رات کے ابتدائی حصہ میں عمل ہونا تھا۔

اس نے شکیلہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور ابانا کے کمرے میں آیا۔ "سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔"

"سب کچھ ٹھیک ہی رہے گا۔" ابانا نے اسے دلاسا دیا۔ "تم فکر و تردد چھوڑ دو۔" فرقان نے کوئی جواب نہ دیا اور تھکا تھکا سا کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ اس وقت خاموش رہنا چاہتا تھا۔

"اسے تم سے محبت ہے۔" ابانا نے کہا۔ فرقان نے ابانا کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے سر ہلا دیا۔ "ہاں" اس کے منہ سے ایک کراہ سی نکلی۔ وہ اب بھی اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا۔

"اور تمہیں مجھ سے محبت ہے میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" ابانا کی خوابناک آواز ابھری۔ "محبت ایثار چاہتی ہے۔ وہ تمہاری محبت پر قربان ہو گی اور تم میری محبت کی خاطر قربانی دو گی۔"

"یہ میری خود غرضی ہو گی۔"

"یہ خود غرضی نہیں۔" ابانا کا لہجہ اور بھی خوابناک ہو گیا۔ اور وہ اٹھ کر فرقان کے پاس آ گئی۔ اور اس کے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیوں سے کنگھی شروع کر دی۔

فرقان کا تھکا ہوا ذہن گویا آسودہ سا ہو گیا۔ جیسے کسی نے زخم پر پھایا رکھ دیا ہو۔ اور اسی کیفیت میں اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ابانا اس کے بالوں میں کنگھی کرتی رہی۔ اور اسے اپنی باتوں سے لوری

دیتی رہی۔

ابانا کے منصوبے کا اگلا مرحلہ بھی کامیابی سے پورا ہو چکا تھا۔ یہ مرحلہ صرف اداکاری پر مشتمل تھا۔ وہ ابانا کے ہمراہ رات نو بجے شہر گیا تھا۔ پھر اس نے شکیلہ کے گھر کے سامنے کار روک کر بارن دیا تھا۔ ابانا اس کی کار سے اتری تھی۔ اس وقت ابانا نے شکیلہ کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور وہ تیزی سے چلتی ہوئی شکیلہ کے دروازے کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ برابر کے مکان کی کھڑکی سے کسی نے جھانک کر دیکھا تھا۔ اور فرقان نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''اچھا بھئی شکیلہ خدا حافظ کل صبح آؤں گا تیار رہنا۔''

''خدا حافظ......'' فرقان کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ ابانا نے بالکل شکیلہ کی آواز میں جواب دیا اور پھر دیوار کے ساتھ چپکی ہوئی بڑی تیزی سے سڑک کے نکڑ کی طرف بھاگی تھی۔ اس وقت اس کی رفتار میں وہی انداز تھا جیسے وہ زمین پر پیر نہ رکھ رہی ہو بلکہ زمین سے اوپر ہوا میں تیر رہی ہو۔

فرقان نے نکڑ پر کار ہلکی ہی کی تھی کہ ابانا وہاں پہنچ گئی اور اس سے پہلے کہ فرقان کار روکتا وہ دروازہ کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ چکی تھی۔ ''چلو...... فکر کی کوئی بات نہیں......'' ابانا کے لہجہ میں حکم کا انداز تھا۔

''آخر اس ڈرامہ کا مقصد کیا تھا۔'' فرقان نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس میں نقصان بھی کیا ہوا۔'' ابانا نے اسے پھر گول مول جواب دیا۔ ''پھر بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ تمہارا نہ جاننا ہی بہتر ہے۔''

☆......☆

اسی کرب میں دو دن گزرے اور وہ رات بھی آ گئی جب اسے شکیلہ کو اس بوڑھے کی خدمت میں پیش کرنا تھا۔ جب وہ دونوں شکیلہ کو گھسیٹتے ہوئے زبردستی تہہ خانے میں لے کر گئے تو شکیلہ نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ فرقان اور ابانا کو کوس رہی تھی۔ گالیاں دے رہی تھی۔ مگر اسے تہہ خانے میں اتار ہی دیا گیا...... سیڑھیوں کے پاس بوڑھا ان کا منتظر تھا۔

''تم جاؤ......''

فرقان اور ابانا پلٹے۔ شکیلہ نے بھی پلٹنا چاہا مگر بوڑھے کی گرفت اس کی کلائیوں پر بڑی مضبوط تھی۔ شکیلہ رو رہی تھی اور فرقان سے التجائیں کر رہی تھی مگر ابانا فرقان کو تھپکیاں دیتی اسے تہہ خانے سے باہر لے آئی۔ تہہ خانے کا راستہ بند کر کے فرقان وہیں بیٹھ گیا۔ ابانا بھی اس کے ساتھ تھی۔ فرقان کا دل اس وقت رو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

''تم بڑے اچھے ہو فرقان تم نے اپنی ابانا کے لیے کیا کچھ نہیں کیا......'' ابانا نے گویا اسے دلاسہ دیا۔

''مگر ابانا...... ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔'' فرقان نے بے بسی سے پوچھا۔

''آؤ چلو......'' ابانا نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''مگر...... ابھی شکیلہ اندر ہے۔''

''یہ رات اس بوڑھے کی رات ہے۔''

فرقان مجبوراً ابانا کے ساتھ وہاں سے ہٹ آیا۔ ''اب تم تہہ خانے میں نہیں جاؤ گے۔'' ابانا نے کہا...... ''بوڑھا مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔ اور میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی......''

اس رات ابانا نے نہ تو اسے دعوت دی، نہ ہی وہ ابانا کے کمرے میں گیا۔ وہ اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ صبح جب شکیلہ اس کے سامنے آئے گی تو وہ اس سے کیا کہے گا۔ کس انداز میں اس سے معذرت کرے گا۔ اسے رہ رہ کر شکیلہ کی التجائیں یاد آ رہی تھیں۔ اس کا ضمیر بار بار اسے ملامت کر رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ کیا کرے وہ اٹھ کر ابانا کے کمرے کی طرف گیا مگر آج ابانا نے اپنا کمرہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ اس نے دروازہ پیٹ ڈالا۔

''ابانا...... ابانا......''

''سو جاؤ بھئی فرقان تنگ نہ کرو۔'' ابانا کی آواز آئی۔

''مگر میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' فرقان نے کہا۔

''فضول ہے اب کچھ نہیں ہو سکتا......'' ابانا نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''یہ تم نے دروازہ کیوں بند کر رکھا تھا۔'' فرقان نے اندر آتے ہوئے کہا۔

''میں نے سوچا کہ آج رات تمہیں ماتم کرنے دوں۔ آج تمہارا ذہن ابانا سے زیادہ شکیلہ کی طرف لگا ہوا ہے۔'' ابانا نے گویا شاکی لہجہ میں کہا۔

اور اسی لمحہ حویلی میں ایک دلدوز چیخ ابھری۔ ایسی دہشت ناک چیخ تھی کہ فرقان کو جھرجھری آ گئی۔ اس چیخ میں التجا تھی۔ درد اور تکلیف تھی اس میں موت کی دہشت تھی۔ پھر پے در پے چیخیں ابھرتی رہیں فرقان تیزی سے کتب خانے کی طرف لپکا جب وہ کتب خانے میں پہنچا تو آخری چیخ حویلی میں پھر گئی۔ فرقان بری طرح کپکپا رہا تھا۔ خوف و دہشت سے اس کا حال خراب تھا۔

وہ تہہ خانے کا دروازہ کھولنا ہی چاہتا تھا کہ ابانا نے اسے روک دیا۔ ''ایسا نہ کرو میں تمہاری موت نہیں چاہتی۔ تمہیں میرے لیے زندہ رہنا ہے۔''

''مگر شکیلہ......''

''اب سب کچھ بے کار ہے۔'' ابانا نے کہا۔ ''تمہیں صبح سے پہلے وہاں نہیں جانا چاہئے۔''

وہ تمام رات وہیں بیٹھا رہا۔ ابانا سیاہ آبنوسی کرسی پر بیٹھی رہی صبح کی پہلی کرن کے پھوٹتے ہی وہ تہہ خانے میں اترا۔ بوڑھا وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے آرام سے سو رہے تھے۔ شکیلہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ابانا اس کے ساتھ ہی تھی۔ فرقان نے چاروں طرف دیکھا۔

''شکیلہ کہاں ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

بوڑھے نے اس کی طرف استہزائی ہنسی ہنستے ہوئے دیکھا۔ ''شکیلہ...... کیا اس کا نام شکیلہ تھا۔''

''آخر وہ ہے کہاں......''

''یہ دونوں بہت بھوکے تھے۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔ ''اب ان کا پیٹ بھر گیا ہے......''

''شکیلہ کہاں ہے بوڑھے۔''

خبیث بوڑھے نے اپنے پاس رکھے ہوئے شکیلہ کے لباس کو اٹھایا اور فرقان کی طرف پھینک

دیا۔بس بہت سی آواز سے اس کے قدموں کے پاس گرا فرقان نے لباس اٹھایا اور اس میں سے چند ہڈیاں نکل کر فرش پر گر گئیں۔

''شکیلہ کہاں ہے۔''

''مجھے معلوم تھا کہ تم مجھ سے یہی پوچھو گے۔'' بوڑھے نے کہا۔'' یہ شکیلہ کی ہی ہڈیاں ہیں تمہارے لئے یہ چند ہڈیاں میں نے بچا رکھی تھیں۔'' اس گٹھری میں ایک نسوانی ہاتھ بھی تھا جس پر وہی انگوٹھی چمک رہی تھی جو اس نے دو دن قبل شکیلہ کے لیے خرید کر خود اپنے ہاتھوں سے اسے پہنائی تھی۔ فرقان نے دیوانہ وار بوڑھے پر حملہ کر دیا۔ مگر بوڑھے نے اس کی گردن پر اپنی پتلی پتلی انگلیوں کی گرفت سخت کر دی۔'' احمق نہ بنو..... تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہئے۔ میں نے باقی تمام ہڈیاں وغیرہ غار سے باہر دفن کی ہیں۔ محض اس لیے کہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔ مجھے آخران بھیڑیوں کا، ابانا کے بچوں کا بھی تو پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔'' بوڑھے نے ایک مرتبہ پھر اس کی گردن کو زور سے جھٹکا دیا۔ اور فرقان بے جان ہو کر پٹ سے فرش پر گر گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شکیلہ کا وہی پنجہ پڑا ہوا تھا فرقان میں اٹھنے کی ذرا بھی ہمت نہ تھی۔ ابانا شکیلہ کے جسم کی بچی کھچی ہڈیاں اٹھا کر پھر شکیلہ کے لباس میں رکھ رہی تھی۔

پھر بوڑھا وہاں سے اٹھا۔ میں جا رہا ہوں پندرہ دن بعد پھر مجھے ایک عورت چاہئے۔ سمجھے چاند کی آخری تاریخ یاد رکھنا..... وہ اٹھا..... اس نے بھیڑیئے کے دونوں بچوں کو اٹھایا اور پھر تہہ خانے کے اس راستے میں غائب ہو گیا جو دریا کے کنارے غار میں کھلتا تھا۔

اس دن ایک اور پریشانی اس کے لیے منہ کھولے کھڑی تھی شکیلہ کے گھر سے فون آیا تھا اور اس کے پاس جواب تیار تھا۔'' شکیلہ سے تو میری تین دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' پھر اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اس نے خود تین دن قبل رات کو شکیلہ کو اپنی کار میں گھر پر چھوڑا تھا۔ اور جب دوسری طرف سے یہ بتایا گیا کہ شکیلہ تو سرے سے گھر ہی نہیں آئی تو اس نے نہایت مناسب انداز میں حیرت کا اظہار کیا تھا اور یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔'' میں ابھی آ رہا ہوں۔'' اور تب اسے اس ڈرامہ کی اہمیت کا خیال آیا جو اس نے ابانا کے ساتھ مل کر رچایا تھا۔

شکیلہ کے گھر پہنچا تو پولیس وہاں پہلے ہی موجود تھی۔ خود ایس ایچ او فہیم نے اس کیس کی تفتیش اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ فہیم کو دیکھ کر فرقان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اور اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ پریشانیوں میں گھرنے والا ہے۔ فہیم اس کے کالج کا ساتھی تھا اور کالج کے زمانے ہی سے وہ بھی شکیلہ میں دلچسپی لیتا تھا لیکن شکیلہ نے اسے کھرا جواب دے دیا تھا اور یہیں سے فہیم اس کا مخالف ہو گیا تھا۔ فہیم میں رقابت کی یہ آگ آج بھی بھڑک رہی تھی کیونکہ کامنی سے فرقان کے شادی کر لینے کے بعد جب اس نے ایک مرتبہ پھر شکیلہ کے سامنے شادی کی تجویز رکھی تو اس نے پھر فہیم کو نہایت رکھائی سے دھتکار دیا تھا۔

''فہیم صاحب آپ گڑیوں کی شادی نہیں رچا رہے ہیں۔'' شکیلہ نے اس سے کہا تھا۔'' میں شادی کو محبت کی معراج سمجھتی ہوں۔ ٹھیک ہے میں اپنی محبت میں کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنا آپ آپ کے حوالے کر دوں۔''

خود شکیلہ نے ان مکالموں کے بارے میں تین دن قبل فرقان کو بتایا تھا۔'' یہ کم بخت اب ضرور میرے لئے پریشانیاں پیدا کرے گا۔'' فرقان نے سوچا تھا اور اسے اپنے گرد پریشانیوں کا ایک نیا جال تنگ ہوتے ہوئے محسوس ہوا تھا۔ اور فہیم کے اس جملے میں اس نے اپنے لیے ایک نئی تنبیہہ محسوس کی تھی۔

'' آیئے ڈاکٹر فرقان..... میں دوسروں کے بیانات لے کر ابھی آپ سے بھی نمٹتا ہوں۔'' اور ڈاکٹر فرقان ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا ہوا ان دیکھی مصیبتوں کی اپنی جانب بڑھنے کی چاپ سن رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کیا حالات پیش آئیں گے لہذا اس نے بڑھ کر فون اٹھایا اور عثمانی کا نمبر ڈائل کیا۔ اور عثمانی کو فوراً شکیلہ کے گھر پہنچنے کے لیے کہا ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ فہیم اسے اغوا کے مقدمے میں ماخوذ کرنے کی کوشش کرے گا۔'' بس تم فوراً یہاں پہنچ جاؤ۔ باقی تفصیلات تمہیں یہاں پہنچ کر معلوم ہو جائیں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔

گھر والوں کے بیانات لینے کے بعد فہیم اس کے پاس آیا۔ ڈرائنگ روم میں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور فہیم نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔'' شکیلہ کہاں ہے ڈاکٹر۔''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تین دن قبل اسے تمہارے ساتھ دیکھا گیا تھا۔''

''بالکل۔ ہم نے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ میں نے اس کے لئے کپڑے اور زیورات بھی خریدے تھے۔

''اوہو..... نئی بات معلوم ہوئی پھر کہاں چلی گئی وہ.....''

''میں خود اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔''

''مگر وہ گھر میں نہیں آئی۔''

''مجھے خود اسی بات پر حیرت ہے۔''

''مصنوعی حیرت سے کام نہیں چلے گا۔ میں سب کچھ اگلوا لوں گا۔''

''دھمکیاں دے رہے ہو۔''

بہر حال فہیم نے اسے حراست میں لے لیا۔ اور اس مختصر سی گفتگو کے بعد اسے تھانے لے جایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی فہیم نے بڑی تیزی سے کام کیا۔ فرقان کی حویلی کی تلاشی کے وارنٹ لے کر جب وہ پولیس جمعیت لینے کے لیے واپس تھانے آیا تو عثمانی وہاں موجود تھا۔ عثمانی نے خود ڈاکٹر فرقان کی ضمانت داخل کرائی اور فہیم کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی کہ وہ فرقان کی عدم موجودگی میں اس کی حویلی کی تلاشی لیتا۔

پولیس کی جیپ اور فرقان کی کار آگے پیچھے حویلی میں داخل ہوئیں۔ فرقان کے ہمراہ عثمانی بھی موجود تھا۔ فہیم نے حویلی کا ایک ایک کمرہ چھان مارا مگر اسے شکیلہ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ شکیلہ کے والد جمیل نے جو فہیم کے ساتھ ہی حویلی آئے تھے ڈرائنگ روم میں شکیلہ کا پرس دیکھ لیا تھا۔'' یہ شکیلہ کا پرس ہے۔'' فہیم نے جھپٹ کر وہ پرس لے لیا۔ اور اس کو ٹیبل پر الٹ کر خالی کر دیا۔

''یہ انگوٹھی بھی شکیلہ کی ہے۔'' شکیلہ کے والد نے کہا۔

''وہ پرسوں میرے ساتھ یہاں آئی تھی اور میں نے اسے ایک نئی انگوٹھی لے کر دی تھی اور اس نے یہ انگوٹھی اتار کر وہ میری دی ہوئی انگوٹھی پہن لی تھی۔'' فرقان نے اصل بات بتادی۔

''ہوں تو وہ یہاں آئی تھی۔ مگر تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

''تم نے اس کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا تھا میں خود اس بارے میں جمیل صاحب کو بتا دیتا مگر تم نے مجھے اس کی مہلت ہی نہیں دی۔''

''پھر وہ کہاں گئی۔'' فہیم نے پوچھا۔

''میں نے بتادیا کہ میں اسے خود گھر چھوڑ کر آیا تھا۔''

اس کے بعد فہیم نے خود نوکروں کے بیانات لئے۔ اور نوکروں کے بیانات سے معلوم ہوا کہ اس دن فرقان نے انہیں تین دن کی چھٹی دیدی تھی اور خود شہر چلا گیا تھا۔ نوکروں کے بیانات بڑے عجیب تھے۔ اور ان بیانات نے فرقان پر فہیم کے شبہات کو مزید تقویت دی تھی اور وہ ایک مرتبہ پھر فرقان سے پوچھ رہا تھا۔

''تم نے نوکروں کو چھٹی کیوں دی تھی۔''

''میرا ارادہ تین دن شہر میں گزارنے کا تھا......''

''پھر یہ ارادہ تبدیل کیوں ہوگیا۔''

''میرا ارادہ تبدیل نہ ہوتا مگر خود شکیلہ اس کی ذمہ دار تھی۔'' اب ڈاکٹر فرقان کے جھوٹ بولنے کی باری تھی۔ ''ہمارا ارا.. ن ہفتے شادی کرنے کا تھا۔ اور میں اس سلسلے میں شہر کی کوٹھی میں منتقل ہونا چاہتا تھا۔ اور اسی لیے .. ں ابانا...... وہی میری وحشی مریضہ، کو لے کر شہر گیا تھا۔ راستے میں وعدے کے مطابق بلیو ہیون کے باہر شکیلہ سے میری ملاقات ہوئی۔ اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں شہر منتقل ہو رہا ہوں تو وہ بضد ہوگئی کہ شادی شہر میں نہیں اس دیہی حویلی میں ہوگی میں اس کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔ چنانچہ میں اسے بلیو ہیون ہی میں چھوڑ کر ابانا کو واپس لے کر آ گیا۔ اور ابانا کو اس کمرے میں بند کر کے پھر بلیو ہیون پہنچا۔ دوپہر کا کھانا کھایا کپڑے اور زیورات خریدے اور پھر ہم دونوں یہاں آ گئے۔''

''اور پھر تم نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ وہ بے حد برہم ہوئی تو تم نے اسے...... اسے ٹھکانے لگا دیا......'' فہیم نے بڑی سفا کی سے کہا۔

فرقان بڑی زور سے چیخا تھا۔ ''مسٹر فہیم...... تمہیں شرم آنی چاہئے تم شاید اسی نظریہ کے قائل ہو گے۔ مجھے اس بے ہودگی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا سمجھے۔''

''مجھے وہ کپڑے اور زیورات دکھاؤ گے۔''

اور فرقان نے وہ تمام کپڑے اور زیورات ڈھیر کر دیئے ساتھ ہی اس نے ان کی رسیدیں بھی فہیم کو دیدیں جس پر وہی تاریخ درج تھی جس کا اس نے ذکر کیا تھا۔ یہ رسیدیں دینے سے قبل وہ ان کے نمبر نوٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اور پھر اس نے کہا۔ ''اب میں تم سے مزید باتیں نہیں کرنا چاہتا۔''

مگر فہیم کے ذہن میں جو شبہات پیدا ہو گئے تھے اس کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر حویلی کا ایک ایک کونا چھان مارا باغ کے تمام لان کی چھان بین کی گئی۔ بعض جگہ زمین بھی کھدوائی۔ آخر میں وہ ایک مرتبہ پھر حویلی میں آیا۔ مجھے اپنی مریضہ کا کمرہ ایک مرتبہ پھر دیکھنے دو۔

''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' فرقان نے چابی اس کی طرف پھینک دی۔ ''تم بھی ساتھ چلو۔'' فہیم نے کہا۔

''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

اور فہیم خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا ہوا چابی لے کر ابانا کے کمرے کی طرف گیا۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے دو سپاہیوں کو ہدایت دی کہ وہ ابانا کو قابو کریں۔ اور خود باہر انتظار کرنے لگا۔

دونوں سپاہی اندر گئے۔ اور فوراً ہی بوکھلا کر باہر آ گئے ان کے حلق خشک تھے۔ اور چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھی۔ ''کیا ہوا......'' فہیم نے ڈپٹ کر ان سے کہا۔

''جی جی...... وہ وہ کاٹتی ہے......''

''کون......؟''

''وہی جی۔ وہی عورت......''

''بزدل......'' فہیم نے یہ کہہ کر ان کو اندر دھکیلا ''چلو اسے پکڑو'' اور خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ مگر ابانا ان کے قابو میں نہ آ سکی۔ اس نے ان کو بری طرح نوچ کھایا۔ ہاتھوں اور بازوؤں کو کاٹ کھایا۔ اور ایک مرتبہ فہیم کی کلائی اس کے دانتوں میں آ گئی اور اس کے دانت اس کی کلائی میں گڑ گئے۔

OOO

فہیم درد وکرب سے چلا رہا تھا۔ اور ابانا کے دانت اسی سختی کے ساتھ اس کی کلائی میں گڑے جا رہے تھے۔ ابانا کے منہ سے غصہ میں غرانے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ فہیم کا منہ بھی نوچ رہے تھے اور ہر مرتبہ اس کے تیز نوکیلے ناخن اس کے چہرے پر گہری خراشیں بنا جاتے اور ان خراشوں سے خون کی بوندیں چھلک اٹھیں۔ دونوں سپاہی فہیم کو ابانا کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک سپاہی نے اس کے بال پکڑ کر اس کا منہ پیچھے کی طرف کیا اور اس جھٹکے کے ساتھ ہی فہیم بلبلا اٹھا..... سپاہیوں کی ہر ہر کوشش کے ساتھ ابانا کے دانتوں کی گرفت میں سختی آ جاتی۔ اور اس کے ہونٹوں کے دونوں گوشوں پر کلائی سے ابلتے ہوئے خون کی بوندیں آئیں اور پھر یہ بوندیں سرخ سرخ لکیروں میں بدل گئیں۔

اب فہیم کے منہ سے گالیوں کا طوفان بہہ نکلا تھا۔ وہ ابانا کو سپاہیوں اور پھر ان کے اہل خاندان کو ہزار سلواتیں سنا رہا تھا۔ ڈرائینگ روم میں عثمانی اور فرقان بیٹھے یہ چیخ پکار سن رہے تھے۔ پھر فہیم نے فرقان کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ فرقان کے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں اُبھریں اور وہ ابانا کے کمرے کی طرف لپکا۔ اس کے پیچھے پیچھے عثمانی اور دوسرے لوگ بھی ابانا کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ فرقان نے آگے بڑھ کر ابانا کو چمکارا۔ اسے تسلی دی اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی خونخوار بھیڑیئے کو چمکار رہا ہو۔ پھر اس نے ابانا کے سر پر اسی طرح ہاتھ پھیرا جیسے کوئی مالک اپنے شکاری کتے کے سر پر شکار کرنے کے بعد ہاتھ پھیرتا ہے اور ابانا نے دانتوں کی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اس کے چہرے کے مسلز کی سختی کم گئی۔ اور اس نے اپنے تیز دانت فہیم کی کلائی سے الگ کر دیئے۔ اور فہیم کی کلائی سے خون کی لکیر تیزی سے بوند بوند بن کر اس کے کپڑوں پر اور پھر نیچے قالین میں جذب ہونے لگی۔ فہیم نے گہرا سانس لیا۔

وہ اس وقت غصہ میں بپھرا ہوا تھا۔ اس کے ماتحت سپاہیوں کے سامنے اس کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔ اس نے ابانا کے منہ پر الٹے ہاتھ کا تھپڑ مارا جو ابانا کے دائیں گال پر پڑا۔ اس کے جواب میں ابانا کا ردعمل بڑا شدید تھا۔ وہ اچھلی اور فہیم پر جا گری۔ فہیم اس کے دھکے کے ساتھ ہی فرش پر آ رہا اور ابانا اس پر چھا گئی۔ اور اس مرتبہ اس نے اپنے دانت فہیم کے بازو میں اتار دیئے اور ہاتھوں سے فہیم کا منہ نوچ لیا۔

یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔

ابانا فہیم پر چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ فہیم کے بازو کو بھنبھوڑ رہی تھی۔ ایک مرتبہ پھر فہیم بری طرح

چیخ رہا تھا۔ اس مرتبہ فہیم اس طرح بے بس تھا کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہ کر سکتا تھا۔ اس کا ایک بازو اس کی کمر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اور ایک ٹانگ کرسی کے پایوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اور ابانا وحشی درندے کی مانند اس کے بازو کو بھنبھوڑ رہی تھی۔ فہیم کے سپاہی بہت الجھن میں تھے۔ ان کی حالت عجیب تھی۔ وہ فہیم کی تکلیف سے زیادہ ابانا کو دیکھ رہے تھے۔ اور فہیم چیخ رہا تھا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو فہیم..... کیا تم نے اسے بھی اپنے ماتحت سپاہی سمجھ رکھا تھا۔'' فرقان نے کہا اور سپاہیوں کو کمرے سے باہر نکال دیا۔ فہیم کے منہ سے گالیاں گڈمڈ ہو کر بے ہنگم سے شور میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

عثمانی نے فرقان سے کہا۔

''ڈاکٹر اسے علیحدہ کرو۔''

اور فرقان نے اس مرتبہ پھر ابانا کو دلاسہ دیا۔ اسے چمکارا مگر ابانا اس وقت سخت برہم تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے فہیم کو ابانا سے نجات دلائی۔ فرقان ابانا کو تسلی دیتا رہا اور وہ اس بلی کی مانند غراتی رہی۔ جس کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو۔

عثمانی نے سہارا دے کر فہیم کو کھڑا کیا۔

فہیم نے برہمی سے کہا۔

''تم نے ایک افسر کی توہین کی ہے۔''

''میں نے نہیں.....'' فرقان نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم پاگل کتے کو پتھر مارو گے تو وہ ضرور کاٹے گا۔ تو کیا تم کتے پر یہ الزام لگاؤ گے کہ اس نے تمہاری توہین کی ہے۔''

فہیم نے پھر ابانا کو تھپڑ مارنا چاہا کہ عثمانی نے اسے روک دیا۔

''احمق نہ بنو.....'' عثمانی نے کہا۔ ''اسے عام عورت نہ سمجھو۔ وہ وحشی ہے سمجھے۔''

''نہیں.....'' فرقان نے کہا۔ ''تم اسے ضرور مارو.....'' فرقان نے ابانا کو چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''اب کے میں تمہیں نہیں بچاؤں گا۔''

فہیم غصے میں پاگل ہو گیا۔

''تم جاؤ نکل جاؤ یہاں سے میں خود اس سے سمجھ لوں گا۔'' ابانا نے فہیم کا ہاتھ دبایا گویا اس کو چلے جانے کا اشارہ کر رہی ہو۔

عثمانی نے کہا۔

''مسٹر فہیم یہ کیا کر رہے ہو تم۔''

فہیم نے سپاہیوں کو آواز دی۔

دو سپاہی اندر آ گئے۔

''ان دونوں کو باہر لے جاؤ۔'' اس نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے ڈنڈا لیتے ہوئے کہا۔ میں دیکھتا ہوں اسے۔''

فرقان نے تنبیہہ کی ''ابانا قومی امانت ہے۔اسے حکومت نے میری تحویل مین دیا ہے۔اسے کوئی نقصان پہنچا تو تمہیں جواب دینا پڑے گا۔''

''نکل جاؤ...... ''فہیم حلق کے بل چیخا۔''لے جاؤ انہیں۔''

ابانا نے پھر فرقان کا ہاتھ دبایا اس کا انداز ایسا تھا گویا وہ اسے باہر جانے کے لیے کہہ رہی ہو۔ اس نے ابانا کی آنکھوں میں دیکھا اور وہی پراسرار پیغام ملا۔

''فکر نہ کرو۔''

بہرحال سپاہی فرقان اور عثمانی کو گھسیٹ کر باہر لے آئے۔

''تم خود کو مصیبت میں ڈال رہے ہو فہیم۔''فرقان نے کہا۔مگر فہیم نے جواب دیئے بغیر کمرہ اندر سے بند کر لیا۔

فرقان حویلی سے باہر آیا اور لان سے ہوتا ہوا اس سمت آیا جہاں ابانا کے کمرے کی کھڑکیاں کھلتی تھیں۔عثمانی بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ان دونوں نے کھڑکیوں سے کمرے کے اندر جھانکنا شروع کر دیا۔مگر اس عرصے میں ابانا پھر فہیم کو نہتا کر چکی تھی۔فہیم نہتا پلنگ پر ڈھیر تھا۔اور ابانا کے دانت اس کی گردن کے پچھلے حصے میں گڑے ہوئے تھے۔اور اس کے منہ سے پھر وہی چیخ و پکار ابھر رہی تھی۔

عثمانی نے فرقان سے کہا۔

''ڈاکٹر اسے بچاؤ۔وہ اسے مار ڈالے گی۔''

فرقان نے سرد لہجے میں کہا۔

''اس کی ذمہ داری صرف اس پر ہے۔''

''ڈاکٹر...... ''عثمانی نے کہا۔''خدا کے لیے۔''

''اچھا آؤ...... ''وہ دونوں پھر اندر آ گئے۔اندر سپاہی ابانا کے کمرے پر زور آزمائی کر رہے تھے۔فرقان نے کہا۔''بلاوجہ اپنی طاقت زائل نہ کرو۔''

''مگر صاحب اندر ہیں۔''

''ابھی انتظام کرتے ہیں۔''فرقان یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔اور ابانا کے کمرے میں کھلنے والا دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ایک مرتبہ پھر اس نے ابانا کو چمکار کر فہیم کو اس کی گرفت سے آزاد کیا۔اور ابانا کو وہاں سے لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

''ہو گیسی بزادی۔''ابانا نے آہستگی سے کہا۔

''بس اب تم لیٹ جاؤ۔''

''ہاں، ہاں...... تم فکر نہ کرو فرقان...... میں تمہارے لیے سب کچھ کر سکتی ہوں۔''

ڈاکٹر فرقان نے ابانا کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔اس نے ایسا ابانا ہی کے مشورے پر کیا تھا۔ فہیم کرسی پر بیٹھا ہوا ہانپ رہا تھا۔وہ اب بھی غصہ سے بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''میں نے اسے باندھ دیا ہے۔''فرقان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔''اب چاہو تو اس سے جا کر بدلہ لے لو۔''

فہیم نے کہا۔''تو تم مجھ پر چھینٹے مار رہے ہو۔میں دیکھ لوں گا تمہیں۔''

اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔

''دیکھ تو تم بہت دیر سے رہے ہو مزید دیکھنا چاہو تو اس کمرے میں چلے جاؤ۔''

فہیم نے کہا۔

''تمہیں اس خطرناک پاگل عورت کو گھر میں رکھنے کا جوابدہ ہونا ہوگا۔

''دماغ استعمال کرنے کی کوشش کرو مسٹر فہیم۔''ڈاکٹر فرقان نے کہا۔''میں تم پر اپنی مریضہ کو نقصان پہنچانے کا الزام لگاتا ہوں۔وہ میرے پاس حکومت کی امانت ہے۔مجھے اس کے بارے میں ہر پندرہ دن کے بعد رپورٹ دینی ہوتی ہے۔وہ میری نگرانی اور تحویل میں ہے۔وہ میرے زیر علاج اور میری نگہداشت میں ہے۔تمہیں معلوم ہے کہ ابانا قومی امانت کے طور پر میرے پاس ہے۔''

فہیم نے اٹھ کر کمرہ کھولا۔اور اس کے سپاہی اندر آ گئے۔

''سر کیا ہوا ٹھیک تو ہیں آپ؟''ایک نے کہا۔

''اس حویلی کے ایک ایک چپہ کی تلاشی لے لو۔ایک ایک چپہ کی سمجھے۔''فہیم نے انہیں ہدایت کی۔

''سب سے پہلے اس کمرے کی تلاشی لینا۔میں نے ابانا کو باندھ دیا ہے۔''

''ہاں پہلے اسی کمرے کی تلاشی لو۔''

سپاہی ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوئے۔فرقان کی آواز آئی۔''ڈرو نہیں وہ بندھی ہوئی ہے۔ویسے بھی وہ شریف آدمیوں سے کبھی تعرض نہیں کرتی۔''

''تم سرکاری افسر کی توہین کر رہے ہو۔''

فہیم پھپھکارا۔

''تم نے میری مریضہ کی توہین کی ہے۔''فرقان نے کہا۔''اس نے ایک الماری کی چابی فہیم کی طرف پھینکی۔''یہ اس الماری کی چابی ہے۔آپ چاہیں تو تلاشی لے لیں۔''

فرقان نے الماری کی طرف دکھا تھا۔الماری شیشے کی تھی۔اور اس میں کتابیں سجی ہوئی تھیں۔

''طنز فرما رہے ہیں آپ......''

فہیم نے کہا۔

''نہیں میں قانون کے نگہبانوں سے تعاون کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

فرقان نے کہا۔

''چھوڑو فرقان۔''

عثمانی نے کہا۔

اور اس کے بعد فہیم کو فرقان سے ڈریسنگ کرانی ہی پڑی۔فرقان نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ

ابانا نے جنگل میں پرورش پائی ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ زخم کی فوراً نگہداشت نہ کی گئی تو پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور عثمانی کے سمجھانے بجھانے پر فہیم، فرقان سے اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرانے پر تیار ہو گیا تھا۔

☆......☆

پھر اس پارٹی کے جانے کے بعد فرقان سر پکڑ کر بیٹھ گیا...... شکیلہ کی موت جس کا وہ خود ذمہ دار تھا۔ اس کے لیے روح کا عذاب بن گئی تھی۔ اس وقت اسے پھانسی کا پھندا اپنی گردن پر تنگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ''یا خدایا میں کس جنجال میں پھنس گیا ہوں۔''

اس نے بڑی بے بسی سے سوچا۔ وہ یہ سوال اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ خود سے کر چکا تھا۔ لیکن اس سوال کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔ بلکہ وہ خود اس سوال کا جواب تلاش کرنا نہ چاہتا تھا۔ وہ جب بھی اپنے گرد پھیلے ہوئے اس شیطانی چکر کے بارے میں استدلال کے ساتھ منطقی انداز میں سوچتا تو اس کی تان ابانا ہی پر آ کر ٹوٹتی۔ اس کی تمام الجھنوں اور پریشانیوں کا مرکز ابانا ہی ٹھہرتی تھی لیکن اس کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے سے قبل اس تمام شیطانی چکر کا خیال اس کے ذہن میں محو ہو جاتا اور ابانا کا پیکر اس کے قرب سے حاصل ہونے والی لذتوں اور اس کے یاقوتی ہونٹوں سے پھوٹنے والے الفاظ کی نغمگی، اس کے ہونٹوں سے جسم میں اتر کر تحلیل ہو جانے والی نشیلی کیفیت کا تصور اس کے ذہن کو بوجھل کر کے اس کے استدلال کو پامال کر جاتا۔ اس مرتبہ بھی جب اس کا ذہن ابانا تک پہنچا تو وہ صرف یہی فیصلہ کر سکا۔

''میں ابانا کے لیے سب کچھ کروں گا۔''

فرقان کی مجبوری تھی کہ وہ اس کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

''ابانا...... ابانا......''

وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اور وہ اپنے اس ذہنی خلجان سے نجات پانے کے لیے ابانا کی طرف گیا جسے اس نے مسہری سے باندھ دیا تھا۔

ابانا کے ہاتھ پیر آزاد ہوئے ہی تھے کہ اس نے فرقان کی گردن میں اپنی باہیں ڈال کر فرقان کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

''فرقان...... فرقان......'' ابانا کی سرگوشی نے اس کے کانوں میں رس گھولا۔ ''میں اس کمبخت کو ایسی سزا دوں گی کہ وہ بھی یاد رکھے گا۔''

☆......☆

ملازمین اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ شام کے لانبے سائے، پھیلتی ہوئی تاریکی میں معدوم ہو چکے تھے۔ حویلی کے گیٹ پر لگے ہوئے بجلی کے بلب رات کی تاریکی میں کسی اژدھے کی تیز آنکھوں کی طرح چمک رہے تھے۔ حویلی کی کھڑکیوں پر لٹکے ہوئے باریک [illegible] سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ باہر تیز پہاڑی ہوا سائیں سائیں کرتی گذر رہی تھی۔ ایسے نامانوس [illegible] حویلی کی چار دیواری سے باہر فہیم کا متعین کیا ہوا ایک انسپکٹر چار دیواری کے ساتھ چپکا آگے بڑھا۔ وہ اس وقت ایسے درخت کی تلاش میں تھا۔ جس کے سہارے وہ حویلی کے اندر داخل ہو سکے۔ اس نے پہلے گیٹ کو آزمایا تھا۔ مگر گیٹ

اندر سے بند تھا اور سرفراز کا بوڑھا چوکیدار ایک طرف بنے ہوئے کمرے میں بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔ اس کے سوا باقی تمام ملازم فرقان کے اصرار کے باوجود حویلی میں ٹھہرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ابانا کے بارے میں دیہات میں عجیب و غریب افواہیں پھیل گئی تھیں۔ گڈریئے اور مکھیا کی لڑکی کی موت کو بھی لوگ ابانا ہی سے وابستہ کر رہے تھے۔ لیکن یہ افواہیں ابھی سرگوشیوں تک محدود تھیں۔ پھر بھی ان افواہوں کا تاثر ایسا تھا جنہوں نے فرقان کے ملازمین کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

انسپکٹر خاور اپنے مطلب کا ایک درخت تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور وہ اب حویلی کے اندر دبے قدموں سے ان کمروں کی طرف بڑھ رہا تھا جن کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور اندر سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکیوں تک پہنچ گیا اور اس نے کمرے میں جھانکا۔

اس کے بعد وہ اپنا اصل مقصد بھول گیا۔

اندر کا منظر ہی ایسا تھا کہ وہ وہیں مبہوت کھڑا رہ گیا تھا۔ کمرے میں ابانا، ڈاکٹر فرقان کو اپنا معمول بنائے شرمناک کھیل کھیلنے میں مصروف تھی۔ انسپکٹر خاور دیر تک کھڑا دیکھتا رہا۔ ابانا نے اسے دیکھ لیا تھا اور اسے رکنے کا اشارہ کیا تھا۔ پھر جب وہ فرقان کو اپنی ماورائی قوت کے زیر اثر سلا چکی تو تیزی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

وہ انسپکٹر خاور کے پاس پہنچی۔ اس نے انسپکٹر خاور کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے ایک سمت لے گئی پھر وہ چہار دیواری کے پچھلے چھوٹے دروازے سے باہر آ گئے۔ انسپکٹر خاور اس وقت بالکل مسحور تھا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس کے یہاں آنے کا کیا مقصد تھا۔ چار دیواری سے تھوڑی دور جا کر ابانا نے اس کو ایک دم دبوچ لیا۔ اور انسپکٹر خاور پر چھا گئی۔ خاور اس کے ہونٹوں سے ابلتی ہوئی لذت سے مدہوش سا ہو گیا۔ اور پھر بے خبری اس پر حاوی آ گئی۔

☆......☆

اگلی صبح جب ایس ایچ او فہیم اپنے گھر سے نکلا تو اس نے دروازے پر ایک گٹھڑی پڑی دیکھی۔ وہ چونک گیا...... اس نے جھک کر گٹھڑی کھولی یہ گٹھڑی قمیض، شلوار، دوپٹے، وغیرہ کے علاوہ چند ہڈیوں پر مشتمل تھی۔ اس میں ایک نسوانی ہاتھ بھی تھا جس پر ایک انگوٹھی چمک رہی تھی۔ فہیم فوراً اندر آ گیا اور تھانے فون کر کے پولیس پارٹی کو طلب کیا۔ پھر وہاں اس گٹھڑی میں پائی جانے والی چیزوں کی فہرست تیار ہوئی شکیلہ کے والد کو بلایا گیا۔ جنہوں نے تصدیق کی کہ کپڑے شکیلہ ہی کے ہیں اور شکیلہ انہی کپڑوں میں گھر سے گئی تھی۔ اور جب انہوں نے وہ نسوانی ہاتھ دیکھا تو وہ لڑکھڑا کر رہ گئے۔ سپاہیوں نے انہیں سہارا دیا۔ قوی اعصاب کے مالک ہونے کے باوجود وہ خود پر قابو نہ پا سکے اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''یہ ہاتھ شکیلہ کا ہے۔''

''میں جانتا ہوں......'' فہیم نے کہا۔ ''شکیلہ کے ہاتھ کی شناخت ہتھیلی کی پشت پر جلنے کے نشان سے ہوئی تھی۔''

پھر فرقان کو فون کر کے بلایا گیا۔ تھانے میں شکیلہ کے والد کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ تو گویا

معاملہ شکیلہ کا ہے اور فہیم نے کوئی نیا سراغ پالیا ہے۔ اس نے سوچا۔

''ہنہہ ہو...'' اس نے فہیم سے کہا۔

''تم قاتل ہو...''

شکیلہ کے والد خالد نے چیخ کر کہا۔

''آپ خاموش رہیں۔'' فہیم نے ان سے کہا۔ ''ہاں تو فرقان صاحب شکیلہ کہاں ہے۔''

''مجھ سے احمقانہ سوالات نہ کرو۔''

''تم نے اسے کہاں قتل کیا ہے۔''

''میں نے اسے قتل نہیں کیا۔''

فرقان نے کہا۔

''پھر کس نے قتل کیا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تو گویا تم جانتے ہو کہ وہ قتل کر دی گئی ہے۔'' فہیم نے چبھتے ہوئے لہجہ میں کہا۔

''مجھے تم سے معلوم ہوا ہے۔'' فرقان نے کہا۔

''میں نے تمہیں ایسی کوئی اطلاع نہیں دی۔''

''اسے پہچانتے ہو؟'' فہیم نے انگوٹھی سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

فرقان چونک گیا وہ کسی جال میں پھنسنے والا ہے۔ اسے قانون کی گرفت اپنے گرد تنگ ہوتی محسوس ہوئی۔ فرقان نے انگوٹھی ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''میں نے ایسی انگوٹھی شکیلہ کے لیے خریدی تھی اور وہ شکیلہ نے پہن لی تھی۔''

پھر فہیم نے وہ گھڑی فرقان کو دکھائی۔ فرقان کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر چیز گھومتی محسوس ہوئی۔ اس نے خبیث بوڑھے کو دل ہی دل میں گندی گالی دی۔

''پہچانتے ہو اسے۔''

فرقان نے خالی خالی آنکھوں سے دیکھا پھر اسے شکیلہ کی وہ تمام باتیں یاد آئیں۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''یہ کہاں سے ملا۔'' فرقان نے کہا۔

''جہاں تم نے رکھا تھا۔''

فرقان کو سہارا سا ملا۔ ''اپنی نفرتوں اور کدورتوں کو میرے خلاف استعمال نہ کرو۔ مجھے بتاؤ یہ کہاں سے ملا ہے۔''

''میں تم لوگوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔ تم اپنی بلا میرے سر منڈھنا چاہتے ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مجھے یہ گھڑی کی شکل میں اپنے گھر کے دروازے پر آج صبح ملا تھا۔''

بہرحال فرقان سے مزید کچھ پوچھ گچھ نہ ہوئی۔ وہ وہاں سے نکلا اور سیدھا عثمانی کے گھر پہنچا۔ عثمانی کو اس نے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ اور اسے فہیم سے اپنی رقابت کا پس منظر بھی بتایا۔ عثمانی کے ذہن میں اس وقت سوائے اس کے کوئی اور خیال نہ تھا کہ فرقان اسے ابانا کے بارے میں سلسلہ لکھنے اور ابانا کے بارے میں اس کے غیر فطری ہونے کے راز کو فاش نہ کرنے کے لیے ایک مخصوص رقم دے رہا ہے۔ سو اس نے فرقان کو یقین دلایا کہ وہ کچھ فکر نہ کرے۔

اسی دن شام کو فہیم پھر اس کی حویلی پر آدھمکا۔ اس مرتبہ مسئلہ انسپکٹر خاور تھا۔ اس کی لاش فہیم کی حویلی سے تھوڑی دور پائی گئی تھی۔ صبح دیر تک جب خاور واپس نہیں آیا تھا تو فہیم نے ایک پارٹی اس کی تلاش میں بھیجی تھی۔ اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر فرقان کی حویلی کے آس پاس ہی انسپکٹر خاور کی تلاش کریں اور اس کے نتیجہ میں انہیں انسپکٹر کی لاش ملی تھی۔ اس کی لاش کی حالت بڑی خراب تھی۔ یوں لگتا تھا گویا کسی نے اس کا تمام خون چوس لیا ہو۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے نچا ہوا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی نے ڈبل روٹی کو دانت سے کاٹ کھایا ہو۔

فہیم اس مرتبہ بھی ناکام واپس ہوا۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ ''عجیب بات ہے کہ تم لوگوں نے رات کو اس کے چیخنے کی آواز نہیں سنی۔''

''اب اگر تم حکم دو تو شب بیداری کر لیا کریں۔'' فرقان نے بڑے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

فہیم گذشتہ روز فرقان کی حویلی سے ابانا کے ہاتھوں زک اٹھا کر بڑا جلا بھنا واپس گیا تھا۔ اور اس نے فرقان کو کسی نہ کسی طرح اپنے جال میں پھانسنے کی کوششیں شروع کر دیں تھیں۔ لیکن ابانا نے جو ڈرامہ رچایا تھا۔ اس نے فرقان کے لیے نہایت عمدہ دفاع فراہم کر رکھا تھا۔ اور فہیم کی تفتیش کے دوران ہی ایک پڑوسی نے یہ بیان دیا تھا کہ شکیلہ کی گمشدگی کی رات اس نے موٹر کا ہارن سن کر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تھا۔ اور شکیلہ کو ڈاکٹر فرقان سے الوداعی کلمے کہنے کے بعد اپنے مکان کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شہادت اتنی قوی تھی کہ فہیم، فرقان پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ اس نے اس گواہ کو ہر طرح جانچنے کی کوشش کی لیکن اس کی شہادت اتنی قوی تھی کہ فرقان اس سے اپنے مطلب کی کوئی بات نہ اگلوا سکا۔ اس کے باوجود اس نے فرقان کی نگرانی کا فیصلہ کیا اور انسپکٹر خاور کو اس کام پر مامور کیا تھا جس کی لاش فرقان کی حویلی کے پاس پائی گئی تھی۔

☆......☆

ان تمام پریشانیوں کے باوجود جس میں وہ گھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرقان ابانا کو دنیا کے سامنے مہذب خاتون کے روپ میں پیش کرنے کے بارے میں اپنے منصوبے پر بڑی سرگرمی اور انہماک سے کام کر رہا تھا۔ وہ اس عرصے میں ابانا کو کھڑا ہونے اور چلنے کی تربیت دے چکا تھا۔ اس تربیت میں اس کے ملازم اس کے مددگار ہوتے تھے۔ اور یوں بظاہر ابانا دوسروں کے لیے چلنا سیکھ چکی تھی۔ لیکن جب وہ ان ملازموں کے ساتھ چلتی تو اس کا انداز ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی بچہ نیا نیا چلنا سیکھے اور اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ ہو۔ شروع شروع میں جب اس نے ابانا کو یہ تربیت دی تو اس نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے

لیے بہت شور مچایا۔ وہ بہت غراتی لیکن فرقان کی چمکار سے وہ نرم پڑ جاتی اور پالتو جانور کی مانند فرقان کے ہاتھ کو چاٹنے لگتی۔ فرقان کی تمام مصروفیت صرف ابانا کی تربیت تک محدود ہو گئی تھی۔ ابانا کو بولنے کی تربیت دینے کے لیے اس نے اپنے منصوبے کے دوسرے مرحلے پر بھی کام شروع کر دیا تھا۔ حویلی میں ہر وقت گانوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔ یا پھر ریڈیو پوری آواز سے کھلا رہتا تھا۔ وہ دراصل دنیا کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس طرح وہ ابانا کو آوازوں اور الفاظ سے آشنا کر کے اسے بولنا سکھا رہا ہے۔

اگلے روز ''صبح نو'' میں اس نے شکیلہ کی گمشدگی، اس کے قتل اور اس کے کپڑوں وغیرہ کی گٹھڑی کے بارے میں عثمانی کی خبر پڑھی اور اس کی ذہانت پر عش عش کرتا رہا۔ اس نے خبر پڑھ کر عثمانی کو فون پر مبارکباد دی تو عثمانی نے اسے ایک اور اطلاع دی۔

''ڈاکٹر تمہارے لیے ایک اور خبر ہے۔ اس خبر سے پولیس کے حلقوں میں ادھم مچ گیا ہے۔ فہیم کا ابھی ابھی فون آیا تھا وہ بھی مجھ پر بے حد برہم تھا۔ اسے پولیس لائنز میں لائن حاضر ہونے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس کی جگہ ایک اور افسر کو ایس ایچ او مقرر کیا گیا ہے۔''

عثمانی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس نے شکیلہ کے قتل اور اس کے لباس کے پراسرار حالات میں پائے جانے کی خبر اس انداز میں مرتب کی تھی کہ خود ایس ایچ او فہیم مشتبہ ٹھہرتا تھا۔

''میرے پاس بھی تمہارے مضمون کے لیے ایک اطلاع ہے۔ میں نے مریضہ کو کھڑا ہونا اور چلنا سکھا دیا ہے۔ اور اس نے جو پہلا لفظ ادا کیا ہے۔ وہ ابانا ہے۔ اور میں نے اسے ابانا ہی نام دیا ہے۔''

☆......☆

ایک ایک کر کے تلے اوپر مزید آٹھ دن گزر گئے۔

اس عرصہ میں کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ نیا ایس ایچ او بھی شکیلہ کی گمشدگی کے بارے میں تفتیش کے لیے دو تین مرتبہ اس کی حویلی آیا تھا۔ اس عرصہ میں اس کی حویلی کے پاس ایک اور لاش ملی تھی۔ یہ لاش ایک سپاہی کی تھی۔ اور تب اسے پتہ چلا تھا کہ نیا ایس ایچ او اس کی حویلی کی نگرانی کرا رہا ہے۔ پولیس پارٹی کا بیان تھا کہ رات کو وہ حویلی کے گرد گشت کر رہے تھے کہ مقتول سپاہی پیشاب کے لیے پیچھے رک گیا۔ پھر جب دیر ہو گئی تو انہوں نے اسے آواز دی۔ لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چاندنی رات میں انہوں نے ہر طرف اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ اگلے روز اس کی لاش حویلی سے خاصے فاصلے پر ملی تھی۔ اس کی حالت بھی ویسی ہی تھی جیسی انسپکٹر خاور کی لاش کی تھی۔

یہ سپاہی بھی ابانا کا ہی شکار تھا۔ لیکن اس سے سوائے ابانا کے کوئی اور واقف نہ تھا۔

فرقان کے لیے یہ واقعہ پریشانی کا سبب نہ بن سکا اور خود اس کا ذہن بھی ابانا کی طرف نہ گیا کہ ان دو اموات کی ذمہ دار ابانا ہے۔ لیکن اس کی پریشانی کا اصل سبب یہ بات تھی کہ اس کے ملازموں نے مغرب کے بعد حویلی میں رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس میں ان کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ پے در پے ایسے واقعات سے پوری بستی میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگوں نے راتوں کو گھروں سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ دکانیں سر شام بند کر دی جاتی تھیں۔ اور لوگ مغرب کے بعد ہی اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ رہتے

تھے۔

اور اس کے بعد اصل پریشانی اس وقت فرقان کے لیے پیدا ہوئی جب اس کا چوکیدار بھی ایسی ہی موت کا شکار ہو گیا۔ اس کی لاش بھی حویلی سے تھوڑی دور پائی گئی تھی۔ اس تیسرے قتل کے بعد پولیس نے ایک مرتبہ بڑی سرگرمی سے پوچھ گچھ کی تھی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اخباروں نے ان واقعات پر اودھم مچا دیا تھا۔ اخباروں میں کسی خونخوار آدم خور درندے کے امکانات کا خیال ظاہر کیا گیا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں نے اسے کسی چڑیل کا کارنامہ قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی عجیب عجیب قسم کی روایات پھیلنی شروع ہو گئیں۔

ان وارداتوں کے ساتھ ہی علاقے کے لوگوں میں ایسے جانور کی رویت عام ہو گئی جس کا بالائی دھڑ عورت کا اور نچلا دھڑ جانور کا تھا۔ کئی لوگ اس انسان نما مخلوق کو خود دیکھنے کے دعویدار تھے۔ پھر اس خونخوار مخلوق کے بارے میں یہ روایات پھیلتی اور ایک دوسرے سے منتقل ہوتی گئیں۔ اور اسی اعتبار سے ان روایات پر مبنی ایک کہانی بن گئی۔ اور یہ کہانی سند کے طور پر پیش کی جانے لگی۔

عثمانی کے ذہن میں ایک مرتبہ پھر شبہات نے سر ابھارا۔ اس کے تجسس کی حس نے اسے پھر ابانا کی طرف سے مشتبہ کر دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قتل کی تین وارداتیں حویلی کے آس پاس ہی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اس بستی میں ہونے والی قتل کی وارداتوں کی خبروں کو غور سے پڑھا۔ اور اسے اپنے شبہات قوی محسوس ہوئے۔ اس کا خیال تھا کہ پہلی دو وارداتوں میں ابانا کا ہاتھ نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں تجسس سے ایک واردات کے موقع پر وہ خود فرقان کی حویلی میں تھا۔ مگر آخری تین وارداتوں میں ابانا کا ہاتھ ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی دو وارداتوں کی نوعیت یکساں تھی ان میں لاشوں کے قریب بھیڑیوں کے پنجوں اور ایک ایسے انسانی پیروں کے نشانات تھے جن کے انگوٹھے غائب تھے۔ یہ دونوں لاشیں ایسی جگہ پائی گئی تھیں جہاں پانی بھی قریب ہی تھا جبکہ آخری تین لاشوں کی نوعیت ایک جیسی تھی۔ یہ وارداتیں ڈاکٹر فرقان کی حویلی کے پاس ہوئی تھیں۔ عثمانی نے اپنے اس تجزیے اور مشاہدے کی بنیاد پر ایک اور خبر ''صبح نو'' میں لگائی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس پرامن بستی میں کم از کم دو ایسے خونخوار قاتل سرگرم ہیں۔ جن کی مرغوب غذا انسانی گوشت اور خون ہے۔

☆......☆

مگر فرقان کے لیے پریشانی کا اصل سبب یہ تھا کہ اسے پھر اس خبیث بوڑھے کے لیے ایک عورت کا انتظام کرنا تھا اس کی آمد میں صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ ابانا جو اس کی پریشانی سے بخوبی واقف تھی اب اپنے طور پر کام کرنے کے لیے پوری طرح آزاد تھی۔ اب وہ گھر میں آزادی سے گھومتی رہتی تھی۔ اس نے فرقان کو دلاسہ دیا کہ وہ پریشان نہ ہو اس مرتبہ بوڑھے کے لیے وہ خود عورت کا انتظام کرے گی۔

''مگر میں اس خونی کھیل میں مزید شریک نہیں ہو سکتا...'' فرقان نے کہا۔

''تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہئے'' ابانا نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے

کہا۔

''یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔'' اس نے پیچ وتاب کھاتے ہوئے کہا۔

''میں جانتی ہوں۔'' ابانا نے کہا۔ ''مگر تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں...... میں چاہتا ہوں کہ بوڑھا ان عورتوں کو قتل نہ کرے۔'' فرقان نے کہا۔ ''میں فی الحال اتنا چاہتا ہوں۔ کم ازکم اس وقت تک جب تک کہ تم اس بوڑھے کو ٹھکانے نہیں لگا دیتیں۔''

''چلو اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔'' ابانا نے کہا۔

اس رات ابانا اور فرقان شہر گئے۔ اس کی تجویز ابانا ہی نے پیش کی تھی۔ انہوں نے ایک فلم کا ایک آخری شو دیکھا۔ اور جب وہ سینما سے باہر آئے تو ابانا نے اسے کار کو ایک سمت لے چلنے کے لیے کہا۔

پھر اس نے فرقان کو ایک جگہ پر کار روکنے کے لیے کہا۔ اور خود کار کھول کر باہر آ گئی۔

''کہاں......''

فرقان نے کہا۔

''ابھی آئی بیٹھے رہو۔''

ابانا کے لہجے میں گویا حکم تھا۔ پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی ایک گلی میں گھس گئی۔

فرقان بے چینی سے اسٹیرنگ پر بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ ابانا کو گئے ہوئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ لیکن فرقان کو یوں لگ رہا تھا گویا پانچ منٹ نہیں وہ پانچ گھنٹے سے یہاں بیٹھا ہو۔

ابانا آئی مگر اس طرح کہ ایک اور لڑکی بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس کا انداز ایسا تھا گویا وہ کسی سحر زدہ کیفیت میں چل رہی ہو۔ ابانا اسے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ اور دوسری لڑکی میکانکی انداز میں چل رہی تھی۔ دونوں کار تک آئیں فرقان نے تیزی سے دروازہ کھولا اور ابانا نے دوسری لڑکی کو آہستگی سے کار کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ اور خود فرقان کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ فرقان نے تیزی سے کار آگے بڑھائی اور آندھی کی طرح اپنی کار کو مضافاتی بستی کی راہ پر ڈال دیا۔

اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ وہ کہاں پھنس گئی ہے؟ یہ لوگ کون ہیں؟ وہ یہاں کیسے آ گئی؟ اسے اتنا یاد تھا کہ وہ امتحان کی تیاری میں مصروف تھی اور بڑے انہماک سے معاشیات پڑھ رہی تھی کہ اس نے کھڑکی پر دستک سنی۔ وہ بڑی نڈر لڑکی تھی۔ اٹھ کر کھڑکی تک آئی۔ وہاں اس نے بڑی خوبصورت عورت کو کھڑے دیکھا تھا۔

''جلدی کرو مجھے بچالو...... وہ مجھے مار ڈالیں گے۔'' اس خوبصورت عورت کے لہجے میں ایسا خوف، ایسی التجا اور ایسی بے چارگی تھی کہ وہ انکار نہ کر سکی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا دور دور تک سڑک ویران تھی پھر اس نے دروازہ کھولا تھا۔ اور وہ خوبصورت عورت اندر آ گئی تھی اس عورت نے اس انداز میں اسے اپنی آغوش میں لیا تھا گویا وہ کسی سے ڈر کر اس سے لپٹی ہو۔ اور اس نے اس عورت کو تسلی دینے کے انداز میں تھپکی دے کر دوسرے ہاتھ سے دروازہ بند کرنے کے لیے چٹخنی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور اسی لمحہ اس نے اپنی گردن پر ہلکا سا دباؤ محسوس کیا تھا۔ پھر اسے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ وہ یہاں کیسے

پہنچ گئی؟ یہ لوگ کون تھے؟ اور اُسے کس مقصد کے تحت یہاں لایا گیا تھا۔

پھر جب وہ خوبصورت عورت (ابانا) اپنے بھیانک کردار کے ساتھ اُس کے سامنے آئی تو اس کی روح کانپ گئی اور وہ اس وقت کو کوسنے لگی جب اس نے اس خوبصورت ڈائن پر ترس کھایا تھا۔ اس نے فرقان سے بھی التجائیں کی تھیں لیکن وہ تو ابانا کے سحر کا اسیر تھا۔ پھر ابانا نے خود ایسا جادو کیا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کے اشاروں پر ناچنے لگی۔

☆......☆

سورج ابھرنے سے قبل فرقان اور ابانا اس لڑکی کو تہہ خانے میں لے گئے۔ وہ ان سے التجائیں کرتی رہی۔ ان کے آگے ہاتھ جوڑے، واسطے دیئے مگر اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ وہ پتھر کی مانند بے حس رہے اور اس لڑکی کی آوازیں کسی ویران اور غیر آباد صحرا کی صدا میں تبدیل ہوتی رہی۔ تہہ خانے میں انہوں نے لڑکی کو باندھ دیا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور باہر آ گئے۔ وہ تمام دن بھی اسی طرح بے کیفی میں گذر گیا۔

فرقان ذہنی طور پر بے حد پریشان تھا۔ آنے والی رات کے بعد کیا ہونے والا تھا۔ اس کے وسوسے اور اندیشے اس کے ذہن پر دستک دے رہے تھے۔ اس ذہنی تردد اور انتشار کے باوجود اس نے ابانا کی تربیت کے بارے میں معمول کے مطابق اپنا منصوبہ جاری رکھا۔ اس دن اس نے ابانا کو حویلی کے چاروں طرف پھیلے ہوئے وسیع باغ کی سیر کرائی۔ اس موقع پر عثانی بھی موجود تھا۔ وہ اور فرقان کے نوکر ابانا کو انسانوں کی مانند چلتے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

پھر انہوں نے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر چائے پی اور خود ابانا نے سب کو چائے بنا کر پیش کی۔

جب ابانا نے چائے کی پیالی عثانی کی طرف بڑھائی تو اس نے ''شکریہ'' کا لفظ کہا۔

''اور ابانا نے جواباً کہا۔ ''ابانا''

عثانی حیران تھا اور وہ اس کے سوا فرقان سے کچھ نہ کہہ سکا۔

''تم جادوگر ہو ڈاکٹر......''

''یہ جادوگری نہیں تربیت ہے۔''

''یہی تربیت تو جادوگری ہے۔''

فرقان نے زوردار قہقہہ لگا کر بات ٹال دی۔ پھر اس نے عثانی کو بتایا کہ وہ اگلے ہفتے ابانا کی تربیت کے اس مرحلے کی تکمیل پر ایک پارٹی دے رہا ہے۔ وہ دونوں اس پارٹی کی تفصیلات طے کرتے رہے۔ اور پھر باتوں باتوں میں اس دیہی بستی میں ملنے والی پانچ لاشوں کا ذکر نکل پڑا۔ فرقان خود اس سلسلے میں عثانی کا ذہن کھوجنا چاہتا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ عثانی پھر ابانا کی طرف سے مشکوک ہو گیا ہے۔

''میں نے کل تمہاری رپورٹ پڑھی ہے۔ اس بارے میں......''

فرقان نے کہا۔ ''تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔ پہلی دو لاشوں اور بعد کی تین لاشوں کے سلسلے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو قاتل ان وارداتوں میں ملوث ہیں۔''

بات آئی گئی ہوگئی۔ اس کے بعد دیر تک وہ اباناکو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے سلسلے میں پروگرام پر گفتگو کرتے رہے۔ شام ڈھل گئی۔ نوکر اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ پھر عثمانی بھی وہاں سے اٹھ گیا۔ اور فرقان اسے چھوڑنے کے لیے گیٹ تک آیا۔ گیٹ پر اسے رخصت کر کے اس نے گیٹ بند کر دیا اور واپس حویلی میں آیا پھر وہ ابانا کے ساتھ تہہ خانے میں گیا۔ لڑکی نے منہ کھلتے ہی اول فول بکنا شروع کر دیا۔ دن بھر کی تنہائی نے اس کے ذہن پر برا اثر ڈالا تھا۔ مگر فرقان اسے تسلی دیتا رہا۔ ابانا نے بھی اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔ پھر تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ لڑکی کچھ کھانے پر تیار نہ تھی۔ مگر فرقان نے اصرار کر کے اسے کھانا کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

رات گہری ہوگئی تھی۔

لڑکی نے اب خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ بڑی دیر سے خاموش تھی۔ اور پھر فرقان اور اس اغوا شدہ لڑکی دونوں پر جادو کر کے ان کے ساتھ اپنے من پسند گھناؤنے کھیل میں مصروف ہوگئی۔

☆......☆

''میں اس لڑکی کو قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔'' فرقان نے کہا۔

''مجھے اس لڑکی سے خود محبت ہوگئی ہے۔'' ابانا نے کہا۔ ''اس سے مجھے پیار ہوگیا ہے۔''

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟''

''میں تم سے جھوٹ بول سکتی تھی۔''

ابانا نے کہا۔ ''لیکن میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔''

''پھر... پھر کیا ہوگا'' فرقان نے کہا۔ ''وہ کمبخت آتا ہی ہوگا۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' ابانا نے کہا۔ ''اب وہ بوڑھا بابا ان لڑکیوں کو قتل نہیں کرے گا۔''

فرقان نے لڑکی کو بے ہوشی کی دوا پلا دی تھی۔ اور وہ فرقان کے کمرے میں پڑی ہوئی تھی۔ ابانا اور فرقان بوڑھے کا انتظار کر رہے تھے۔ آج رات اسے آنا تھا اور اب رات کے دو بج رہے تھے۔ اس عرصہ میں فرقان تین مرتبہ تہہ خانے ہو آیا تھا۔ مگر بوڑھے کا پتہ نہ تھا۔ ابانا بار بار اسے تہہ خانے جانے سے منع کرتی تھی۔

''وہ آئے گا تو میں خود تمہیں بتا دوں گی۔''

مگر فرقان اپنے تجسس پر قابو نہ پاتا اور مجبور ہو کر تہہ خانے کا چکر لگا آتا۔ اسی طرح رات گذر گئی اور فرقان نے گویا اطمینان کا سانس لیا۔ اسے یقین تھا کہ اس معصوم لڑکی کی عمر میں دو دن کا اضافہ اور ہوگیا ہے۔ ہر چند کہ ابانا اسے یقین دلا چکی تھی کہ بابا اب کسی لڑکی کو قتل نہیں کرے گا۔ مگر فرقان کی اس سے تسلی نہ ہوئی تھی۔

باقی دو دن بڑی تیزی سے گذرے۔

لڑکی دن میں اسی تہہ خانے میں بند کر دی جاتی۔ اور دن بھر فرقان ابانا کو بولنے کی مشق کراتا رہتا۔ ہر وقت حویلی میں ریکارڈنگ کا شور ہوتا کمروں میں، ڈرائنگ روم میں اور راہداریوں میں ہر جگہ بڑے بڑے سفید کاغذوں پر حروف تہجی موٹے اور نمایاں خط میں لکھے ہوئے ٹانگ دیئے گئے تھے۔ یہ گویا ابانا کو پڑھانے کی مشق کرانے کے مرحلے کا آغاز تھا۔

اور آخر وہ دن آ گیا جب ابانا کو ڈاکٹر فرقان نے اپنے دوستوں اور احبابوں کے سامنے پیش کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ حویلی کے باغ میں خوش رنگ شامیانے اور قناطیں لگ چکی تھیں۔ ہزاروں رنگ برنگے بلبوں سے حویلی کو بقعہ نور بنا دیا گیا تھا۔ مہمان آ چکے تھے۔ قہقہے کھنک رہے تھے۔ ٹھنڈے مشروب کی بوتلیں کھل رہی تھیں اور لوگ انہیں پینے میں [illegible] تھے۔

ڈاکٹر فرقان مہمانوں میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ لوگ اس سے ابانا کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔

پھر اس نے عثمانی کو مائیک پر اعلان کرنے کے لیے کہا۔ اور عثمانی کی آواز گونجی۔

''حضرات! مریضہ جس طرح ڈاکٹر فرقان کی تحویل میں آئی وہ آپ سب کو معلوم ہے۔''

پھر اس نے ابانا کی تربیت کے بارے میں ڈاکٹر فرقان کے تمام منصوبے کی تفصیلات بیان کیں اور آخر میں کہا۔

''اب میں ڈاکٹر فرقان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی مریضہ کو جسے انہوں نے ابانا کا نام اس لیے دیا ہے کہ یہی لفظ اس نے پہلی مرتبہ اپنے منہ سے ادا کیا تھا۔ آپ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔''

فرقان شامیانے سے اٹھا اور حویلی میں آ گیا۔ ابانا اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آیا۔ اور یہاں اس نے بڑا عجیب منظر دیکھا۔

ڈاکٹر ایمس جو اس کا بڑا گہرا امریکی دوست تھا فرش پر پڑا تھا۔ اس کی گردن کٹی ہوئی تھی۔

ابانا کے ہونٹوں کے دونوں گوشوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور اس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔

فرقان کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

OOO

ڈاکٹر فرقان اس منظر کی ہولناکی پر [illegible] اٹھا تھا۔ دہشت نے اس کے جسم پر کپکپی طاری کر دی تھی۔ اس کا دل تیز ہوا کی زد پر آئے ہوئے کسی پتے کی مانند پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا ہو۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

ابانا اس کی بیوی کا منی سی شکل [illegible]

خون آشام درندہ [illegible] مادہ بھیڑیا اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے دوست ڈاکٹر [illegible] کا خون اس بھیڑیا ابانا کے ہونٹوں سے ٹپک رہا تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھوں میں درندگی کا دور دورہ تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر قطعی طور پر کسی قسم کی نسوانیت کی جھلک نہیں پائی جاتی تھی۔ کسی درندے اور انسان کے چہرے کے خدوخال میں جو نمایاں فرق ہوتا ہے۔ وہی فرق اس وقت ابانا کے چہرے سے عیاں تھا۔

ڈاکٹر فرقان کی تو روح فنا ہو چکی تھی ابانا کی اس درندگی کو ملاحظہ کرنے کے بعد۔ لیکن اس خوفناک منظر کے اثر کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا خوف بھی اسے دہلائے دے رہا تھا۔ اس منظر کی دہشت نے گو ایک لمحے کے لیے اسے باقی تمام احساسات سے بے گانہ کر دیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اسے گھر میں اتنی کثیر تعداد میں موجود مہمانوں کا خیال بھی آیا تھا اور اس خیال نے اس کی وحشت کو دوچند کر دیا تھا۔ اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پہلی نظر میں تو اسے یہ بھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ وہ بالکل حواس باختہ ہو گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے حواس لوٹ آئے تو اس کی سمجھ میں ساری بات آ گئی تھی۔ ابانا جو کہ حقیقت میں ایک خون آشام درندہ تھی...... مادہ بھیڑیا جس کی سرشت میں اپنے سے کمزور جانداروں کی چیر پھاڑ کرنا اور ان کا خون پینا موجود تھا۔ اس نے اپنی جبلت کے مطابق ڈاکٹر ایمس کو قتل کر دیا تھا اور اس کا خون پی لیا تھا۔ ڈاکٹر فرقان گزشتہ ایام میں قریب قریب فراموش کر بیٹھا تھا کہ وہ ایک مادہ بھیڑیا ہے جسے تازہ گوشت اور خون کی ضرورت رہتی ہے۔ وہ اسے ابلا ہوا گوشت تو مہیا کرتا رہا تھا لیکن یہ بھول گیا تھا کہ درندے اپنی جبلت کے مطابق خون کے پیاسے بھی رہتے ہیں۔ اب اس منظر کو دیکھ کر پہلی مرتبہ اسے یہ علم ہوا تھا کہ ابانا انسانی خون کا مزا چکھ چکی ہے۔

اب اسے انسپکٹر خاور، اپنا چوکیدار اور ایک دوسرا پولیس والا یاد آ گیا جن کی لاشیں حویلی کے قریب ادھڑی ہوئی ملی تھیں۔ اسے یقین ہونے لگا کہ ان دو پولیس والوں اور چوکیدار کو بھی ابانا کی خون آشامی کی نذر ہونا پڑا ہوگا۔ اب اس کو گاؤں کے مکھیا کی بیٹی اور ایک دیہاتی کی نعشیں بھی یاد آ گئیں۔ ان کے جسموں سے بھی خون کو چوس لیا گیا تھا۔ تو کیا وہ دونوں بھی یکے بعد دیگرے ابانا ہی کا شکار بنتے رہے تھے؟ لیکن اسے یاد آیا کہ ان کی نعشوں کے قریب بھیڑیے کے پنجوں کے نشانات پائے گئے تھے۔ وہ الجھنے لگا ظاہر ہے ابانا بھیڑیے کے پنجوں سے کم از کم محروم ہی تھی تو پھر کیا وہ دونوں ابانا کے علاوہ کسی اور بھیڑیے کا شکار بنے تھے۔ لیکن یہ واقعات ڈاکٹر فرقان کے ابانا کے ساتھ اپنی آبائی حویلی میں منتقل ہونے کے بعد ہی رونما ہوئے تھے۔ اور ایک تواتر کے ساتھ پیش آئے چلے جا رہے تھے۔

ڈاکٹر کا دماغ گھوم رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اور وہ ایک عجیب قسم کے اضطراب میں مبتلا تھا۔ جس میں خوف، دہشت، اور صورت حال کی سنگینی کا احساس گندھا ہوا تھا۔ اسے خیال آیا کہ حویلی میں اتنی زیادہ کثیر تعداد میں بھرے ہوئے مہمانوں میں سے اگر کوئی مہمان اس طرف نکل آیا اور اس نے یہ منظر دیکھ لیا تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس نے بے چینی کے ساتھ کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے مڑا اور اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ پھر واپس مڑ کر ابانا کی جانب دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر کچھ دیر قبل والے درندگی سے بھرپور تاثرات نہیں تھے۔ وہ اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''ڈاکٹر! کیا بات ہے؟ تم اتنے پریشان کیوں ہو؟ ابانا نے چہرے پر ایک استہزائی مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا۔

''یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟'' فرقان کے لہجے میں ہکلاہٹ در آئی۔

''ارے...... تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔'' ابانا نے ایسے انداز میں کہا جیسے کوئی خاص بات نہ پیش آئی ہو۔ بلکہ کوئی معمولی سا واقعہ رونما ہوا ہو۔

''فرقان! تم جانتے ہو کہ میری غذا کیا ہے۔ اور میں اس سلسلے میں بالکل بے بس ہوں۔ مجھے اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن تمہیں اتنا پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی...... تمہارے اوپر آنچ بھی نہیں آئے گی۔'' ابانا نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

''لیکن ابانا یہ...... یہ ڈاکٹر ایمس، میرا بہت اچھا دوست تھا۔ یہ...... یہ بڑا شریف آدمی تھا۔ تمہیں اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' ڈاکٹر فرقان روہانسی آواز میں بولا۔

''ڈاکٹر! مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسا آدمی تھا...... میں...... میں شرافت کے مفہوم کو نہیں سمجھتی مجھے صرف اپنی جبلت کے تقاضوں کو سمجھنا ہوتا ہے۔ میں اپنی جبلی خواہشات کو سمجھتی ہوں۔ اور انہیں پورا کرنا میرا سب سے پہلا فرض ہے۔'' ابانا نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا۔ پھر اپنے ہونٹوں پر لگے ہوئے خون کو اپنی آستین سے پونچھ کر بولی۔

''ڈاکٹر! یہ آدمی وہاں باہر کھڑکی میں کھڑا کافی دیر سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ وہ کافی دیر سے وہاں کھڑا میرا نظارہ کر رہا ہے۔ بس پھر آہستہ آہستہ میرے اندر خون کی پیاس نے سر ابھارا اور میں اپنی جبلی خواہش کی تکمیل کے لیے مجبور ہو گئی۔ میں نے اسے اشارہ کر کے کھڑکی سے اندر بلا لیا اور وہ کچے دھاگے سے بندھا اندر چلا آیا۔ پھر مجھے اپنی پیاس بجھانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔''

ڈاکٹر فرقان مجسمۂ حیرت بنا اسے تکے جا رہا تھا۔ اور اس کی حیرت انگیز باتیں سن رہا تھا۔ اس نے بات ختم کی تو ڈاکٹر کو ہوش آیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ باہر لان پر بہت بڑی تعداد میں موجود مہمان اس وقت بڑی شدت اور بے چینی کے ساتھ ابانا کی آمد کے منتظر ہوں گے۔ اور اسے وہاں سے آئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے ابانا کے خون آلود چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔

''ابانا! تم نے مجھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ باہر لان پر شامیانے میں بیٹھے ہوئے لوگ بڑی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اور میں تمہیں لینے آیا تھا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں۔ اب ایسی حالت میں تمہیں وہاں لے جا بھی نہیں سکتا اور لوگ زیادہ دیر انتظار بھی نہیں کریں گے۔''

''ڈاکٹر! تم اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو۔ مجھے سب معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ تم بے فکر ہو کر جاؤ اور مہمانوں کو بتاؤ کہ میں آ رہی ہوں۔ میں وہاں بہت جلد شامیانے میں پہنچ جاؤں گی۔'' ابانا نے بڑے اطمینان سے کہا تھا۔ اس کے چہرے سے کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

''لیکن ایسی حالت میں تم...... تم کیسے ان کے سامنے آ سکتی ہو؟ تم...... میرا مطلب ہے اتنی

جلدی اپنا حلیہ درست کرنا تمہاری بس کی بات نہ ہوگی۔'' ڈاکٹر فرقان نے بے چینی سے کہا۔

''فرقان تم بے فکر ہو کر جاؤ میں بہت جلد حلیہ درست کر کے شامیانے میں پہنچ جاؤں گی۔'' ابانا نے پھر بڑے مطمئن انداز میں ڈاکٹر فرقان کو تسلی دی۔

''لیکن ابانا! اس لاش کا کیا کریں گے...... اسے اسی حالت میں کمرے میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کسی کی بھی نظر اس پر پڑ گئی تو قیامت آ جائے گی۔'' ڈاکٹر نے بے چینی کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی اس نعش کو ٹھکانے لگا دوں گی۔ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر نہیں آؤں گی۔ کمرے کو درست کر کے اس نعش کو ٹھکانے لگا کر اور اپنا حلیہ درست کر کے ہی وہاں آؤں گی۔ اور اس میں زیادہ دیر بھی نہیں لگے گی۔'' ابانا نے اپنے چہرے پر ایک دل نشین مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

''لیکن...... لیکن یہ سارا کچھ کرتے ہوئے تو تمہیں بہت دیر لگ جائے گی اور میں مہمانوں کو زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت میں مبتلا نہیں رکھ سکتا معاملہ مشکوک ہو جائے گا۔ پہلے ہی شکوک و شبہات کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔''

''مجھے سب معلوم ہے فرقان! تم کیوں بھول جاتے ہو کہ میں عام عورت نہیں ہوں اور تم میری اضافی صلاحیتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ اب تم جاؤ مہمانوں کو جا کے اطمینان دلاؤ کہ ابانا چند لمحوں میں پہنچنے والی ہے۔ شاباش جاؤ۔'' ابانا نے ڈاکٹر کو کسی بچے کی طرح سے پچکارتے ہوئے دلاسا دیا اور ڈاکٹر فرقان اسے حیرت زا نظروں سے گھورتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان جب شامیانے میں پہنچا تو سب لوگوں کی نگاہیں یکبارگی اس کی جانب اٹھنے لگیں۔ ان کے انداز میں ایک بے چینی پائی جاتی تھی۔ یہ انتظار کی بے چینی تھی۔ وہ اس دور کے ایک بہت بڑے عجوبے کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔ ایک ایسی لڑکی کا دیدار انہیں نصیب ہونے والا تھا۔ جو جنگلوں میں جنگلی جانوروں کے بیچ پلی بڑھی تھی۔ جو ہر قسم کے انسانی افعال سے ناواقف تھی۔ انسانوں کی طرح چلنا، انسانوں کی طرح بولنا، باتیں کرنا حتیٰ کہ انسانوں کی طرح لباس پہن کر اپنے جسم کو ڈھانپنا تک اسے نہیں آتا تھا۔ جس کے خون کی ہیئت بھی انسانوں سے نہیں ملتی تھی۔ وہ جانوروں میں رہتے رہتے ایک مکمل حیوان بن چکی تھی۔ صرف اس کی جسمانی ساخت اسے انسان کی حیثیت سے شناخت کراتی تھی ورنہ اس میں انسانوں والی کوئی بات، کوئی صفت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور ڈاکٹر فرقان نے اسے انسان بنانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس وحشی لڑکی کو تمام انسانی صفات سے آگاہ کرے گا اور کچھ ہی عرصہ میں اسے مکمل انسان بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔ وہ اپنی ان کوششوں میں دن رات مگن تھا۔ اسے کافی کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ آج اس نے اپنے چیدہ چیدہ دوست احباب اور ملک کی اہم شخصیات کے سامنے اپنی کاوشوں کو پیش کرنے کے لیے اور اپنی اس سلسلہ میں کامیابیوں کا مظاہرہ کرنے

کے لیے بلایا ہوا تھا اور وہ سب کے سب اس عجوبہ لڑکی کو دیکھنے کے لیے بے چین تھے۔ جس کی دھوم سارے ملک میں اور ساری دنیا کے اخبارات میں مچی ہوئی تھی...... یہ سارے وہاں ابانا کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ وہ جس لڑکی کو بڑی معصوم سمجھ رہے ہیں اس وقت وہ ایک انسان کے خون سے اپنی درندگی کی پیاس بجھانے میں مصروف ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو حقیقت حال کا علم ہو جاتا تو چیخیں مارتا ہوا سر پر پاؤں دھر کر وہاں سے ایسا بھاگتا کہ پھر کبھی اس علاقے کی طرف آنے کا خیال تک نہ کرتا۔

وہ سارے شائستہ اور مہذب لوگ اس وحشی لڑکی کے انتظار میں اس راستے کی طرف نظریں لگائے بیٹھے تھے کہ انہوں نے ڈاکٹر فرقان کو آتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکٹر فرقان اس وقت پورے مجمع کی نگاہوں کا مرکز تھا۔ پھر لوگوں کی نگاہیں ڈاکٹر فرقان کے عقب میں اس وحشی لڑکی ابانا کے کھوج میں بھٹکنے لگی تھیں لیکن انہیں ابانا نظر نہیں آئی ان کے شوقِ انتظار میں بے چینی کا رنگ گھلنے لگا تھا۔ لوگ بے چینی سے اپنی اپنی نشستوں پر پہلو بدلنے لگے۔ کبھی ان کی نگاہیں ڈاکٹر فرقان کی جانب اٹھ جاتی تھیں اور کبھی اس کے عقب میں راستے کی روش پر بھٹکنے لگتی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان سیدھا ڈائس پر گیا اور اس نے مائک میں تمام حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''معزز حاضرین اب آپ کے انتظار کی گھڑیاں اپنے اختتام کو پہنچنے ہی والی ہیں تھوڑی ہی دیر میں ابانا آپ کے سامنے آ جائے گی۔ میں ابھی اس کے پاس سے آ رہا ہوں۔ وہ تیار ہو رہی ہے۔ اپنے معزز مہمانوں کے سامنے آنے کے لیے اس نے خاص اہتمام کیا ہے۔ بس وہ چند منٹوں میں آیا ہی چاہتی ہے۔'' ڈاکٹر فرقان کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابانا اتنی جلدی میں کیسے تمام کاموں سے نمٹ کر یہاں آ سکے گی۔ جبکہ ابھی اسے اپنا لباس بھی بدلنا تھا اور اس سے پہلے اپنے جسم سے خون کے دھبوں کو صاف کرنا تھا۔ پھر نعش کو ٹھکانے لگانا تھا۔ کمرے کو ٹھیک کرنا تھا۔ یہ سب کچھ سوچ سوچ کر اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ اور وہ عجیب قسم کے خلجان میں مبتلا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی دیر تک مہمانوں کو کیونکر بہلا سکے گا۔ پھر اس نے سوچا مجھے مہمانوں کو بہلانے کے لیے ابانا کے متعلق اس کی تربیت کے متعلق، گفتگو شروع کر دینی چاہئے۔ اور اس گفتگو کو خوب طول دینا چاہئے تاکہ ابانا کو آنے میں جو دیر لگے گی اس کی کوفت سے مہمانوں کو بچایا جا سکے۔ یہ سوچ کر اس نے مائک پر کہنا شروع کیا۔

''معزز مہمانانِ گرامی جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ابانا......''

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے مہمان اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہونے لگے۔ ان سب کی نظریں حویلی سے شامیانے کی طرف آنے والی روش پر جمی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر فرقان نے اپنی بات کو روک کر بے ساختہ اس روش کی طرف دیکھا تو وہ دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا۔

وہ ابانا تھی، جو ایک فیروزی رنگ کی ساڑی میں ملبوس قیامت بنی ہوئی ڈائس کی طرف بڑھ

رہی تھی۔ یوں تو ساری حویلی ہی آج بقیہ نور بنی ہوئی تھی لیکن وہ روش جو حویلی سے اس شامیانے کی طرف آئی تھی جس میں ایک طرف مہمانوں کے لیے نشستیں لگائی گئی تھیں اور دوسری طرف ایک سٹیج بنا کر اس پر ڈائس رکھا گیا تھا۔ اس روش کو خاص طور پر بجلی کے رنگ برنگ قمقموں سے اجالا گیا تھا۔ اور ڈائس کو بھی خوب روشن کیا گیا تھا۔ ابانا انہی روشنیوں کے اژدہام میں ڈائس کی طرف بڑھی چلی آ رہی۔ اس کے جسم سے جیسے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ بڑے پروقار انداز میں گردن اکڑائے چل رہی تھی۔ ایسے میں اس کے جسم کے نشیب وفراز کو چھپانا ساڑی کے بس کا نہیں رہا تھا۔ اس کی ایک ایک جھلک دیکھنے والوں کو مسحور کیئے دے رہی تھی۔ اس کے حسن میں ایک عجیب جادو سا تھا۔

آج ڈاکٹر فرقان کو بھی ابانا کے حسن کا جیسے ایک نیا انداز دیکھنے کو ملا تھا۔ وہ حیرت واستعجاب کے ساتھ اسے دیکھنے میں محو تھا کہ عثمانی نے قریب آ کر اسے ٹھوکا دیا اور کہا۔

''ڈاکٹر! اپنا لیکچر شروع کرو۔ لوگ منتظر ہیں۔''

اب فرقان کو ہوش آیا۔ یوں لگا جیسے کسی نے اسے پرلطف خواب سے بیدار کر دیا ہو۔ اس نے عثمانی کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر مائک کی طرف متوجہ ہو کر اپنی نگاہیں سامنے بیٹھے ہوئے مجمع پر جما دیں۔ مجمع سٹیج پر کھڑی ابانا کو دیکھنے میں ایسا محو تھا کہ کسی شخص کو کسی کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جسے سارے مجمع پر کسی نے سحر پھونک کر سب کو مجسموں میں تبدیل کر دیا ہو۔ ہر شخص ابانا کے قیامت خیز حسن کے سحر کا شکار ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر نے ابانا کو مخاطب کر کے سٹیج پر موجود ایک سجی ہوئی زرنگار کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو ابانا اپنے جسم کو ایک خاص انداز میں پیچ وخم دیتی ہوئی اس کرسی کی طرف بڑھی اس پر جا کر بیٹھ گئی۔

اب ڈاکٹر فرقان نے حاضرین کو مخاطب کر کے اپنی طرف متوجہ کیا اور انہیں ابانا کے متعلق بتانا شروع کیا۔ اس نے اس کی دریافت کے متعلق تفصیلات کو مختصراً دہرایا اور پھر اس کے علاج کے متعلق بتایا اور ان رپورٹوں کا بھی مختصراً تذکرہ کیا جو ملک کے ماہر ڈاکٹروں نے ابانا کے خون وغیرہ کے مختلف ٹیسٹوں کے نتیجہ میں مرتب کی تھی نیز اس کے معائنے کے بعد جو آراء ان ماہرین نے تحریر کی تھیں ڈاکٹر فرقان نے حاضرین کو ان کے متعلق بھی اجمالاً آگاہ کیا تھا۔ پھر آخر میں ڈاکٹر نے ابانا کی باقاعدہ تربیت کے متعلق اپنی کاوشوں کا تذکرہ شروع کیا اور مہمانوں کو پوری تفصیل کے ساتھ بتاتا رہا کہ کیسے اس نے دن رات کی انتھک محنت سے اس وحشی لڑکی کو انسانوں کی طرح کپڑے پہننا سکھایا اور پھر انسانوں کی طرح دو پاؤں پر چلنا سکھایا۔ اور اب وہ اسے ایک ایک لفظ بولنا سکھا رہا ہے۔ اس نے مہمانوں کو اپنی مشکلات کے متعلق بتایا جو ابانا کو انسانی اطوار کے اپنانے کے لیے آمادہ کرنے کے سلسلے میں اسے درپیش رہی ہیں اور تا حال پیش آ رہی ہیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ ابانا بالکل ایک نوزائیدہ بچی کی طرح سے تھی جسے نہ چلنا آتا تھا نہ بولنا اور نہ دیگر انسانی افعال ہی سے وہ آگاہ تھی۔ چنانچہ کسی چھوٹے سے بچے کو پہلی مرتبہ چلنا سکھانے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ وہی مشکلات ابانا کے سلسلے میں بھی اسے پیش آ رہی تھیں بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ کیونکہ بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ ان کے اعضاء وجوارح اور ان کے قویٰ کمزور ہوتے ہیں اس لیے

انہیں جس طرف موڑنا یا مائل کرنا چاہو وہ بہ آسانی اسی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن ابانا کوئی چھوٹی سی بچی نہیں ہے بلکہ وہ ایک جوان لڑکی ہے۔ جس کی عادات واطوار پختہ ہو چکی ہیں۔ اب اسے انسانی افعال واعمال کی تربیت دینا ازبس مشکل ودشوار کام ہے۔ لیکن ڈاکٹر فرقان نے اپنے عزم کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اسے پوری امید ہے کہ وہ بہت جلد ابانا کو انسانی زندگی کی مکمل تربیت دے کر پوری دنیا کے سامنے انسے پیش کرے گا۔ اس نے بتایا کہ ابانا غیر معمولی طور پر ذہین اور سمجھدار لڑکی ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ تربیت کے مراحل کو طے کرتی چلی جا رہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب وہ انسانی سوسائٹی میں ایک نارمل انسان کی طرح سے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے بالکل تیار ہو جائے گی۔ بلکہ عام انسانوں سے بہتر ہی ثابت ہوگی۔ اس نے مہمانوں کو یہ بھی باور کرایا کہ ابھی وہ عام لوگوں سے مانوس نہیں ہوئی ہے اور خصوصاً اجنبیوں سے بہت بدکتی ہے اور خوف زدہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے مہمان اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے زیادہ قریب آنے سے احتراز ہی کریں۔ البتہ اس نے مہمانوں کو یہ بات بھی باور کرادی کہ ابانا سب سے زیادہ ڈاکٹر کے ساتھ ہی مانوس ہے اور اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرتی۔

یہ تقریر ختم کر کے ڈاکٹر فرقان ابانا کی طرف بڑھا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور اسٹیج کے درمیان میں لا کھڑا کیا۔

ابانا بل کھاتی اور اپنے جسم کے نشیب وفراز کو پیچ وخم کے انداز میں ابھارتی اور چھپاتی ہوئی چل رہی تھی۔ سٹیج بجلی کے بلبوں سے اس قدر روشن تھا کہ وہاں روشنی کا ایک سیلاب سا آیا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

لیکن جو روشنی ابانا کے جسم سے پھوٹ رہی تھی۔ اس کا سحر ہی نرالا تھا۔ سارا مجمع اس حسن کے جادو میں بندھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ابانا نے جب سٹیج پر چہل قدمی شروع کی تو لوگوں کو اپنے اوپر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر فرقان نے اس محفل میں اپنے دوستوں اور ملک کی مشہور شخصیات کے علاوہ اپنے چند قریبی عزیزوں کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ ندیم بھی ایک نوجوان لڑکا انہی عزیزوں میں سے تھا۔

ندیم ایک متمول گھرانے کا فرد تھا۔ اور امارت نے اسے بعض بری عادات میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ خاصا بے باک نوجوان تھا۔ اس کی اکثر راتیں گھر سے باہر گزرتی تھیں۔

آج ندیم نے جب ابانا کو دیکھا تو بالکل دیوانہ ہی ہو گیا۔ وہ اس کے حسنِ بے پناہ سے اتنا زیادہ متاثر ہوا تھا کہ اسے اپنے گرد وپیش کا بھی کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ جب ابانا سٹیج پر چہل قدمی کے لئے آئی تو ندیم بے قابو ہو کر اپنی نشست سے اٹھا تھا اور بالکل کسی معمول کی طرح سے چلتا ہوا سیدھا سٹیج پر پہنچ گیا۔ فرقان اس وقت ڈائس کے پیچھے کھڑا ابانا کی طرف دیکھنے میں محو تھا۔ اس نے ندیم کو سٹیج کی طرف آتے نہیں دیکھا تھا۔

پھر جب ندیم نے آگے بڑھ کر ابانا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اپنے ہونٹوں کے قریب لا کر ایک طویل بوسہ دیا تو فرقان کو جیسے بجلی کے ننگے تاروں نے چھو لیا۔ وہ تڑپ کر اپنی جگہ سے اچھلا اور

بھاگ کر ندیم کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے تیزی سے ندیم کا بازو تھاما اور ایک جھٹکے سے اسے ابانا کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

ابانا ایک دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ ندیم کو تک رہی تھی۔ فرقان کے اس طرح بھاگ آنے اور اس سے ندیم کا ہاتھ چھڑانے پر اس نے ایک لمحے کے لیے فرقان کو ناگواری کے تاثرات کے ساتھ دیکھا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہوگئی اور اس نے دوبارہ سٹیج پر چہل قدمی شروع کر دی تھی۔

فرقان نے پوری قوت کے ساتھ کھینچ کر ندیم کو سٹیج سے نیچے اتار دیا اور اپنے ایک ملازم کو آواز دی۔ اس کی آواز پر دو ملازم بھاگتے ہوئے آئے تو اس نے ندیم کو ان کے حوالے کر کے کہا۔

"اس بد تمیز کو میرے گھر سے باہر کا رستہ دکھاؤ۔ اسے محفل میں شریک ہونے اور شرفاء کے ساتھ برتاؤ کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ میں ایسے آدمی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

ملازم ندیم کو لے کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے حویلی سے باہر لے گئے تھے۔

اب ابانا کی چہل قدمی میں [illegible] ہو چکا تھا۔ اس کے اعضاء آہستہ آہستہ تھرکنے لگے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ابانا ایک [illegible] رقص کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کا جسم مختلف زاویوں سے رقص کے [illegible] مہمانوں نے اپنی زندگی میں بھی ایسا رقص نہ دیکھا ہوگا۔ [illegible]

لوگ ابانا کے رقص سے دیوانے ہوتے جا رہے تھے۔ پورے مجمع میں سیٹیاں اور سسکیاں گونجنے لگی تھیں۔ ہر شخص ابانا کے [illegible] کا حسن ان کے سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ کسی کو اپنی حیثیت کا، اپنی [illegible] کا کوئی خیال باقی نہیں رہا تھا۔ [illegible] کا حال تو جوانوں سے سوا تھا۔

پھر ابانا کے منہ سے [illegible] بلند ہوئی اور ہوتی چلی گئی۔ وہ سسکاری کیا تھی؟ وہ ایک تازیانہ تھا۔ لوگوں کے جذبات کو بیدار [illegible] انہیں جذبات کے طوفانوں میں اڑاتا ہوا۔ اس سسکاری کے ساتھ ابانا کے رقص میں بھی ایک دیوانگی آ گئی تھی اور پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ [illegible] نوجوان [illegible] ہو چکے تھے وہ دیوانہ وار ابانا کی طرف بھاگنے لگے۔ ان کا [illegible] ایسا تھا جیسے کوئی [illegible] اپنے شکار کی طرف جھپٹتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی موجودگی قطعی فراموش کر بیٹھے تھے۔

بہت سے نوجوان بیک وقت ابانا کی طرف بھاگے تھے [illegible] ایک دوسرے سے ٹکرانے اور الجھنے لگے۔ ایک دوسرے سے [illegible] میں وہ ایک دوسرے سے الجھ گئے۔ گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک دوسرے کو پیچھے کھینچنے لگے۔ ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ اب اسٹیج پر اور اسٹیج کے قریب یہ نوجوان ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان [illegible] ایک دوسرے کو مارنے پیٹنے میں مصروف تھے۔

ابانا کی جذبات کو [illegible] سسکاری بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی اور سارا مجمع

جذبات سے بے قابو ہو کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گیا۔ سٹیج پر اور سٹیج سے نیچے پنڈال میں سارا مجمع دو گروہوں میں بٹتا چلا گیا۔ اب وہ ایک دوسرے کو مار رہے تھے پیٹ رہے تھے۔ ایک طوفان بدتمیزی تھا جو چار سو بپا تھا۔

ڈاکٹر فرقان پہلے تو اپنی جگہ پر بہوت کھڑا اس تماشے کو دیکھتا رہا۔ پھر جیسے اسے ہوش آ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ابانا کی شرارت تھی۔ اس نے اپنی ماورائی طاقت کو بروئے کار لا کر یہ ہنگامہ برپا کیا تھا۔ یہ بڑی ہولناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اسے کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ اب لوگوں کے انداز میں ایک خون خواری پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی۔

معاً اسے خیال آیا کہ یہ سارا کیا دھرا چونکہ ابانا کا ہے۔ اس لیے ابانا کو یہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ تیزی سے ابانا کی طرف بڑھا اور بے ہنگم انداز میں ناچتی ہوئی ابانا کی کلائی کو اس نے مضبوطی سے تھام لیا اور ملتجی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

"بس کرو ابانا...... اب بس کرو، بہت ہو گیا۔ آؤ میرے ساتھ...... چلو اندر چلیں۔"

غیر متوقع طور پر ابانا نے اس کی بات مان لی اور اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ ابانا کو لے کر اندر حویلی میں پہنچ گیا اور اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر اور اس سے یہیں رہنے کی درخواست کر کے تیزی سے باہر شامیانے میں آ گیا۔

شامیانے میں ابھی تک وہی طوفان بدتمیزی جاری تھا۔ لوگ باہم دست و گریباں تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

ایسے میں اچانک ایک کڑک دار آواز سن کر ڈاکٹر فرقان چونک گیا۔ یہ آواز اسی شیطان صفت خبیث بوڑھے کی آواز تھی۔ بوڑھا شامیانے کے ایک دروازے میں کھڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ایک نعش جھول رہی تھی۔

نعش کو دیکھ کر ڈاکٹر کے اوسان خطا ہونے لگے۔ زمین اس کے پیروں تلے سے کھسکتی محسوس ہونے لگی۔ اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا اور ابانا چھانے لگا۔ کیونکہ یہ ڈاکٹر ایکس، اس کے بہترین دوست کی نعش تھی جو ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے کمرے میں ادھڑی ہوئی رکھی تھی اور ابانا نے جس کے جسم کا خون پیا تھا۔

یک دم بوڑھے کی آواز گونجی۔

"یہ نعش باہر دروازے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ میری اس پر نظر پڑ گئی۔" بوڑھے نے نعش زمین پر رکھ دی تھی۔

مجمع آپس کی دھینگا مشتی بھول چکا تھا۔ ابانا کے چلے جانے پر ان پر وہ طلسماتی اثر بھی اب باقی نہیں رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس بوڑھے کو اچنبھے سے دیکھتے رہے جس نے آ کر ان کی محویت کو دور کر دیا تھا پھر وہ صورت حال کا اندازہ لگا کر پریشان ہو گئے اور ادھر ادھر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

محفل درہم برہم ہو چکی تھی۔ عثمانی نے جلدی سے مائک پر جا کر مہمانوں کو پرسکون رہنے کی

تاکید کی اور ڈاکٹر ایمس کے قتل سے آگاہ کیا۔

''پولیس کو اطلاع دی جا رہی ہے۔ معزز مہمانوں سے اپیل ہے کہ وہ پولیس کے آنے تک یہیں رہیں اسی شامیانے میں موجود رہیں۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے؟'' عثمانی نے کہا اور جلدی سے بھاگ کر حویلی کے اندر چلا گیا۔ اندر جا کر اس نے ٹیلی فون کے ذریعے پولیس کو قتل کی واردات سے آگاہ کرتے ہوئے ساری صورت حال بتا دی تھی۔ اور جلد پہنچنے کی درخواست کی تھی۔

☆......☆

عثمانی بے چینی کے ساتھ ادھر اُدھر آ جا رہا تھا۔ فرقان کی روح فنا ہوئی جا رہی تھی۔ مہمان سراسیمگی کے عالم میں اپنی نشستوں پر بیٹھے پہلو بدل رہے تھے۔ ایک نامعلوم سا خوف پوری فضا کو گھیرے ہوئے تھا۔ بعض لوگ آہستہ آہستہ دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

پھر خدا خدا کر کے پولیس پہنچ گئی۔ آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے لاش کا معائنہ کیا تھا۔ اس میں انہوں نے کافی وقت صرف کیا تھا۔ وہ بوڑھے سے پوچھ گچھ بھی کرتے رہے تھے۔ نہ جانے وہ خبیث بوڑھا انہیں کیا کچھ بتاتا رہا تھا۔ فرقان کو کچھ علم نہیں تھا کہ ان کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔

پولیس نے مہمانوں سے بھی چند سوالات کیے تھے اور آخر کار رات گئے انہیں اپنے گھروں کو جانے کی اجازت دے دی گئی۔

فرقان اور عثمانی سے چند سوالات کیے گئے تھے۔ پھر پولیس ڈاکٹر ایمس کی نعش کو اور خبیث بوڑھے کو اپنی تحویل میں لے کر وہاں سے رخصت ہو گئی تھی۔

عثمانی کو رخصت کر کے فرقان اپنے کمرے میں آ کر ڈھیر ہو گیا تھا...... تھکاوٹ نے اس کے جسم کو چور چور کر رکھا تھا۔ لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆......☆

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو سب سے پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا وہ ابانا کا تھا۔ وہ اٹھ کر ابانا کے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی اس پر وحشت طاری ہونے لگی۔ ابانا اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ اس نے حویلی کے بقیہ کمروں کو بھی جلدی جلدی تلاشی لے ڈالی لیکن ابانا کا کہیں کوئی پتہ نہ تھا۔

وہ اسے ڈھونڈتا ہوا تہہ خانے میں بھی گیا۔ ابانا وہاں بھی نہیں تھی۔ البتہ وہ بدقسمت لڑکی جسے وہاں باندھ کر رکھا گیا تھا تہہ خانے میں بندھی پڑی تھی۔ اور اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر بلکنے لگی۔

''ڈاکٹر...... ڈاکٹر! تم میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کر رہے ہو۔ میرا کیا قصور ہے ڈاکٹر! آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔'' اس نے رو رو کر بڑے ہی ملتجیانہ انداز میں ڈاکٹر سے فریاد کی۔

''ڈاکٹر! مجھے اس تہہ خانے سے نکال لو ڈاکٹر! میں مر جاؤں گی...... میں یہاں اس تاریک اور گندے تہہ خانے میں مر جاؤں گی۔ مجھے بہت خوف آتا ہے یہاں سے...... ڈاکٹر!''

ڈاکٹر فرقان کی آنکھوں میں اس کی دردناک آواز اور بلک بلک کر رونے کے باعث آنسو آ گئے وہ سوچنے لگا کہ وہی اس لڑکی کا مجرم ہے۔ اسی نے اس لڑکی کی زندگی برباد کی ہے۔

لیکن...... لیکن وہ اس سے آگے کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ مجبور تھا...... اور اپنی گندی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے ابانا کو پانے کے لیے اس غلیظ بوڑھے کی بات کو مان لیا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا...... اب میں اس لڑکی کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

ڈاکٹر فرقان کو سوچتا دیکھ کر اور اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سلیمہ نے بڑے ہی دردناک انداز میں التجا کی۔

''ڈاکٹر! مجھے کم از کم اس تہہ خانے سے نکال دو...... میں یہاں نہیں رہ سکتی ڈاکٹر! میں مر جاؤں گی۔''

ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر اس کے بندھن کھولنا شروع کیے اور وہ اسے بندھنوں سے آزاد کر کے تہہ خانے سے باہر لے آیا۔

باہر آ کر وہ کمرے میں بیٹھ کر سوچنے لگا اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ ابانا پوری حویلی میں موجود نہیں تھی۔ آخر وہ کہاں گئی۔ وہ کہاں جا سکتی تھی۔ آخر اسے کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ پھوڑے کی طرح سے دکھنے لگا تھا۔ پھر فون کی گھنٹی نے اس کے خیالات کو منتشر کیا تھا۔ وہ جلدی سے فون کی طرف لپکا۔

''ہیلو! فرمائیے۔ جی ہاں میں ڈاکٹر فرقان بول رہا ہوں۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا تھا۔

دوسری جانب کوئی پولیس والا بول رہا تھا۔ یہ معلوم کر لینے کے بعد کے فون پر ڈاکٹر فرقان ہی موجود تھا اس نے پوچھا۔

''ڈاکٹر! آپ نے اس بوڑھے کو آدھی رات کو دیکھا تھا ناں؟ وہی جس نے ڈاکٹر ایمس کی نعش دریافت کی تھی۔ کیا آپ نے بعد میں بھی اس بوڑھے آدمی کو کہیں دیکھا ہے؟''

''ج ج...... جی...... جی وہ تو رات آپ کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔'' فرقان ہکلانے لگا تھا۔ اس خبیث بوڑھے کے تذکرے نے ہی خوف اور نفرت سے اس پر ہکلاہٹ طاری کر دی تھی۔

''جی ہاں! ہم اسے مزید تفتیش کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے لیکن تھانے پہنچنے سے قبل ہی وہ بوڑھا راستے میں ہی نہ جانے کیسے اور کہاں چلا گیا۔ وہ شخص چلتی گاڑی میں غائب ہو گیا تھا۔ بالکل ایسے جیسے وہ کوئی چھلاوہ رہا ہو۔ ہم اس وقت سے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ آپ کو اسی لیے ٹیلی فون کیا تھا کہ شاید وہ بوڑھا دوبارہ آپ کی حویلی میں آیا ہو۔''

''جی نہیں...... میں نے دوبارہ اس کی شکل نہیں دیکھی۔''

''او کے ڈاکٹر...... زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں۔'' ایس ایچ او نے کہا۔ پھر بولا......

''اور ہاں آپ سے کہنا تھا کہ آئندہ آپ کو جہاں بھی وہ بوڑھا نظر آئے تو فوراً مجھے اطلاع کر دیجئے گا۔''

''جی بہت بہتر......'' ڈاکٹر نے کہا۔ اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا۔

ڈاکٹر پہلے ہی ابانا کی گمشدگی پر شدید پریشانی کا شکار تھا۔ کہ اس نئی خبر نے اور بھی اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بوڑھا اب نہ جانے کونسا نیا گل کھلائے گا۔

ابانا کو تلاش کرنا ضروری تھا چنانچہ ڈاکٹر اٹھ کر باہر آ گیا۔ پورچ میں جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی وہاں پہنچا تو ایک اور انکشاف ہوا۔ ڈاکٹر کی گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔ اس نے حویلی کے صدر دروازے سے باہر نکل کر آس پاس نظر دوڑائی۔ گاڑی کا کہیں کوئی نشان بھی نہیں تھا۔ گاڑی بھی کوئی لے گیا تھا۔ تو کیا ابانا...... لیکن ابانا کو کہاں گاڑی چلانا آتی تھی۔ تو پھر وہ کون تھا جو گاڑی لے اڑا تھا؟

ڈاکٹر فرقان عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔ وہ واپس آ کر صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔

اس کشمکش و پیچ اور پریشانی میں سارا دن گزر گیا۔ دن بھر اسے لڑکی کی نگرانی بھی کرنا پڑی تھی۔ اور خود ہی اس کے لیے اور اپنے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی کرنا پڑا تھا۔ اور اب سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل چکا تھا کہ فون کی گھنٹی جھنجھنا اٹھی۔ فرقان صوفے پر نیم دراز تھا۔ گھنٹی کی آواز سن کر یک دم اٹھ بیٹھا اور دوسری بیل کے بعد فون سیٹ کی طرف جھپٹا۔

''ہیلو ڈاکٹر فرقان بول رہا ہوں۔''

''ارے فرقان! کیا حال ہیں بھئی میں اشرف بول رہا ہوں۔'' ڈاکٹر اشرف اس کا دوست تھا۔ اور خاصا بے تکلف تھا۔ آج کافی عرصہ کے بعد اس نے فرقان کو فون کیا تھا۔

''اشرف...... یار کیسے ہو؟'' ڈاکٹر فرقان نے رسماً اس کا حال پوچھا تھا ورنہ اس وقت اسے اشرف کا ٹیلی فون کرنا خاصا ناگوار گزر رہا تھا۔ دراصل وہ ابانا کی طرف سے اتنا زیادہ الجھ گیا تھا کہ سوچتے سوچتے اب اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ سارا دن گزر جانے کے باوجود ابانا واپس نہیں لوٹی تھی۔

''بھئی میں تو بالکل خیریت سے ہوں۔ تم سناؤ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے تم کچھ پریشان محسوس ہوتے ہو۔ تمہاری آواز میں ایک طرح کی جھلاہٹ کا عنصر پایا جاتا ہے۔''

''ارے نہیں اشرف! کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''نہیں خاص بات ضرور ہے۔ لیکن تم بتانا نہیں چاہتے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ ابانا کو ندیم کے ساتھ تم نے خود کہیں بھیجا ہے...... بھئی معاف کرنا اصل میں مجھے شک سا پڑا تھا۔ اس لیے میں نے پوچھا ہے۔''

''ابانا...... ؟ ندیم...... کون ندیم تم کس کی بات کر رہے ہو اشرف؟'' فرقان حواس باختہ ہو رہا تھا۔

''وہی ندیم تمہارا کزن۔''

''تم...... تم نے ندیم کو کہاں دیکھا؟ میرا مطلب ہے کیا تم نے ابانا کو ندیم کے ساتھ دیکھا ہے...... کہاں؟ میرا مطلب ہے......''

''ارے فرقان! کیا بات ہے بھئی تم خاصے پریشان معلوم دیتے ہو۔ میں نے شام سے تھوڑی دیر قبل ابانا کو ندیم کے ساتھ تمہاری گاڑی میں دیکھا تھا۔ میں پہلے تو یہی سمجھا تھا کہ تم نے انہیں شہر کسی کام سے بھیجا ہوگا۔ لیکن بعد میں مجھے شک سا ہونے لگا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ چلو اپنا شک دور کرنے کے لیے تمہی سے پوچھ لوں۔ اصل میں تم جانتے ہی ہو کہ ندیم کس قماش کا آدمی ہے اسی لیے مجھے شک پڑا تھا۔''

''اوہ...... تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا؟''

''شہر کے بڑے چوراہے سے وہ شمال کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہے تھے۔''

''شکریہ اشرف میں پھر تم سے بات کروں گا۔'' یہ کہہ کر فرقان نے جلدی سے فون بند کر دیا۔ وہ مزید اشرف سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یقیناً اس سے اور بھی کئی سوالات پوچھتا اور ابھی فرقان اس حالت میں نہیں تھا کہ اس کے سوالات کے جوابات دے پاتا۔

فرقان کمرے میں ادھر سے ادھر بے چینی کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ وہ کمینہ ندیم ابانا کو کیسے لے اڑا۔ یقیناً ابانا کی مرضی اس کے ساتھ شامل رہی ہوگی۔ اب فرقان سوچ رہا تھا کہ وہ ابانا کو کہاں تلاش کرے۔ ندیم اسے لے کر کہاں جا سکتا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن چشمے والی کوٹھی کی طرف منتقل ہوگیا۔ وہ یقیناً ابانا کو لے کر نیلے چشمے والی کوٹھی میں گیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اکثر شہر سے اس مضافاتی علاقے کی نیلے چشمے والی کوٹھی میں آ کر رنگ رلیاں منایا کرتا تھا۔

لیکن گاڑی، گاڑی بھی تو وہی خبیث ندیم لے اڑا تھا۔

ابھی وہ اس سوچ بچار میں کھویا ہوا تھا کہ سواری کا کیا کرے، کہاں سے حاصل کرے کہ ایک مرتبہ پھر فون کی بیل چیخ اٹھی۔ دوسری بیل ہونے سے قبل ہی اس نے جلدی سے کریڈل اٹھالیا۔

''ہیلو! ڈاکٹر فرقان۔'' اس نے ٹھوس آواز میں کہا تھا۔

''ڈاکٹر! میں ندیم بول رہا ہوں۔ آپ کیسے ہیں۔''

''ہونہہ...... ندیم! یہ...... یہ تم نے کیا گھٹیا حرکت کی ہے۔'' ڈاکٹر فرقان نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس وقت اس کی حالت کسی زخمی چیتے کی سی تھی۔ اس کا سارا جسم غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

''ڈاکٹر! آپ کس حرکت کی بات کر رہے ہیں۔ بہرحال چھوڑیئے اس وقت میں نے آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ آپ ابانا کے متعلق بہت زیادہ پریشان ہوں گے اس لیے آپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے آپ کو بتا دوں کے ابانا میرے پاس ہے۔ اور میں کوئی زبردستی اسے اپنے ساتھ نہیں لایا بلکہ وہ اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی ہے۔'' ندیم نے اپنے لہجے کو شائستہ بناتے ہوئے کہا۔

''ندیم......!'' ڈاکٹر نے اپنی آواز پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم...... تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔ تم...... تم اسے لے کر ابھی فوری طور پر یہاں آ جاؤ۔ باقی بات بعد میں ہوگی۔''

''ڈاکٹر! میں جانتا تھا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ لو یہ ابانا سے بات کر لو۔'' ندیم

نے پھر سے شائستہ لہجے میں کہا۔ گو اس کے لہجے میں ناگواری کا عنصر بھی شامل ہو چکا تھا۔

''فرقان...... کیا بات ہے! تم بہت زیادہ پریشان ہو۔'' ابانا کی آواز آئی تھی۔ وہ بڑے شگفتہ لہجے میں بول رہی تھی۔

''ابانا...... ابانا تمہیں علم نہیں ہے کہ میں کس قدر پریشان رہا ہوں۔ تم بغیر بتائے چلی گئیں میں نے سارا دن کانٹوں پر گزارا ہے۔ اور تم...... تم وہاں ندیم کے ساتھ......''

''ہاں...... میں یہاں ندیم کے ساتھ ہوں۔ فرقان! تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیا تم مجھے ابھی تک نہیں سمجھے ہو۔''

''ابانا...... تم جلدی سے واپس آجاؤ۔ دیکھو تمہارا یہاں آنا بہت ضروری ہے......''

''فرقان! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں، اپنی مرضی سے واپس تمہارے پاس آؤں گی۔ میں کل تک تمہارے پاس آجاؤں گی فرقان تم بالکل فکرمند نہ ہونا آج رات سلیمہ کے ساتھ اپنا جی بہلاؤ۔'' یہ کہہ کر ابانا نے فون بند کر دیا تھا۔

ڈاکٹر فرقان پیچ و تاب ہی کھاتا رہ گیا تھا۔ اس وقت اس کی حالت دیدنی تھی۔ وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اڑ کر وہاں چلا جائے اور ابانا اور ندیم کے پرخچے اڑا دے۔

پھر اس نے تیزی کے ساتھ اپنی شہر والی کوٹھی کا نمبر ملایا تھا اور وہاں موجود ملازم کو کہا تھا کہ فوری طور پر اس کی دوسری گاڑی لے کر حویلی پہنچ جائے۔

اب وہ بڑی شدت سے گاڑی کے پہنچنے کا انتظار کر رہا تھا۔ لڑکی جس کا نام سلیمہ تھا۔ ساری صورت حال سے تو آگاہ نہیں تھی لیکن اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ہو چکا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور ڈاکٹر اس وقت کسی مشکل کا شکار ہے۔ البتہ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ خاموش بیٹھی رہی تھی۔

پھر جب ملازم گاڑی لے کر پہنچ گیا اور ڈاکٹر فرقان نے اسے باہر ہی سے واپس لوٹا دیا تو اس کے سامنے ایک اور مرحلہ درپیش تھا۔ لڑکی...... لڑکی کا کیا کرے۔ پھر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے باندھ کر تہہ خانے میں ڈال دے اور جلدی سے ابانا کو لینے چلا جائے۔

یہ سوچ کر اس نے لڑکی کی کلائی مضبوطی سے پکڑی اور اسے لے کر تہہ خانے کی طرف چل دیا۔

لڑکی نے جب دیکھا کہ وہ اسے تہہ خانے کی طرف لے جا رہا ہے تو وہ رونے لگی اور اس سے التجائیں کرنے لگی کہ اسے تہہ خانے میں اکیلا بند کر کے نہ جائے۔

''ڈاکٹر میں اس تہہ خانے میں مر جاؤں گی۔ مجھے بہت خوف آتا ہے ڈاکٹر! مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر مت جاؤ۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تم جو کہو گے میں کروں گی۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو ڈاکٹر۔ مجھے یہاں مت چھوڑو۔'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اور بار بار یہی فریاد کر رہی تھی کہ ڈاکٹر اسے جہاں بھی جا رہا ہے اپنے ساتھ لیتا جائے اور یہاں تہہ خانے میں چھوڑ کر نہ جائے۔

ڈاکٹر کو اس کی حالت زار پر ترس آگیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس مظلومہ لڑکی کو یہاں تہہ خانے میں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ اور اس خبیث بوڑھے کی ہوس کا شکار نہیں ہونے دے گا۔ وہ اسے لے کر واپس کمرے میں آیا۔ پھر اس نے تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کی آواز بند کر دی! اور کندھے پر اٹھا کر باہر لے آیا اور اسے گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔

☆......☆

اس وقت رات کے دس بجے تھے جب اس نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ وہ تیزی کے ساتھ گاڑی چلاتا ہوا نیلے چشمے والی ندیم کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔ لیکن ابھی وہ شہر کی حدود سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ اچانک گاڑی کو جھٹکے لگنے لگے۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ بند ہو گئی۔ یہ ایک نئی آفت آپڑی تھی۔ ڈاکٹر پریشان تھا کہ پچھلی سیٹ پر اغوا شدہ لڑکی بندھی پڑی تھی۔ اور وہ شہر کی حدود ہی میں تھا کہ گاڑی بند ہو گئی تھی۔ اگر کسی کی نظر اس لڑکی پر پڑ گئی تو اس کے لیے پھانسی کا پھندا بڑی آسانی کے ساتھ تیار ہو سکتا تھا۔ یا کم از کم عمر قید اور پھر ایسی رسوائی کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہتا۔ یہ سوچ کر اس کی روح فنا ہوئی جا رہی تھی۔

وہ جلدی سے گاڑی سے اترا اور اس نے گاڑی کا بونٹ اٹھا کر ساری چیزوں کا جائزہ لیا سب کچھ ٹھیک تھا لیکن پیٹرول گاڑی میں موجود نہیں تھا۔ گاڑی کا پیٹرول ختم ہو چکا تھا۔ اور پیٹرول پمپ وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اسے اپنی جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا۔

اس نے چلنے سے پہلے پیٹرول کیوں نہ چیک کر لیا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی چارا نہ تھا کہ وہ گاڑی کو وہیں چھوڑ کر پیٹرول پمپ سے جا کر پیٹرول لائے۔ یہ بہت خطرناک ہو سکتا تھا اس کی غیر موجودگی میں کسی کی نگاہ لڑکی پر بھی پڑ سکتی تھی۔

لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق آخر کار اس نے پیٹرول لانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور گاڑی کی ڈکی سے ڈبہ نکال کر پیٹرول پمپ کی طرف چل پڑا۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا پیٹرول پمپ تک پہنچا تھا اور پھر وہاں سے پیٹرول لے کر واپس گاڑی کی طرف بھاگ پڑا تھا۔

اس وقت فرقان کے سارے حواس بیدار تھے۔ اور وہ بہت چوکنا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو سکتا تھا۔ اور پھر وہی ہوا تھا جس کا اسے خدشہ تھا۔ اس نے دور ہی سے دو سپاہیوں کو اپنی کار کے قریب کھڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ جلدی سے سڑک کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے درختوں کی آڑ میں ہو گیا اور تیزی سے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

اب وہ اپنی کار سے کچھ ہی فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ان سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو اب کار کے اندر جھانک رہے تھے۔ ایک سپاہی نے ٹارچ کی روشنی کار کی کھڑکی کے شیشوں سے اندر ڈالی۔

''ارے اس میں تو ایک لڑکی ہے۔ اس کا منہ بندھا ہوا ہے۔ ہاتھ پیر بھی بندھے ہوئے ہیں۔'' ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

OOO

اس وقت فرقان بڑی عجیب صورتحال سے دوچار تھا۔ خطرہ اس کے سر پر آ پہنچا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے ذہن میں اس کے بعد پیش آنے والے واقعات گھوم گئے۔ دونوں سپاہی اس کی کار کی نمبر پلیٹ پر ٹارچ کی روشنیاں ڈال رہے تھے۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا اور پستول کے دستے پر اس کی بھینچی ہوئی انگلیوں کی گرفت سخت ہوگئی۔ ابھی وہ اگلا قدم اٹھانے نہ پایا تھا کہ ان سے ایک سپاہی بولا۔

''اشرف تم تھانے جاؤ۔ میں یہاں ٹھہرتا ہوں۔''

''تھانہ...... فرقان نے سوچا۔ تھانے کو جانے کے لیے سپاہی کو اس پہاڑی موڑ کی طرف آنا تھا جہاں وہ ایک درخت کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ فرقان کی منشا کے عین مطابق ہوا تھا۔ وہ سپاہی جس کا نام اشرف تھا، تھانے جانے کے لیے جونہی موڑ سے آگے بڑھا فرقان نے درخت کے پیچھے سے نکل کر ہاتھ میں دبایا ہوا بڑا وزنی پتھر اس کے سر پر دے مارا اور سپاہی کوئی آواز نکالے بغیر سڑک پر ڈھیر ہوگیا۔ پتھر کی ضرب نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ پھر فرقان نے سپاہی کی لاش نیچے کھڈ کی جانب لڑھکا دی۔ رات کے سناٹے میں اس کے ساتھ ہی کنکروں اور پتھروں کے نشیب میں لڑھکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ فرقان ایک لمحے کو ضائع کئے بغیر پھرتیزی سے لیکن دبے قدموں کار کی طرف بڑھا۔ اب وہاں صرف ایک سپاہی تھا۔ جس سے نمٹنا اس کے لیے زیادہ مشکل نہ تھا۔ نشیب میں لڑھکنے والے پتھروں کی آوازیں اب بھی فضا میں گونج رہی تھیں۔ اور کار کے پاس کھڑا ہوا سپاہی نیچے کھڈ میں ٹارچ کی روشنی پھینک رہا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد اس سپاہی کا مردہ جسم بھی اس نشیب میں لڑھک رہا تھا...... اس کے سر پر بھی فرقان نے پتھر کی ضرب لگائی تھی۔

اس ناگہانی سے نمٹنے کے بعد فرقان طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوا۔ کار کی پچھلی نشست پر لڑکی اب بھی پڑی ہوئی تھی لیکن فرقان کو اس وقت لڑکی سے زیادہ ''نیلے چشمے'' والی کوٹھی پہنچنے کی فکر تھی۔ وہ لڑکی کی گھٹی گھٹی آوازوں سے لاپرواہ ہو کر پہاڑی راستے پر حتیٰ الامکان تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔

اور جس وقت اس نے نیلے چشمے والی کوٹھی تک پہنچنے والے پرائیویٹ راستے پر گاڑی موڑی تو اس نے کار کی بتیاں مدھم کر دیں۔ بارش کی رم جھم پھر شروع ہوگئی تھی اور کار رینگتی ہوئی چڑھائی پر آگے بڑھ رہی تھی۔ کار کو کوٹھی کے احاطے میں ایک سمت لے جا کر وہ کار سے باہر آیا۔ لڑکی کی گھٹی گھٹی سسکیاں

پھر ابھریں تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ کہ ''بس چند منٹ...... میں ابھی آتا ہوں۔''

لڑکی بری طرح کسمسائی، اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں سی نکلیں جن میں احتجاج تھا لیکن فرقان نے کوئی پرواہ نہ کی اور دروازے کو آہستگی سے بند کر کے لاک کر دیا۔

پہاڑ کی کوٹھی کا صرف ایک کمرہ روشن تھا۔ فرقان آہستگی سے اندر داخل ہوا۔ ابانا کے قہقہے کوٹھی میں گونج رہے تھے اور ندیم اس سے بھیک مانگ رہا تھا...... اس نے روشن کمرے میں جھانک کر دیکھا۔

اور جو منظر اسے نظر آیا وہ اُس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ ندیم کو للکار کر آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے جسم میں جھرجھری سی آگئی۔ ایک سرد لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ اس کے کاندھے پر سرد فولادی انگلیوں کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔

نہیں تم آگے نہیں جاؤ گے۔ ابانا کو کھیلنے دو۔'' خبیث بوڑھے کے منہ سے سرگوشی ابھری اور بدبو کا ایک بھبکا فرقان کے نتھنوں میں داخل ہوگیا۔ فرقان نے بوڑھے کا ہاتھ جھٹکنا چاہا مگر وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے چیخنا چاہا مگر اس کے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ عجیب بے بسی کی کیفیت اس پر طاری تھی۔ اس کے جسم میں غصے نے انگارے بھر دیئے تھے لیکن وہ بالکل بے بس تھا۔

''یہ عشق و محبت کا مقام نہیں ہے۔'' بوڑھے نے کہا...... ''نہ تمہیں اس سے عشق ہے۔ نہ وہ تم سے محبت کرتی ہے پھر اس رقابت کا مقصد...... یہاں رقابت بے معنی بات ہے ڈاکٹر!''

فرقان پھر کسمسایا۔ بوڑھے کی پتلی پتلی انگلیاں...... اسے یوں لگ رہا تھا گویا اس کاندھے پر بے پناہ بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ اس بوجھ نے اس کے تمام اعصاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ صرف اس کا دماغ تھا جو کام کر رہا تھا...... جو سوچ رہا تھا۔

کمرے میں ابانا کے قہقہے گونج رہے تھے۔

☆......☆

فرقان صبح بیدار ہوا تو اسے اپنی گدی پھوڑا بنی محسوس ہوئی۔ خبیث بوڑھے نے گدی پر اپنی استخوانی انگلیوں کی گرفت اس قدر شدید کر دی تھی کہ وہ بے انتہا تکلیف کو برداشت نہ کر کے بے ہوش ہوگیا تھا۔ رات کے واقعات اس کے ذہن میں ایک مرتبہ پھر ابھر آئے۔ اس کے بعد اسے صرف اتنا یاد تھا کہ ابانا دروازے کی طرف آئی تھی۔ کار کی چابی دو اس لڑکی کو لانا ہے۔'' ابانا نے اس سے کہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا ابانا نے خود ہی اس کے کوٹ کی جیب. میں ہاتھ ڈال کر چابی نکال لی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔

فرقان نے گردن کو اپنی انگلیوں سے آہستہ آہستہ ملا۔ مگر وہ نیلے چشمے والی کوٹھی سے یہاں تک کیسے پہنچا ذہن میں یہ سوال گونجتے ہی وہ پلنگ سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ابانا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ ابانا گہری نیند سو رہی تھی۔ پھر وہ تہہ خانے میں گیا۔ سلیمہ تہہ خانے میں موجود نہ تھی۔ سلیمہ کا نہ ہونا اس کے لیے پریشانیوں کی آمد کا پیغام تھا۔ اس نے حویلی سے باہر آ کر دیکھا اس کی کار پورچ میں کھڑی تھی۔ مگر یہ کار وہ تھی جس میں ابانا یا پھر ندیم نیلے چشمے والی کوٹھی گیا تھا۔ اور وہ کار جو اس نے اپنی شہر

کی کوٹھی سے منگوائی تھی موجود نہ تھی۔

اس نے اپنے گرد قانون کی گرفت تنگ ہوتے ہوئے محسوس کی۔ ابھی تک کوئی ملازم حویلی نہیں آیا تھا۔ اور وہ اس عرصے میں بہت کچھ کر لینا چاہتا تھا۔ تاکہ قانون کی گرفت سے بچ سکے۔ اس وقت نہ اسے ابانا کا خیال تھا نہ خبیث بوڑھے کا۔ وہ تو اس وقت اپنی آنکھوں کے سامنے پھانسی کے پھندے کو لہراتا دیکھ رہا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ یہ تصور حقیقت بنے وہ اپنے بس میں جو کچھ ہو سکتا تھا کر لینا چاہتا تھا۔ پھر اس نے نیلے چشمے والی کوٹھی فون کیا۔ مگر دوسری طرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ مگر جواب دینے والا کوئی نہیں تھا اور اس کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ خود نیلے چشمے والی کوٹھی جائے۔

یہ کام بھی خوش اسلوبی سے انجام پا گیا۔

وہ نیلے چشمے والی کوٹھی میں اپنی بڑی کار چھوڑ کر وہاں کھڑی کی ہوئی چھوٹی کار لے کر واپس آ گیا تھا۔ لیکن اس سے قبل وہ بڑی سفید کار کے اسٹیئرنگ اور دروازوں کو رومال سے رگڑ کر صاف کرنا نہ بھولا تھا۔ اس نے اس وقت کوٹھی کے اندر جانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔ اسے ندیم اور سلیمہ کے زندہ ہونے کا بھی یقین نہ تھا۔ واپس آتے ہوئے وہ شہر کی ایک دکان سے ڈبل روٹی مکھن اور ضرورت کا بعض دوسرا سامان بھی خرید لایا تھا تاکہ شہر آنے کا کوئی جواز بھی پیدا ہو سکے۔ اس نے یہ سب سامان باورچی کے حوالے کیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ایک مرتبہ پھر اس نے تمام واقعات کا جائزہ لیا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس نے اپنے نیلے چشمے والی کوٹھی تک جانے کے سلسلے میں تمام آثار کو ختم کر دیا تھا۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے ناشتہ کیا۔ اور ساتھ ہی اس کا ذہن اس کی بے ہوشی کے عالم میں اس کوٹھی میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں قیاس آرائیوں میں مصروف رہا۔ ابانا ابھی تک سو رہی تھی۔ ویسے بھی اس کی طبیعت ابانا کی طرف سے مکدر ہو گئی تھی۔ وہ ابانا کو چاہتا تھا یہ اس کی کمزوری تھی اور اس کا سب سے بڑا سبب اس کا کامنی کا ہم شکل ہونا یا کامنی کے جسم پر اس کا متصرف ہونا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ ابانا کو کسی اور کے پہلو میں دیکھ کر برہم ہو جاتا تھا۔

لیکن اس وقت وہ جاننا چاہتا تھا کہ ندیم اور سلیمہ کا آخر کیا بنا۔ اسے یقین تھا کہ وہ دونوں قتل کر دیئے گئے ہوں گے۔ ان کا خون چوس لیا گیا ہو گا۔ ان دونوں کی گردنیں اُدھڑی ہوئی ہوں گی۔ مگر اس یقین کے باوجود اس کے ذہن میں اسی ''شائد'' کی مستقل تکرار ہو رہی تھی جو انسان کو ہمیشہ تصویرِ واقعات کا دوسرا رخ دیکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور یہ امکان بڑا خطرناک ہو سکتا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی کا بھی زندہ ہونا اس کے لیے مصیبت کا باعث ہو سکتا تھا۔ دونوں میں سے کسی کی زندگی اس کے لیے موت کا پھندا بن سکتی تھی۔

موت اور پھانسی کا پھندا دو بھیانک حقیقتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ اس کے ذہن پر سوار ہو گئیں۔ اور پھر وہ مضطرب ہو کر ابانا کے کمرے میں گیا۔ اس نے ابانا کو بیدار کرنے کی کوشش کی مگر یا تو وہ

گہری نیند سو رہی تھی یا پھر سونے کی اداکاری کر رہی تھی۔ فرقان نے برہم ہو کر ابانا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کے گالوں کو تھپتھپایا مگر اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ پھر اچانک فرقان کی نظر ابانا کی گردن پر شہہ رگ کے پاس پڑے ہوئے گہرے نیل پر پڑی وہ چونک گیا۔ اس نے ابانا کی گردن کے پچھلے حصے پر دیکھا۔ ابانا کی گردن پر دائیں اور بائیں جانب دو گہرے نیل پڑے ہوئے تھے۔ نے آہستگی سے ابانا کو پلنگ پر لٹا دیا۔ ابانا کی گردن پر نیل کے نشان دیکھ کر اسے اپنی گدی کی تکلیف یاد آ گئی۔ خود اس کی گردن ابھی تک دکھ رہی تھی۔ وہ باتھ روم میں گھس گیا اور شیشے میں غور سے دیکھا۔ اس کی گردن پر بھی نیل کے ایسے ہی نشانات پڑے ہوئے تھے۔

''تو گویا خبیث بوڑھے نے اس کو بھی بے ہوش کر دیا ہے۔'' فرقان نے سوچا اور اس کے ساتھ ہی ابانا کے خلاف اس کی تمام نفرت ختم ہو گئی۔ یہ سب کچھ اسی خبیث بوڑھے کا کیا دھرا ہے۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

ابانا تمام دن سوتی رہی یا بے ہوش رہی۔ فرقان بھی تمام دن حویلی میں محدود رہا۔ اس نے ایک مرتبہ ندیم کے گھر فون کیا۔ مگر حسب توقع ندیم گھر میں نہ تھا۔ گھر والوں نے اسے بتایا کہ ندیم کا رات فون آیا تھا وہ کچھ دوستوں کے ساتھ تفریح کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اور اس وقت اس نے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ وہ میری کار لے گیا تھا۔ آج واپس کرنے کے لیے کہا تھا۔ چھوڑیئے کوئی بات نہیں۔'' اس نے ''صبح نو'' کے رپورٹر عثمانی کو فون کیا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر اس نے عثمانی سے کہا کہ وہ ابانا کے بارے میں آج رات پندرہ روز رپورٹ تیار کرے گا۔ اگر وہ چاہے تو اپنے آئندہ سلسلہ وار مضمون کے لیے اس رپورٹ کو دیکھ لے۔ یہ بات بھی یہیں ختم ہو گئی عثمانی کو فون کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ شاید اس کے پاس ندیم یا سلیمہ کی موت کے بارے میں کوئی اطلاع ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو عثمانی یقیناً اسے بتاتا۔ پھر اس نے تھانے فون کیا اور اس واقعے کے بارے میں دریافت کیا جو دو دن پہلے اس کی کوٹھی میں پیش آیا تھا۔ ڈاکٹر ایمس کی لاش کے بارے میں معلوم کیا۔ اس خبیث بوڑھے کے بارے میں معلوم کیا مگر پولیس اس کی توقع کے مطابق اس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہ کر سکی۔

☆......☆

چشمے والی کوٹھی کو جانے والے پرائیویٹ راستے سے کچھ دور فرقان نے پہاڑی شاہراہ کے ساتھ ایک چھوٹے سے ہموار ٹیلے پر کار کھڑی کر دی اور پھر تیزی سے اس پہاڑی پر چڑھنے لگا جس کی انتہائی بلندی پر کوٹھی بنی ہوئی تھی۔ اس کوٹھی کی دیکھ بھال کے لیے ہفتے میں ایک بار ندیم کے گھر سے ایک نوکر آیا کرتا تھا۔ اس کوٹھی میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ یہ کوٹھی کیا تھی ایک پہاڑی قلعہ تھا۔ تمام کھڑکیوں پر آہنی جالیاں لگی ہوئی تھیں...... کھڑکیاں بھی لوہے کی تھیں۔ اور دوہری تھیں۔ باہر کھلنے والی کھڑکیوں میں کوئی جوڑ نہ تھا وہ صرف فولادی چادر کی بنی ہوئی تھیں۔ اور اندر کھلنے والی کھڑکیوں میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ دروازوں کا بھی یہی عالم تھا کوٹھی کی بناوٹ ایسی تھی کہ اگر اسے بند کر دیا جائے تو کسی طرف سے اس میں داخل ہونا ناممکن تھا۔ نامعلوم اس کوٹھی کا مقصد کیا تھا۔

فرقان اس وقت صرف یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ سلیمہ اور ندیم کا کیا حشر ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کوٹھی میں اسے دونوں کی لاشیں مل جائیں گی۔ وہ پتھروں سے بچتا ہوا تیزی سے اوپر پہنچا تو اس کا سانس پھول چکا تھا۔ سامنے وہ پہاڑی کوٹھی اپنی پوری سنگینی اور مضبوطی کے ساتھ رات کی تاریکی میں کھڑی ہوئی تھی۔ کہیں سے کوئی روشنی کوئی آواز نہ آرہی تھی۔ اچانک ایک چمگادڑ پھڑپھڑاتی ہوئی اس کے کان کے قریب سے گزری اور پھر اُلو کی تیز چیخ فضا میں تیر گئی۔ عجیب بھیانک چیخ تھی۔ اس کے تمام جسم میں خوف کی ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اسے اپنے جسم کے مساموں سے پھوٹتا محسوس ہوا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ ٹھٹھکا نامعلوم خوف چور دروازے سے اس کے دل میں جا گھسا تھا پھر اسے یوں محسوس ہوا گویا وہ خبیث بوڑھا بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔ اس وقت اسے پہاڑی ہوا کے جھونکوں میں جس میں چیڑ کے پتوں کی سوندھی مہک گھلی ہوئی تھی۔ عجیب سی بدبو کا بھبکا آتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ یہ بدبو اس کے لیے نامانوس نہ تھی۔ یہ بدبو اس نے اس غار میں محسوس کی تھی جہاں خبیث بوڑھے سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ بدبو اس نے اپنی حویلی کے تہہ خانے میں اس دن محسوس کی تھی جب وہ خبیث بوڑھا وہاں آیا تھا۔ یہ عجیب بدبو تھی جس میں سڑے ہوئے گوشت اور گوبر کی کھاد کی ملی جلی کیفیت تھی۔

اس احساس سے کہ خبیث بوڑھا یہیں کہیں موجود ہے اس کے دل میں بیٹھا ہوا خوف اور شدید ہوگیا۔ مگر یہ خوف اسے اس تاریک کوٹھی میں داخل ہونے سے نہ روک سکا۔ وہ نہایت چوکنا دبے قدموں سے برآمدے میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ نامعلوم اندیشوں نے اس کے دماغ کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کوٹھی کے صدر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ احتجاجاً کراہ اندر کو ہوگیا۔ قبضے شاید زنگ آلود ہوگئے تھے۔ اس خاموشی اور تاریکی میں دروازے کی اس کراہ نے اسے دہلا کر رکھ دیا۔ پھر وہ ٹارچ کی ننھی سی روشنی کی لکیر میں آگے بڑھا۔

اب وہ اس کمرے کے دروازے کے سامنے تھا جہاں اس نے گذشتہ رات ابانا اور ندیم کو جذبات کی ان انتہاؤں پر دیکھا تھا جہاں انسان ناآسودگی برداشت نہیں کرپاتا جہاں وہ صرف وصل چاہتا ہے۔ اس نے کمرے میں داخل ہونے سے قبل اپنے جی کو کڑا کیا اور غیر متوقع حالات کے لیے خود کو آمادہ کیا۔

پھر وہ اُس کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس نے کمرے کی روشنی جلائی اور اس کی نظریں مسہری پر پڑیں۔ روشن کمرے میں اس نے سلیمہ کو مسہری پر بندھا پڑا دیکھا تھا۔ رسی سے اس کے جسم کو نہایت بے رحمی سے کس دیا گیا تھا اور رسیاں اس کے جسم میں گھسی جارہی تھیں۔ رسی کی بندشوں سے دورانِ خون رکنے کی بناء پر اس کا جسم سوج گیا تھا۔ فرقان آگے بڑھا سلیمہ بے ہوش تھی۔ اس کے قریب ہی ندیم کی لاش پڑی تھی۔ اکڑی ہوئی سرد لاش۔ اس کی گردن ادھڑی ہوئی تھی اور گردن کا زخم بالکل سفید ہورہا تھا۔ اس کی کیفیت بالکل ایسی تھی گویا کسی نے اس کا تمام خون چوس لیا ہو۔

فرقان نے جلدی جلدی سلیمہ کو بندشوں سے آزاد کیا۔ رسی نے جگہ جگہ اس کے جسم کو رگڑ کر زخم بنا دیئے تھے۔ سلیمہ نے رسی کی ان بندشوں سے آزاد ہونے کے لیے بیحد جدوجہد کی ہوگی۔ فرقان نے

سوچا۔ اس نے اپنے جسم کو بل دیئے ہوں گے جبھی اس کے جسم میں رسی کی رگڑ سے زخم پیدا ہوگئے ہیں۔ پھر وہ غسلخانے میں گھس گیا اور گلاس میں پانی لے کر کمرے میں واپس آیا۔ اور سلیمہ کے منہ میں پانی کے قطرے ڈالے، اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے۔

چند منٹ بعد سلیمہ ہوش میں آگئی۔ اس نے وحشت زدہ انداز میں فرقان کو دیکھا اور دیکھتی رہی پھر اس کے ہونٹ کپکپائے۔ اس کے جسم میں لرزش ہوئی اور وہ فرقان سے لپٹ گئی۔ اس کی سسکیاں بندھ گئی تھیں۔ وہ کسی خوفزدہ بچے کی مانند فرقان کے سینے سے چمٹی ہوئی تھی۔ اور بس روئے جارہی تھی۔

فرقان اسے تھپتھپاتا رہا۔ اس کے پاس بھی اس وقت سلیمہ کو تسلیاں دینے کے لیے مناسب الفاظ نہ تھے پھر چند منٹ بعد جب سلیمہ کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو اس نے سر اٹھا کر کہا۔

''فرقان......فرقان...... ڈاکٹر فرقان۔ تم مجھے یہ سزا کیوں دے رہے ہو۔''

فرقان نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے پاس جواب ہی کیا تھا جو دیتا وہ تو اپنی مجبوریوں پر رو رہا تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر کڑھ رہا تھا۔

''مجھے یہاں سے لے چلو۔ تم میرے ساتھ جو چاہو کرو لیکن مجھے اس جہنم سے نکالو۔ ان درندوں سے نجات دلا دو۔''

سلیمہ نے فرقان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''اب میں تم سے یہ بھی نہیں کہوں گی کہ تم مجھے میرے گھر پہنچا دو مجھے اس حالت ہی میں تم نے کہاں چھوڑا ہے۔ میں کیا منہ لے کر اپنے گھر واپس جاسکتی ہوں۔ تم مجھے گھر میں رکھ لو۔ مجھے نوکرانی بنالو یا...... یا مجھے آزاد کردو۔ یقین کرو میں تمہارے بارے میں کسی سے ایک لفظ نہ کہوں گی مگر ان وحشیوں، ان آدم خوروں میں نہ چھوڑو۔''

سلیمہ یہ کہتے کہتے پھر نڈھال ہوگئی۔ اُس کا سانس بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ اس کے ہونٹ سفید ہورہے تھے۔ چہرہ بالکل زرد ہورہا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں روتے روتے سوج کر موٹی ہوگئی تھیں اور سرخ انگارہ بن گئی تھیں، پلکیں، گھنی...... سیاہ اور لانبی آنسوؤں سے تر رہنے کی وجہ سے ان کے بال ایک دوسرے سے چپک گئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور درخواست تھی۔ اور اس کا چہرہ یاس اور اندوہ کا مرقع تھا۔

''تمہیں کامنی کی قسم......'' سلیمہ نے کہا۔ تمہیں اپنے مردے بچے کا واسطہ۔

''کامنی...... کامنی...... بچہ...... بچہ۔''

ایک لمحے کو فرقان کے ذہن پر ہتھوڑے پڑے۔ وہ کسقدر خوفزدہ ہوگیا ہے۔

اس نے سوچا وہ اپنی کامنی اور اپنے بچہ کو بھی بھول بیٹھا تھا۔ ''کامنی...... ابانا...... نہیں ابانا کامنی نہیں ہوسکتی۔'' ابانا کامنی نہیں ہوسکتی

فرقان نے یہ جملے بلند لہجے میں کہے۔

''ابانا چڑیل ہے۔ وہ انسانوں کا خون پیتی ہے۔ اس نے اس کا خون میرے سامنے پیا تھا۔'' سلیمہ نے کہا۔ ''مجھے یہاں سے لے چلو ڈاکٹر خدا کے لیے۔''

سلیمہ نے پھر اس سے التجا کی۔

فرقان نے اسے تھپتھپایا وہ اس وقت خود کو بے حد مجرم سمجھ رہا تھا۔

''میں تم سے معافی چاہتا ہوں سلیمہ! مجھے معاف کردو۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔''

سلیمہ نے جلدی جلدی اپنا لباس درست کیا۔

''جلدی کرو یہاں سے نکلنے کی سوچو۔'' فرقان نے کہا۔

پھر وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ فرقان چوکنا ہوگیا۔ اور اگلے لمحے خبیث بوڑھا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے بھیڑیئے کے دونوں بچے بھی کمرے میں آ گئے اور اس کی ٹانگوں سے چمٹ کر بیٹھ گئے۔ سلیمہ ایک مرتبہ پھر چیخ مار کر فرقان سے چمٹ گئی۔

بوڑھا فرقان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ فرقان کے لیے اپنی نظریں ہٹانا ناممکن ہوگیا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔'' بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ ''میں تمہاری مصیبتیں کم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اس ہرنی کو کہاں لیے جا رہے ہو۔''

فرقان کے اعصاب مفلوج ہوکر رہ گئے تھے۔ وہ ذرا بھی تو جنبش نہ کرسکتا تھا۔ صرف اس کا ذہن اس کے قابو میں تھا۔ وہ سوچ سکتا تھا۔ سن سکتا تھا۔ دیکھ سکتا تھا۔ محسوس کرسکتا تھا لیکن حرکت کرنا اس کے لیے محال تھا۔

پھر اس نے سلیمہ کو فرقان کے پہلو سے کھینچ لیا سلیمہ چیخی۔ ''فرقان بچاؤ'' وہ اس وقت غصہ سے پاگل ہوگیا۔ اس نے آگے بڑھنا چاہا مگر اس کے قدم گویا زمین نے پکڑ لئے تھے۔ اس کے جسم کو گویا غیر مرئی طاقت نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

''وہ اس وقت کچھ نہیں کرسکتا۔''

فرقان نے بے بسی سے دیکھا اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ اور حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ ''غاؤں...... غاؤں...... غوں......'' جیسے بے معنی الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔

پھر بوڑھے نے کمرے کا دروازہ بند کردیا...... سلیمہ پھر دوڑ کر فرقان کے پاس آ گئی۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے۔''

اس نے فرقان سے دریافت کیا۔ مگر فرقان پھر غوں غا کر کے رہ گیا۔

''ادھر آؤ......''

بوڑھے نے فرقان سے کہا۔

اور فرقان سحر زدہ انداز میں بوڑھے کی طرف آ گیا۔ بوڑھا دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اور فرقان دروازے سے ٹکرا گیا۔

''اب مڑ کر کھڑے ہو جاؤ......''

فرقان گھوم گیا۔ سلیمہ فرقان کے ساتھ تھی۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے بوڑھے کے ساتھ ساتھ

تھے۔ خبیث بوڑھے نے پھر سلیمہ کو گھسیٹ لیا اور بہت دیر تک اس بے بس لڑکی کے ساتھ فحش حرکات کرتا رہا۔ فرقان کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ صرف غصے سے آگ بگولہ ہوتا رہا اور آنسو بہاتا رہا۔

سلیمہ چیختی ہوئی فرقان کی طرف لپکی اور اس نے فرقان کے چہرے پر طمانچے مارے۔

''میری تمام مصیبتوں کے ذمہ دار تم ہو۔'' سلیمہ نے روتے ہوئے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

فرقان کچھ بھی نہ کرسکا۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں نے اس کا چہرہ تر کردیا تھا۔

خبیث بوڑھے نے فرقان سے کہا۔

''اب تم بول سکتے ہو۔''

اور فرقان کو محسوس ہوا گویا اس کے حلق میں پھنسا ہوا گولا نکل گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بوڑھے کے لیے مغلظات کا لاوا ابل پڑا۔

''اچھا اب اٹھو......''

بوڑھے نے سلیمہ کو کھڑا کردیا۔ سلیمہ اس وقت بری طرح رو رہی تھی پھر اس نے بھیڑیئے کے دونوں بچوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ جست مار کر مسہری پر چڑھ گئے اور ندیم کی لاش کو ادھیڑنا شروع کردیا۔ سلیمہ کی چیخیں کمرے میں گونج اٹھیں۔ پھر بوڑھا سلیمہ کو لے کر مسہری کے چاروں طرف رقص کرنے لگا۔ سلیمہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر بتر تھا۔ فرقان بھی رو رہا تھا۔

بھیڑیے کے دونوں بچوں کا جب پیٹ بھر گیا۔ تو وہ آرام سے فرش پر بیٹھ گئے۔

''اب تم جا سکتے ہو۔''

بوڑھے کی کریہہ آواز ابھری۔

فرقان کے جسم سے گویا بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ اس نے سلیمہ کو گلے لگا لیا۔

''مجھے معاف کردو سلیمہ۔''

''نکل چلو فرقان۔ یہاں سے نکل چلو۔''

وہ دونوں باہر جانے کے لیے دروازے کی سمت مڑے ہی تھے کہ بوڑھے کی آواز آئی۔

''ڈاکٹر یہ سب کچھ میں تمہاری خاطر کر رہا ہوں۔ ابانا کے بچوں کا پیٹ بھرنے کی ذمہ داری بھی تم نے مجھ پر ہی ڈال دی ہے۔ میں نے ندیم کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے ایسا کیا ہے۔ تم ابانا کو پسند کرتے ہو اور تم نے ہر ماہ دو عورتیں مجھے فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی لیے میں تمہارے احسان کا بدلہ چکا رہا ہوں۔''

فرقان، سلیمہ کو لے کر دروازے کی جانب بڑھا اور دروازہ کھول کر راہداری میں آ گیا۔ بوڑھا ان کے پیچھے پیچھے آیا۔

''بالکل بے فکر ہو جاؤ تمہیں کسی سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ پولیس سے بھی نہیں۔ وہ تم تک نہیں پہنچ پائے گی اور ہاں اس پورن ماشی کو میں نہ آسکا تھا لیکن اس چاند کی پہلی کو ضرور آؤں گا۔''

OOO

سلیمہ غسل خانے میں نہا رہی تھی۔ حویلی کے اس کمرے میں جو فرقان کا بیڈ روم تھا گھستے ہی اس نے غسل خانے کا رخ کیا تھا۔ اور فرقان بیچ کا دروازہ کھول کر ابانا کے کمرے میں گیا تھا۔ لیکن ابانا گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ فرقان نے اسے ٹھوکے دے کر بیدار کرنے کی بے سود کوشش بھی کی تھی اور اس وقت وہ ہیٹر کے سامنے کرسی پر بے سدھ پڑا ہوا۔ ان حالات پر غور کر رہا تھا جن سے وہ گزر رہا تھا۔ اسے سب سے زیادہ ملال اس بات کا تھا کہ سلیمہ بھی اس شیطانی چکر میں پھنس گئی ہے۔ سلیمہ جس کے لیے خبیث بوڑھے نے دھمکی دی تھی کہ نوچندی کے موقع پر ہی اسے پیش کی جائے۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا...... سلیمہ بوڑھے کی ہوس کی قربان گاہ پر نہیں چڑھے گی۔'' فرقان نے دل ہی دل میں کہا۔

وہ یہی جملے نیلے چشمے والی کوٹھی سے واپسی تک نا معلوم کتنی مرتبہ دل ہی دل میں دہرا چکا تھا۔ واپسی کا سفر اس نے نہایت تیز رفتاری سے طے کیا تھا۔ کیونکہ مضافات میں کئی خونی وارداتوں کے بعد شہر میں بھی پولیس کو چوکنا کر دیا گیا تھا اور پولیس والے اپنی کارکردگی جتانے کے لیے اس کی کار روک سکتے تھے۔ اور پھر سلیمہ اس کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔

پھر سلیمہ غسل خانے سے باہر آ گئی اس نے غسل خانے میں ٹنگا ہوا فرقان کا سلیپنگ سوٹ پہن رکھا تھا۔

''ارے...... میں لاتا ہوں کپڑے۔''

فرقان کھڑا ہو گیا۔

''نہیں ڈاکٹر......'' سلیمہ نے بڑی رکھائی سے کہا۔ ''کپڑے میرے لئے اب اپنے معنی اور مقصد کھو چکے ہیں۔ اگر تمہیں اس سلیپنگ سوٹ کے پہننے پر اعتراض ہے تو میں اتارے دیتی ہوں۔''

فرقان نے بڑھ کر سلیمہ کو پکڑ لیا۔

''سلیمہ!...... یقین جانو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے...... مگر...... مگر......''

وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا اور سلیمہ مسہری پر جا بیٹھی۔

پھر فرقان نے زبردستی اس کو سفید ساڑھی پہنا دی۔ اور خود غسل خانے میں گھس گیا۔

گرم پانی سے نہا کر اس کا ذہن ہلکا ہو گیا اور جسم میں رچی ہوئی تھکن گویا کافور ہو گئی۔ پھر ان دونوں نے چائے پی۔ سلیمہ اس عرصہ میں بالکل خاموش رہی۔ اس کی خاموشی نے فرقان کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

آخر خود اس نے سلیمہ سے کہا۔

''سلیمہ اگر تم کہو تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔''

سلیمہ نے حیرت سے فرقان کی طرف دیکھا اور استہزائی انداز میں ہنس دی۔ سلیمہ کا یہ انداز فرقان کے لیے خلافِ توقع نہ تھا۔ جن حالات سے وہ گذری تھی۔ اس کے بعد وہ اس جملے کو محض مذاق نہ سمجھتی تو کیا سمجھتی۔

پھر فرقان بڑی مشکل سے اسے یہ یقین دلا سکا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ سچ کہہ رہا ہے۔ اور جب سلیمہ کو اس بات پر یقین آ گیا تو وہ روہانسی ہو گئی۔

''مگر میں کیسے جاؤں گی؟ کس منہ سے جاؤں گی؟ تم نے مجھے اس قابل ہی کہاں چھوڑا ہے کہ میں اپنے خاندان میں واپس جا سکوں۔''

سلیمہ بلک اٹھی۔

وہ بری طرح سسکیاں لے رہی تھی۔ اور فرقان اسے دلاسہ دینے میں خود کو ناکام محسوس کر رہا تھا۔ بھلا وہ کس طرح اسے دلاسہ دے سکتا تھا۔

بات یہیں ختم ہو گئی۔

سلیمہ بڑی دیر تک پلنگ پر پڑی بلکتی رہی اس کا تمام جسم ہر ہر سسکی کے ساتھ لرز رہا تھا۔ اور جب اس کے دل کا غبار نکل گیا تو وہ پھر غسل خانے میں چلی گئی۔

تولیہ سے منہ پونچھتی ہوئی واپس آ کر اس نے کہا۔

''ڈاکٹر تم مجھ پر اتنا احسان کرو کہ مجھے اس بڈھے کے حوالے کرنے کی بجائے زہر دے دو۔''

اور اس مرحلے پر فرقان نے اس فیصلے کو الفاظ کی شکل دے دی جو کئی مرتبہ اس کے ذہن میں محض ایک خیال کی مانند ابھرا تھا۔

''سلیمہ......'' فرقان نے نہایت احتیاط سے کہا۔ ''سلیمہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ میری کسی بات پر شبہ نہ کرو میں پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں اور اس سلسلے میں میں تمہارے والدین سے بات چیت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر شرط یہی ہے کہ تم اس پر راضی ہو۔''

سلیمہ فرقان کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فرقان اس سے کیا کہنے والا ہے۔ مگر جن حالات میں وہ پھنسی ہوئی تھی ان میں وہ اس قدر مجبور تھی کہ اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکی۔

''ڈاکٹر میری مرضی سے کیا ہوتا ہے؟ میری مرضی کی کیا وقعت ہے......؟''

''نہیں سلیمہ......!'' فرقان نے سلیمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ ''سلیمہ...... میں نے طے کر رکھا ہے کہ تمہیں اس خبیث بوڑھے کے حوالے نہیں کروں گا...... خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔''

''شکریہ ڈاکٹر! خواہ یہ بات تم مجھے دلاسہ دینے کے لیے ہی کیوں نہ کہہ رہے ہو۔ بہر حال اس ہمدردی کا شکریہ......''

''میں فیصلہ کر چکا ہوں سلیمہ......'' فرقان نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اور اس سلسلے میں میں اپنے خلوص کے ثبوت کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اگر تم راضی ہو تو میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

''شادی؟......'' سلیمہ کے لیے یہ لفظ قطعی غیر متوقع تھا...... ''یہ کیا کہہ رہے ہو ڈاکٹر......؟''

''ہاں...... میں اس سلسلے میں بہت سنجیدہ ہوں۔''

سلیمہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

''ڈاکٹر!......ڈاکٹر!......''

اس نے اپنا سر فرقان کے چوڑے چکلے سینے میں چھپالیا۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

''مجھے بتاؤ سلیمہ......'' فرقان نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم تیار ہو۔''

سلیمہ نے بھیگی بھیگی متشکر آنکھوں سے فرقان کو دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے ڈاکٹر اپنے کانوں پر۔''

اسی لمحہ بند کمرے میں ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ ابانا کے کمرے میں کھلنے والے دروازے کی چٹخنی آپ سے آپ نیچے گرگئی۔ سلیمہ فرقان کے سینے میں پھر دبک گئی۔ فرقان بھی چوکنا ہوگیا۔ دروازہ کھل گیا تھا اور ابانا دروازے میں اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر وہ لہراتی ہوئی کمرے میں آگئی۔

''تم نے بہت صحیح فیصلہ کیا ہے۔ فرقان!'' ابانا کی مترنم آواز فضا میں گونجی۔ ''میں خود نہیں چاہتی تھی کہ یہ لڑکی جو خود میری محبوب ہے بوڑھے کے ہتھے چڑھے۔''

پھر وہ لہراتی ہوئی اور آگے بڑھی۔

''سلیمہ تمہیں فرقان کی بات مان لینی چاہیے۔'' اور سلیمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے بعد وہ رات بڑی گہما گہمی میں گذری جو کچھ بھی ہوا اس میں فرقان اور سلیمہ کا ہی کیا کسی اور کا بھی کوئی دخل نہ تھا۔ تنہا وہی عامل تھی اور باقی تمام معمول۔ پھر وہ تینوں شہر گئے۔ اس میں فرقان یا سلیمہ کا کوئی دخل نہ تھا۔ کار سلیمہ کے گھر کے قریب ایک گلی میں کھڑی کردی گئی تھی پھر ابانا انہیں انتظار کرنے کی ہدایت کر کے سلیمہ کے گھر کی طرف چلی گئی تھی۔ سلیمہ اور فرقان بے بسوں کی طرح کار میں بیٹھے رہے۔ ان کی قوت فیصلہ سلب ہوگئی تھی۔ پھر انہوں نے رات کے سناٹے میں دروازے پر دستک کی آواز سنی۔ ابانا سلیمہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ پھر ملی جلی باتوں کی آوازیں رات کے سناٹے میں گونجیں اور ذرا دیر بعد تیز تیز قدموں کی آوازیں آئیں۔ سلیمہ کے والد ابانا کے ہمراہ اسی تاریک گلی میں آئے تھے پھر وہ بھاگتے ہوئے کار تک آئے......

''سلیمہ......سلیمہ......میری بیٹی......''

انہوں نے کار کا دروازہ کھولا۔

''ابا!......''

سلیمہ کار سے نکل کر اپنے ابا کے گلے سے لپٹ گئی۔

اور اس کے بعد بڑی عجیب وغریب کیفیت میں بات شروع ہوئی اور اختتام کو پہنچی۔ فرقان سلیمہ اور اس کے والد محسوس کررہے تھے کہ ان کی زبان ان کے خیالات اور ذہن کا ساتھ نہ دے رہی تھی۔ وہ کہنا کچھ چاہتے تھے اور نکل کچھ اور رہا تھا۔ کرنا کچھ چاہتے تھے اور کر کچھ رہے تھے۔ سلیمہ کے والد کا ذہن

غصہ میں تپ رہا تھا۔ دل میں نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ مگر ان کی زبان سے ان کا یہ غصہ اور نفرت محبت کے بولوں کی شکل میں ادا ہو رہی تھی۔ فرقان کے لیے ان کی زبان محبت اور شفقت بنی ہوئی تھی۔ مگر ان کے ذہن میں اس کی طرف سے بے حد برہمی تھی۔

فرقان نے سلیمہ کے والد سے تمام واقعات سچ سچ کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر وہ اس مرحلے پر بالکل نئی داستان سنا رہا تھا۔ جس میں خود اس کی اپنی شخصیت بالکل معصوم بن کر ابھری تھی۔ سلیمہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ لیکن اس کا ذہن اپنی زبان کی اس بے باکی اور اس کے سامنے اپنی بے بسی پر آگ بن گیا تھا۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ سلیمہ کے والد کے لیے اپنی بیٹی کی یہ بے باکی ناقابل برداشت ہوگئی۔

''ذلیل کمینی......بدذات۔''

کہہ کر انہوں نے سلیمہ کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے آگے بقدم بڑھائے لیکن اگلے ہی لمحہ ذلیل کمینی بدذات کے الفاظ ''میری بیٹی......مجھے خوشی ہے تجھے تیرا جیون ساتھی مل گیا۔'' میں بدل گئے اور پھر وہ ہاتھ جو سلیمہ کو مارنے کے اٹھے تھے پھیلے اور انہوں نے سلیمہ کو آغوش میں لے لیا۔ پھر وہ غصہ سے فرقان کی طرف بڑھے ''میں تیرا گلا گھونٹ دوں گا کتے کے پلے۔'' انہوں نے کہنا چاہا۔ مگر ان کی زبان نے کہا۔ ''میں تمہارا احسان مند ہوں میں چاہتا تھا کہ میری بیٹی کو تمہارے جیسا شریف لڑکا مل جائے۔''

فرقان اور سلیمہ سمجھ چکے تھے کہ یہ سب کچھ ابانا کا کیا دھرا ہے۔ سو انہوں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور پھر تمام معاملات خود ابانا نے سلیمہ کے والد سے طے کئے۔ اور وہ شادی پر تیار ہوگئے۔

بات چٹ منگنی پٹ بیاہ والی تھی۔ ابانا نے تمام مسئلہ اس انداز میں سلجھایا تھا کہ اسی وقت نکاح اور شادی کا فیصلہ بھی ہوگیا۔ پھر وہ سب سلیمہ کے گھر گئے۔ گھر میں جاگ ہوگئی۔ اور پھر ایک افراتفری مچ گئی۔ قاضی کو بڑی مشکل سے رات کے پچھلے پہر آکر نکاح کی رسم ادا کرنے پر راضی کیا جاسکا۔ بہت سادگی اور انتہائی عجلت میں تمام کارروائیاں مکمل ہوگئیں اور سلیمہ کی رخصتی ہوگئی۔ جس لباس میں وہ حویلی سے گھر گئی تھی اسی میں اسے گھر سے رخصت کیا گیا۔ سلیمہ کی والدہ اور والد وہ تمام ملبوسات اور زیوات سلیمہ کے ساتھ کرنے پر بضد تھے جو انہوں نے سلیمہ کی شادی کے لیے تیار کئے تھے۔ مگر فرقان کوئی چیز لینے پر تیار نہ تھا۔

''میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ نے میری درخواست منظور کرلی۔'' اس نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔

رخصت ہو کر فرقان ابھی تھوڑی دور ہی گاڑی لے کر گیا تھا کہ اسے اچانک ابانا کی عدم موجودگی کا خیال آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ اس کے وجود پر جو ایک نامعلوم سا دباؤ تھا وہ کم ہوگیا ہے۔

''ابانا نامعلوم کہاں رہ گئی۔'' فرقان نے سلیمہ سے دریافت کیا۔

''ارے ہاں......'' سلیمہ نے کہا۔ ''واپس چلو......''

فرقان نے گاڑی موڑی ہی تھی کہ سامنے وہی خبیث بوڑھا روشنی میں آ گیا۔

''ہاہا...... ہاہا......'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''ڈاکٹر تم نے جو کچھ سوچا ہے وہ نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں میری بات ماننی ہی ہوگی......''

فرقان نے پوری قوت سے ایکسیلٹر دبا دیا۔ گاڑی بوڑھے کی طرف غراتی ہوئی بڑھی مگر بوڑھا ایک ہی جست میں چھلانگ لگا کر اس کی زد سے نکل گیا۔ وہ اب کار کے پہلو میں تھا۔ سلیمہ فرقان سے لپٹ گئی تھی۔

''میں اس لڑکی کو نوچندی کے موقع پر چاہتا ہوں۔''

''گدھے کے بچے خبیث......'' فرقان نے کار آگے بڑھائی اور اسے رفتار دے دی۔

مگر بوڑھا چھلانگ لگا کر کار کے بونٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا جسم چکنے بونٹ پر چھپکلی کی مانند چپکا ہوا تھا۔ ''ڈاکٹر تم بچ نہیں سکتے۔ تمہیں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔''

''میں تیار ہوں......''

ڈاکٹر نے کہا اور کار روک دی۔ بوڑھے کے بونٹ پر بیٹھنے کی وجہ سے اسے راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

''فرقان...... فرقان......'' سلیمہ نے کہا۔ ''کار چلاؤ۔''

اور اس مرتبہ فرقان نے بوڑھے کو بونٹ سے گرا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے پھر کار چلائی۔ کئی مرتبہ اچانک بریک لگائے۔ کئی مرتبہ اس نے کار کو لہرایا۔ مگر ہر مرتبہ بوڑھے کا کریہہ قہقہہ فضا میں گونجتا رہا۔ فرقان نے پھر کار روک دی اور اس مرتبہ بوڑھے نے اپنا ایک پتلا ہاتھ کھڑکی سے اندر ڈال کر سلیمہ کے کندھوں پر رکھ دیا۔

اور سلیمہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔

اور عین اسی لمحہ بوڑھا بڑے کرب سے ڈکرایا۔ اس کی بائیں کلائی پر خون کی ایک لکیر پیدا ہوئی اور بونٹ پر پھسلنے لگی۔ پھر اس کے دائیں بازو پر اچانک ایک خراش پیدا ہوئی۔ اور خون بھل بھل بہنے لگا۔

''ابانا......''

بوڑھا زور سے چیخا اور سڑک کے ساتھ نشیب کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

فرقان نے بوڑھے کے فرار ہوتے ہی کار کو ہوا کر دیا۔ مضافات کو جانے والی نیم پختہ پہاڑی سڑک پر کار زناٹے سے آگے بڑھتی جا رہی تھی سلیمہ ابھی تک خوف سے بے ہوش تھی اور اس کا سر ڈھلک کر کھڑکی سے باہر آ گیا تھا۔ فرقان کے ذہن میں آگ بھری ہوئی تھی۔ وہ اس وقت جلد سے جلد حویلی پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے یہ بات بڑی پریشان کن تھی کہ آخر بوڑھے کے جسم پر اچانک زخم کیسے پڑ گئے تھے۔ ان زخموں کا انداز ایسا ہی تھا گویا کوئی تربوز میں چھری گھونپ دے اور اس کے بعد ہلکی ہلکی سی سرخی اس شگاف سا نظر آنے لگے۔

اب وہ نیم پہاڑی راستے کا سب سے خطرناک حصہ طے کر رہا تھا۔ اس راستے کے ایک طرف بلند و بالا پہاڑ اور دوسری طرف گہرا گھڈ تھا۔ جس کے ساتھ کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہ تھی۔ یہ ایک قدرتی راستہ تھا۔ سڑک پتھریلی چٹان کی ہمواری کے ساتھ بنی ہوئی تھی۔ اور کھڈ کی جانب یہی چٹان بالکل عمودی سمت میں نیچے چلی گئی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا کسی نے اس چٹان کو نہایت مہارت سے نیچے کئی سو فٹ کی گہرائی تک کاٹ دیا ہو۔ یہ راستہ ایک میل تک چٹان پر بالکل سیدھا چلا گیا تھا۔ فرقان نے ایک مرتبہ کار کی ہیڈ لائٹس کو تیز کیا اور کار کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ فرقان کا ہاتھ اسٹیرنگ پر بہکا اور کار کی بائیں جانب کا اگلا پہیہ سڑک کو چھوڑ کر کھڈ کی طرف معلق ہو گیا۔ اور چشم زدن میں پچھلا پہیہ بھی سڑک سے اتر چکا تھا۔ کار کا بوجھ کھڈ کی طرف ہو گیا تھا۔ فرقان نے کار کی رفتار اور بڑھا کر کار کو دائیں جانب کاٹنے کی کوشش کی مگر اگلا پہیہ چٹان سے ٹکرا کر رہ گیا۔ اور کار کو زوردار جھٹکا لگا۔ اور وہ کھڈ کی طرف جھک گئی۔ فرقان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ کار اگلے لمحہ کھڈ میں گرنے والی تھی۔ اس نے دائیں جانب کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ اور ناکام ہو گیا۔ ایک لمحہ اور گزرا۔ اب کار نصف سے زیادہ کھڈ کی طرف جھک گئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اس سے اگلے لمحہ اس سے قبل کہ کار کھائی میں الٹتی کار پھر سڑک کی جانب ڈھلک گئی۔ اب کار کے اگلے دونوں پہیے اور پچھلا ایک پہیہ سڑک پر تھا۔ فرقان نے ہوش و حواس بجا کیے اور اگلے لمحہ اس نے پھر اسٹیرنگ سنبھال کر کار کو رفتار دے دی۔ سڑک کا یہ خطرناک حصہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ صرف نصف فرلانگ کی بات اور تھی۔ پچھلا پہیہ اب بھی کھڈ کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اور فرقان کو ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا کوئی نامعلوم قوت اس پہیہ کو سہارا دیئے ہوئے ہے۔

سڑک کا یہ خطرناک حصہ ختم ہو گیا تھا۔ اب اس کی کار کے چاروں پہیئے سڑک پر تھے۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور کار کو آہستہ کر دیا۔ وہ اس وقت موت کے منہ سے بچ کر نکلا تھا۔ بس یہ معجزہ ہی تھا کہ اس کی کار جو کھڈ کی سمت ڈھلک گئی تھی۔ اچانک سیدھی ہو کر پھر سڑک پر آ گئی تھی۔ فرقان نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ سلیمہ نے کسمسا کر پہلو بدلا اور آنکھیں کھول دیں۔

''فرقان......'' اس نے فرقان کے بازو کو پکڑے ہوئے کہا۔ ''وہ خبیث کہاں گیا؟''

فرقان نے کوئی جواب نہ دیا اور سلیمہ کی پیٹھ کو دلاسہ دینے کے انداز میں سہلانے لگا۔

''کس قدر خوفناک رات ہے۔'' سلیمہ نے پھر کہا۔

''خوفناک بھی اور حسین بھی۔'' فرقان نے سلیمہ سے کہا۔ ''میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔''

''میں تمہاری شکرگزار ہوں ڈاکٹر۔''

''اس میں شکرگزاری کی کوئی بات نہیں۔'' فرقان نے کہا۔

''میں نے اپنے ایک جرم کا تاوان ادا کیا ہے۔ شکرگزار تو میں ہوں تمہارا۔''

جس وقت وہ حویلی پہنچے سورج کی پہلی کرن نے حویلی کے سب سے بالائی حصہ پر تڑپ کر ان کا استقبال کیا۔ فرقان اور سلیمہ حویلی میں آئے۔ ان کے اعصاب پر اضمحلال طاری تھا۔ رات بھر کی بیداری کے بعد ان کی آنکھیں بری طرح جل رہی تھیں۔ اور پے در پے کئی واقعات نے ان کے ذہن کو

مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت صرف سونا چاہتے تھے۔ ان میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی تھیں۔

سلیمہ پلنگ پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گئی۔ مگر فرقان کے لئے رات کے تمام واقعات نہایت پریشان کن تھے۔ پھر اسے ابانا کا خیال آیا۔ وہ نا معلوم کہاں ہو گی؟ اچانک ایک کھٹکے سے وہ چونک پڑا یہ کھٹکا ابانا کے کمرے میں ہوا تھا۔ فرقان ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ابانا کے کمرے میں آیا۔

ابانا لہولہان حالت میں اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ جگہ جگہ اس کے جسم میں خراشیں تھیں۔ اس کا لباس تار تار تھا۔ جسم میں جگہ جگہ زخم تھے اور وہ بڑے اطمینان سے کھڑی اپنی سرخ لپلپاتی زبان سے اپنے ہی خون کو چاٹ رہی تھی۔ اس کے پاس ہی ایک سیاہ بلی بھی اس کے پیروں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہوا ابانا؟'' فرقان نے اس سے دریافت کیا۔

مگر ابانا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب بھی اپنے ہی خون کو بڑی لذت سے چاٹے جا رہی تھی۔

''کچھ تو بتاؤ تم تھیں کہاں؟''

''اس وقت مجھے پریشان نہ کرو میں اس وقت اپنے خون کی لذت سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پھر اپنی کلائی کے زخم کو چاٹنے لگی۔

فرقان اس کے پاس آ گیا۔ اسے ابانا کی اس حالت پر بیحد دکھ ہوا۔ وہ ابانا کو کسی تکلیف میں دیکھنا نہ چاہتا تھا۔ ابانا اس کی تمام پریشانیوں کی ذمہ دار تھی۔ یہ بات ٹھیک تھی مگر اس کے باوجود ابانا کے لیے اس کے دل میں محبت اور چاہت کے سوا کوئی جذبہ موجود نہ ہوتا تھا۔ ان لمحات کی بات اور تھی جب ابانا اس کے سامنے نہ ہوتی تھی۔ ایسے اوقات میں کبھی کبھار وہ ابانا کے بارے میں وسوسوں اور اس کے خلاف جذبات اور خیالات کا شکار ہو جاتا تھا۔ لیکن جب ابانا سامنے ہوتی تو وہ اس کے لیے سراپا محبت بن کر رہ جاتا۔

وہ ابانا کے پاس آ گیا اس نے ابانا کے بازوؤں پر ہاتھ رکھا۔ ''ابانا'' اس نے سرگوشی سے کہا۔

''مجھے بتاؤ یہ سب کیسے ہوا؟''

پھر وہ ابانا کی پشت پر آیا۔ ابانا کی پشت پر جگہ جگہ سے ساڑھی مسک گئی تھی۔ اور اس کی کمر پر گردن سے لے کر ریڑھ کی آخری ہڈی تک ٹائر کے نشان تھے۔ یہ نشان اس کی اپنی کار کے ٹائر کے نشانوں سے ملتے جلتے تھے۔

اس نے پھر ابانا کو پلٹ کر اپنی طرف کر لیا۔ ''یہ سب کیا ہے مجھے بتاؤ......''

''میں سب کچھ تمہیں بتا دوں گی فرقان! لیکن پہلے مجھے اپنا خون صاف کر لینے دو۔ اور ہاں تمہاری کار کے بونٹ پر بابا کا خون جما ہوا ہوگا۔ اسے گیلی روئی سے کسی شیشی میں جمع کر لو۔''

''مگر کیوں......؟''

جواب میں ابانا نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ اپنے سوال کے جواب پر اصرار نہ کر

سکا۔ اور خاموشی سے باہر چلا گیا۔

فرقان جب واپس آیا تو اس نے ابانا کو مسہری پر لیٹا پایا۔ سیاہ بلی جس کی آنکھیں موتیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس کے جسم کے زخموں کو چاٹ رہی تھی۔ فرقان نے وہ شیشی جس میں اس نے بونٹ پر جما ہوا خون گیلی روئی سے نچوڑا تھا۔ ابانا کو دے دی۔ اس شیشی میں روئی کا وہ پھاہا بھی تھا۔ جو اس نے خون کو نچوڑنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ ابانا یہ شیشی لے کر فتحمندانہ انداز میں ہنسی۔ اس نے سیاہ بلی کو اٹھا کر اپنی بانہوں میں لے لیا۔

''اچھا ڈیئر اب تم سو رہو۔ میں بھی سوتی ہوں۔'' ابانا نے ایک انگڑائی لی اور بلی کو اپنے پہلو میں لے کر اس نے کروٹ بدل لی۔

☆......☆

ابھی دن چڑھا ہی تھا کہ فرقان کی آنکھ دروازے پر زوردار دستکوں سے کھل گئی۔ سلیمہ بھی جاگ چکی تھی۔ فرقان نے دروازہ کھولا تو اس کا ملازم بڑے گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا......

''صاحب پولیس ہے کئی آدمیوں کے ساتھ۔''

''ان سے کہو میں ابھی آتا ہوں۔'' فرقان واپس آ گیا۔ پولیس! آخر پولیس کا کیا کام کہیں انہیں کسی طرح یہ تو علم نہیں ہو گیا کہ ان دو سپاہیوں کو میں نے ٹھکانے لگایا ہے؟ یہ اور اس قسم کے کئی اور اندیشے اس کے ذہن میں پیدا ہوئے۔

ابھی وہ منہ ہاتھ دھونے کے لیے باتھ روم میں داخل ہوا ہی تھا کہ پولیس انسپکٹر کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔ ان کے پیچھے مسٹر فرید، سلیمہ کے والد بھی تھے۔''

''یہ رہی میری بیٹی......سلیمہ......'' وہ یہ لفظ کہہ کر اپنی بیٹی کی طرف بڑھے۔ فرقان باتھ روم سے نکل آیا۔

''یہ کیا حماقت ہے انسپکٹر حمید......''

فرقان نے برہمی کے لہجے میں کہا۔

تب اسے پتہ چلا کہ سلیمہ کے والد نے آج صبح ہی تھانے کو فون کر کے پولیس کو اطلاع دی تھی۔ کہ ان کی بیٹی کو ڈاکٹر فرقان نے اغوا کر لیا ہے۔

''اغواء......'' فرقان نے کہا۔ یہ آپ نے رپورٹ کرائی ہے؟''

''ہاں میں نے کرائی ہے۔''

''مگر رات تو آپ نے خود سلیمہ کی شادی میرے ساتھ کی ہے۔''

فرقان نے کہا۔

''وہ شادی تھی یا ہنگامہ تھا۔ نا معلوم میرے ذہن کو کیا ہو گیا تھا۔ میں اس وقت بھی اس شادی پر تیار نہ تھا۔ سمجھے......'' فرید نے کہا۔

بات بہت آگے بڑھتی مگر ثبوت کے طور پر جب فرقان کار سے نکاح نامہ لینے گیا تو اسے پتہ

چلا کہ اس کے گرد جال بہت مضبوط بنایا گیا ہے۔ کار کے ڈیش بورڈ سے نکاح نامہ غائب تھا۔ مگر پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے کہا۔

''نکاح نامہ غائب ہے۔ مگر قاضی کے پاس یقیناً نکاح نامے کی نقل ہوگی.....''

''کون سے قاضی کے پاس؟''

انسپکٹر نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔

''قاضی ابرار حسین کے پاس۔''

''قاضی ابرار کا تو کل صبح انتقال ہو چکا ہے۔''

''تو پھر وہ کون سا قاضی تھا جسے کل رات آپ لائے تھے۔''

''میں کوئی قاضی نہیں لایا تھا ڈاکٹر! سارا انتظام تم ہی نے کیا تھا۔'' فرید نے کہا۔

بڑی عجیب بات تھی۔ ایک گھنٹے کی چخ چخ کے دوران کہیں ایک مرتبہ بھی فرید نے ابانا کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح گفتگو کر رہا تھا گویا کل رات شادی کی بات چیت سے لے کر شادی کے مرحلے تک کہیں بھی ابانا موجود نہ تھی۔ فرقان ایک اعتبار سے اس پر خوش بھی تھا۔ ورنہ ابانا کا تذکرہ اس کے لیے پریشانیوں کا سبب بن سکتا تھا۔

فرقان کے خلاف اغوا اور دھوکا دہی کا کیس بڑا مضبوط تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر فرید کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کچھ بھول رہے ہیں۔ یا پھر آپ دانستہ کسی کے ایما پر مجھے بدنام کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ رات آپ نے خود شادی پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ خود شادی میں آپ وکیل بنے تھے۔ سلیمہ کو خود رخصت کرتے ہوئے کار میں بٹھایا تھا۔ کیا آپ کو کچھ بھی یاد نہیں۔''

''یہ سب کچھ مجھے یاد ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھ سے یہ سب کچھ زبردستی کرایا گیا تھا۔ پھر مجھے یہ بتاؤ کہ وہ قاضی کون تھا۔ جس نے نکاح پڑھوایا۔ وہ نکاح نامہ کہاں ہے؟ قاضی ابرار حسین کہاں ہے؟ تم نے سب کچھ فراڈ کیا ہے۔ تم میری بیٹی کو دھوکا دے رہے ہو۔ شاید تمہیں یہ پتہ چل گیا ہے کہ اس کے چچا نے اپنی جائیداد سلیمہ کے نام کر دی ہے۔ تم شاید یہی جائیداد ہتھیانے کے چکر میں ہو۔''

''بس بس آپ خاموش رہیں فرید صاحب!'' انسپکٹر نے کہا۔ ''آپ اپنا یہ بیان پولیس میں درج کرائیے گا۔''

آخر میں سلیمہ ہی اس کے کام آئی۔ اس نے پولیس پارٹی کے سامنے اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ پھر اس نے اپنے اغواء سے لے کر فرقان سے شادی کرنے تک کے وہ تمام واقعات بیان کر دیئے جو رات اس نے اپنے والد کو بتائے گئے تھے۔ اور جس کہانی کے مطابق وہ اغوا کے الزام سے مبرا ہو کر محض ایک ہمدرد اور مخلص شخص کے روپ میں ابھرتا تھا۔

بہر حال فرقان کی کوئی نہ چلی پولیس کے ساتھ اسے اور سلیمہ کو جانا ہی پڑا مگر اس سے پہلے اس نے فون کر کے عثمانی کو ضرور مطلع کر دیا۔ اور اسے ضمانت کا انتظام بھی کرنے کے لیے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ انسپکٹر حمید، فہیم کا گہرا دوست اور اسکول کا ساتھی ہے لہذا وہ فہیم کے لیے اسے ہر طرح ذلیل کرنے کی کوشش

کرے گا۔

پھر وہ ابانا کے کمرے میں آیا۔ ابانا بیدار تھی۔ اس نے فرقان کو دیکھتے ہی قہقہہ لگایا۔

''ڈیئر سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے۔ مگر فکر نہ کرو۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا۔ ابانا تمہارے ساتھ ہے۔''

فرقان نے کچھ کہنا چاہا مگر ابانا نے کہا۔

''بس اب تم جاؤ میری فکر نہ کرو۔ میں اب اپنی دیکھ بھال خود کر سکتی ہوں۔''

تھانے میں کاغذی کارروائی کے بعد فرقان کی گلو خلاصی ہوگئی۔ یہاں سب سے عجیب بات یہ ہوئی کہ مسٹر فرید نے پین نکالا تو ان کی شیروانی کی جیب سے کچھ کاغذات بھی گر گئے۔ حالانکہ ان کاغذات کے گرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی سلیمہ نے چیخ مار کر کہا۔

''فرقان، انسپکٹر صاحب...... نکاح نامہ یہ رہا۔''

سلیمہ کے منہ سے یہ الفاظ بے ساختگی سے ادا ہوئے تھے۔ اس میں اس کے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا۔ سلیمہ کی نظریں بھی کاغذات کی طرف نہ تھیں۔ لیکن اس کی انگلی فرش پر پڑے ہوئے کاغذات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ فرقان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ابانا یہیں کہیں آس پاس موجود ہے۔ فرقان نے تیزی سے کاغذات اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ مگر فرید صاحب نے اس سے پہلے ہی کاغذات اٹھا لئے تھے۔

''لو دیکھ لو کہاں ہے نکاح نامہ......'' انہوں نے جھلا کر کہا۔

فرقان نے کاغذات کو کھولا۔ کئی کاغذات میں تہہ کیا ہوا نکاح نامہ موجود تھا۔ اور اس پر قاضی ابرار حسین کے نہیں بلکہ قاضی اقرار احمد کے دستخط تھے۔

نکاح نامہ نکل آنے کے بعد فرید صاحب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے پاگلوں کی طرح کہا۔

''یہ ہرگز میرے پاس نہیں تھا۔''

''مگر حضور یہ نکلا تو انہیں کاغذات میں سے ہے۔'' انسپکٹر حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں خود حیران ہوں انسپکٹر......''

فرید صاحب نے کہا۔

انسپکٹر کیا کہتا وہ خود حیران تھا۔ تعجب خیز بات یہ تھی کہ یہ نکاح نامہ کئی کاغذات کے اندر تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔ پھر سلیمہ نے کس طرح پورے یقین سے اس نکاح نامے کی موجودگی کا اعلان کر دیا تھا حالانکہ وہ نظر بھی نہیں آرہا تھا۔

معاملات گنجلک ہو گئے تھے۔ قاضی اقرار کو بلایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ رات کو انہوں نے پچھلے پہر نکاح پڑھایا تھا۔ مگر وہ فرقان کو دولہا ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

''نہیں صاحب یہ ہرگز دولہا نہیں تھے۔ ان کا رنگ تو ماشاء اللہ نہایت صاف اور اجلا ہے۔''

اور رات جس شخص کا نکاح میں نے پڑھایا تھا۔ اس کا رنگ اتنا صاف نہ تھا۔ پھر اس کی ناک پر تل بھی تھا۔''

قاضی اقرار احمد نے جس شخص کا حلیہ بیان کیا تھا۔ وہ ندیم سے ملتا جلتا تھا۔

''مگر آپ نے یہ نکاح کہاں پڑھایا تھا؟''

انسپکٹر صاحب نے دریافت کیا۔

اور تب قاضی اقرار احمد نے بڑی عجیب کہانی سنائی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ رات کو جانے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ مگر انہیں زبردستی پستول دکھا کر لے جایا گیا۔

''یہ صاحب......'' قاضی اقرار احمد نے فرید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے اوپر پستول تانے ہوئے تھے۔''

''اور لے کر کہاں گئے تھے۔؟''

انسپکٹر نے سوال کیا۔

''نیلے چشمہ والی کوٹھی۔''

قاضی اقرار احمد نے کہا۔

''وہ تو بہت دور ہے۔''

یہ کار میں لے کر گئے تھے۔'' قاضی اقرار احمد نے کہا...... ''میں نے اس کار کا نمبر بھی دیکھا تھا۔ FA-708'' یہ ڈاکٹر فرقان کی اس کار کا نمبر تھا جو فہیم لے کر گیا تھا۔

''پھر انسپکٹر نے نکاح نامہ ان کے سامنے پیش کیا۔ یہ دستخط اور تحریر آپ ہی کی ہے۔''

قاضی اقرار احمد نے بڑے غور سے اس نکاح نامے کو دیکھا۔

''لگتی تو میری ہی ہے مگر کسی نے بڑی مہارت سے جعلسازی کی ہے۔ اور دستخط جی ہاں یہ تو میرے ہی ہیں۔ مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' انہوں نے سر کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ ''مگر جناب یہ فارم میرے رجسٹر کا نہیں ہے۔ اس فارم پر تو کوئی نمبر بھی نہیں ہے۔''

اس مرحلے پر فرقان نے انسپکٹر کو بتایا کہ جس شخص کا حلیہ قاضی نے بتایا ہے وہ اس کے ایک عزیز ندیم کا ہے۔ کار کا جو نمبر قاضی نے بتایا ہے وہ اس کی کار کا ہے جسے دو دن قبل ندیم لے گیا تھا۔ اور نیلے چشمے والی کوٹھی کا مالک خود ندیم ہی ہے۔ فرقان نے یہ تمام باتیں اس مرحلے پر بتانے کا فیصلہ کیا کہ بعد میں بھی ان باتوں کو سامنے آنا تھا۔ اور اس وقت اس سے دریافت کیا جا سکتا تھا کہ اس نے یہ بات پہلے ہی کیوں نہ بتائی۔

مگر یہ مسئلے کا کوئی حل نہ تھا۔ اور اس مسئلے کا حل سلیمہ نے یہ نکالا۔

''اگر آپ کہتے ہیں کہ شادی نہیں ہوئی ابو تو ہم پھر اب عدالت میں جا کر شادی کئے لیتے ہیں۔ میں بالغ ہو چکی ہوں۔ میں اپنی مرضی کی مالک آپ ہوں۔''

سلیمہ کی اس دھمکی نے فرید صاحب کو خاموش کر دیا اور انسپکٹر کو یہ راہ سوجھ گئی کہ وہ اس قصے کو

اس سطح پر نمٹا دے۔

''فرید صاحب آپ جائیے۔ رات کے معاملات پر غور کیجئے۔ سوچئے کہ رات کو آپ نے کس کی شادی کرائی تھی قاضی کہاں لے کر گئے اور قاضی صاحب آپ بھی جا سکتے ہیں۔ اور ہاں......''

اور اس کے بعد فون پر انسپکٹر کو جو اطلاع ملی اس نے تو گویا معاملے کو بالکل ہی چوپٹ کر دیا تھا۔

یہ فون قتل کی اطلاع سے متعلق تھا۔ اور قتل نیلے چشمے والی کوٹھی میں ہوا تھا۔ فرقان نے اپنے گرد قانون کے حلقے کی گرفت تنگ ہوتے ہوئے محسوس کی۔ وہ ابھی تک اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح نیلے چشمے والی کوٹھی کا معاملہ آگے نہ بڑھے۔

''کون قتل ہو گیا......؟''

اسے بہر حال دریافت کرنا ہی پڑا۔

''معلوم نہیں......'' انسپکٹر نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کم بخت نے نہ نام بتایا نہ کچھ اور صرف قتل کی اطلاع دی ہے۔''

اس نے فرید اور قاضی اقرار کو گھر جانے کی اجازت دیدی۔ لیکن انہیں یہ ہدایت کی کہ وہ پولیس کی اجازت کے بغیر شہر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اور پھر اس نے پولیس کے سپاہیوں کی ایک پارٹی ترتیب دی اور روزنامچہ میں روانگی کا اندراج کرنے لگا۔

''ڈاکٹر فرقان......'' اس نے کہا۔ ''آپ کیونکہ نیلے چشمے والی کوٹھی کے مالکان کے عزیز ہیں لہذا آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

فرقان نے حامی بھر لی۔ اور سلیمہ اڑ گئی فرقان کو اسے بھی ساتھ لے جانے پر آمادہ ہونا پڑا۔

☆......☆

نیلے چشمے والی کوٹھی اپنی تمام تر رنگینی کے ساتھ اس وقت بے حد سوگوار لگ رہی تھی۔ اس کے پاس کھڑے ہوئے چیڑ، اخروٹ، دیودار کے سدا بہار درختوں سے ہوا سسک سسک کر بہہ رہی تھی۔

پولیس پارٹی کوٹھی میں داخل ہو چکی تھی۔ ایک سپاہی بڑے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ سلیمہ اور فرقان باہر کھڑے تھے۔ فرقان نے سلیمہ کا پسیجا ہوا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ تھانے سے یہاں تک اپنی کار میں آتے ہوئے راستے میں اس نے سلیمہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ صرف یہ بیان دے کہ اس سے قبل وہ کبھی اس کوٹھی میں نہیں آئی۔

''یہ سب اسی بوڑھے کی کارستانی معلوم ہوتی ہے......'' سلیمہ نے اس سے کہا تھا۔ اور وہ اثبات میں سر ہلا کر خاموش ہو گیا تھا۔ خود اس کا بھی یہی خیال تھا کہ بوڑھا اب اس سے انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔

پولیس اندر کوٹھی میں مصروفِ تفتیش تھی۔ ایک سپاہی کو پولیس وین دے کر شہر دوڑا دیا گیا تھا۔ انسپکٹر نے انہیں ابھی تک کوٹھی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اور وہ دونوں باہر ہی ٹہل رہے

تھے۔ ان لمحوں میں سلیمہ فرقان سے اپنی احسان مندی کا ذکر کر رہی تھی۔

پھر شریف عثمانی بھی وہاں پہنچ گیا۔ ہمیشہ کی طرح منہ پھٹ اکل کھرا۔ اس نے ڈاکٹر فرقان کو دیکھتے ہی کہا۔

''ہیلو ڈاکٹر...... یار بڑے خوش قسمت ہو۔ آداب بھابی!'' سلیمہ سمٹ گئی۔

''وہ تمام معاملات ٹھیک ہو گئے ہیں مجھے اب ضمانت کی ضرورت نہیں ہے۔'' فرقان نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''پرانی خبریں نہ دھرایا کرو ڈاکٹر کسی رپورٹر کے سامنے۔'' عثمانی نے کہا۔

''اور ابھی تم پرانی خبر ہی کی مبارک باد دے رہے تھے۔''

''خبر کی نہیں ایک خوشی پر مبارکباد دے رہا تھا۔'' عثمانی نے تصیح کرتے ہوئے کہا۔ ''اور ہاں قتل کس کا ہو گیا؟''

سلیمہ نے فرقان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ''معلوم نہیں یہ پولیس والے نہ تو مجھے اندر جانے دیتے ہیں نہ کچھ بتا ہی رہے ہیں۔ تمہی معلوم کرو۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' عثمانی آگے بڑھ گیا۔

کافی دیر بعد انسپکٹر حمید باہر آیا۔ اس نے آواز دی۔

''ڈاکٹر فرقان ذرا اندر آیئے۔''

فرقان سلیمہ ساتھ ساتھ آئے تھے۔

انسپکٹر نے سلیمہ کو روک لیا۔

''آپ اندر نہ جائیں۔''

''میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ میں ڈاکٹر کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''مناسب نہ ہوگا۔ آپ برداشت نہ کر پائیں گی۔'' انسپکٹر حمید نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

بہر حال سلیمہ بھی اس کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اب وہ اس کمرے میں تھے جہاں رات سلیمہ انتہائی کرب اور کراہت سے گزری تھی۔ عثمانی کمرے کے مختلف حصوں کی تصاویر اتار رہا تھا۔ مسہری پر اس جگہ، جہاں رات سلیمہ بندھی ہوئی پڑی تھی۔ کچھ پھول سہرے اور سرخ عروسی کا جوڑا پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پہلو میں جہاں رات بھیڑیئے کے بچے ندیم کی لاش سے گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ کئی ہڈیاں اور ان پر چمٹا ہوا گوشت اور گوشت کے لوتھڑے، انتڑیاں اور اوجھڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بھی سرہانے پھول، اور سہرے پڑے ہوئے تھے۔ مسہری کے ایک کونے پر ڈاکٹر فرقان کی پتلون اور کوٹ تھا۔

سلیمہ نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور فرقان کے بازو میں سمٹ گئی۔

''تم باہر چلی جاؤ......''

''میں نہیں جا سکتی ڈاکٹر...... تمہارے بغیر مجھے ہر لحہ یہی دھڑکا لگا رہے گا کہ......''

''اچھا...... ٹھیک ہے۔ پھر تم ادھر نہ دیکھو۔'' اس نے سلیمہ سے کہا۔

سلیمہ نے منہ پھیر لیا۔ تب اس نے دیکھا کہ اس کا اپنا لباس جس میں وہ اس کوٹھی میں آئی تھی۔ اسی کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے۔ مگر اس نے اس وقت فرقان سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

''کچھ قیاس کیا یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''نہیں......'' فرقان کا جواب تھا۔

پھر اس نے کوٹ اور پتلون کی گٹھری سے کوٹ کا ایک دامن ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس لاش کا سر ہے۔ دیکھئے۔''

ڈاکٹر فرقان نے جھک کر دیکھا۔ اور اس کے منہ سے ایک چیخ سی ابھری۔

''ندیم......''

انسپکٹر نے پھر اس کا سر کوٹ کے دامن سے ڈھک دیا۔ اور ان دونوں کو باہر لے آیا۔

''ہمیں لڑکی کی لاش کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔

''مگر آپ کو لڑکی کی لاش کی کیوں تلاش ہے۔'' فرقان نے کہا۔

''اس لیے کہ لڑکی کے دو جوڑے کمرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک شب عروسی کا جوڑا اور دوسرا عام روزمرہ کا جوڑا اور یہ بھی اس مسہری سے ملا ہے۔'' انسپکٹر نے ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ یہ نکاح نامہ اس کے اور سلیمہ کی شادی سے متعلق تھا۔

پولیس کے اور بھی کئی بڑے افسر کوٹھی پر پہنچ چکے تھے۔ معائنے کے بعد ندیم کے گھر فون کیا گیا اور وہ لوگ بھی یہاں پہنچ گئے۔ ندیم کی والدہ ندیم کا سر اور مسخ شدہ لاش دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ندیم کے دوسرے بھائی، بہنوں کی حالت بھی خراب تھی۔ ہوش میں آتے ہی ندیم کی والدہ نے فرقان کو الٹی سیدھی سنانی شروع کر دیں۔

''مجھے یہ سب تیری ہی کارستانی لگتی ہے۔''

''خالہ یقین کریں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ تو گذشتہ ہفتے میرے گھر ایک تقریب میں آیا تھا۔ وہاں اس نے بڑی بے ہودگی کی تھی۔ اور میں نے اسے نکال دیا تھا۔ اگلے دن وہ مجھ سے معافی مانگنے آیا تھا۔ اور اسی دن سخت بارش ہو رہی تھی۔ اس نے میرا ایک سوٹ بھی لیا تھا اور کار لے کر وہاں سے چلا آیا تھا۔ میں نے آپ کے گھر فون کیا تھا اس بارے میں اور مجھے آج ہی تھانے میں یہاں قتل کی اطلاع ملی تھی۔ مجھے تو گمان بھی نہ تھا کہ ندیم یہاں قتل کر دیا گیا ہوگا۔''

تھوڑی دیر بعد وہاں سے لاش اور اس کمرے میں ملنے والی تمام چیزیں اٹھوا لی گئیں۔ پولیس افسروں نے فرقان کو بھی جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ پولیس کو مطلع کئے بغیر شہر نہیں چھوڑے گا۔ پولیس کو فرقان پر بہت معمولی سا شبہ تھا لیکن انسپکٹر حمید نے جو واقعات بتائے تھے وہ

ایسے تھے کہ پولیس کو کسی قطعی نتیجے پر پہنچنے کے لیے مزید ثبوت اور سراغ کی ضرورت تھی۔

☆......☆

شریف عثمانی کا فون تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''معاف کرنا ڈاکٹر وہاں میں تم سے زیادہ تفصیلات معلوم نہ کر سکا۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ آخر تمہارا چکر کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔''

''خود میں بھی الجھن میں گرفتار ہوں مجھے ایسا لگ رہا ہے گویا کوئی مجھے زبردستی کسی خونیں واردات میں ملوث کرنا چاہتا ہے۔ کل رات شہر سے واپسی پر میری کار کو وادی روڈ پر کھڈ میں گرانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔''

''کیا واقعی......؟''

شریف عثمانی نے کہا۔

''سچ کہہ رہا ہوں......'' فرقان نے جواب دیا تھا۔

''اچھا تو میں خود تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ آج رات میں تمہارے ساتھ گذاروں گا۔ کیا خیال ہے اور تم سے تمام تفصیلات بھی حاصل ہو جائیں گی۔''

ضرور آؤ......'' فرقان نے کہا۔'' مجھے تقویت حاصل ہوگی۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

سلیمہ بے حد سہمی ہوئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو بھی فرقان سے جدا ہونا نہ چاہتی تھی اس کی آنکھوں میں خوف نے ڈیرے جما لئے تھے۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ اور وہ رات آنے کے ہول سے ڈرے جا رہی تھی۔

''یہاں سے چلے چلو فرقان! شہر میں کسی ہوٹل میں آج رات گذار لو۔ کل صبح شہر میں ہی کوئی مکان تلاش کر لینا۔'' سلیمہ نے اس سے بے حد منت آمیز لہجہ میں کہا۔

''ہوٹل......'' اس امکان کی جانب اس کی توجہ ہی نہیں گئی تھی۔ ہوٹل میں دن رات چہل پہل رہتی ہے وہاں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے نے دل ہی دل میں سوچا اور کہا۔'' جیسا تم چاہو گی سلیمہ ویسا ہی ہوگا۔ عثمانی کو آنے دو پھر ہم وہیں چلیں گے۔''

پھر اس نے'' ہوٹل ہل ٹاپ'' کو فون کر کے تین کمرے برابر کے محفوظ کرا لئے۔

''مگر تین کیوں......؟'' سلیمہ نے فرقان سے دریافت کیا تھا۔

''عثمانی اور ابانا ب بھی تو ہمارے ساتھ ہوں گے۔'' اس کا جواب تھا۔

ہوٹل ہل ٹاپ شہر کا سب سے مہنگا اور با رونق ہوٹل تھا۔ یہاں غیر ملکی سیاح یا پھر بے فکر رئیس زادے داد عیش دینے کے لیے آتے تھے۔ سال بھر میں کسی موسم میں اس ہوٹل کی رونق میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ اور اس وقت یہاں تین کمرے مل جانا فرقان کو نعمت سے کم محسوس نہ ہوا۔ عثمانی کے آتے ہی فرقان، سلیمہ اور ابانا کو ساتھ لے کر ہوٹل ہل ٹاپ پہنچ گیا۔ عثمانی نے اچانک اس فیصلے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

''یار تم بھی عجیب ہو۔ کل میری شادی ہوئی ہے۔''

''واہ......'' عثمانی نے کہا۔'' تو یوں کہو محض تفریح کے لئے۔''

''ہاں کچھ یوں ہی سمجھ لو۔''

ہوٹل ہل ٹاپ پہنچ کر فرقان کو اطمینان محسوس ہوا۔ یہاں کم از کم وہ حویلی کے اس پر اسرار اور بیمار سے ماحول سے آزاد تو رہ سکے گا۔ جو ویسے ہی طبیعت کو بھاری کر دیتا تھا۔ فرقان نے یہ بات اور بھی اطمینان بخش پائی کہ ان کے لیے ہوٹل کی دوسری منزل میں ایک پہلو کے تین کمرے مخصوص کئے گئے تھے۔ اس نے کونے والے کمرے میں خود اور برابر والے کمرے میں عثمانی کو ٹھہرایا۔ ابانا کی آمد کی خبر پورے ہوٹل میں آگ کی مانند پھیل گئی تھی۔

اس نے رات کا کھانا کمروں ہی میں منگانا چاہا تھا مگر عثمانی نہ مانا۔ فرقان نے یہ دلیل پیش کی کہ ابانا کی موجودگی وہاں ہر شخص کی توجہ ہماری طرف کر دے گی۔ اور ابانا کو ایسے مواقع پر قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تب بھی بہت سے لوگ اور خاص طور پر سیاح کہ تجسس جن کی گھٹی میں پڑا ہوتا ہے۔ پے در پے سوالات شروع کر دیں گے۔ تو عثمانی نے اسے سمجھایا تھا۔

''ڈاکٹر تم آخر اتنے SHY (شرمیلے) کیوں ہو ابانا تمہاری بہترین صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ تم نے ایک بے ہنگم پتھر کو کاٹ کر ہیرے کا روپ دیا ہے۔ تم اپنی اس کامیابی کو اب بڑے فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہو۔ رہی یہ بات کہ وہ بے قابو ہو جاتی ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ ابھی وہ پوری طرح انسانی خصائص سے بہرہ ور نہیں ہوئی ہے۔ ابھی وہ جذبات کے اظہار میں اتنی ہی آزاد اور خود مختار ہے جتنی فطرت۔''

بہر حال فرقان کو ڈائننگ ہال ہی میں کھانا کھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ جس وقت وہ سلیمہ ابانا اور عثمانی کے ہمراہ ہال میں داخل ہوا تو ہال میں اضطراب پھیل گیا۔

''ابانا......ابانا......''

کئی سرگوشیاں ابھریں۔ وہ ایک بڑی میز پر آ بیٹھے۔ وسیع و عریض ہال میں ہر شخص ان کو ہی دیکھ رہا تھا۔

کھانا بغیر کسی ہنگامے کے ختم ہو گیا۔ کھانے سے وہ فارغ ہی ہوئے تھے کہ دو اسپینی سیاح الفانسو اور الیگز انڈران کی طرف آئے۔ اور اجازت لے کر میز پر جم گئے۔

پھر انہوں نے ابانا کے بارے میں فرقان سے معلومات حاصل کیں۔ فرقان نے انہیں جو کچھ بتایا وہ ان کے لئے بہت حیرت انگیز تھا۔ اور وہ فرقان کی صلاحیتوں اور ابانا کے حسن سے بے حد مرعوب ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہنگامہ بڑے عجیب انداز میں شروع ہوا تھا۔ وہ ڈائننگ ہال سے اتر کر نچلی منزل میں کافی روم میں آئے تھے۔ ایک طرف ہلکی دھن میں آرکسٹرا اپنی تانیں فضا میں بکھیر رہا تھا کہ انہی سیاحوں میں سے ایک نے اسٹیج پر آ کر بلند آواز میں کہا۔

''دوستو......اور اجنبی رفیقو!''

میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ سب اس وقت صرف ایک شخصیت کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور اسی پر آپ کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ پھر بھی آپ سے دریافت کروں گا کہ آپ اس کا نام بلند آواز سے لیں۔

''ابانا......ابانا......''

''شکریہ......'' اسپینی سیاح نے کہا۔ ''اب میں آپ کو بتاؤں کہ ابانا کیا ہے۔ میں ابانا کو اس جنگلی گلاب سے تشبیہہ دے سکتا ہوں جس میں دنیا کے تمام معطر حسین گلابوں کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ میں ابانا کو اس شراب سے تشبیہ دیتا ہوں۔ جو روز ازل سے محفوظ کر لی گئی تھی۔ اور میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اگرچہ اس کو انسانوں کی زبان نہیں آتی۔ لیکن اس کی گنگناہٹ میں وہ ترنم اور مٹھاس ہے کہ انسان بے سدھ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسا نغمہ ہے جس کی لے کسی انسان نے آج تک ایجاد نہیں کی نہ آئندہ کر سکے گا۔''

''اور اب میں ڈاکٹر فرقان سے درخواست کروں گا کہ وہ ہمیں بھی اس دھن۔، اس مدھر نغمے سے محروم نہ رکھیں۔''

پھر اس نے بات کا رخ پلٹا۔

''حضرات ڈاکٹر فرقان سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔ انہوں نے ہی ابانا کو جو انسانی زندگی کی عادات واطوار سے ناواقف تھی آج شائستہ ومہذب بنا دیا۔ وہ ابانا جو کچھ عرصہ پہلے انسانوں کی مانند چل پھر نہ سکتی تھی۔ جانوروں کی طرح چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتی تھی۔ آج وہ ہم آپ کی طرح چلتی ہے۔ ہم آپ کی طرح کھاتی ہے۔ اتنی قلیل مدت میں اسے اتنا شائستہ کرنا ڈاکٹر فرقان ہی کا کمال ہے۔ تو ڈاکٹر فرقان میں پھر آپ سے وہی درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں ابانا سے وہ گنگناہٹ سنوایئے جو پچھلے دنوں آپ نے اپنے دوستوں کو سنوائی تھی......''

اسپینی سیاح الفانسو خاموش ہو چکا تھا۔ ہر طرف سے ابانا ابانا کا شور مچ رہا تھا۔

پھر منیجر کو مداخلت کرنا ہی پڑی۔ فرقان ہرگز ابانا کو اسٹیج پر لانے کے لیے تیار نہ تھا۔ جس پر لوگوں نے کراکری پر غصہ اتارنا شروع کر دیا تھا۔

''مسٹر فرقان...... پلیز......'' منیجر نے گڑگڑا کر کہا تھا۔ اس کے لہجے میں بے حد بے چارگی تھی۔

فرقان پسیج گیا۔

''عثمانی تم اسٹیج پر جا کر انتظام کرو۔'' پھر اس نے ابانا کو ہاتھ کے اشاروں سے کچھ بتایا۔ ابانا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اور اس نے گویا اثبات میں سر ہلایا۔ اور ابانا اسٹیج پر آئی۔ وہ میزوں کے درمیان سرسراتی ہوئی ہوا کی مانند گزری۔ اس کی رفتار ہی پر کئی لوگ مر مٹے۔ اس رفتار میں عجیب سحر تھا۔ اس کی ساڑھی کا مہین پلو اس کے شانے سے ڈھلک کر اس کے ہاتھ پر آ رہا تھا۔

وہ اسٹیج پر آئی۔

عثمانی نے مائیک ابانا کے سامنے کر دیا۔

''ابانا......''

عثمانی نے لہک کر کہا۔ اور آرکسٹرا سے کہا کہ وہ کس حد تک ابانا کی لے کا ساتھ دے سکتا ہے۔ یہ اس کی مہارت کا امتحان ہے۔

اور پھر ابانا کی آواز ابھری وہ صرف ابانا کو لے میں دہرا رہی تھی۔ اس میں اتنے اتنے اتار چڑھاؤ تھا اور اتنی تیزی سے ایک سرے سے دوسری جانب سفر تھا۔ کہ ارکسٹرا کے لیے اس کا ساتھ دینا محال ہو گیا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد ارکسٹرا بند ہو گیا۔ اب صرف ابانا کی آواز فضا میں تیر رہی تھی۔

ابانا نے آہستہ آہستہ لے کے ساتھ رقص بھی شروع کر دیا۔ اور ذرا ہی دیر میں ان کے رقص میں ہیجان آ گیا۔ چند منٹ بعد پورا ہال رقص کر رہا تھا۔ کراکری ٹوٹ رہی تھی۔ لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ عجیب طوفان تھا۔ منیجر بھی انہی لوگوں میں شامل تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے فرقان......''

سلیمہ نے اس سے کہا تھا۔

اور پھر یوں ہوا کہ ہر شخص پاگل ہو گیا۔ ایک نوجوان نے سلیمہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر ایک بدتمیزی شروع ہو گئی۔ ہال میں کوئی لڑکی ایسی نہ تھی جس پر کوئی نہ جھپٹ پڑا ہو۔ اسی افراتفری میں ایک لڑکی پر دو نوجوانوں میں جھڑپ ہو گئی۔

فرقان نے اس اجنبی نوجوان کو دھکا دیا۔ اور سلیمہ کو اس کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کر لیا۔ بس پھر کیا تھا ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔

اور پھر ایک تیز چیخ فضا میں گونجی۔

بڑی کربناک چیخ تھی یہ...... سب لوگ رک گئے...... ابانا خاموش ہو گئی۔ لوگوں کو ایک دم گویا ہوش آ گیا تھا۔ وہ تھک کر اپنی نشستوں پر جانے لگے۔

ایک سوال سب پوچھ رہے تھے۔

''یہ چیخ کیسی تھی۔''

پھر انہوں نے دیکھا جب یہ بھیڑ کمرے کے وسط سے چھٹی تو وہاں سرخ سرخ خون پھیلا ہوا تھا۔ ایک میز کے نیچے ایک سر پڑا تھا۔ اس کی گردن سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔

''وہ......وہ......''

ایک لڑکی نے چیخ کر اسی کی طرف اشارہ کیا۔

سب لوگ ادھر دیکھنے لگے۔

OOO

[illegible]
میں لت پت تھا۔ بال بھی خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ لوگوں نے ایک مرتبہ اس کو دیکھا۔ مردوں نے آنکھیں پھیر لیں اور عورتوں کے منہ سے باریک باریک چیخیں ابھریں۔ پھر ہال میں افراتفری مچ گئی۔ اس سے پہلے کہ لوگ وہاں سے ہٹتے ہوٹل کے مینجر نے جو خود بھی کچھ دیر پہلے تک اس ہال کے ہنگامے میں برابر کا شریک تھا۔ ہال کے تمام دروازے بند کروا دیئے۔ اور ہر کمرے پر بیرے تعینات کر دیئے۔

ابانا فرقان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ سلیمہ نے فرقان کا ہاتھ زور سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس وقت بری طرح کپکپا رہی تھی۔

''ڈاکٹر...... '' سلیمہ نے فرقان سے سرگوشی میں کہا۔ ''وہ خبیث بوڑھا یہیں کہیں موجود ہے۔ ابھی میں نے اس کی سرگوشی اپنے کان میں سنی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا...... فرقان وہ کہہ رہا تھا۔'' مگر سلیمہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اور ہمکنے لگی۔

''حوصلہ رکھو سلیمہ...... تمہیں میری موجودگی میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پھر ابانا ہے۔ اس نے تمہاری حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔'' فرقان نے سلیمہ کو تسلی دی اور سلیمہ نے تشکرانہ نگاہوں سے ابانا کی طرف دیکھا۔ ابانا کی آنکھوں میں ایسی کیفیت تھی گویا کہہ رہی ہو۔

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بابا تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔''

سلیمہ نے بھی گویا ابانا کا یہ مفہوم سمجھ لیا تھا۔ اور وہ مطمئن سی ہو گئی تھی مگر کمبخت دل، وہ تو بری طرح انجانے اندیشوں کے ڈر سے دھڑک رہا تھا۔ عثمانی اپنا کیمرہ لیے تصویریں اتارنے میں مصروف تھا۔ ہال میں پھنسے ہوئے لوگوں کی احتجاجی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس وقت کوئی بھی ہال میں رکنے پر تیار نہ تھا۔ وہ اس وقت یہ بھی بھول گئے تھے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اسی ہال میں کیا کیا حرکتیں کر رہے تھے۔ ان کے جذبات پر سراسیمگی اور خوف کی راکھ چھا گئی تھی۔ وہ عیاش نوجوان جو کچھ دیر پہلے اسی ہال میں لڑکیوں پر دست درازیاں کر رہے تھے۔ اب مینجر کو گالیاں دے رہے تھے اور اسے اپنے والدین کے عہدے بتا بتا کر دھمکا رہے تھے۔ لڑکیاں دبکی بیٹھی تھیں۔ گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

پھر احتجاجی شور بلند ہونے لگا۔ لوگ دروازوں پر جمے ہوئے بیروں سے الجھنے لگے۔ تنگ آ کر مینجر نے مائک پر اعلان کیا۔

''حضرات یقین کیجئے ہم آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے۔ تکلیف دینا ہمارا شعار نہیں۔ ہوٹل ہل ٹاپ اپنے مہمانوں اور اپنے کرم فرماؤں کی خدمت کرنا اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ ہال میں ہم سب کی موجودگی میں قتل کی واردات ہو چکی ہے اور آپ یقیناً قانون پسند شہریوں کی حیثیت سے قاتل کو گرفتار کرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ قاتل کون ہے اس کا فیصلہ پولیس کو کرنا ہے۔ بہر حال قاتل تک پہنچنے میں ہم آپ ہی جو اس موقع پر یہاں موجود تھے، اپنے بیانات سے مدد دے سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ پولیس بس پہنچنے ہی والی ہے۔ پھر وہ جیسا مناسب ہوگا کرے گی۔''

''مگر اس کا دھڑ کہاں ہے۔'' کئی آوازیں ابھریں۔

اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔ فرقان ابانا اور سلیمہ کے درمیان خاموشی سے بیٹھا میز کے نیچے پڑے ہوئے سر کو دیکھ رہا تھا۔ جس کی گردن سے اب بھی گاڑھا گاڑھا خون بہہ رہا تھا۔ جو بڑی عجیب بات تھی۔ ہال میں جمع تمام لوگ سمٹ کر کونوں میں آ گئے تھے۔ کوئی شخص اس سر کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت صرف ایک شخص اپنے کام میں مصروف تھا۔ یہ عثمانی تھا۔ وہ ایک فلم ایکسپوز کر چکا تھا۔ اور دوسری فلم کیمرے میں ڈالنے کے بعد اب وہ ہال میں جمع مختلف لوگوں سے سوالات کرتا پھر رہا تھا۔

''فرقان...... '' سلیمہ نے پھر فرقان سے کہا۔ ''پھر وہی آواز......'' سلیمہ کی آنکھیں پھیلی گئی تھیں اور اس کی پیشانی عرق آلود تھی۔

''تم فکر نہ کرو...... '' ابانا نے بڑے دبے لہجے میں اسے تسلی دی تھی۔ ''میں تمہاری محافظ ہوں۔ وہ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''

اسی وقت دونوں چینی سیاح اپنی اپنی کرسیاں لے کر ان کی میز کے گرد آ بیٹھے ان کے لیے بھی یہ واقعہ بہت انوکھا تھا۔ حیرت ان کے چہروں پر بکھری ہوئی تھی۔ الفانسو نے بیٹھے ہوئے کہا۔

''مشرق واقعی بڑا پراسرار ہے۔''

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔'' فرقان نے کہا تھا۔ ''مشرق کا اسرار صرف اس کی سادگی میں پنہاں تھا۔ جسے اب مغرب کی تہذیب نگلتی جا رہی ہے۔''

''اب اسی واقعہ کو لے لو۔'' الیگزانڈر نے کہا۔ ''سب لوگ مستی میں غرق ہوتے ہیں کہ اچانک ایک خوفناک چیخ ابھرتی ہے پھر سب لوگوں کے درمیان خون ہی خون پھیل جاتا ہے اور پھر ایک میز کے نیچے کٹا ہوا سر موجود ہوتا ہے۔ اس کے گلے سے تازہ تازہ خون بہہ رہا ہوتا ہے اور دھڑ کا کوئی پتہ نہیں کیا یہ پراسرار بات نہیں ہے۔''

''ہر وہ بات جب تک وہ سمجھ میں نہیں آتی پراسرار رہتی ہے......'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

بحث شاید طول پکڑ جاتی مگر پولیس کے آنے سے بات ختم ہو گئی۔ اس کے بعد پولیس کی تفتیش کا طول وطویل اور اکتا دینے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولیس کے لیے بھی اصل مسئلہ یہی تھا کہ آخر بقیہ لاش کہاں ہے؟ ہال میں موجود تمام لوگوں کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ خود ہال کا کونہ کونہ دیکھ لیا گیا تھا۔ کونوں میں

رکھے ہوئے چمکیلے گملوں تک کو پولیس نے دیکھنے سے نہ بخشا تھا۔ پھر انسپکٹر حمید نے فرقان کا بیان لیا۔ اس سے سوالات کیے اس نے اپنے بیان میں اس واقعہ کے ایک نئے اور انوکھے پہلو کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جس نے خود پولیس والوں کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ بات سامنے کی تھی مگر کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

''میرے لیے سب سے پریشان کن بات یہ ہے کہ آخر اس کٹے ہوئے سر کی گردن سے اب تک خون کیوں رس رہا ہے۔''

انسپکٹر حمید نے یہ بات سن کر ایک مرتبہ پھر اس خون آلود کھوپڑی کو غور سے دیکھا۔ اس کی کٹی ہوئی گردن سے واقعی خون بہہ رہا تھا...... حالانکہ اب تک خون بند ہو جانا چاہئے تھا۔

وہ پھر ڈاکٹر فرقان کی طرف آیا۔

''آج صبح سے اس قدر عجیب وغریب واقعات پیش آ رہے ہیں کہ میرا دماغ شل ہو کر رہ گیا ہے اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ تمام واقعات میں ڈاکٹر تمہاری ذات کسی نہ کسی طور پر ضروری موجود رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام واقعات کا مرکز تمہیں سمجھوں یا نہ سمجھوں ہے؟

اور اس سے قبل کہ فرقان کوئی جواب دیتا۔ ابانا نے فرقان کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ اور انسپکٹر حمید نے اچانک خالی الذہنی کے عالم میں کہا۔

''اچھا ڈاکٹر تم ذرا بیٹھو میں باقی لوگوں کو فارغ کر دوں۔''

بڑی دیر کے بعد ہال میں پھنسے ہوئے لوگوں نے گلوخلاصی پا کر سکون کا سانس لیا۔ لوگ چھتے کی بھڑوں کی طرح بھرا کر وہاں سے نکلے۔ پولیس اپنی تفتیش اور تلاش میں ناکام ہو چکی تھی۔ اور لوگ پولیس کو برا بھلا کہتے ہوئے ہال سے جا رہے تھے۔ اب ہال میں صرف ابانا، سلیمہ، فرقان، عثمانی اور پولیس والے موجود تھے۔

پھر انسپکٹر حمید اور عثمانی بھی ان کے ساتھ ہی آ بیٹھے۔

''ہاں تو ڈاکٹر......'' حمید نے کہا۔ ''اب بتاؤ میں ان تمام واقعات کو کیا سمجھوں۔''

''اپنا ذہن استعمال کرو انسپکٹر یہ کام تمہارا ہے میرا نہیں یہ کوئی اسرار نہیں ہے۔ کوئی تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے۔'' فرقان نے محسوس کیا اس کے منہ سے جو الفاظ ادا ہوئے تھے ان میں اس کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہ تھا۔

''تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو ڈاکٹر......'' انسپکٹر حمید نے غصے سے کہا۔

''میں بے وقوف کو کیا بے وقوف بناؤں گا انسپکٹر۔'' ڈاکٹر فرقان نے کہا تھا۔ ''میں نے ایک اہم بات بتائی تھی اور تم اسے اسرار بنا رہے ہو......''

''ڈاکٹر...... زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا اس میں کتنا ہاتھ ہے۔''

''اپنی آنکھیں کھلی رکھو اور اگر ہو سکے تو کسی سے عقل ادھار لے لو۔''

بات کافی بڑھ گئی۔ اب انسپکٹر حمید گلا پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ اور ڈاکٹر فرقان نے جیب سے قلم اور کاغذ نکال کر اس پر ایک دوا کا نام لکھ کر کہا۔

''یہ دوا لے کر پانی سے غرارے کر لینا حلق ٹھیک ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' انسپکٹر حمید پھر دھاڑا تھا۔

اور جب وہ ابانا اور سلیمہ کے ساتھ وہاں سے نکلا تو اس نے حمید کی آواز سنی۔

''ڈاکٹر تم اس ہوٹل سے نہیں نکلو گے جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے۔''

''میری نقل وحرکت پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔''

بات شاید کچھ اور آگے بڑھتی مگر عثمانی نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرایا۔ اور فرقان وہاں سے ہٹ آیا۔ فرقان سے چلتے ہوئے عثمانی نے کہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب اب میں اس واردات کی اسٹوری فائل کر کے ہی آؤں گا۔ میرا انتظار کرنا۔''

اپنے کمرے کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازہ کھولنے کے لیے جیب سے چابی نکالی ہی تھی کہ پھر کاریڈور میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھریں۔ فرقان نے مڑ کر دیکھا۔ کاریڈور میں انسپکٹر حمید اور دوسرے دو سپاہی بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے عثمانی کیمرہ سنبھالتا بھاگا چلا آ رہا تھا۔

فرقان اسی طرح کھڑا رہا۔ انسپکٹر حمید اس کے پاس پہنچ کر اس کے ہاتھ سے چابی لے چکا تھا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے؟'' فرقان نے کہا۔

''ابھی پتہ چل جائے گا۔'' انسپکٹر حمید نے کہا تھا۔ ''خود کو حراست میں سمجھو۔''

''مگر حراست میں کیوں؟''

''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ لاش تمہارے کمرے میں ہے۔''

''میں اس بدتمیزی کو پسند نہیں کرتا۔ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔ انسپکٹر!'' فرقان نے دھاڑ کر کہا تھا۔

لاش کی خبر تمام ہوٹل میں پھیل گئی تھی اور کاریڈور میں لوگ جمع ہو رہے تھے۔ کچھ لوگ اپنے کمروں کے دروازے میں کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سلیمہ، فرقان کے پہلو میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے فرقان......'' اس نے کہا تھا۔

''پاگل ہو گئے ہیں سب......'' پر اس نے انسپکٹر حمید سے کہا۔ ''فہیم کی دوستی میں حد سے آگے نہ جاؤ کہ خود تم کوئی نقصان اٹھا بیٹھو۔''

''تم سرکاری افسر کو دھمکی دے کر اس کے کام میں مداخلت کا ارتکاب کر رہے ہو۔'' حمید نے خالص سپاہیوں کی اصطلاحات میں گفتگو کی۔

''تم بلاوجہ مجھے پریشان کیوں کر رہے ہو؟''

"لاش نہ نکلی تو میں بلا تامل تم سے معافی مانگ لوں گا۔" انسپکٹر حمید نے سر جھکاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

پھر انسپکٹر حمید نے چابی قفل میں ڈال کر اسے بائیں جانب گھمانا چاہا۔ مگر چابی نہ گھومی۔ تالا پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔

"کیا تم دروازہ کھول کر جاتے ہو ڈاکٹر......؟" اس نے کہا تھا۔

"مگر میں دروازہ بند کر کے گیا تھا۔" فرقان نے اتنا ہی کہا تھا کہ انسپکٹر حمید نے دروازہ کھول دیا۔

"تالا کھلا ہوا تھا ڈاکٹر......" انسپکٹر حمید نے کہا۔ شاید تم نے قاتل کو تمام آسانیاں فراہم کر دی تھیں۔"

"تمہیں کس گدھے نے پولیس میں بھرتی کیا ہے......؟" فرقان نے چیخ کر کہا۔

مگر کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اس نے اندر جو منظر دیکھا وہ خود اس کے لیے حیران کن تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ابانا کا آس پاس کوئی پتہ نہیں تھا۔ عثمانی اپنا کیمرہ سنبھال کر کمرے کے اندر پہنچ گیا۔ انسپکٹر حمید نے دونوں سپاہیوں کو دروازے پر تعینات کر دیا تھا۔ اور کمرے میں اس کے علاوہ صرف فرقان اور عثمانی تھے۔

کمرے میں فرقان کے بیڈ کے ساتھ ہی ایک لاش دیوار کے ساتھ ٹکی کھڑی تھی۔ اس لاش کا سر غائب تھا۔ لاش کے جسم پر تمام کپڑے بھی خون میں لت پت تھے۔ اور اُس کی گردن سے خون ابل ابل کر کپڑوں کو تر کرتا ہوا قالین میں جذب ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس کے دوسرے اعلیٰ افسر بھی ہوٹل ہل ٹاپ پہنچ چکے تھے۔ اس عجیب و غریب پراسرار قتل کی تفتیش انہوں نے خود اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس کے بعد پھر فرقان سے پوچھ گچھ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

فرقان کے دلائل بھی خاصے مضبوط تھے۔ اور اس کا بیان بھی نہایت منطقی تھا۔ اس کے باوجود اس کو پولیس نے حراست میں لے لیا۔ اور سلیمہ نے ہمکنا شروع کر دیا۔ اس نے سلیمہ کو دلاسہ دیا اور عثمانی سے کہا کہ وہ سلیمہ کا خیال رکھے۔

انسپکٹر حمید ڈاکٹر فرقان کی گرفتاری پر بہت خوش تھا۔ ڈاکٹر فرقان اس وقت اسی کافی ہال میں بیٹھا تھا۔ جہاں سے یہ تمام ہنگامہ شروع ہوا تھا۔ خون آلود سراب بھی میز کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ قتل کی اس واردات سے ہوٹل میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ منیجر بے حد پریشان تھا اور وہ ادھر اُدھر دوڑا پھر رہا تھا۔ ہر شخص کو تسلیاں دے رہا تھا اس کی کوشش یہی تھی کہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمان اس واقعہ سے ڈر کر ہوٹل چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔

اسی دوران عثمانی نے ڈاکٹر فرقان کو بتایا کہ کافی ہال سے فرقان کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد جب انسپکٹر سر کو وہاں سے منتقل کرنے کی فکر ہی کر رہا تھا کہ کسی نے باہر سے کہا تھا کہ بقیہ لاش ڈاکٹر

فرقان کے کمرے میں ہے۔ عثمانی نے بتایا تھا کہ یہ آواز سن کر وہ بھی ہال سے لپکا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی بھی موجود نہ تھا۔ بہرحال یہ پتہ نہیں چل سکا کہ لاش کی اطلاع کس نے دی تھی اور پھر انسپکٹر وہاں سے لپک کر اس کی طرف گیا تھا۔

بہرحال ڈاکٹر فرقان کی گرفتاری پر انسپکٹر حمید کی خوشی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ قتل کا تمام پر اسرار واقعہ محض ایک مذاق بن کر رہ گیا تھا اور یہ مذاق اس وقت سامنے آیا جب لاش منتقل کرتے وقت پولیس کے کارندوں کو محسوس ہوا کہ یہ کسی آدمی کی لاش نہیں ہے اور یہی امر واقعہ تھا۔ قتل کی یہ واردات کسی آدمی کے قتل کی نہ تھی یہ واردات مجسمہ کے قتل کی ثابت ہوئی تھی کسی ستم ظریف نے مجسمہ کی گردن پر بڑی مہارت سے گوشت چپکا کر اسے انسانی لاش کا روپ دینے کی کوشش کی تھی۔ لاش کا چہرہ خون میں بری طرح لت پت تھا۔ لہذا پہلے کسی کا اس طرف خیال ہی نہ گیا تھا کہ یہ کسی مجسمہ کا سر یا دھڑ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ لباس خون میں بری طرح لتھڑ کر چکٹ گیا تھا اس کا سر بھی خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہ اس کے نقوش کا اصلی پن خون کی موٹی تہہ میں چھپ گیا تھا۔ پھر اس سر کو الٹ پلٹ کر دیکھا گیا۔ تو اس کی وِگ بھی علیحدہ ہو گئی۔ بالوں کی جگہ شفاف سفید پلاسٹر آف پیرس نکل آیا۔ کھوپڑی کی گردن سے گوشت ہٹایا گیا تو کھوپڑی سے مسلسل خون بہنے کا راز بھی افشا ہو گیا۔ کھوپڑی اندر سے کھوکھلی کر کے اس میں کسی کا خون بھر دیا گیا تھا۔ اور پھر گردن پر گوشت کی تہہ چپکا دی گئی تھی۔ اور گوشت کے انہیں ٹکڑوں سے کھوپڑی میں بھرا ہوا خون آہستہ آہستہ رس کر باہر آ رہا تھا۔

پھر جب مجسمہ کے قتل کی کہانی ہوٹل میں پھیلی تو لوگوں پر چھائے ہوئے خوف کے سائے سمٹ گئے۔ اب پھر ہوٹل میں قہقہے گونج رہے تھے۔ ہوٹل کا منیجر بہت خوش تھا اور نوجوان اس واقعے کو کسی انتہائی زندہ دل شخص کی ایکٹیویٹی کا نام دے رہے تھے۔

بہرحال پولیس مقتول مجسمہ کی لاش وہاں سے اٹھا لے گئی۔ ڈاکٹر فرقان کی گلوخلاصی ہو چکی تھی۔ اس وقت جبکہ پولیس مجسمہ کی لاش کو منتقل کر رہی تھی ابانا کافی ہال میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈاکٹر کو پیغام دیا۔ "بے فکر رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور پھر ہوٹل کے بیرونی دروازے پر ایک اور ڈرامہ ہوا۔ اُس وقت پولیس کے تمام بڑے افسر واپس جا چکے تھے صرف انسپکٹر حمید اس وقت ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ اور وہ وہاں سے تھانے واپس جا رہا تھا کہ عین اس وقت جبکہ وہ جیپ میں سوار ہونے والا تھا۔ ہوٹل کے ایک بیرے نے چیخ کر انسپکٹر حمید کو للکارا تھا۔

"انسپکٹر صاحب......" بیرے نے آواز لگائی تھی۔ "وہ میرے پچاس روپے تو دے دیجئے۔"

"کون سے پچاس روپے۔" انسپکٹر حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"وہ لاش کے بارے میں آواز لگانے کے!"

"پاگل تو نہیں ہو گیا ہے۔" انسپکٹر حمید نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔ بیرا سٹرک

پر جا گرا تھا اور پولیس کی جیپ آگے بڑھ گئی تھی۔ پھر عثمانی اس بیرے کے پاس پہنچا تھا اور اس نے بیرے سے تمام واقعہ پوچھا تھا۔

بیرے نے خوابیدہ انداز میں روتے ہوئے کہا۔ ''اس نے کہا تھا کہ اس وقت جبکہ ہوٹل کے کافی ہال میں ڈاکٹر اور اس کے ساتھیوں کے سوا کوئی نہ رہے تو میں کمرے کے روشندان سے آواز لگاؤں کہ باقی لاش ڈاکٹر فرقان کے کمرے میں ہے۔ اس کے لیے اس نے مجھے پچاس روپے دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔'' یہ کہہ کر بیرا پھر رونے لگا۔

ذرا ہی دیر میں یہ بات پورے ہوٹل میں پھیل گئی کہ انسپکٹر حمید نے ڈاکٹر فرقان کو پھنسوانے کی کوشش کی تھی۔ عثمانی ہوٹل کے کافی روم میں اپنی رپورٹ مرتب کر رہا تھا۔ اور ہوٹل میں پھر وہی رنگینیاں قہقہے اور دلچسپیاں لوٹ آئی تھیں۔ ادھر ابانا کمرے میں فرقان کو تسلی دے رہی تھی۔ ''تم فکر نہ کرو۔ اس حمید کے بچے کو چھٹی کا دودھ یاد نہ آجائے تو ابانا نام نہیں۔ کم بخت کس کس طرح دھمکیاں دے رہا تھا۔''

☆......☆

رات کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ ابانا برابر کے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تھی اور فرقان نے دونوں کمروں کے درمیان کھلنے والے دروازے کو کھلا ہی رہنے دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بند دروازے اور تالے ابانا کے لیے بے حقیقت ہیں۔ تالے اس کا سایہ پڑتے ہی اپنا منہ کھول دیتے ہیں۔ اور بند دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں۔ پھر اس نے بیڈ سوئچ آن کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی سلیمہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اور فرقان نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ باہر عثمانی تھا۔

اندر آتے ہی اس نے کہا۔

''یار فرقان آج کے دن نہ معلوم کس کا منہ اٹھنے کے بعد دیکھا تھا کہ مصروفیت دم ہی نہیں لینے دیتی۔ آج کی رات قتل کی وارداتوں کی رات ہے۔ مجسمہ کا قتل ہوا۔ اور اب دو اور لاشیں اسی ہوٹل سے ملی ہیں۔ ایک لاش مشرقی گوشے کے ہموار میدان سے آگے ڈھلوان پر پڑی ہے اور دوسری لاش ہوٹل کے ساتھ والی سڑک کے کنارے بنے ہوئے نالے میں ہے۔ پولیس کو اطلاع دیدی گئی ہے۔ ہوٹل کے منیجر کو پسینے چھوٹے ہوئے ہیں۔ پورے ہوٹل میں سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے۔ پولیس پہنچنے ہی والی ہے تم آنا چاہو تو آجاؤ۔

''نہیں ڈاکٹر میں تنہا نہیں رہ سکتی۔'' سلیمہ نے کہا تھا۔

''تو پھر آؤ تم بھی چلو......'' یہ کہہ کر فرقان کپڑے بدلنے باتھ روم میں گھس گیا۔

ذرا ہی دیر میں سلیمہ بھی تیار ہوگئی۔ پھر فرقان ابانا کے کمرے میں گیا مگر ابانا وہاں نہ تھی۔ ''یہ کیا کرتی پھر رہی ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں کہا تھا اور آگے بڑھ کر باتھ روم پر ہاتھ مارا تھا۔ ابانا باتھ روم میں بھی نہ تھی۔ وہ وہاں سے واپس آگیا اور دروازے کی چٹخنی لگاتے ہوئے عثمانی اور سلیمہ سے کہا۔ ''ابانا سو رہی ہے آؤ چلیں......''

ہوٹل کے بلیئرڈ روم میں بڑی گہما گہمی تھی۔ طرح طرح کی باتیں اور تبصرے ہو رہے تھے۔ وہ بلیئرڈ روم سے گذرتے ہوئے بڑے ہال میں آئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے باہر لان پر آگئے۔ مشرقی گوشے کے میدان پر تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ اور چند لوگ وہاں کھڑے ہوئے تھے۔ پولیس پہنچ چکی تھی۔ اور ابتدائی تفتیش شروع کردی تھی۔ یہ لاش کسی اجنبی کی تھی۔ اس کا سر تن سے جدا تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ آس پاس خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ نہ ہی لباس خون آلود تھا۔ بس یوں لگتا تھا گویا کسی نے نہایت تیز دھار آلے سے اس کی گردن اس طرح کاٹ دی ہو جس طرح صابن کو چھری سے کاٹ دیا ہو اور اس کا تمام خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ اور اس مہارت سے کہ اس کے خون کی ایک بوند بھی اس کے لباس پر نہ آئی۔

دوسری لاش اس بیرے کی ثابت ہوئی جس کا جھگڑا انسپکٹر حمید سے ہوا تھا۔ اس کی لاش کے قریب ہی انسپکٹر حمید کا شناختی کارڈ پڑا تھا۔ اور عین دل کے مقام پر کسی نے لوہے کی بڑی سی میخ ٹھونک دی تھی۔ اس بیرے کے جھگڑے سے متعلق ہوٹل کے کئی آدمیوں نے بیانات دیئے تھے۔ پولیس افسر نے ڈاکٹر فرقان سے بھی بیان لینا چاہا تھا مگر اس نے صرف اتنا کہہ کر جان چھڑائی تھی کہ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھا جتنا لوگوں نے بتایا ہے اور ویسے بھی اس کا جھگڑا انسپکٹر حمید سے ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ کوئی بیان نہیں دینا چاہتا تھا کہ کہیں اس میں نفرت اور اس سے دشمنی کا پہلو سامنے نہ آجائے۔

اگلے دن دو حیرت انگیز خبریں اسے عثمانی سے ملی تھیں۔ پہلی تو یہ کہ گذشتہ روز مجسمہ پر خون پایا گیا تھا۔ وہ اسی ٹائپ کا خون تھا جو لان کے ڈھلوان پر پائی جانے والی لاش کے خون کا تھا۔ دوسری خبر اسے یہ ملی تھی کہ انسپکٹر حمید اسی رات گرفتار کرلیا گیا تھا اور اس کے گھر سے ایک ہتھوڑا برآمد ہوا تھا۔ جس کے دستے پر خون کے نشان تھے اور اس خون کا اور مقتول بیرے کے خون کا ٹائپ بھی ایک ہی تھا۔ گذشتہ روز سے اب تک جو عجیب وغریب واقعات ہوئے تھے وہ جانتا تھا کہ ان میں ابانا اور خبیث بوڑھے کا ہاتھ ہے۔

اور جب اس نے اس بارے میں ابانا سے معلوم کیا تو وہ ہنستے ہنستے بے حال ہوگئی۔ ''یہ سب کچھ میں تمہارے اور تم سے بڑھ کر سلیمہ کے لیے کر رہی ہوں۔ بابا تمہیں پریشانیوں میں اُلجھا کر تمہیں مجبور کر دینا چاہتا ہے کہ تم سلیمہ کو اس کے حوالے کر دو۔ مگر میں اس کی ہر چال اس پر اُلٹ رہی ہوں۔ نکاح ناموں کا چکر میری ہی جوابی کارروائیوں سے اُلٹ ہوگیا اور ایسا الجھاؤ ہوگیا کہ کوئی اس کا سر پیر نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح ایک آدمی کی لاش مجسمہ کی لاش میں تبدیل ہوگئی ورنہ ڈھلان سے ملنے والی لاش کا دھڑ تمہارے کمرے سے برآمد ہوتا۔ اور پھر اس بیرے کا قتل وہ محض انسپکٹر حمید سے انتقام کے طور پر ہوا۔ اب وہ دنیا کی کسی عدالت سے خود کو بری نہیں کرا سکے گا۔ ان تمام معاملات میں صرف ندیم کی لاش کا چکر ایسا ہے جس کا توڑ میرے پاس ابھی تک نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ندیم کی لاش کا دل سلامت نہیں تھا۔ اس کی لاش کسی وقت بھی تمہارے لیے مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ اس کے لیے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اور یہ سب کچھ میں تیرے لیے کر رہی ہوں میری بنو......''

یہ کہہ کر ابانا نے سلیمہ کو لپٹا لیا۔

☆......☆

رات اپنی تمامتر رعنائیوں اور رنگینیوں کے ساتھ پھر ہوٹل ہل ٹاپ میں طلوع ہو چکی تھی۔ آج رات ہوٹل ہل ٹاپ میں فرقان اور سلیمہ نے ابانا سے محض خاموش تماشائی بنے رہنے...... اور صرف ہاں کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس رات پھر فرانسیسی سیاحوں نے ابانا کو اسٹیج پر بلایا تھا۔ اور ابانا پھر اسٹیج پر گئی تھی۔ اور پھر ہوٹل ہل ٹاپ میں ٹھہرے ہوئے عیاشوں نے شہر میں اور ہوٹلوں میں اپنے ساتھیوں کو فون کھڑ کھڑائے تھے۔ اور ابانا کی نغمہ سرائی کا مژدہ سنایا تھا۔ اس مرحلے پر فرقان نے منیجر سے صرف یہ کہا تھا کہ لوگوں کو ابانا کا نغمہ سننے سے باز رکھے مگر منیجر تو خود ابانا کا نغمہ سننا چاہتا تھا۔

"ڈاکٹر فرقان میں لوگوں کے اصرار کے آگے مجبور ہوں کیا آپ اُن سے مجھے پٹوانا چاہتے ہیں۔ میرا ہوٹل بند کرانا چاہتے ہیں۔"

"پھر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

"بالکل آپ فکر نہ کریں۔"

اور فرقان مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ کیا کرنے والی ہے؟" سلیمہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"مجھے اب صرف تم سے غرض ہے۔" فرقان نے کہا۔ "تمہاری وجہ سے مجھے بہت بڑا سہارا ملا ہے۔ ورنہ شاید میں ابانا کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

ابانا آہستہ آہستہ اپنا نام گنگنا رہی تھی۔ ایک مدھم نغمہ تھا کہ اس کے ہونٹوں سے ابھر رہا تھا۔ آرکسٹرا اس مدھم لے کے ساتھ اس کا پورا پورا ساتھ دے رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ ہوٹل ہل ٹاپ میں کاریں آتی رہیں۔ ہال میں بھیڑ ہوتی رہی۔ پھر عثمانی بھی وہاں ہانپتا کانپتا پہنچا تھا۔ اور تیر کی طرح فرقان کی میز پر آیا تھا۔

"ڈاکٹر...... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"سب پاگل ہو گئے ہیں۔ میں نے منیجر سے بھی کہا تھا۔ مگر وہ بھی نہیں مانتا۔" فرقان نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہے مجھے یہ خبر تھانے میں ملی تھی۔ وہاں سے پولیس کی گارڈ آنے ہی والی ہے۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم منیجر کو سمجھاؤ۔"

"مگر عثمانی کی تمام کوششیں بے سود گئیں۔ ابانا کی لے تیز اور تیز ہوتی گئی۔ پھر ابانا نے رقص بھی شروع کر دیا تھا۔ اتنے میں کسی نے آواز لگائی۔" ہنی مون نائٹ۔"

اور آرکسٹرا نے اپنی دھن بدل دی۔ ابانا نے اپنے نام کے الفاظ کو ہنی مون نائٹ کی لے میں ڈھال کر ادائیگی شروع کر دی۔ پولیس بھی پہنچ چکی تھی مگر وہ بھی مداخلت نہ کر سکتی تھی۔ پولیس کے جوان خود اس نغمے کی لے میں بے خود ہو گئے تھے۔

اور پھر وہی طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا۔ اسی ہڑبونگ میں کچھ دیر کے بعد بجلی فیل ہو گئی اور

سارا ہوٹل تاریکی میں ڈوب گیا۔

فرقان سلیمہ کا ہاتھ پکڑ کر ہال سے باہر آ گیا۔ اور سیدھا اپنے کمرے کی طرف لپکا ہال سے اب بھی کیف و مستی میں ڈوبی ہوئی آوازیں ابھر رہی تھیں جسموں سے ابھرتی ہوئی گرمی نے ہال کی فضا میں نشہ آور خمار گھول دیا تھا۔ اور پھر ابانا کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ اور خاموشی میں ڈوب گئی۔

پھر جب روشنی آئی تھی تو عجیب عجیب چیخیں ابھری تھیں لوگوں نے اپنے چہروں کو چھپانے کی کوشش کی۔ کچھ جلد ہی وہاں سے پشیمانی کے عالم میں بھاگ لئے۔ پولیس کے عملے کو بھی گویا ہوش آ گیا وہ منیجر کو دھونس اور دھمکیاں دینے اور اس سے کچھ رقم اینٹھنے کی تیاریاں کرنے لگے۔

ابانا کا کوئی پتہ نہ تھا۔ "آخر ان لوگوں کو ہو کیا جاتا ہے۔" سلیمہ نے فرقان سے کافی ہال میں تھوڑی دیر قبل ہونے والے واقعہ کے بارے میں سوال کیا تھا مگر اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر عثمانی بھی ان کے کمرے میں آیا تھا اور یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ آج رات وہ دیر سے واپس آئے گا۔ عثمانی نے اس سے دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں چند رسمی باتیں کی تھیں اور پھر ابانا کا ذکر چل نکلا تو عثمانی نے فرقان سے کہا۔

"یہ ابانا...... میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس کے گانے سے تمام لوگ پاگل ہو گئے تھے۔ لیکن تم، سلیمہ اور میں اس گانے کے سحر سے آزاد رہے۔ آخر ایسا کیوں ہے۔ اگر اس کا گانا واقعی انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔ تو پھر ہم تینوں کیوں اس بے ہودہ ڈرامے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

فرقان اس کا جواب دے سکتا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے یہ سوال اس موقع پر کیا تھا جب اس نے اپنی کوٹھی میں جشن ابانا منعقد کیا تھا۔ اور اس کا صرف یہی منطقی نتیجہ نکالا تھا کہ ابانا جو محفل پر چھا جانے کی صلاحیتوں کی حامل ہے ساتھ ہی اتنی قدرت بھی رکھتی ہے کہ کسی بھی محفل کے کسی بھی شخص کو اس سحر سے آزاد رکھ سکے اور اس کی علت اس کے نزدیک صرف یہی تھی کہ ابانا خود کو سرعام کسی خلاف فطرت فعل سے منسلک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ بہر حال وہ اپنے طور پر یہ نتیجہ اخذ کرنے کے باوجود بھی اس وقت صرف یہی جواب دے سکا۔

بہر حال عثمانی جا چکا تھا۔ اور اب رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ فرقان نے جماہی لے کر بتی بجھا دی اور بیڈ سوئچ آن کر دیا۔ اور سلیمہ کے پہلو میں کر گہری نیند سو گیا۔

نامعلوم کیا وقت ہوا ہوگا کہ فرقان کی آنکھ کھٹکے سے کھل گئی۔ سبز ملائم روشنی میں اس نے ابانا کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ الفانسو بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا۔ فرقان اٹھ بیٹھا سلیمہ بھی بیدار ہو چکی تھی۔

الفانسو کے اندر آ جانے کے بعد ابانا نے دروازہ بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی۔ الفانسو نے اندر آتے ہی کہا۔

"ڈاکٹر فرقان...... میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ ابانا تمہاری بہترین دریافت ہے۔ اور شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ابانا بہت عمدہ اسپینی جانتی ہے۔ تم شاید اسے بے معنی بکواس سمجھتے ہو گے۔ مگر ایسا

نہیں ہے۔وہ اسپینی اس طرح بولتی ہے گویا یہی اس کی مادری زبان ہو بالکل سی اہل زبان کی مانند۔''

''مجھے معلوم نا تھا۔'' ڈاکٹر فرقان نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

اور اسی لمحہ ابانا نے الفانسو کو اپنی گرفت میں لے لیا۔''ڈاکٹر......آج یہ میری آگ بجھائے گا۔مگر تمہیں میرا کام کرنا ہوگا۔تم نیچے گیراج سے اپنی کار میں سے وہ شیشی لے آؤ جس میں تم نے بابا کا خون جمع کیا تھا۔''

فرقان شیشی لے آیا اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ہوٹل میں ویرانی چھا گئی تھی۔تمام کمرے بند تھے۔صرف ایک دو کمروں سے قہقہوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔سلیمہ نے اس سے کہا۔''ان لوگوں کو یہاں اس کمرے سے نکال دو فرقان۔''

ابانا الفانسو کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔

سلیمہ اور فرقان سوئے ہوئے تھے کہ اچانک اُن دونوں کی آنکھ کھل گئی۔برابر کے کمرے سے خوفناک آوازیں ابھری تھیں جیسے دو بھیڑیئے غرا رہے ہوں۔پھر بھیڑیوں کی غراہٹ بڑھتی چلی گئی۔سلیمہ نے اپنا سر فرقان کی چھاتی میں چھپالیا۔

آوازیں اور تیز ہوگئی تھیں۔ان میں وحشت اور غصہ اور زیادہ پیدا ہوگیا تھا۔پھر فرقان نے دروازے کو تھپتھپانے کی آوازیں سنیں۔باہر کئی افراد کے بولنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔فرقان نے اسی نادیدہ طاقت کے حکم پر دروازہ کھول دیا۔

وہ آوازیں جو کچھ دیر فرقان کو کمرے میں سنائی دے رہی تھیں گم ہوچکی تھیں۔لیکن پورا کاریڈور ان آوازوں سے گونج رہا تھا۔

''کیا ہے......'' اس نے خوابیدہ انداز میں کہا۔''یہ آوازیں کیسی ہیں......'' اس نے کہا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ آوازیں آپ کے کمروں سے آرہی تھیں۔'' کسی نے کہا تھا۔

''مگر اب یہ آوازیں پورے کاریڈور سے ابھر رہی ہیں......'' اس نے کہا۔

چند لوگ فرقان کی اجازت سے اندر آگئے تھے پھر فرقان کی اجازت سے وہ ابانا کے کمرے میں بھی آئے۔مگر ابانا بڑے پرسکون انداز میں بستر پر محوخواب تھی۔کمرے میں کوئی بے ترتیبی نہ تھی۔

اب کاریڈور کی آوازیں بھی بند ہوگئی تھیں۔

''کمال ہے عجیب بات ہے۔''

لوگ بڑبڑاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

☆......☆

اس رات تین مرتبہ اسی طرح فرقان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔مگر تینوں مرتبہ اس کے اور ابانا کے کمروں میں کوئی بے ترتیبی کوئی غیر معمولی بات نہ پائی گئی۔

آخری مرتبہ فرقان ان پر گرم ہوگیا تھا۔

''آپ لوگ بدخوابی کا شکار ہوگئے ہیں۔یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ کے لیے خوف

یا تشویش کا سبب ہو۔''

بہر حال وہ رات گذر گئی۔

صبح الفانسو ہوٹل میں ابانا......ابانا چیختا پھر رہا تھا۔اسی کا لباس تار تار تھا۔جسم پر خراشیں ہی خراشیں تھیں۔اس کے لانبے لانبے بال الجھے ہوئے تھے۔وہ کسی کو نہ پہچان سکتا تھا۔حتیٰ کہ وہ اپنے دوست الیگزانڈر کو بھی نہ پہچان سکا تھا۔اس نے صرف ''ابانا......ابانا'' کی رٹ لگا رکھی تھی۔

مینجر نے خود فرقان سے اس کے کمرے میں آکر بات کی تھی اور بہت گڑگڑا کر اس سے ہوٹل چھوڑنے کی درخواست کی تھی۔

''جناب میں بے حد شرمندہ ہوں۔مگر ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے لوگوں نے دھمکی دی ہے۔''

''میں خود ایک لمحہ کے لیے اس ہوٹل میں ٹھہرنا نہیں چاہتا......میں بس جا۔نے ہی والا ہوں۔''

اور پندرہ منٹ کے اندر فرقان نے سلیمہ اور ابانا کے ہمراہ اس ہوٹل کو چھوڑ دیا۔

☆......☆

حویلی میں خبیث بوڑھے نے ان کا استقبال کیا۔

ابانا میں تجھ سے دوبدو بات کرنے آیا ہوں۔تو بلا وجہ میری راہ میں حائل ہو رہی ہے۔تجھے معلوم نہیں تو میری ہی تخلیق ہے۔''

ابانا نے کہا۔

''ہم بدروحوں، کی دنیا میں کوئی کسی کی تخلیق نہیں ہوتا۔ہم اپنے اعمال کی تخلیق ہیں۔''

بات بڑھتی چلی گئی۔

بوڑھا خبیث بہت غصے میں تھا۔

''یہ میری ہے۔تو اسے میری بھینٹ چڑھنے سے نہیں روک سکتی......''

''اسے میں نے پسند کرلیا ہے بابا......اب اس پر تمہارا بس نہیں۔اس کے لیے اگر ہم دونوں میں مقابلہ ہوا۔تو دونوں ہی ختم ہوجائیں گے۔میں اس کا بال بیکا نہیں ہونے دوں گی۔''

''میں تیرے بچوں کو مار دوں گا۔''

''میری سیاہ بلی بھی میرے قبضہ میں ہے۔''

''نہیں......نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''ایسا ہوچکا ہے بابا......وہ سیاہ بلی میرے قبضہ میں ہے۔اسے ایسی جگہ رکھا ہے میں نے جہاں تم نہیں پہنچ سکتے۔''

''مجھے وہ بلی دے دو۔میں اس کی تلاش میں پاگل ہوگیا ہوں۔''

''وہ بلی......''

ابانا زور سے چیخی......اتنی زور سے کہ سلیمہ کانپ کر بے ہوش ہوگئی۔فرقان کا دل لرز کر رہ گیا۔

"وہ بلی......"

ابانا پھر زور سے چیخی۔

اور خبیث بوڑھا وہاں سے بھاگ گیا۔ "ابانا تو نے بہت بُرا کیا۔"

"تو بھی میرا بیٹا ہے۔" ابانا نے کہا۔ "بابا تو میرے بچوں کا دودھ شریک بھائی ہے۔" ابانا نے چیخ کر کہا تھا۔

بوڑھا غائب ہو چکا تھا۔

"یہ بلی کی کیا بات ہے۔" فرقان نے ابانا سے پوچھا۔

"بلی......" ابانا پھر جذباتی انداز میں چیخ کر حویلی کے اندر بھاگ گئی۔

OOO

وقت کی رفتار نہ رک سکی۔

وہ دن آ ہی گیا جس کے غروب ہونے کے ساتھ ہی وہ رات طلوع ہونے والی تھی جب خبیث بوڑھا اپنی ہوس کی بھینٹ کے لیے سلیمہ کو طلب کرنے کے لیے آنے والا تھا۔ یہ دن فرقان اور سلیمہ کے لیے پریشانیوں اور الجھنوں کا دن تھا۔ فرقان اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ اس دن اس نے اپنے ملازموں کو بھی چھٹی دے دی تھی۔ پھر خود ہی سوچنے لگا تھا کہ شاید اس نے ملازموں کو چھٹی دے کر غلطی کی ہے۔ اسے اپنے کسی فیصلے کی صحت پر اعتبار نہ تھا۔ سلیمہ کی حالت فرقان سے بھی زیادہ خراب تھی۔ ایک مرتبہ جب سلیمہ نے فرقان سے کہا تھا کہ وہ اسے آج کی رات کہیں اور منتقل کر دے تو ابانا نے کہا تھا۔ "تو تم مرنے کے لیے تیار ہو۔"

"کیوں؟......وہ میری تلاش میں یہیں آئے گا۔"

"اور تمہاری بو سونگھتا ہوا پھر یہاں سے اسی جگہ پہنچ جائے گا۔ جہاں تم چھپی ہو گی۔ اس کی قوت شامہ شکاری کتوں سے بھی زیادہ تیز ہے۔ وہ ایک ہفتے پہلے کی بو پر بھی اپنے شکار کا پیچھا کر سکتا ہے۔" ابانا نے کہا۔ "تم صرف میرے قریب رہ کر ہی محفوظ ہو میری جان۔"

"مگر وہ خبیث تمہارے بچوں کو مار دینے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔"

"آج وہ یہ بھی دیکھ لے گا کہ ابانا اپنے محبوب کے لیے کیا کچھ کر گذرتی ہے۔" ابانا نے کہا۔

"بس تم فکر نہ کرو۔ بوڑھا تم میں سے کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا مجھے تم دونوں عزیز ہو کہ تم میں سے ایک میرا عاشق اور دوسری میری محبوب ہے۔"

اس رات کے لیے فرقان نے خاص اہتمام کیا تھا۔ اس نے کوٹھی میں خوب روشنی کر دی تھی۔ ہر کمرہ روشن تھا۔ ہر راہداری روشن تھی۔ تمام ٹیبل لیمپ اور تمام بلب روشن تھے۔ اور اس طرح روشن تھے کہ حویلی کا کوئی کونا تاریک نہ رہا تھا۔ اور پھر وہ تینوں اس کمرے میں آ گئے تھے۔ جس میں صرف ایک دروازہ تھا۔ کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ فرقان اور ابانا، سلیمہ کے ادھر اُدھر بیٹھے تھے۔ فرقان کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اور مسہری کے ساتھ اس کی دو نالی بندوق ٹکی کھڑی تھی۔ دوسری طرف ابانا

بالکل عریاں بیٹھی تھی۔ جب فرقان نے اس سے عریاں ہونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا تھا۔

"تمہاری دنیا کے لباس پہن کر میری توانائیاں اور طاقتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہ توانائیاں اور طاقتیں آج اپنے پورے عروج پر ہونی چاہئیں۔ تاکہ بابا سے کسی طور میں کمزور نہ رہ سکوں اور میری یہ توانائیاں اس وقت اور بھی عروج پر ہوتی ہیں جب میرا جسم کھلا ہوا ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کہہ کیا رہی ہو؟"

"تھوڑی دیر کی بات اور ہے میری جان۔" ابانا نے نہایت لچر انداز میں کہا تھا۔ اور اپنے تیز دانتوں سے اپنی کلائی کا گوشت کاٹ کھایا تھا۔

"یہ یہ کیا کر لیا تم نے؟"

فرقان اور سلیمہ دونوں نے بیک وقت کہا تھا۔

"اپنا جسم کھول رہی ہوں۔" اُس نے کلائی سے رستے ہوئے خون کو نشیلے انداز میں چوستے ہوئے کہا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ پھر اچانک پوری حویلی خوفناک قہقہوں سے گونج اٹھی۔ ساتھ ہی بھیڑیوں کے غرانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سلیمہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابانا نے اسے دلاسا دیا۔ اور اپنی کلائی کے زخم سے رستا ہوا خون چاٹ لیا۔ پھر قہقہے بلند ہوتے گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ہر دیوار کی ہر اینٹ حلق بن گئی ہو۔ اور ان سے قہقہے اور بھیڑیوں کی خونخوار آوازیں ابل رہی ہوں۔

"آ جاؤ بابا۔ ان قہقہوں سے کچھ نہیں ہو گا۔" ابانا نے بلند آواز سے کہا تھا۔

پھر اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور بوڑھا دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ اس کے ساتھ بھیڑیئے کے دونوں بچے بھی تھے۔ بوڑھے کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں انگارہ بنی ہوئی تھیں۔ اور جسم پر نیلی نیلی رگوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فرقان نے خبیث بوڑھے کی چکنی سپاٹ جلد پر نیلی رگوں کا تانا بانا دیکھا تھا۔

"ابانا......تو راستے سے ہٹ جا ورنہ میں تیرے ان دونوں بچوں کو مار دوں گا۔" اس وقت بوڑھا گویا تمام ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ فرقان کے ہاتھ کی گرفت پستول پر مضبوط ہو گئی۔ پھر بوڑھے نے سلیمہ سے کہا۔ "میری گڑیا! تو ادھر آ جا......" بوڑھے نے فرقان کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

ابانا نے چیخ کر کہا۔

"بابا......سلیمہ میری ہے۔"

"سلیمہ میری ہے......" بوڑھے نے کہا اور ایک بھیڑیئے کی گردن پر اپنے ہاتھوں کی گرفت سخت کر دی اور دوسرے کی گردن پر اپنا پیر رکھ دیا۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے بلبلانے لگے۔

ہٹ جا ابانا......ورنہ تیرے یہ دونوں بچے......" بوڑھے نے پھر ان بچوں کی گردنوں پر دباؤ بڑھا دیا۔

"بابا......بابا......" ابانا چیختی ہوئی لپکی تھی۔ "میں ہٹ رہی ہوں۔ میں ہٹے جاتی ہوں

ہیں مجھے دیدو۔''

ابانا آگے بڑھی اور بوڑھے نے دونوں بچے ابانا کے حوالے کر دیئے اور اپنا ہاتھ سلیمہ کی طرف ڈھایا اور سلیمہ کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

فرقان بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ وہ پتھر کی طرح بے جان تھا۔ وہ پستول کی لبلبی دبانا چاہتا تھا۔ مگر پستول پر اس کا ہاتھ اپنی جگہ اینٹھ گیا تھا۔ انگلی کی طاقت سلب ہو گئی تھی۔ وہ یوں ہی بے جان بیٹھا رہا اسے اس وقت ابانا پر بے حد غصہ آرہا تھا۔ ابانا نے اُسے دھوکا دیا ہے۔ اس کا ذہن اسی جملے کی گردان کرتا رہا۔

پھر جب بوڑھے نے آگے بڑھ کر بے ہوش سلیمہ پر دست درازی شروع کی تھی تو اس کی پشت ابانا کی طرف ہوئی، تب ابانا پھرتی سے آگے بڑھی۔ اس نے فرقان کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔

پھر پے در پے دو دھماکے ہوئے۔ بھیڑیئے کے دونوں بچے خون میں لت پت فرش پر تڑپنے لگے۔

بوڑھا چونک گیا۔

فرقان پر سے انجانی طاقت کا دباؤ ختم ہو گیا۔

بوڑھے نے پلٹ کر دیکھا ابانا قہقہے لگا رہی تھی۔

''بابا...... میں نے اپنے بچوں کو اپنی محبوب پر قربان کر دیا ہے اس وقت میں تم سے ایک درجہ سبقت لے گئی ہوں۔ اب میرے وار سے بچو......''

مگر اس سے پہلے کہ ابانا کچھ کرتی فرقان نے دو نالی بندوق داغ دی......

''ہا...... ہا...... ہا......''

بوڑھا ہنسا اس کے جسم میں دو سوراخ ہو گئے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس طرح برابر ہو گئے جیسے پتھر گرنے کے بعد پانی کی سطح برابر ہو جاتی ہے۔ ابانا کا خیال ایک لمحہ کو ہٹا اور اسی لمحہ خبیث بوڑھا وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ دیواروں سے پھر قہقہے ابل رہے تھے۔

''میری گڑیا کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ میں پھر آؤں گا۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا فرقان......'' ابانا نے برہم ہو کر کہا تھا۔

دیواروں نے گویا پھر بوڑھے کی زبان پالی تھی۔

''ابانا...... اب آج رات تیرا کوئی وار مجھ پر کارگر نہیں ہوگا۔ ہر تکلیف برداشت کرنے اور جان بچانے کے لیے میرے جسم میں اب بھی دو سوراخ ہیں۔ تیرے ہر وار سے پہنچنے والی تکلیف انہی سوراخوں کے ذریعے جسم سے گزر جائے گی۔ آج رات تیرے ہاتھوں سے میرے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

ابانا نے غصیلے لہجے میں فرقان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''آج رات میری تھی فرقان اس رات کو کامیاب بنانے کے لیے میں نے بہت بڑی قربانی دی تھی مگر تمہاری جلد بازی نے میری قربانی

رائیگاں کر دی۔ اب ایسا موقع نہ معلوم کب ہاتھ آئے۔ میں نے تمہاری طاقت اس لیے سلب لی تھی کہ تمہیں بتا سکوں کے ابانا تمہارے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اب شاید تمہیں میری باتوں کا یقین آ گیا ہوگا۔''

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔

''تم شکوک وشبہات کے مارے انسان فطرت کی صداقت پر بھی یقین نہیں رکھتے۔''

اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

پھر وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ اور اپنے بھیڑیئے کے بچوں کی لاشوں سے لپٹ کر رونے لگی۔ ابانا کا تمام جسم ہچکیوں سے کپکپا رہا تھا۔ اور وہ روئے جا رہی تھی۔ فرقان پشیمان بیٹھا رہا۔ اُس لمحے وہ سلیمہ کو بھی بھول گیا۔ اُس نے بڑھ کر ابانا کو تسلی دینی چاہی۔ ابانا نے بھیگی بھیگی خالی آنکھوں سے فرقان کو دیکھا۔

''یہ میرا اپنا دُکھ ہے۔ فرقان اسے کوئی نہیں بٹا سکتا نہ میں اس میں کسی انسان کو شریک کرنا چاہتی ہوں۔''

''ابانا...... ابانا......'' فرقان فرش پر بیٹھ گیا۔ اور بھیڑیئے کے مردہ بچوں کا سر سہلانے لگا۔

''بناوٹ سے کام نہ لو فرقان......'' ابانا نے کہا۔ ''یہ تمہارے لیے محض جانور ہیں۔ جانور جن کا تم شکار کرتے ہو اور جن کی کھالیں تم اپنے گھروں کی زینت بناتے ہو اور جن کے سروں میں بھوسہ بھر کر انہیں دیواروں پر سجا دیتے ہو۔ جن کی لاشوں کے ساتھ بڑے فخر سے اپنے ماہر شکاری ہونے کی یادگار کے طور پر تصویریں کھچواتے ہو اور بڑے مزے لے کر ان کے شکار کے واقعات بیان کرتے ہو۔ یہ جانور ہیں فرقان ان کی موت کا دکھ مجھے ہے تمہیں نہیں ہو سکتا۔''

ابانا نے سسکیاں لے کر کہا۔

وہ روئے جا رہی تھی فرقان اس کی باتوں پر شرمسار تھا۔ اس نے پھر مناسب الفاظ تلاش کر کے ابانا کو تسلی دینی چاہی تھی۔ مگر ابانا نے اس سے کہا۔

''تم سلیمہ کو دیکھو فرقان......'' اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ ''سلیمہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ میں جی بھر کر رونا چاہتی ہوں...... مجھے رونے دو۔ اپنا غم ہلکا کرنے دو۔''

فرقان سلیمہ کو ہاتھوں پر اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔ اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ سلیمہ کو ہوش آیا تو وہ وحشت زدہ سی آنکھوں سے فرقان کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا فرقان؟...... وہ خبیث...... کیا وہ چلا گیا۔''

''ہاں وہ چلا گیا......'' فرقان نے کہا۔ ''اور ابانا کے دونوں بچے بھی مر گئے۔''

''کیسے؟'' سلیمہ نے پوچھا۔

پھر فرقان نے سلیمہ کو تمام واقعات بتائے اور سلیمہ فوراً ابانا کے پاس جانے کے لیے بے تاب ہو گئی۔

''وہ میری محسن ہے۔ میں اُس کے پاس جاؤں گی۔''

وہ دونوں اس کمرے میں گئے جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ بھیانک واقعہ ہوا تھا۔ مگر اب نہ وہاں ابانا تھی نہ بھیڑیئے کے بچوں کی لاشیں۔ البتہ فرش پر بھیڑیوں کا خون بکھرا ہوا تھا۔ پھر وہ لپک کر راہداری سے ہوتے ہوئے باہر آ گئے تھے۔ مگر ابانا کا کوئی پتہ نہ تھا۔ حویلی کی تیز روشنیاں بڑی سوگوار معلوم ہو رہی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ کے لیے یہ بے حد پریشانیوں کا دن تھا۔ دونوں نے ابانا کے انتظار میں باقی رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ لیکن ابانا واپس نہ لوٹی اور پھر فرقان نے یہی بہتر سمجھا کہ ابانا کے کمرے کو نوکروں کے آنے سے قبل ہی باہر سے مقفل کر دے۔ ان دونوں کی آنکھوں میں شب بیداری کا گدلا گدلا غبار اور ذہن پر سویا سویا سا بوجھ طاری تھا۔ دماغی کیفیت ایسی تھی کہ کچھ سوچنے سمجھنے کے لیے انہیں ذہن پر بوجھ ڈالنا پڑتا تھا۔

کافی پینے کے بعد انہیں اپنے جسموں اور ذہن پر سے یہ بوجھ ہٹتا محسوس ہوا۔ صبح کی سپیدی نمودار ہونے کے بعد خوف اور بوجھ کے سائے ہٹ گئے۔ ملازمین کے آنے کے بعد انہوں نے الٹا سیدھا ناشتہ کیا۔ اور رات کی بے خوابی دور کرنے کے لیے کمرے میں چلے گئے۔ لیکن ابھی ان کی آنکھ لگے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہی ہوا ہو گا کہ پولیس کی آمد کی وجہ سے ان کو بیدار ہونا پڑا۔ ڈاکٹر فرقان کو تھانے میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ وہ اس پر بے حد بھنایا۔ پولیس کے اعلیٰ مقام حکام سے رابطہ قائم کر کے احتجاج کیا۔ تو دوسری طرف سے فون پر جواب ملا۔

''ڈاکٹر اس میں ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم قانون پسند شہری ہو۔ قانون کی مدد اور اعانت کرنا تمہارا فرض ہے۔ پولیس کو ندیم کے قتل کے بارے میں کچھ سراغ ملا ہے۔ اور تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد کر سکتے ہو۔ ہمارا بہرحال یہی خیال ہے پھر ندیم تو تمہارا عزیز بھی تھا تم یقیناً اس کے قاتل کو قانون کی گرفت میں دیکھنا چاہو گے۔''

''مگر یہ کیا ضروری ہے کہ میں پولیس اسٹیشن ہی جاؤں۔ یہ معلومات مجھ سے یہاں بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔''

''نہیں ڈاکٹر! پولیس اسٹیشن میں تمہاری موجودگی ضروری ہے۔'' اور دوسری طرف سے فرقان کا جواب سنے بغیر ٹیلیفون بند کر دیا گیا۔

اسے پولیس اسٹیشن جانا ہی پڑا۔ سلیمہ بھی اس کے ہمراہ تھی۔ یہاں انہیں ایک نئے انسپکٹر سے سابقہ پڑا۔ یہ نیا انسپکٹر اس چھوٹے سے پہاڑی شہر اور اس کے مضافات میں قتل کی پے در پے پراسرار وارداتوں کی تحقیقات کے لیے صوبائی حکومت کی جانب سے خاص طور پر یہاں بھیجا گیا تھا۔ چھوٹا قد بھاری گول مٹول جسم، چہرے پر گوشت تھپا ہوا اور اس میں دھنسی ہوئی کنجی آنکھیں سرانڈے کے چھلکے کی طرح صاف صاف اور چکنا، گردن شانوں میں دھنسی ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے اور موٹے موٹے ہاتھ اور ان میں موٹی موٹی انگلیاں اور ان پر بال۔

اس نے کھڑے ہو کر ڈاکٹر فرقان کا استقبال کیا۔

''میں شاہد ہوں ڈاکٹر...... مرکز سے مجھے خاص طور پر یہاں ہونے والی قتل کی پراسرار وارداتوں کی تفتیش کے لیے بھیجا گیا ہے اور آپ شاید سلیمہ مسز فرقان ہیں۔ آداب۔''

انسپکٹر شاہد بولتا رہا۔ اس کا لہجہ بڑا دھیما لیکن قطعیت سے پر تھا۔ دھیمے لہجے کے باوجود اس میں کرختگی نمایاں تھی۔ پھر انسپکٹر شاہد ان دونوں کو بڑی سی میز کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی کرسی میں دھنس گیا۔ اور ایک کانسٹیبل کو کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر بیٹھنے اور کسی کو اندر نہ آنے دینے کی ہدایت کی۔

فرقان ابھی تک خاموش تھا۔ سلیمہ نے اس کا ہاتھ اپنے کانپتے ہاتھوں میں لے رکھا تھا۔ اور انسپکٹر شاہد میز پر رکھے ہوئے شیشے کو بے قرار انگلیوں سے تھپتھپا رہا تھا۔ گویا وہ پھر سلسلہ گفتگو شروع کرنے کے لئے مناسب الفاظ سوچ رہا ہو۔ پھر اس نے میز پر رکھے ہوئے ایک فائل کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس فائل میں بہت سے کاغذات پر نشانی کے لیے پنوں سے ''فلیگ'' لگے ہوئے تھے۔

کمرے میں چھائی ہوئی خاموشی کو بالآخر اسی نے پھر توڑا...... ''بات یہ ہے ڈاکٹر کہ میں نے یہاں آنے سے قبل ان تمام وارداتوں کی اخباری رپورٹیں پڑھی تھیں۔ انہیں غور سے پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ......'' اس نے وقفہ دے کر ڈاکٹر فرقان کے چہرے پر نظریں گاڑ کر کہا گویا وہ اپنے جملے کی ادائیگی کے بعد فرقان کے چہرے پر پیدا ہونے والے تاثرات کو بغور دیکھنا چاہتا تھا۔ ''تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ...... یہ وارداتیں جہاں کہیں بھی ہوئی ہیں وہاں جائے واردات کے آس پاس آپ یا آپ کی وہ وحشی مریضہ ابانا کہیں نہ کہیں ضرور موجود رہے ہیں۔'' فرقان کے چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہوئے۔ اور پھر انسپکٹر شاہد نے مطمئن ہو کر اس طرح گفتگو کو نیا رخ دیا گویا اس نے پہلا جملہ محض یونہی کہہ دیا ہو اور حقیقتاً اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ''ہاں یاد آیا...... وہ ابانا...... آپ کی مریضہ کہاں ہے؟ مجھے اس سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ تم بڑے کمال کے آدمی ہو ڈاکٹر! ایک وحشی اور جنگلی لڑکی کو جس نے بچپن ہی سے جانوروں میں پرورش پائی ہو۔ جسے دونوں پیروں پر انسان کی طرح چلنا بھی نہ آتا ہو اتنی جلد شائستہ بنا دیا۔ میں نے ابانا کے بارے میں تمام خبریں بڑی دلچسپی سے پڑھی ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ تمہیں اس سلسلے میں مبارکباد کا تار دینے کی کوشش کی مگر میری مصروفیات......'' وہ پھر خاموش ہو گیا۔ ''سنا ہے وہ تمہاری مرحومہ بیوی کامنی کی ہمشکل ہے۔''

''ہاں......''

اس مرتبہ فرقان کو جواب دینا ہی پڑا تھا۔

''میں نے تمہاری اس پارٹی کی روداد بھی پڑھی ہے جو تم نے ابانا کے انسانوں کی طرح چلنا سیکھنے پر دی تھی۔ مگر وہ بوڑھا کون تھا؟''

''کون سا بوڑھا؟'' فرقان نے یونہی پلٹ کر سوال کیا۔

''کمال ہے بھئی......'' اب انسپکٹر کے لہجے میں بے تکلفی آ گئی تھی۔ ''ارے بھئی وہی بوڑھا جو اسی محفل میں ایک لاش جو شاید کسی غیر ملکی ڈاکٹر کی تھی۔ وہ تمہارا دوست بھی تو تھا۔ اور تمہاری محفل میں مدعو

بھی تھا۔ بہر حال اس ڈاکٹر کی لاش لے کر محفل میں چلا آیا تھا اور بعد میں پولیس کی حراست سے چلتی وین سے فرار ہو گیا تھا۔'' وہ کون تھا......؟''

'' مجھے نہیں معلوم......''

'' خیر چھوڑو......'' انسپکٹر شاہد نے کہا اور پھر اس نے قتل کی ان تمام وارداتوں کی سلسلہ وار تفصیل زبانی بتانی شروع کر دی جو ابھی تک پولیس کے لیے معمہ بنے ہوئے تھے۔ وہ گویا اس طرح یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ شہر میں نیا نیا آنے کے باوجود وہ تمام حالات سے بخوبی واقف ہے۔'' وقت ضائع نہ کرو ڈاکٹر...... جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو۔''

'' ناراض ہوتے ہو تو چھوڑو ان باتوں کو میں تفصیلات میں نہیں جاتا۔ انسپکٹر شاہد کے موٹے اور گوشت تھپے ہوئے چہرے کے عضلات میں سختی آ گئی۔'' میری پریشانی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان تمام پر اسرار وارداتوں میں صرف ندیم کا قتل ایسی واردات ہے جس میں تم آس پاس کہیں موجود نہ تھے حالانکہ قتل کی یہ واردات بعض اعتبار سے دیگر وارداتوں سے ملتی جلتی نوعیت کی ہے۔ ورنہ تمہارے گاؤں میں قتل کی پر اسرار وارداتیں اس وقت ہوئیں جب تم اپنی کوٹھی میں ابانا کے ہمراہ منتقل ہوئے تھے۔ اور پھر ہوٹل ہل ٹاپ میں پرسوں قتل کی جو وارداتیں ہوئیں اس وقت بھی تم اپنی بیوی اور مریضہ ابانا کے ہمراہ اس ہوٹل میں مقیم تھے۔ اور وہ بے چارہ اسپینی سیاح جواب تمہاری مریضہ کا نام لے لے کر سڑکوں اور محلوں میں گھومتا پھر رہا ہے۔ وہ بھی اس حالت کو اسی عرصے میں پہنچا ہے۔ جبکہ تم ابانا کے ہمراہ وہاں موجود تھے۔''

'' میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

'' مجھے افسوس ہے ڈاکٹر......'' انسپکٹر شاہد نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا تھا۔'' میں کوشش کرتا ہوں کہ تم میری باتوں کو آسانی سے سمجھ سکو۔''

'' کیا تم مجھ پر کسی قسم کا شک کر رہے ہو؟''

ڈاکٹر فرقان نے سوال کیا۔

'' شک کرنا ہی ہمارا کام ہے ڈاکٹر...... تفتیش اور سراغرسانی کے لیے شک ہی بنیادی شرط ہے۔ سراغرساں وہی کامیاب ہوتا ہے جو شک کر سکتا ہو۔ دوسروں کو فرشتہ نہ سمجھتا ہو۔ پھر اس کی کامیابی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مشتبہ لوگوں کی فہرست سے اصل مجرم کو تلاش کرے۔ اور اس فہرست سے اسے مطلوبہ شخص کو پانے میں ناکامی ہو تو دوسری فہرست تیار کرے۔''

کمرے میں پھر سکوت چھا گیا۔ اس نے اپنی موٹی انگلی سے میز کے پائے میں لگا ہوا بٹن دبایا۔ کانسٹیبل اندر آیا تو اس نے فرقان سے دریافت کیا۔'' کافی یا چائے؟''

'' کچھ نہیں......'' فرقان نے خشک لہجہ میں جواب دیا۔

'' ایسا کیسے ہو سکتا ہے...... آپ دونوں کی آنکھیں بوجھل معلوم ہو رہی ہیں۔'' پھر اس نے کانسٹیبل سے کہا۔'' تین کافی۔'' کانسٹیبل کے جانے کے بعد اس نے پھر کہا۔'' کافی تھکے ہوئے ذہنوں اور اعصاب کو تسکین دیتی ہے۔ کیوں مسز فرقان؟''

فرقان خاموش رہا۔'' سلیمہ کے لیے اس گفتگو میں حصہ لینا بے سود تھا۔ انسپکٹر شاہد نے پھر کہا۔

'' تم ہم پولیس والوں کو کتنا ہی برا سمجھو لیکن ہماری مجبوریاں ہیں ہمارے لیے شک کرنے کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔ میری بھی یہی مجبوری ہے اور اس کے لیے میں نہایت شرمندہ ہوں۔ میری مجبوریاں تو اتنی شدید ہیں کہ میں نے مسز فرقان کے والد کو بھی بلایا ہے اس سلسلے میں وہ بھی آتے ہوں گے۔''

'' تم وقت ضائع کر رہے ہو۔'' فرقان نے کہا۔'' اصل مقصد بیان کرو مجھے کیوں بلایا ہے؟''

'' یہ معلوم کرنے کے لیے کہ جس رات ندیم قتل ہوا اُس رات اپنے نکاح سے قبل تم کہاں تھے۔''

'' اپنی حویلی میں۔''

'' مجھے یقین تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا......'' مگر مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے۔''

'' میرے پاس تمہارے شک کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' فرقان نے کہا۔ سلیمہ کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ اس نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔

'' مگر میرے پاس اس شک کے لیے ایک تھیوری ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں نے اس رات کی جو کہانی تمام کڑیوں کو ملا کر مرتب کی ہے اس میں کوئی جھول نہیں اور اس کہانی کے مطابق تم اور مسز فرقان اس رات نیلے چشمے والی کوٹھی میں موجود تھے۔''

'' یہ غلط ہے۔'' فرقان نے کہا۔'' اس رات میں حویلی میں تھا۔''

'' ہو گے۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔'' مگر میری کہانی کے بموجب اس رات تمہاری مریضہ بھی تمہارے ساتھ اس حویلی میں تھی۔ وہ اب کہاں ہے؟''

'' حویلی میں......'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔'' لیکن تمہاری کہانی کے تمام مفروضات محض غلط اور بے بنیاد ہیں۔''

'' تم میری کہانی سنو گے تو تمہیں بھی یقین آ جائے گا۔ کہ تم اس رات شادی سے قبل اس کوٹھی میں موجود تھے۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔'' اس سلسلے میں ایک نکتے کی وضاحت کے لیے میں نے مسز فرقان کے والد کو بلایا ہے۔ میرے اس شک کی تصدیق ہو گئی تو میں ندیم کے قتل کا الزام لگا کر تمہیں گرفتار بھی کر سکتا ہوں۔''

فرقان نے بے جان سا قہقہہ لگایا۔'' تم اپنی ہوائیاں چھوڑتے رہو۔ مجھے لگتا ہے تم انسپکٹر فہیم کے دوست ہو اور اسی نے تمہیں میرے خلاف بھڑکایا ہے۔''

'' میں صرف اپنے پیشے کا دوست ہوں۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا......'' میں نے تمہارے دوست شریف عثمانی کی وہ رپورٹ بھی پڑھی ہے جس کی بنا پر انسپکٹر فہیم معتوب کیا گیا ہے لیکن اس رپورٹ میں بہت بڑا جھول اور خامی ہے۔''

'' میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا۔ حقائق خود بخود سامنے آ جائیں گے مجھے تمہا۔۔۔

سامنے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی ضرورت ہیں ہے انسپکٹر شاہد تم اپنی سی تمام کوشش کرلو عدالت میں سب کچھ آئینے کی طرح صاف ہوجائے گا۔'' فرقان نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''میں اپنی طرف سے پوری کوشش کرنے کا قائل ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے انسپکٹر شاہد کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ''یہی وجہ ہے کہ آج تک میں نے جتنے ملزموں کو عدالت میں لے جا کر کھڑا کیا ہے۔ وہ بری نہیں ہوسکے۔ یہ میرا ریکارڈ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ طنزیہ ہنسی ہنسا۔

کانسٹیبل کافی کی پیالیاں لے کر آ گیا تھا اس نے ان تینوں کے سامنے کافی کی پیالیاں رکھ دیں جن میں سے گرم گرم کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ انسپکٹر شاہد نے انہیں کافی پینے کی دعوت دیتے ہوئے اپنی پیالی اٹھالی اور ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا۔ سلیمہ کی انگلیاں سرد تھیں۔ اور ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے سے ڈاکٹر فرقان کے ہاتھ میں دبا ہوا اس کا ہاتھ پسیج رہا تھا۔ کافی پینے کے اس وقفے میں ڈاکٹر فرقان نے سوچا کہ یہ انسپکٹر شاہد ان تمام پولیس افسروں سے کہیں زیادہ خرانٹ تیز اور چالاک ہے جن سے اب تک اس کا واسطہ پڑا تھا یا جن سے واقف تھا۔ ''اس کی یہاں آمد میرے لیے پریشانیوں کا سبب بھی بن سکتی ہے۔'' اس کی چھٹی حس نے اسے انسپکٹر شاہد کی طرف سے چوکنا کیا۔ ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ قانون کا حلقہ اس کے اردگرد تنگ ہوتا جارہا تھا۔ اس لمحہ اسے ابانا بری طرح یاد آئی وہ اگر یہاں ہوتی۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ یہ گول مٹول بد ہیئت سا شخص اس کے گرد کس طرح مکڑی کی مانند جالے بن رہا ہے تو وہ اس کی تمام صلاحیتوں کو منجمد کردیتی۔ ''نامعلوم کمبخت کہاں ہے؟'' اس نے ذرا برہمی سے سوچا اسے اس وقت ابانا پر غصہ آرہا تھا۔ وہ اس تمام خونی کھڑاگ میں محض اسی کی بناء پر پڑا تھا۔

''کہاں کھوگئے ڈاکٹر؟'' انسپکٹر شاہد نے اس سے کہا اور فرقان کے ہونٹوں کے گوشوں پر ایک تلخ مسکراہٹ کی بھنچی بھنچی سی لکیر کھنچ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی کی پیالی اٹھا کر کافی کا ایک تلخ گھونٹ حلق سے اتارلیا۔

سلیمہ نے جواب تک ان دونوں کی گفتگو میں خاموش رہی تھی، کسمسا کر کرسی پر پہلو بدلا۔ اسے انسپکٹر شاہد کی پوچھ گچھ کا انداز اور اس کا قطعیت سے پر لہجہ بالکل پسند نہ آیا تھا اس نے کہا۔

''تمہیں شبہ ہے کہ ڈاکٹر، ندیم کے قتل والی رات نیلے چشمے والی منحوس کوٹھی میں تھے یہ غلط ہے۔ اس رات یہ میرے ساتھ تھے۔ حویلی میں......''

''صرف یہی نہیں مسز فرقان۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا اس کا لہجہ پر تیقن سے بھرپور تھا۔ ''اس رات اس منحوس...... منحوس کوٹھی میں میرا خیال ہے آپ نے اس کوٹھی کو بہت قریب سے دیکھا ہے، تو...... میرا خیال ہے کہ اُس رات اِس منحوس کوٹھی میں ان کی مریضہ ابانا بھی تھی اور ایک اور خاتون بھی...... یقیناً وہ خاتون ہی ہوگی اور......'' انسپکٹر شاہد نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور سلیمہ کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔ سلیمہ نے جھجک کر بڑی بے چینی سے اپنا منہ پھیرلیا۔

''تم کچھ نہ بولو سلیمہ ڈارلنگ تم پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہو۔'' ڈاکٹر فرقان نے سلیمہ کو سمجھایا۔

''ایسے بجو انسپکٹر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جو حالات سے اپنی مرضی کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہوں۔ جو خود

کو عقل کل سمجھتے ہوں......''

''تم نے غلط اندازہ لگایا ہے ڈاکٹر......'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔ ''میں ہر وقت اپنی غلطی کو درست کرنے کے لیے تیار رہتا ہوں۔ اور میری کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں کبھی اپنی غلطی کو تسلیم کرنے میں بخیلی سے کام نہیں لیتا مجھے تم سے...... ڈاکٹر فرقان...... تم سے مجھے کوئی کد نہیں لیکن مقتول سے ہمدردی میرے ضمیر میں ہے۔ میں جب کوئی خون میں لتھڑی ہوئی لاش دیکھتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ بے جان لاشہ میرا اپنا لاشہ ہے۔ میں اب تک کئی مرتبہ قتل ہو چکا ہوں۔ میں نے اپنے کئی قاتلوں کو پھانسی کے پھندے تک پہنچایا ہے اور قاتل کی بے جان لٹکتی لاش کو بھی میں نے اپنا ہی لاشہ محسوس کیا ہے یوں میں کئی مرتبہ دار پر بھی چڑھا ہوں۔ اور ہر مرتبہ یہی سوچا ہے کہ اب کوئی نیا شاہد دوسرے نئے شاہد کو قتل نہیں کرے گا مگر انسان بہت کمینہ جانور ہے......'' وہ خاموش ہوگیا اور ٹھنڈی کافی کا ایک بڑا سا گھونٹ لے کر اسے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''...... تو میں کہہ رہا تھا کہ مجھے تم سے کوئی کد نہیں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں۔ تمہیں ملک کا اہم قومی سرمایہ سمجھتا ہوں لیکن اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ شاید ندیم بنکر میں ایک مرتبہ پھر قتل ہوگیا ہوں اس کی لاش جس انداز میں ملی تھی۔'' وہ کپکپا اٹھا۔ اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کیفیت کیا ہوئی تھی، فائلوں میں اس کی تفصیل پڑھ کر اور انہیں فائلوں کے معاملے میں جس منطقی نتیجے پر پہنچا ہوں اس کے بعد سوائے تمہارے اس وقت کوئی اور شخصیت مشتبہ نہیں ٹھہرتی۔ یہ میری مجبوری ہے۔'' وہ خاموش ہوگیا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورنے لگا۔

''بہرحال تمہاری تھیوری غلط ہے۔ میں اس رات نیلی کوٹھی میں نہیں گیا تھا۔'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔ ''پھر بھی میں تمہاری تھیوری جاننا چاہوں گا۔''

''تھیوری کچھ نہیں صرف سامنے کے حالات اور حقائق کو ان کے پس منظر میں دیکھنے اور انہیں ایک منطقی قابل فہم سلسلے میں مربوط کرنے کی بات ہے۔'' انسپکٹر شاہد نے میز پر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ میں کن بنیادوں پر تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں اور کیوں تمہیں ان تمام واقعات کا جو گزشتہ ایک ڈیڑھ ماہ میں شہر اور مضافات میں ہوئے ہیں ذمہ دار سمجھتا ہوں۔ دراصل میرا طریقہ کار یہی ہے میں مشتبہ افراد کو اس بات سے پیشگی مطلع کردیتا ہوں کہ میں کن بنیادوں پر ان پر شک کررہا ہوں اور پھر اس شک کو دور کرنے اور شبہات سے خود کو بالا کرنے کے لیے اصل ملزم جو حماقتیں اور غلطیاں کرتا ہے۔ وہی میرے لیے نشان راہ بن جاتی ہیں۔ اسے تم خودستائشی یا خود فریبی نہ سمجھنا یہ حقیقت کا اظہار ہے۔'' وہ کرسی سے اٹھا۔ اور چلتا ہوا کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ جس کے باہر سرسبز وشادات وادی کا حسین منظر پھیلا ہوا تھا۔ انسپکٹر شاہد کے انداز اس کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر لفظ سے بلا کا اعتماد ٹپکتا تھا۔ اور یہی اعتماد ڈاکٹر فرقان کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجا رہا تھا۔ اور یہ خطرہ لمحہ بہ لمحہ حقیقت کا روپ پانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا گویا انسپکٹر شاہد کسی وقت بھی اسے قتل کے الزام میں گرفتار کرلے گا۔

خطرے کے اس احساس نے اسے مضطرب کردیا تھا۔ ''کیا میں ایک فون کرسکتا ہوں۔''

اچانک اس نے عثمانی کو بلانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''ضرور......'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔ ''ابھی آپ آزاد شہری ہیں...... ویسے بھی میں ملزم کو اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں ہر ممکن سہولت دینے کا قائل ہوں۔''

وہ رکا اور لمحہ بھر کے وقفہ کے بعد بولا۔

''عثمانی کو فون کرو گے۔''

''ہاں......'' ڈاکٹر فرقان نے کہا اور دل میں سوچا کمبخت ضرورت سے زیادہ ہی ذہین ہے۔''

''وہ بھی آتا ہی ہوگا میں نے اسے بھی بلایا ہے۔''

ڈاکٹر نے فون پر عثمانی کے گھر کے نمبر ملائے اور مختصراً اسے تمام روداد سنائی انسپکٹر شاہد نے صحیح کہا تھا کہ وہ بھی تھانے طلب کیا گیا تھا۔ اور گھر سے چلنے ہی والا تھا۔

''میں جانتا ہوں ڈاکٹر کہ تم پر میرے شبہ کی وجہ کیا ہے؟'' وہ اب کمرے میں ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ ''اس کا بنیادی سبب میرے نزدیک تمہاری مریضہ ہے۔'' وہ خاموش ہوگیا اور رک کر فرقان کو دیکھنے لگا۔ گویا وہ اس جملے پر اس کی جانب سے کسی تبصرے کا متوقع ہو۔'' مگر فرقان نے کوئی جواب نہ دیا۔

انسپکٹر شاہد نے پھر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ ''ابانا...... تمہاری مریضہ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق جنگلی جانوروں میں پلی بڑھی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ تو انسانوں کی طرح چل پھر سکتی تھی نہ اس کا خون ہی انسانوں کے خون کی مانند تھا۔ جس کی تشریح میرے نزدیک یہی ہے کہ اس کی پرورش انسانوں کی خوراک پر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کی خوراک جنگلی جانوروں اور درندوں کی سی تھی سو اگر ہم اس کی عمر ۱۸ برس تصور کر لیں تو گویا کم از کم ۱۳-۱۴ سال اس نے جنگلی ماحول میں پرورش پائی ہے۔ جو ایک طویل عرصہ ہے میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔'' اس نے ڈاکٹر فرقان سے پوچھا۔

''نہیں مجھے تم سے پورا پورا اتفاق ہے۔''

''سو تیرہ چودہ برس کی وہ عادتیں جو بچپن ہی میں اس کی جبلت کا حصہ بن گئی ہوں ان کا چند دنوں میں بدلنا میرے نزدیک ناممکن ہے۔ میں یہ مانے لیتا ہوں کہ تم نے اس مدت میں بیساکھیوں اور دوسری چیزوں کی مدد سے اپنے پیروں پر چلنا سکھایا جیسا کہ عثمانی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے......'' وہ کھڑکی سے پھر فرقان کی طرف بڑھ آیا۔ ''مگر میں یہ بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ تم نے اتنے ہی عرصے میں اس کی خوراک اور اس کی جبلت میں رچی ہوئی خونخواری بھی بدل ڈالی ہے۔ میرا اپنا خیال ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ گوشت کھانا میرا مطلب کچے گوشت سے ہے اور خون پینا اس کی عادت ہے۔''

انسپکٹر شاہد خاموش ہوگیا اور اس نے فرقان کے پاس آ کر کہا۔

''اگر میں نے کوئی، غلط بات کہی ہے تو اس کی تصحیح کر دو۔''

''میں تمہارے بھونڈے خیالات اور نظریات کی تصحیح کے لیے نہیں آیا ہوں۔''

فرقان نے تلخی سے جواب دیا۔

''میں نے اپنی اس تھیوری کے خلاف جانے والے تمام امکانات اور تمام پہلوؤں پر غور کر لیا ہے۔ تمہارے خیال میں جو بات اس تھیوری کے ڈھانچے میں موزوں نہ ہوتی ہو مجھے بتاؤ میں اس کی اطمینان بخش اور قابل فہم تشریح کر دوں گا۔''

''مجھے کچھ نہیں کہنا۔'' فرقان نے کہا۔

''تمہاری مرضی۔'' انسپکٹر شاہد میز پر آ بیٹھا۔ ''بہر حال مجھے یقین ہے کہ تم خوراک کے بارے میں اس کی عادتیں ترک کرانے میں بھی ابھی تک ناکام رہے ہو اور یہ تمام قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ وہ تین لاشیں جس حالت میں ملی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے گلے کو دانتوں سے ادھیڑ کر ان کا خون چوس لیا گیا ہے۔'' اس نے فائلوں کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اور پھر ایک فائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دراصل میں نے ابانا کو ملنے اور ہسپتال میں اس کے علاج کے واقعات اور قتل کی ان پراسرار وارداتوں کو باہم مربوط کر کے یہ تھیوری بنائی ہے۔ ان یکساں نوعیت کی قتل کی وارداتوں کا سلسلہ اسی دن سے شروع ہوا جس دن ابانا ہسپتال لائی گئی تھی۔ ہسپتال میں بلی کی لاش ملنا بھی میرے خیال میں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ابانا کو خون پینے کی عادت اسی کے بعد سے ہوئی تھی۔ اور پھر یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا اور آخری واردات ندیم کے قتل کی تھی۔''

انسپکٹر شاہد خاموش ہوگیا۔

اور اس نے فائل زور سے بند کر دی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے گہرا سناٹا چھا گیا۔ اور پھر انسپکٹر شاہد نے کہا۔ ''اس تھیوری پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ڈاکٹر فرقان جیسا شخص ان خونی وارداتوں میں کیوں کر شریک ہوا؟ ایک ہمدرد و غمگسار ڈاکٹر کیونکر ایسے بہیمانہ فعل کو برداشت کر سکا سو اس کا بھی ایک منطقی اور نفسیاتی جواز موجود ہے۔ ابانا تمہاری مریضہ'' انسپکٹر شاہد نے فرقان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''تمہاری مرحومہ بیوی کامنی کی ہمشکل ہے۔ وہ تمہیں اس وقت ملی جب تمہاری بیوی اور بچہ اس خوفناک طوفان کا لقمہ بن گئے تھے۔ اس واقعے نے تمہارے ذہن پر بُری طرح اثر ڈالا تھا۔ ابانا کو دیکھ کر تمہیں اس میں اپنی بیوی کا نعم البدل نظر آیا اور تم اسی میں گھر گئے۔ اور اس کی دلجوئی کے لیے، اسے اپنانے کے لیے تم نے اس کی خونی سرشت کو بخوشی قبول کر لیا۔''

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

سلیمہ کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اور فرقان نے سوچا کمبخت نے بہت ہی منطقی ذہن پایا ہے۔ لیکن اُسے اس تھیوری میں بہت سے جھول محسوس ہوئے ان جھولوں نے اُسے مطمئن سا کر دیا لیکن دل میں خوف کی خلش باقی رہی۔ انسپکٹر شاہد غور سے فرقان کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے، اس کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت فرقان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''کیا خیال ہے ڈاکٹر فرقان میری اس تھیوری کے بارے میں؟'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔

''احمقانہ بکواس، معاندانہ اور جانبدارانہ تھیوری ہے۔ تم نے پہلے ایک مفروضہ قائم کیا۔ ایک

چوکھٹا بنایا اور اب اس میں واقعات فٹ کر رہے ہو۔"

"ایسا نہیں ہے ڈاکٹر...... میں واقعات و حالات کو زبردستی ایک فریم میں فٹ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ تو از خود اس فریم میں فٹ ہو رہے ہیں۔ میرے ذہن میں ابھی ایک شبہے نے سر اٹھایا ہے۔ اس کی تصدیق ہو جائے تو میں پانچ منٹ ہی میں تمہیں یہ بتا سکوں گا کہ ندیم کے قتل کی رات نیلے چشمے والی کوٹھی میں ندیم ابانا، اور تمہارے علاوہ چوتھی شخصیت کون سی تھی۔ اس قتل کی واردات میں سب سے بڑی چیز جو تمہارے خلاف جاتی ہے وہ ہے تمہارا سوٹ جس میں ندیم کا سر لپیٹا ہوا ملا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے پولیس فائل کھول لی اور وہ صفحہ نکال لیا جس پر نشانی کے لیے کاغذ لگا ہوا تھا۔

"میرا سوٹ......" فرقان نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ندیم کے قتل کے بارے میں انسپکٹر حمید کی رپورٹ ہے۔ انسپکٹر حمید نے لکھا ہے کہ اس نے تمہیں نیلے چشمے والی کوٹھی کے کمرہ واردات میں ندیم کا سر دکھایا تھا جو ایک کوٹ میں لپٹا ہوا تھا۔ انسپکٹر حمید نے اپنی رپورٹ میں یہ تو لکھا ہے کہ تم نے ندیم کے سر کو پہچان لیا تھا لیکن یہ نہیں لکھا کہ تم نے سوٹ کو بھی پہچانا تھا یا نہیں انسپکٹر حمید میں ایک خوبی ہے وہ واردات کی رپورٹ لکھتے ہوئے ذرا ذرا سی تفصیل لکھتا ہے۔ اگر تم نے اپنا سوٹ شناخت کر لیا ہوتا تو وہ اسے ضرور لکھتا۔"

"وہ سوٹ ندیم خود اُس دن مجھ سے مانگ کر لے گیا تھا۔ اس کے کپڑے خراب ہو گئے تھے بارش میں اس لئے وہ......"

"میں مانتا ہوں مگر اس کے باوجود سوٹ کو پہچاننے میں تو تمہیں کوئی دقت نہیں ہونی چاہئے تھی۔" انسپکٹر شاہد نے کہا۔ "اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہی ہے۔"

"تم نے مجھے پھانسنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو تم کوئی بات نہیں مانو گے۔"

"پھانس میں نہیں رہا ہوں ڈاکٹر...... پھنسے تم خود ہو......" کمرے میں ایک مرتبہ پھر گہرا سناٹا چھا گیا۔

"میرے لئے اس تمام کیس میں الجھن کا صرف ایک سبب ہے......" انسپکٹر شاہد نے سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے کہا۔ "اور وہ یہ کہ آخر بیک وقت تین تین نکاح نامے کہاں سے آ گئے؟ ایک وہ جو تمہاری کار سے غائب ہوا۔ دوسرا وہ جو مسز فرقان کے والد کی جیب سے نکلا اور تیسرا وہ جو ندیم کی قتل گاہ سے ملا۔ لیکن میرے لئے نکاح ناموں کا یہ چکر زیادہ اہم نہیں ہے۔ محض ایک شخص ہے کہ ہر جگہ موجود ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے لیکن...... خیر چھوڑو۔"

فرقان نے کہا۔

"انسپکٹر شاہد میں نے تمہاری تقریر تمہارے دلائل اور تمہاری تھیوری سن لی ہے۔ اس سلسلے میں میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ تمہاری کج فہمی اور عقل کی خرابی کا نہایت شاندار ثبوت ہے۔ تم نے جو کچھ نظریہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ پورچ بلکہ انتہائی بودا ہے۔ اور دلائل سے تمہارے اس نظریہ کی دھجیاں بکھیری جا سکتی ہیں۔ اب میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس فضول بکواس سننے کا نہ تو وقت ہے نہ اس کے

لیے فالتو بھیجا۔"

اس وقت کانسٹیبل نے اندر آ کر سلیمہ کے والد اور رپورٹر عثمانی کی آمد کی اطلاع دی اور انسپکٹر شاہد نے انہیں اندر بلا لینے کی ہدایت کی۔

"بس میں چلوں گا۔ زیادہ دیر میں یہاں نہیں رک سکتا۔" ڈاکٹر فرقان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلے جانا ڈاکٹر......" انسپکٹر شاہد نے کہا۔ "ابھی میں تمہیں گرفتار نہیں کروں گا۔ لیکن اس وقت میں نے تمہیں صرف اس سوٹ کی شناخت کے لیے یہاں بلوایا تھا۔ جس میں ندم کا سر لپیٹا ہوا ملا تھا۔"

"میں مانے لیتا ہوں کہ وہ میرا ہی سوٹ ہے اور ندیم نے وہ سوٹ مجھ سے عاریتاً لیا تھا۔"

"پھر بھی ضابطے کی کارروائی پوری ہو جائے تو اچھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا عثمانی اور سلیمہ کے والد اندر آئے۔ فرقان اور سلیمہ دونوں نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے نہایت نفرت سے منہ پھیر لیا اور کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے۔ اور عثمانی نے فرقان کے برابر کی کرسی سنبھال لی۔

انسپکٹر شاہد نے کمرے کے ایک کونے میں رکھے ہوئے سیاہ صندوق کو کھول کر اس میں سے ایک کوٹ نکالا۔ اور پھر پتلون۔ یہ دونوں خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اور خون نے جم کر ان میں سختی پیدا کر دی تھی۔

"کہئے یہی ہے نا آپ کا سوٹ؟"

انسپکٹر شاہد نے کہا۔

"ہاں......"

"تو پھر ان دونوں چیزوں پر یہاں قلم سے آج کی تاریخ میں دستخط کر دیجئے۔"

فرقان نے ایسا ہی کیا۔ اور انسپکٹر شاہد نے کہا۔

"اب آپ جا سکتے ہیں لیکن شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ پولیس کو اطلاع دیئے بغیر شہر سے نہیں جا سکتے؟"

فرقان نے نفرت سے سر کو جھٹکا اور سلیمہ کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھولتے ہوئے عثمانی سے کہا۔ "یہاں سے فارغ ہو کر فرصت ملے تو مجھے حویلی فون کر لینا......" پھر وہ سلیمہ کے ساتھ اس کمرے سے باہر نکل آیا۔

مگر گھر پہنچتے ہی اسے جو فون ملا وہ عثمانی کا نہیں انسپکٹر کا تھا۔ اس نے یہ خبر سنائی تھی۔

"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ندیم کے قتل والی رات نیلے چشمے والی کوٹھی میں تمہارے، ندیم اور ابانا کے علاوہ سلیمہ بھی تھی۔ میں نے محض اندھیرے میں تیر پھینکا تھا۔ اور سلیمہ کے والد نے ان زنانہ کپڑوں کو جو ندیم کے کمرے سے برآمد ہوئے ہیں سلیمہ کے کپڑوں کی حیثیت سے پہچان لیا ہے۔ مگر تیر پھینکنے کی سمت خود سلیمہ نے بتائی تھی۔ "منحوس کوٹھی" کا لفظ میرے ذہن میں اٹک کر رہ گیا تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ......''

فرقان نے چیخ کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

☆......☆

شام ہی سے کالی اور اودی گھٹاؤں نے وادی پر اپنا گہرا سایہ پھیلا دیا تھا۔اور بوندا باندی نے ذرا دیر میں موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا تھا۔ابانا کا ابھی تک کوئی پتہ نہ تھا۔لیکن وہ کسی وقت بھی آ سکتی تھی۔نا معلوم فرقان اور سلیمہ کو یہ کیوں یقین تھا کہ وہ ان کو مصائب میں گھرا نہیں چھوڑے گی۔ابانا کے بچوں یا بھیڑیئے کے بچوں کی موت نے خود ان کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا تھا۔وہ ابانا جو ان دونوں کے لیے اپنے بچوں کو مار سکتی ہے اب اس کے لیے ان کے دلوں میں محبت کے جذبات موجزن تھے۔اس کی تمام خونخواری، اس کی تمام تر غیر انسانی جبلتیں اس کی صرف اس قربانی کے سامنے ہیچ پڑ گئی تھیں۔

گھٹاؤں کو مغربی گوشے سے امڈتے بڑھتے دیکھ کر ہی فرقان نے ملازمین کو چھٹی دیدی تھی۔
وہ اس علاقے میں پلا بڑھا تھا اور یہاں کے موسم کا مزاج آشنا تھا۔وہ جانتا تھا کہ مغربی گوشے سے اٹھنے والی یہ گھٹائیں پورے آسمان پر چھا کر وادی کو جل تھل کر دیں گی۔پہاڑی راستے دریا بن جائیں گے۔پانی کے بہاؤ میں ان پر قدم جمانا مشکل ہو جائے گا۔وہ اور سلیمہ دونوں خاموش خاموش سے تھے۔رات بھر کی جگار کے بعد بھی ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔لیکن ذہن میں تر مرے بھرے ہوئے تھے۔

شام تک انسپکٹر شاہد کا دو مرتبہ فون آیا۔اور دونوں مرتبہ اس نے فرقان کو ندیم کے قتل کے سلسلے میں مشتبہ گردانا۔ہر مرتبہ اس نے ایک نیا انکشاف کیا اور آخری مرتبہ فرقان نے کہا تھا۔

''تم مجھے اس طرح ہراساں نہیں کر سکتے۔انسپکٹر شاہد......میں بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔اور اب میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے پریشان نہ کرو۔''

''ٹھیک ہے۔تو اب تم سے میں اس وقت ملاقات کروں گا جب میں ہتھکڑیاں تمہارے ہاتھ میں ڈالنے آؤں گا۔''

''میں تمہارا خیر مقدم کروں گی۔''فرقان نے جواب دیا۔

اس طرح یہ منحوس دن ختم ہوا ڈاکٹر فرقان اس دن کے لیے منحوس سے بہتر کوئی اور صفت تلاش نہ کر سکا تھا۔اس نے اگرچہ انسپکٹر شاہد کے سامنے اور بعد میں فون پر اسے جواب دیتے ہوئے کسی قسم کی کمزوری نہ دکھائی تھی۔لیکن ذہنی طور پر وہ بے حد پریشان تھا۔انسپکٹر شاہد کی تھیوری حقیقت کے بہت قریب تھی اور جب وہ صرف واقعات اور رپورٹ میں پڑھ کر ایسے حیرت انگیز نتائج اخذ کر سکتا ہے۔جن پر ابھی تک کسی کی نظر نہ گئی تھی۔تو اصل تفتیش کے دوران اس کو واقعات اور حقائق کی تہہ تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ ہو گا۔اسی پریشانی کے دوران اس نے دو تین مرتبہ عثمانی کو اس کے گھر اور دفتر فون بھی کیا مگر وہ بھی لاپتہ تھا۔اور خود اس نے بھی فرقان سے رابطہ قائم نہ کیا تھا۔

''کمبخت عثمانی کو بھی ابھی لاپتہ ہونا تھا۔''اس نے مضطرب ہو کر یہ الفاظ بلند آواز میں ادا

کیے۔

''کیا ہے ڈاکٹر......بہت پریشان ہو؟''

سلیمہ نے اس سے کہا۔

اور فرقان خالی الذہنی سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

☆......☆

فائرنگ بڑی شدید تھی۔رات کے خاموش ماحول میں گولیاں چلنے کی زور دار آوازیں گونج رہی تھیں۔فائرنگ کی اسی آواز نے فرقان کو بیدار کر دیا۔اور اس نے کسمسا کر پہلو بدلا کئی دن کی بے خوابی کے بعد آج اسے پہلی مرتبہ گہری نیند آئی تھی۔فائرنگ کی آواز ایک مرتبہ پھر وادی میں گونجی اور فرقان اٹھ بیٹھا۔بستر خالی تھا اور سلیمہ غائب تھی۔اس نے سلیمہ کو آواز دی۔اس کا خیال تھا کہ سلیمہ باتھ روم میں ہو گی مگر سلیمہ نے اس کی پکار کا کوئی جواب نہ دیا۔

وہ باتھ روم کی طرف آیا۔وہ خالی تھا پھر اس نے ابانا کا کمرہ دیکھا وہ بھی اسی طرح ویران تھا۔ابانا ابھی تک نہ پلٹی تھی۔فرقان پریشان ہو گیا۔اس نے چیخ کر پھر سلیمہ کو آواز دی اور کمرے سے باہر آ گیا۔اسے خیال آیا کہ کہیں خبیث بوڑھے نے سلیمہ کو اغواء نہ کرا لیا ہو۔یہ خیال آتے ہی وہ تہہ خانے کی طرف لپکا مگر تہہ خانہ خالی تھا۔پھر اس نے کوٹھی کا ایک ایک کمرہ دیکھ ڈالا۔

باہر اب پھر فائرنگ کی آواز تیز ہو گئی تھی۔فرقان نے اپنی دو نالی بندوق اٹھائی۔اس میں کارتوس بھرے اور کچھ کارتوس جیب میں ڈال کر حویلی سے بھاگتا ہوا باہر آ گیا فائرنگ حویلی کے شمال کی جانب پہاڑی ڈھلوان سے آ رہی تھی۔اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک اور کوٹھی بنی ہوئی تھی جس میں روشنی ہو رہی تھی۔فائرنگ کی سمت کا اندازہ کر کے وہ اندھا دھند کیچڑ، پانی، پتھروں اور پہاڑی جھاڑیوں میں ہوتا۔الجھتا اور ٹکراتا ہوا چڑھائی پر چڑھتا چلا گیا۔فائرنگ میں شدت آ گئی تھی اور فائرنگ کے شعلے پتنگوں کی طرح بھیگی ہوئی فضا میں ناچ رہے تھے۔فرقان اس فائرنگ کی سمت کا اندازہ کر کے ایک پہلو سے ہوتا ہوا آگے بڑھ گیا۔وہ اب اس پہاڑی ڈھلوان پر ایک ایسے پتھر کے پاس پہنچ چکا تھا جو فائرنگ کرنے والے فریقوں کے کم و بیش درمیان میں تھا۔ایک فریق بلندی پر تھا اور دوسرا اس سے کچھ نیچے ڈھلوان پر......

فرقان اس پتھر کی اوٹ لینے کے لیے ایک جانب سرک گیا۔یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی۔ورنہ وہ گولی جو اس کے ہٹتے ہی چٹان پر پڑ کر اچٹ گئی تھی۔اس کے سینے میں سوراخ کر دیتی۔

پھر اس نے فائرنگ کے تبادلے میں نیچے ڈھلان پر سے ایک انسانی چیخ کی آواز سنی۔شاید کسی گولی نے کسی کا کام تمام کر دیا تھا۔اس چیخ کے ساتھ ہی اس جانب سے مسلسل گولیاں چلیں۔اور کچھ دیر کے لیے سناٹا ہو گیا۔بلندی کا محاذ خاموش تھا۔پھر اس نے ایک طاقتور ٹارچ کی لکیر بلندی سے نیچے کی طرف آتے دیکھی۔وہ جو کوئی بھی تھا اس نے ٹارچ جلا کر شاید حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ٹارچ روشن ہوتے ہی کئی گولیاں چلی تھیں مگر کوئی چیخ بلند نہ ہوئی ٹارچ جلانے والے نے بٹن دباتے ہی وہ جگہ چھوڑ دی ہو گی۔''فرقان نے سوچا تھا۔

اوراس وقت فرقان نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹارچ والے کا ساتھ دینا چاہیئے۔ اس نے چٹان کے پیچھے مناسب فاصلہ کر اس کے مخالفین کی طرف جو نشیب میں تھے گولی چلادی۔ ساتھ ہی بلندی سے پے در پے گولیاں چلیں۔ دوطرفہ فائرنگ سے ٹارچ والے کے مخالفین میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ فائرنگ کرتے ہوئے پسپا ہونے لگے۔ کم ازکم فرقان نے یہی محسوس کیا تھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

فرقان اوراس اجنبی ٹارچ والے کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا لیکن اب مخالفین کی طرف سے فائرنگ کا کوئی جواب نہ دیا جارہا تھا۔ وہ لوگ بھاگ چکے تھے۔ فرقان ان کا تعاقب کرنا چاہتا تھا مگراس وقت ان کے تعاقب کے لیے اسے ٹارچ کی روشنی کی لکیر کے سامنے سے گذر کر جانا پڑتا جو اس کے لیے موت کا پیغام بن سکتا تھا۔ وہ بے چینی سے اپنی جگہ کڑھتا رہا۔

پھر فرقان نے ٹارچ والے کے پاس سے آواز سنی۔ ''تم کون ہو دوست؟ وہ بھاگ گئے ہیں۔'' ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی حرکت میں آگئی۔ وہ اجنبی تیزی سے ٹارچ لیے نیچے اتر رہا تھا۔ فرقان چٹان کی اوٹ سے باہر آگیا۔ اجنبی فرقان کے پاس پہنچ چکا تھا۔

''اُن کے ساتھ کوئی عورت بھی ہے۔'' اجنبی نے کہا۔ ''میں اس کی چیخ سے اس طرف متوجہ ہوا تھا۔ کتاب پڑھ رہا تھا کہ میں نے یہ چیخ سنی اور میں بندوق لے کر ادھر آیا۔''

''وہ سلیمہ ہوگی۔''

فرقان نے مضطرب ہوکر کہا۔ ''سلیمہ'' اس کی آواز رات کے سناٹے میں تیر گئی۔

''تو آؤ ہمیں ان کا تعاقب کرنا چاہیئے۔''

اجنبی نے ٹارچ بجھادی اب وہ تیزی سے اس سمت جارہے تھے جہاں اس سے مخالفین نے تھوڑی دیر پہلے پسپائی اختیار کی تھی۔

OOO

اندھیری رات میں اب بھی بیٹ بچنوں نے اس پہاڑی پر خودرو خوشبو بکھیرتے پھولوں کے درمیان پھلجڑیاں جلارکھی تھیں۔ فضا میں جھینگروں کا شور گھلا ہوا تھا۔ ذرادیر پہلے اسی پہاڑی پر فائرنگ کے تبادلے سے فضا کا قدرتی پن مجروح ہو چکا تھا مگر اب پھر ماحول نے اپنی اصلیت پالی تھی۔ فرقان نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کے ریڈیم ڈائل کو دیکھا۔ تین بجے کا عمل تھا۔ پھر اس نے خود سے یہ سوال کیا کہ آخر اس نے گھڑی کیوں دیکھی تھی مگر اس کا ذہن اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اجنبی اور وہ اب تقریباً اس مقام پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں سے نامعلوم ڈاکو تھوڑی دیر پہلے فائرنگ کررہے تھے۔ اجنبی کی ٹارچ کی روشنی پہاڑی کے نشیب وفراز پتھروں اور سنگریزوں، گھاس، پودوں، اور جھاڑیوں پر بیقراری سے پھسل رہی تھی۔ فرقان کو یقین تھا کہ ڈاکوؤں نے جس انداز میں پسپائی اختیار کی تھی۔ اس میں وہ سلیمہ کو اپنے ساتھ نہ لے گئے ہوں گے۔

''سلیمہ......'' فرقان کی آواز پہاڑی کے نشیب وفراز پر تیر گئی۔ ابھی اس آواز کی بازگشت نے دم بھی نہ توڑا تھا کہ انہیں گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے بڑے سے پتھر کے عقب سے گھٹی گھٹی آواز آئی۔ یہ آواز ایسی تھی۔ گویا کوئی بولنا چاہتا ہو لیکن حلق میں کوئی چیز پھنسے ہونے کی بناء پر بول نہ سکتا ہو۔ فرقان اور اجنبی تیزی سے ٹارچ کی روشنی میں اس سمت بڑھے جہاں انہیں سلیمہ مل گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ جونہی فرقان نے سلیمہ کو ان بندشوں سے آزاد کیا۔ سلیمہ ہمکتی ہوئی اس سے چمٹ گئی۔

اجنبی کا نام کامران تھا۔ اور وہ دونوں کو ضد کر کے اپنے بنگلے پر لے آیا تھا۔ پھر اُس نے ان دونوں کے لیے خود ہی کافی بنائی تھی۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ اس نے جس شخص کی مدد کی ہے وہ ڈاکٹر فرقان ہے تو پھر تو گویا کامران بن داموں کا غلام ہوگیا تھا۔

''یہ میرے لئے فخر اور اعزاز کی بات ہے ڈاکٹر کہ میں انجانے میں تمہارے کام آسکا۔''

اس نے فرقان کی جانب سے اپنا تعارف کرنے کے بعد کہا تھا۔ سلیمہ اور فرقان ڈرائنگ روم میں بید کے موٹے موٹے صوفوں پر رکھے ہوئے نرم ریشمی گدیلوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ اور کامران نے وہیں ڈرائنگ روم میں بجلی کے ہیٹر پر کافی بنائی تھی۔ اور اُسی دوران اس وقت اپنا تفصیلی تعارف کرانا شروع کیا جب سلیمہ نے اس سے کہا تھا۔ ''لائیے میں بناتی ہوں......'' اور جواباً اس نے کہا تھا۔ ''میری

عادت خراب نہ کیجئے۔ مسز فرقان میں زندگی کے انہی تکلفات سے بھاگ کر تو یہاں آیا ہوں۔"

"تم حیران ہو گئے ڈاکٹر فرقان" کامران نے دوبارہ کہا۔"میں یہاں تنہا کیا کر رہا ہوں۔ یہاں میرے ساتھ کوئی نوکر کیوں نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے...." نامعلوم کیوں اس وقت فرقان نے اس کے اس لایعنی سے سوال کا جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔

"دراصل بات یہ ہے کہ میں سیر وتفریح کو عام زندگی کی مصروفیات سے مختلف سمجھتا ہوں۔" اس نے پیالیوں میں کافی بناتے ہوئے کہا۔"اگر سیر وتفریح کے دوران بھی آدمی زندگی کے معمولات سے پیچھا نہ چھڑا سکے تو اسے سیر وتفریح کا نام دینا بے کار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ نقل مکانی کہا جا سکتا ہے۔"

"یہ تو اچھا خاصہ فلسفہ ہوا۔"

"نہیں ڈاکٹر اسے فلسفے کا نام نہ دو۔ اسے زندگی کو برتنے کا ایک انداز کہا جا سکتا ہے۔ فلسفہ تو بہت بڑی بات ہے۔"

"مگر یہ کوٹھی تو...."

"جی ہاں...." کامران نے کہا۔"یہ کوٹھی جبار مرزا کی ہے۔ وہ میرے والد کے گہرے دوستوں میں سے ہیں اور بے اولاد ہونے کے سبب انہوں نے مجھے ہی اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اپنی پدرانہ شفقت کے اظہار کے طور پر انہوں نے یہ کوٹھی میرے نام کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔"

فرقان کچھ نہ بولا۔ کامران نے کافی کی پیالیوں میں چینی گھولنی شروع کر دی۔ اور فرقان نے سلیمہ کو دیکھا جس کے چہرے پر تھوڑی دیر پہلے کے واقعات نے وحشت کا میک اپ کر دیا تھا۔ اس کی آنکھیں متورم ہو گئی تھیں۔ اور پپوٹے بھاری.... آنکھوں کی کوریں کٹی کٹی سی تھیں۔ اور آنکھوں میں دیر تک رونے کی وجہ سے ہلکی ہلکی سرخی جھلک آئی تھی۔ ان لانبی سیاہ غزالی آنکھوں کی اس کیفیت نے اس کے چہرے کو اور بھی دلفریب بنا دیا تھا۔

سلیمہ نے گہری سانس لی تو فرقان نے اس سے پوچھا۔"کیا سوچ رہی ہو......؟"

"کچھ نہیں...... اب کچھ سوچنے سے کیا حاصل اب تو محض اطمینان ہے۔"

"ایسے حادثات زندگی کو حسین بنا دیتے ہیں۔ سیدھی سپاٹ زندگی تو کیڑے مکوڑوں کی ہوتی ہے۔"

"بشرطیکہ کوئی زندگی کو ہر لمحہ ایک معرکہ سمجھنے کے لیے تیار ہو...." فرقان نے کہا۔

"میں مسز فرقان کے چہرے پر عزم اور استقامت کی جھلک دیکھ رہا ہوں اور کوئی لڑکی ہوتی تو ایسے واقعے سے گذرنے کے بعد دیر تک سسکیاں بھرتی رہتی۔ آپ خوش قسمت ہیں ڈاکٹر کہ ایسی جری خاتون.... آپ کی رفیقہ حیات ہے۔"

"آپ کی شادی ہوئی ہے۔" سلیمہ اچانک پوچھ بیٹھی۔

"نہیں.... میں آپ جیسی لڑکی چاہتا ہوں لیکن میں ابھی تک اپنی تلاش میں ناکام رہا ہوں۔"

"عجیب معیار بنایا ہے آپ نے۔" سلیمہ نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔"گویا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی ہونے والی بیوی پہلے اسی قسم کی کسی افتاد میں مبتلا ہو پھر آپ اس کا ردعمل دیکھیں اور اسے اپنی بیوی بنانے کا فیصلہ صادر کر سکیں۔"

کامران نے قہقہہ لگایا۔ اور سلیمہ نے کہا۔"ویسے میں بہت بزدل اور معمولی لڑکی ہوں۔ صرف فرقان کی رفاقت نے مجھے حوصلہ مند بنایا ہے۔"

اس کے بعد کامران دیر تک کوئی نہ کوئی موضوع گفتگو نکالتا رہا۔ باتوں ہی باتوں میں رات گذر گئی اور صبح جب فرقان اور سلیمہ وہاں سے اٹھے تو ان میں خاصی بے تکلفی ہو چکی تھی۔ ان کی گفتگو میں آپ جناب کی اجنبیت تم اور تمہیں کی اپنائیت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ کامران انہیں کافی دور تک ساتھ چھوڑنے کے لیے آیا۔

☆......☆

ابانا حویلی میں موجود تھی اس نے مسکرا کر ان دونوں کا خیر مقدم کیا۔ اور سلیمہ اس سے لپٹ گئی۔

"میری محسن، ابانا تم کہاں تھیں۔" اور ابانا اس کے جسم میں یوں دبکی جا رہی تھی جیسے کوئی پالتو بلی اپنے مالک کی گود میں اٹھکھیلیاں کرتی ہے۔ اس وقت اس نے فرقان کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔ لیکن فرقان اپنی جگہ مطمئن تھا۔ اس کے ذہن میں ابانا کے غائب ہونے سے جو خلش اور الجھن تھی وہ دور ہو گئی تھی۔

"کم از کم بتا تو دیا ہوتا......" اس نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

ابانا اس وقت جذبات کا سمندر بنی ہوئی تھی اور سلیمہ اس سیلاب میں اناڑی پیراک کی مانند ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ ابانا کی کیفیت ایک طویل عرصے کی قید بھگت کر آنے والے بوالہوس کی سی تھی۔ اس نے دو دن کی غیر حاضری کے بعد آتے ہی اپنا گھناونا کھیل شروع کر دیا تھا۔ بہت دیر تک وہ پہلے سلیمہ کے ساتھ اس مکروہ کھیل میں مگن رہی اور پھر اُس نے ڈاکٹر فرقان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔

پھر سلیمہ اس کو دو دن کے واقعات بتاتی رہی اور ابانا بڑی میٹھی نظروں سے اُسے تکتی رہی۔

"کیا بتاؤں ابانا......" اس نے تمام کتھا ختم کرتے ہوئے کہا۔"ہر ہر لمحے پر تم کس بری طرح یاد آتی رہیں۔ تم ہوتیں تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

مگر ابانا نے شاید اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ اس کی کیفیت ایسے بہرے آدمی کی سی تھی جو دیکھتا سب رہتا ہے...... لیکن سنتا کچھ نہیں......

"ابانا...... ابانا......"

سلیمہ نے اُسے ٹہوکا دیا اور وہ جھرجھری لے کر گویا خواب کی سی کیفیت سے بیدار ہوئی۔

"تم اتنی اچھی کیوں ہو سلیمہ" ابانا نے "میں صدقے" کے انداز میں نچھاور ہوتے ہوئے کہا۔"باتیں کرتے ہوئے جب تمہارے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے گویا گلاب کی نرم و نازک پنکھڑیاں شبنم کے قطروں کے ٹپک پڑنے پر حرکت کرتی ہیں۔"

سلیمہ نے ابانا کے گالوں پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔"میری اتنی تعریف نہ کرو کہ میں خود کو حسین

سمجھنے لگوں......"

"کاش میں تمہاری تعریف کرسکتی......" ابانا نے گہری سانس لے کر کہا۔ "کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ تم کتنی پیاری ہو۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو ابانا......" سلیمہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور ایک مرتبہ پھر ان واقعات کا سرسری ذکر کیا جو ابانا کی عدم موجودگی میں ان پر بیتے تھے۔ یہ ساری روداد سن کر ابانا نے کہا۔

"ابانا کو تم کیا سمجھتی ہو۔ ابنا بھی تمہاری جیسی ہی مخلوق ہے۔ اس کی صلاحیتیں البتہ تم سے کچھ مختلف ہیں۔ لیکن وہ ہونی کو انہونی نہیں کرسکتی سلیمہ......ابانا کی وہ صلاحتیں جن کی بناء پر تم اسے فوق البشر سمجھتی ہو صرف وہیں کام آسکتی ہیں جن کی تدبیر انسان سوچ سکتا ہے۔ لیکن اس میں صرف یہ کمی رہ جاتی ہے کہ وہ اس تدبیر کو بیشتر حالت میں فوری طور پر بروئے کار نہیں لاسکتا۔ میں اس تدبیر کے انجام تک کی مدت، عمل کی شدت اور بہتری سے کم کردیتی ہوں۔ ابانا بھی تمہاری طرح کی مخلوق ہے میری بنو ویسے ابانا قضا وقدر پر قادر نہیں، تدبیر پر قادر ہے۔"

پھر سلیمہ نہانے چلی گئی۔

☆......☆

کامران نے جلد ہی فرقان کا ایسا اعتماد حاصل کرلیا کہ وہ اسے اپنا سب سے بڑا ہمدرد اور رفیق سمجھنے لگا۔ اس نے چند ہی دنوں میں اپنے فلسفۂ حیات، اپنی باتوں اور اپنے انداز فکر سے سلیمہ اور کامران کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ ان میں اب سوائے ابانا اور اس سے وابستہ واقعات کے سوا کوئی راز نہ تھا۔ اور ابانا بھی ان دنوں کچھ بجھی بجھی سی تھی۔ فرقان کو بھی ان دنوں فرصت تھی پولیس کی طرف سے اسے اب بھی دھگدھگا لگا ہوا تھا۔ لیکن عثمانی کی طرف سے اسے جو اطلاعات ملی تھیں ان کے مطابق ان دنوں انسپکٹر شاہد کی توجہ صرف ندیم کے دوستوں کی طرف مرکوز تھی۔ وہ نا معلوم کیا وجہ تھی کہ اس نے فرقان اور سلیمہ کے کپڑوں کو بھی شناخت کرلینے کے باوجود ندیم کے قتل کو رقابت کا نتیجہ سمجھ لیا تھا۔ فرقان کے لیے یہی کافی تھا اور اس نے ایک مرتبہ پھر پوری شدت کے ساتھ ابانا کی تربیت اور تعلیم کا ڈرامہ رچانا شروع کردیا......اب بظاہر ابانا چند ایک جملے چند ایک الفاظ کہنے پر قادر ہو چکی تھی۔

صبح ہوتی تو وہ آواز لگاتی۔

"اکمل......اکمل......"

وہ نوکر کو آواز دیتی۔

"جی میم صاحب......"

اکمل اس سے کہتا۔

"ناشتہ......"

"منہ ہاتھ دھولیا ہے۔" اکمل اس سے پوچھتا۔

"ہاں دھویا......"

ابانا اس سے اٹک اٹک کر کہتی۔ اس کے انداز گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے زبان کو لوٹنے اور ہونٹوں کو حرکت دیتے ہوئے مشکل پیش آتی ہے۔ اس کی اداکاری اتنی مکمل ہوتی کہ کوئی شخص یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی صاف شستہ زبان روانی کے ساتھ بول سکتی ہے کہ اہل زبان تک اس کے تلفظ کی صحت اور جملوں کی شناخت کی تراش پر عش عش کر اٹھیں۔ کئی مرتبہ کامران نے بھی ابانا کی تربیت کو دیکھا......اسے حیرت ہوتی کہ فرقان اس قدر انہماک اور اتنی عرق ریزی سے ابانا کی تربیت کر رہا ہے۔ ایک مرتبہ اس نے فرقان سے اس بارے میں کہا بھی تھا تو اس نے جواب دیا تھا۔ "یہ میرا مشن ہے۔ اور میری زندگی کا سب سے اہم تجربہ ہے۔ اور میں اس میں ناکام نہیں ہونا چاہتا۔ کیوں ابانا......"

"ٹھیک ہے......"

ابانا نے اثبات میں جواب دیا۔

"شاباش......"

اس نے ابانا کی پیٹھ ٹھونکی۔

انہیں دنوں میں سلیمہ کی سالگرہ بھی پڑی۔ اس کی سالگرہ کی جانب توجہ بھی ابانا ہی نے منعطف کرائی تھی۔ اس سالگرہ کا اہتمام فرقان نے بڑی دھوم دھام سے کیا تھا۔ اس دن فرقان کی حویلی میں پھر رنگ و نکہت دنوں کا سیلاب سمٹ آیا تھا۔ حویلی میں میلا سا لگا ہوا تھا۔ زرق برق لباسوں میں خواتین خوشبوؤں میں مہکتی ہو حویلی میں موجود تھیں۔ بڑے بڑے شامیانے، قناتیں حویلی کے احاطے میں لگے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے بلب رنگین قمقموں سے حویلی سجی ہوئی تھی۔ موقع پا کر کامران، ابانا کو تنہائی میں ایک طرف لے ہی گیا۔ خود اس میں ابانا کی مرضی کا بھی دخل تھا۔ وہ دونوں ٹہلتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی طرف چلے گئے تھے۔ اور پھر ابانا اسے حویلی کے عقب میں لے آئی تھی۔ یہاں کامران نے اس سے نا معلوم کیا کیا باتیں کیں لیکن ابانا نے اپنی ہکلاہٹ کی اداکاری برقرار رکھی۔ کامران کا ہاتھ ابانا کے بازو سے ٹکرایا اور اس کو اپنے جسم میں ایک سنسنی سے پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے خود پر قابو نہ رہا۔ ابانا نے اس کے جذبات کو اس حد تک بھڑکا دیا تھا کہ اس نے ابانا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹنا چاہا۔

لیکن ابانا تڑپ کر اس کے پہلو سے نکلی۔ کامران نے پھر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹنا چاہا۔ اور اس وقت ابانا پر ہنسی کا جو دورہ پڑا تو کامران بوکھلا گیا۔ کامران نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور پھر ابانا کو خاموش کرنا چاہا مگر ابانا نے اس کے ہاتھ کو کاٹ کھایا اور کھلکھلاتی ہوئی وہاں سے بھاگ لی۔

"ابانا......ابانا......آہستہ چلو......"

کامران تیزی سے ابانا کی طرف بڑھا اور ابانا نے ہنستے ہوئے اپنی رفتار اور بڑھا دی۔ کامران وہیں رک گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھری محفل میں ابانا کا تعاقب کرتا ہوا جائے۔ کامران واپس ہو گیا اور حویلی کے دوسرے پہلو سے ہوتا ہوا پھر محفل میں آگیا۔ ابانا اس وقت بھی ہنسے جا رہی تھی۔ اور سب لوگ اس کی مترنم ہنسی کی آواز سے مسحور تھے۔ فرقان نے سلیمہ سے کہا۔

"سلیمہ تم ابانا کو سمجھاؤ......پوچھو کہ کیا بات ہے۔ اسے اندر لے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ

دیوانے ہو جائیں۔''

سلیمہ ابانا کی طرف بڑھی اور اس نے ابانا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔''ابانا میرے ساتھ آؤ......''

ابانا پگھل سی گئی۔ اس وقت سلیمہ نے اس سے ایسے محبت بھرے لہجے میں بات کی تھی کہ ابانا کو اپنا وجود بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔''چلو......''اس نے لکنت آمیز لہجے میں کہا۔

سلیمہ اسے حویلی میں لے آئی۔ لوگ اس بات پر برہم تھے کہ انہیں ابانا کی مترنم ہنسی سُننے سے محروم کر دیا۔ کئی مردوں نے اپنے ساتھیوں سے اس شبہے کا بھی اظہار کیا کہ فرقان اور سلیمہ اس بے زبان پر ظلم توڑ رہے ہیں۔

''ہاں......''ایک صاحب نے کہا۔''سلیمہ کے قریب جاتے ہی وہ کیسی سہم کر رہ گئی تھی۔''

ایک خاتون نے اپنی سہیلی سے کہا۔''بے چاری یوں مرجھا سی گئی جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر کا دم نکل جاتا ہے۔''

''کتنی خوبصورت ہنسی تھی اس کی۔''ایک اور صاحب نے اپنے دوستوں سے کہا۔''یوں لگتا تھا گویا کئی جلترنگ ایک ساتھ بج اٹھے ہوں مجھے تو بھئی اس کی ہنسی میں ایسی آواز کا لطف آیا تھا جو پہاڑی بارش کی آواز میں ہوتا ہے۔''

فرقان لوگوں کے ان احساسات سے واقف تھا۔ اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''دوستو......ابانا پھر آئے گی۔ میں نے دراصل اس لیے اسے اندر بھیجا ہے کہ وہ آخر تک اس محفل میں شریک رہے ہنسی کے یہ دورے بے ہوشی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ سلیمہ اسے دوا پلا کر پھر لے آئے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ آپ میرے مہمان ہیں میں آپ کی دل شکنی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔''

وہ سرگوشیاں دم توڑ گئیں جو ذرا دیر قبل شکوک و شبہات کی...بہ لوگوں میں ہو رہی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر محفل میں وہی قہقہے وہی رنگینی بکھر گئی جو اس محفل کا طرّہ امتیاز بن کر رہ گئی تھی۔

☆......☆

''کیا بات ہے ابانا......''

سلیمہ نے اس سے حویلی میں پہنچتے ہی پوچھا تھا۔

''اس کا مجھ سے تعلق نہیں ہے میری جان۔''اس نے سلیمہ سے کہا تھا۔''لیکن اس وقت تم نے مجھے جس محبت سے آواز دی تھی۔ اور جس اپنائیت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا اس نے مجھے نہال کر دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم مجھ سے یوں پیش آؤ گی۔ میں بڑی خوش قسمت محسوس کر رہی ہوں خود کو... تمہارے اس جملے نے مجھے محبت سے سرشار کر دیا ہے۔''

''ایک بات مانو گی۔''

''......''

''...ایسی کوئی بات نہیں کرنا کہ محفل درہم برہم ہو جائے یا کوئی اور افتاد آ جائے......''

''ایک شرط......''

ابانا نے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''بتاؤ......''

''وعدہ کرو کہ تم بھی میری ہر بات مانو گی۔''

''چلو بابا وعدہ......اب آؤ چلیں۔''

''وعدہ یاد رکھنا......''

''میں صرف وہی وعدہ کرتی ہوں جو پورا کر سکوں......''

پھر وہ دونوں باہر آ گئیں۔ رات گئے تک محفل جاری رہی۔ اس دوران کئی مرتبہ لوگوں نے ابانا کا رقص دیکھنے کا اصرار کیا۔ مگر ابانا انکار کرتی رہی۔ پھر بھی اسے مہمانوں کی فرمائش پر اپنا گانا سنانا ہی پڑا۔

''ابانا......ابانا......اب آنا......''

اس کی تان کے ساتھ لوگوں کی تانیں بھی گونجتی رہیں اور جب ابانا نے اپنا یہ گانا ختم کیا تو لوگ دیر تک اس تان اور دھن میں ابانا کا نام جپتے رہے۔

☆......☆

واپسی پر کامران کے ذہن میں پتنگے اڑ رہے تھے۔ اس کے جسم سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ابانا کے تصور نے اس کے تمام فلسفے اس کی انا اور اس کے تجرد کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اور وہ ابانا کی آرزو میں بھن رہا تھا۔ اس میں اس کے ذہن اور ارادے کا کوئی دخل نہ تھا۔ وہ اپنے ذہن کو استعمال کرتا تو ابانا میں اسے کوئی خوبی ایسی نظر نہ آتی کہ اس کی محبت میں مبتلا ہوتا۔ لیکن جب اس کے ہاتھ اور اس کے جسم کے لمس کو یاد کرتا تو ایک خمار آلود کیفیت میں اس کا وجود شرابور ہو جاتا۔ وہ ابانا سے محبت کرنے یا اس کو اپنانے کا یا اسے اپنی زندگی کے سفر میں شریک کرنے کی آرزو دل میں نہیں پاتا تھا۔ وہ تو بس ابانا کے قرب کا آرزومند تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے خود کو اپنے جذبات کے سامنے بے بس محسوس کیا تھا۔

اس رات وہ بالکل نہ سو سکا۔

یہ رات کامران کے لیے عجیب تجربہ لے کر آئی تھی۔ اور اس رات کامران کو اپنے فلسفے اپنے آدرش اور اپنے آئیڈیل کے ہیچ ہونے کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ اس رات اس نے سوچا تھا کہ تمام فلسفے تمام نظریات تمام اصول جسم اور پیٹ کے تقاضوں کے سامنے بے وقعت ہیں اور جب یہ تقاضے شدت اختیار کر کے طوفان بن جائیں تو اصولوں۔ نظریوں اور آئیڈیلز کے پشتے ان کے ریلے میں ریت کے تودوں کی مانند بکھر جاتے ہیں۔

علی الصبح وہ خود کو بے حد کمزور محسوس کر رہا تھا۔ گویا بڑی طویل مسافت طے کر کے آیا ہو رات کا طلسم ٹوٹنے کے ساتھ اس نے خود کو کچھ نارمل پایا۔ اب اس کے جسم کا شریر جذبہ دبک گیا تھا۔ لیکن ابانا کا خیال بہرحال اس کے ذہن میں اس طرح سیدھ لگا کر در آیا تھا کہ اس کو جھٹکنا اس کے لیے ناممکن تھا۔

ابانا...... اس کی آرزو بن گئی تھی۔ وہ اس کا مقصد اور منزل نہ تھی۔ وہ ابانا کو اس طرح اپنانا چاہتا تھا جیسے کوئی ڈرائینگ روم کے لیے خوبصورت پینٹنگ خرید لے جسے بہر حال رفیقہ حیات نہیں بنایا جا سکتا۔

اس کی آرزو اسے بے کل کیے رہی اور وہ ناشتے وغیرہ کے بعد بے قرار ہو کر کامران کی حویلی کی طرف چل دیا۔ راستے میں کئی مرتبہ اس نے سوچا کہ وہ پلٹ جائے مگر ابانا کو دیکھنے اور اس کے جسم کو چھونے اور محسوس کرنے کی آرزو اسے کشاں کشاں دیارِ یار کی طرف لے آئی۔ ابانا اس وقت پورچ میں کھڑی تھی۔ اس کے بھیگے ہوئے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ کامران کو دیکھتے ہی ابانا اس کی طرف لپکی کامران کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ابانا اس کے پاس آ کر ٹھہر گئی۔ اس نے کامران کے جسم کو چھو کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں کا اور اُس کے چھونے کا انداز گونگوں کا سا تھا۔ پھر اُس نے کامران کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لیا۔ وہی کیفیت جو گذشتہ رات حویلی کے عقب میں ابانا کے جسم کے پہلے لمس سے پیدا ہوئی تھی۔ پھر اس کے رگ وپے میں دوڑ گئی۔ مگر اس کے بعد اسے پھر اسی الجھن اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ابانا نے اس مرتبہ پھر ہنسنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بے تحاشا ہنسے جا رہی تھی۔ اور ساتھ ہی کامران کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ اور کامران اپنی جگہ بُت بنا کھڑا تھا۔ اسے توقع نہ تھی کہ حویلی میں ابانا اس کا اس انداز میں استقبال کرے گی۔

ابانا ہنستے ہنستے بے حال ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ اور گال لال گلابی ہو گئے۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر فرقان باہر آیا۔ ابانا اور کامران کو اس انداز میں دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اور وہ تیزی سے بڑھ کر کامران کے پاس آیا...... ''ہیلو......'' اس نے کامران سے کہا اور ابانا کے دونوں بازو پکڑ لیے مگر ابانا کی ہنسی نہ رکی۔

''ابانا......'' فرقان نے جھلا کر کہا۔ وہ کامران سے بے حد شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

ابانا کی ہنسی رک گئی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے کامران کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا اور پھر ہنسنے لگی۔ فرقان کو واقعی غصہ آ گیا...... اسے توقع نہ تھی کہ ابانا اس کے ایک مہمان سے ایسا سلوک کرے گی۔ وہ پھر چیخا۔ ''ابانا......''

''رہنے دیجیے......'' کامران نے کہا۔ ''اس بے چاری کا اس میں کیا قصور......''

ابانا کی ہنسی جاری رہی۔ فرقان نے ابانا کو جھنجوڑ کر ایک مرتبہ پھر اسے ڈانٹا۔ اور اس مرتبہ ابانا کی ہنسی رک گئی۔ اس نے نہایت غصیلی نظروں سے فرقان کو دیکھا، غرائی اور اس کے بازو پر دانت جما دیئے۔ مگر دانتوں کے اس شکنجے میں فرقان نے سختی محسوس نہیں کی اور ابانا نے موقع پا کر فرقان کو آنکھ مار کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

فرقان نے اپنا بازو اس کے دانتوں سے چھڑایا۔ اور دوسرا ہاتھ اپنے بازو پر رکھ لیا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ کہ ابانا اس وقت اداکاری کر رہی ہے۔ اس کا غصہ محض بناوٹی ہے۔ فرقان نے سلیمہ کو آواز دے کر بلایا اور اُن کو اس کے حوالے کرنے کے بعد کامران کی طرف مڑا۔ ''میں معافی چاہتا ہوں۔ دراصل اب بھی

کبھی کبھی اس پر......''

''میں سمجھتا ہوں۔ وہ نا سمجھ ہے۔ نیم حیوان ہے۔''

پھر وہ دونوں بھی باتیں کرتے ہوئے حویلی میں آ گئے۔ لیکن فرقان کے ذہن کو کرید لگ گئی کہ آخر ابانا کی اس اداکاری کا مقصد کیا تھا وہ کیا چاہتی تھی۔ اور اس نے کامران کے ساتھ ایسا رویہ کیوں اختیار کیا تھا۔ پھر ان دونوں نے چائے پی۔ اسی دوران سلیمہ ابانا کو لے کر وہاں پہنچی اور اس نے ابانا سے کہا۔

''معافی مانگو کامران صاحب سے......''

''ارے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں۔'' کامران نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''معافی دو......''

ابانا نے کامران کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا......

''بھابھی یہ کیا فضولیات ہیں اس بے چاری کو کیا پتہ کہ وہ کیا کر رہی ہے۔''

لیکن ابانا ہاتھ باندھے ہوئے رٹ لگائے رہی۔ ''معافی دو...... معافی دو......''

''سلیمہ نے کہا۔

''میں بھی آپ سے معافی چاہتی ہوں۔''

''افوہ بھابھی میں کیسے آپ کو سمجھاؤں کہ میں ابانا کے حالات سے واقف ہوں جو کچھ ہوا اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں۔ نہ ہی میری کوئی توہین ہوئی ہے۔''

مگر ابانا ہاتھ جوڑے معافی دو...... معافی دو...... کی رٹ لگائے رہی۔ اور پھر اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے کامران کو ٹہوکے بھی دینے شروع کر دیئے۔ اس وقت کامران کو ابانا کی معصومیت اور مظلومیت کا بے حد احساس ہوا۔

''چلو بھئی معاف کر دیا۔''

اس کے ساتھ ہی ابانا نے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ابانا کا معافی مانگنے کا انداز بڑا توبہ شکن تھا۔ اس میں سادگی، بھولپن اور معصومیت کے ساتھ ساتھ مظلومیت اور بے چارگی کے عناصر بھی عیاں تھے جس نے کامران کے دل میں ہمدردی کے جذبات کو بھی بھڑکا دیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اس نتیجے پر بھی پہنچا کہ ابانا جس نے جنگل کی آزاد فضا میں پرورش پائی ہے ان دنوں تہذیب وتمدن اور معاشرت کی تربیت اور آداب شناسی کے کرب سے گذر رہی ہے۔ سلیمہ اور کامران اسے شائستہ تہذیب وآدمیت بنانے کے لیے اس پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ لیکن کامران ابانا کے سامنے اس کے ہی خیالوں میں کھویا کھویا سا تھا۔ اسی دوران ملازم چائے ٹرالی میں رکھ کر وہاں لے آیا۔ اس کے ساتھ ہی سلیمہ نے ابانا کو حکم دیا۔

''ابانا...... چلو چائے بناؤ۔''

''نہیں میں بنائے لیتا ہوں چائے۔'' کامران نے ٹرالی اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ وہ ابانا کو نا معلوم کیوں محکوم دیکھنا نہ چاہتا تھا۔

''نہیں......'' ابانا اٹھ آئی۔ ''میں...... بن...... آؤں......'' ابانا نے اٹکتے ہوئے کہا اور ٹرالی اپنی طرف کھینچنے لگی۔ مگر کامران نے ٹرالی کو پکڑ رکھا تھا۔ ابانا نے رحم طلب نگاہوں سے سلیمہ کی طرف دیکھا۔'' اور پھر وحشت زدہ انداز میں ملتجی نگاہوں سے کامران کی طرف دیکھا۔ ''نہیں...... میں...... بن...... آؤں......'' اس کے لہجے سے خوف عیاں تھا۔ گویا اگر اس نے چائے نہ بنائی تو اسے اس کی بڑی کڑی سزا ملے گی۔ کامران نے ایک نظر سلیمہ اور فرقان پر ڈالی۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ ان کی مسکراہٹ میں فتحمندی کا غرور جھلک رہا تھا۔ ''نا معلوم میرے جانے کے بعد اس غریب کو کیا سزا ملے۔'' کامران نے سوچا اور ٹرالی پر سے اپنی گرفت ڈھیلی کر لی۔ ابانا نے ٹرالی اپنی کرسی کے قریب کھینچ لی اور چائے بنانے لگی۔ کامران اخبار میں غرق ہو گیا تھا اور سلیمہ نٹنگ میں مصروف تھی۔ اس وقت گویا ان کے پاس گفتگو کے تمام موضوعات ختم ہو چکے تھے۔ فرقان اور سلیمہ نے تو ابانا کے آنکھ مارنے پر سلسلہ گفتگو ختم کر دیا تھا۔ اور کامران اس لیے خاموش تھا کہ وہ اس وقت نہایت انہماک کے ساتھ ابانا کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھ سکے گا۔ ابانا نے چائے بنا کر سب کو ایک ایک پیالی پیش کی اور پھر بڑے فتحمندانہ انداز میں داد طلب نظروں سے سلیمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سب سچ ہے۔''

''نہیں......'' سلیمہ کے لہجے میں سرزنش تھی۔ ''کہو...... ٹھیک ہے......''

''ٹھیک ہے......'' ابانا نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور اُس کے تمام جسم میں کپکپی دوڑ گئی۔

''ہاں......''

سلیمہ نے بے نیازی سے کہا۔

ابانا کی وہ کپکپی بڑی عجیب تھی۔ اس کپکپی نے اس کے شبہات کو مزید تقویت دی۔ اسے اب یقین ہو چلا تھا کہ اس حویلی میں ابانا کے ساتھ ''آداب'' سکھانے کے نام پر بڑے ظلم توڑے جا رہے ہیں کامران نے ایک مرتبہ پھر ابانا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اسی لمحہ ابانا کی آنکھیں اس سے چار ہوئیں۔ اور اس نے ابانا کی آنکھوں میں اس کے دل کا درد پڑھ لیا۔ اس کے ہونٹ کپکپائے۔ ''غوں...... غاں...... خوں......'' بے معنی الفاظ اس کے منہ سے نکلے۔

''ابانا......'' فرقان نے سخت لہجے میں کہا...... ''یہ کیا کر رہی ہو۔''

اور فرقان کی آواز سنتے ہی گویا ابانا کا دم نکل گیا۔ اس کے ہاتھ کپکپائے چائے کی پیالی چھوٹ کر اس کے کپڑوں پر گری۔ اور پھر فرش پر لڑھک گئی۔ سلیمہ اور فرقان دونوں نے اسے برا بھلا کہا۔ کامران نے انہیں سمجھانا چاہا کہ اسے آخر انسان کیوں سمجھا جا رہا ہے۔ وہ محض ایک جانور ہے۔ جنگلی اور غیر مہذب الفاظ اور آداب محفل سے بے بہرہ۔ ''اس معاملے میں دخل نہ دیجئے۔'' فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس سرزنش پر ابانا برہم ہو گئی۔ اس کے انداز میں اس وقت خوف نہیں جھنجھلاہٹ اور غصہ طاری تھا۔ پھر اس نے اپنے بال نوچ ڈالے۔ اپنا لباس تار تار کر دیا جگہ جگہ سے اس کا جسم جھانکنے لگا۔ کامران ابانا کی طرف بڑھا تھا کہ فرقان نے اسے روک دیا۔ ''مسٹر کامران اسے کرنے دیجئے جو کچھ کرنا چاہتی ہے کرنے دیجئے اسی طرح اس کی وحشت اور درندگی ختم ہو سکتی ہے۔''

کامران کو رکنا ہی پڑا۔ ابانا اپنے لباس اور اپنے بالوں کو نوچتی رہی۔ پھر وہ پیر پٹختی ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ فرقان اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ اور اسے اس کے کمرے میں بند کر کے واپس آ گیا۔

اس کے بعد وہ بڑی دیر تک ابانا کی باتیں کرتے رہے۔ کامران نے ابانا پر ظلم کے خلاف اپنے احتجاج اور اس کی مظلومیت پر اپنی ہمدردی کو ابانا سے متعلق مختلف سوالات میں سمو دیا۔ اور فرقان ابانا کے بارے میں کامران کو بڑی تفصیل سے بتاتا رہا۔ پھر اس نے ابانا کی تربیت اور اس کی رہائش و خوراک کے بارے میں کامران کو بتایا۔ آخر کامران نے اس سے پوچھ ہی لیا۔ ''اب وہ کہاں ہے۔''

''اپنے کمرے میں...... ایسی حالت میں جب اسے غصہ آ رہا ہوتا ہے۔ تو میں اسے اس کے کمرے میں بند کر دیتا ہوں۔''

ابانا کافی دیر کے بعد پھر ان کی محفل میں شریک ہوئی تھی۔ خود فرقان نے سلیمہ کو بھیجا تھا کہ وہ ابانا کو لے آئے۔ ابانا آئی اور قیامت بن کر آئی اور کامران کے دل میں شدت سے یہ خواہش بیدار ہوئی کہ وہ اٹھ کر اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لے۔ اور اس تصور کے ساتھ ہی اس کا چہرہ تمتما اٹھا کاش صرف ایک مرتبہ......'' اس کے جسم کی خواہش ایک ضدی بچے کی مانند تڑپی۔'' صرف ایک بار اس وقت اس کے ذہن پر ابانا سے ہمدردی کے احساسات طاری تھے نہ اس کی مظلومیت پر کوئی ہمدردی۔ اس وقت وہ سراپا جذبات تھا۔ اور وہ ان تمام جذبات کو ابانا کے وجود میں گھول دینا چاہتا تھا۔

اس کے بعد کامران کے لیے وہاں بیٹھنا ناممکن ہو گیا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں اس کے جسم میں بھڑکتے ہوئے جذبات کا شریر بچہ مچل نہ جائے۔ اور اس محفل میں اسے خود پر قابو نہ رہے۔ وہ اٹھ گیا روانگی کے موقع پر جب اس نے فرقان اور سلیمہ سے ہاتھ ملائے تو ابانا نے بھی اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ بڑھتے ہوئے اس ہاتھ کو نظر انداز کرنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ اور اس نے اس ہاتھ کو تھام لیا۔ اس گرفت میں اس نے اپنی تمام جذباتی کیفیت کو پوری طرح منتقل کر دینا چاہا۔

مگر اس ہاتھ کا لمس بڑا عجیب، اور اس کی گرفت بہت مسحور کن تھی۔ کامران کو یوں محسوس ہوا کہ خود وہ ہی نہیں، بلکہ ابانا نے بھی اپنے جذبات کی شدت اس گرفت میں منتقل کر دی ہے۔ اس گرفت اور اس لمس نے اس کے جسم میں انگارے بھر دیئے تھے۔ اس کا جسم دہکتی ہوئی بھٹی اور سینہ اس کی دھونکنی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس تپش نے اس کے اعصاب ذہن اور وجود کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی مگر اس کی ہر کوشش ناکام گئی۔

کامران کی واپسی پر فرقان اور سلیمہ بے حد پریشان تھے اور ابانا ہنسے جا رہی تھی۔ کئی مرتبہ ان دونوں نے ابانا سے اس کی ہنسی کی وجہ پوچھی مگر ابانا کی ہنسی ان کے ہر سوال کے ساتھ شدید ہوتی چلی گئی۔ پھر تھک کر اس نے خود ہی کہا۔ ''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... میں کیوں ہنس رہی ہوں اس کا پتہ تمہیں جلدی چل جائے گا۔ تم ابھی بہت سی باتوں سے ناواقف ہو تمہارے لیے ان باتوں سے بے خبر ہی رہنا بہتر ہے۔ جب وقت آئے گا تمہیں خود سب کچھ بتا دوں گی۔''

☆......☆

اتوار کو اچانک تھانے سے پھر بلاوا آیا۔ اس مرتبہ انسپکٹر شاہد نے زور دے کر کہا تھا کہ وہ سلیمہ کو بھی اپنے ساتھ لائے۔ فرقان نے بہت بہانے بنائے مگر انسپکٹر شاہد کا اصرار برقرار رہا۔ ''تم چاہتے ہو ڈاکٹر کہ میں یہاں سے تمہیں لانے کے لیے پولیس کا دستہ بھیجوں۔'' تب ڈاکٹر کو مجبور ہونا پڑا۔ ''ٹھیک ہے لیکن میں آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

''تم آؤ تو سہی۔''

یہ کہہ کر انسپکٹر شاہد نے فون بند کر دیا۔ سلیمہ بضد تھی کہ ابانا کو بھی ساتھ ۔لے کر چلنا چاہئے۔ مگر فرقان اس پر راضی نہ تھا۔ خود ابانا نے بھی سلیمہ کو تسلی دی۔

''تم فکر نہ کرو...... ابانا ہر جگہ تمہاری مدد کرے گی۔''

انہیں حویلی سے نکلے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھیں کہ اچانک کامران وہاں پہنچ گیا۔ ابانا کو حویلی میں تنہا پا کر وہ حیران رہ گیا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھی حیران حیران نظروں سے کمرے کو دیکھ رہی تھی کہ کامران کمرے میں داخل ہوا۔ ''آداب......'' اس نے مشینی انداز میں کہا اور کھڑی ہو گئی۔ ''تشریف رکھئے۔'' ابانا نے پھر اٹکتے ہوئے کہا۔ مگر کامران چوکنا تھا۔ اس نے حویلی کا چکر لگایا۔ حویلی میں کوئی نہ تھا ۔معمول کے مطابق آج اتوار کو تمام ملازم چھٹی پر گئے ہوئے تھے۔ ''واقعی یہ لوگ بڑے ظالم ہیں......'' اس نے سوچا۔ ''اتنی بڑی حویلی میں ابانا کو تنہا چھوڑ گئے ہیں۔'' یہ سوچتا ہوا وہ واپس پھر اسی کمرے میں آیا جہاں وہ ابانا کو چھوڑ گیا تھا۔ وہ اب بھی صوفے پر بیٹھی حیران حیران نظروں سے اپنے چاروں طرف کے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ابانا کے پاس آ بیٹھا۔

''ابانا...... فرقان اور سلیمہ کہاں ہیں۔''

''باہر......'' ابانا نے کہا۔

''تم اکیلی ہو......''

''میں ابانا ہوں......'' اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

''تم تنہا ہو......'' اس نے پھر پوچھا۔

''ابانا ہوں......'' اس نے کہا۔ ''میرا نام ابانا ہے۔''

''اور کوئی نہیں ہے......'' کامران نے پھر پوچھا۔ ابانا خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے گویا پوچھ رہی ہو۔ ''آخر تم کہہ کیا رہے ہو۔'' اس کی آنکھیں اس وقت گونگوں کی آنکھوں کی مانند تھیں۔ جو اپنے تمام جذبات و احساسات کو آنکھوں کے پیمانوں میں انڈیل دیتے ہیں۔ اس نے ابانا کا ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر اپنے تپتے ہوئے ہونٹ رکھ دیئے۔ ابانا بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اچانک اس میں ابانا کو اپنانے کی خواہش پوری شدت سے جاگ اٹھی۔ ''تم بہت اچھی ہو...... میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔'' اس کے بعد اس کے ہونٹ شدت جذبات سے پھڑکنے لگے اور الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ ''تم نے مجھے پاگل بنا دیا تھا۔'' کامران نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

مگر جب اس نے ابانا کو رام کرنے کے لیے اس کے جذبات بھڑکانے چاہے تو وہ اس کی گرفت سے نکل گئی۔ اور پھر وہاں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ کامران اُسے پکڑنے کے لئے اُس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ لیکن وہ ہر مرتبہ اُس کے ہاتھ آتے آتے اُس کے ہاتھوں سے نکل جاتی تھی۔ کامران بالکل پاگل ہو رہا تھا۔ اور یہ سب ابانا کی خواہش کے مطابق ہو رہا تھا۔ وہ اُس کے ساتھ نہ جانے کیا کرنا چاہتی تھی۔

وہ اسی دوڑ بھاگ میں مصروف تھے کہ فرقان اور سلیمہ واپس آ گئے۔ اس وقت کامران باغ میں ابانا کا تعاقب کر رہا تھا۔ فرقان نے کار روک دی۔ اور وہ دونوں باہر آ گئے۔ کامران اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اسے توقع نہ تھی کہ یہ دونوں اتنی جلدی واپس آ جائیں گے۔ ابانا آہستہ آہستہ چلتی فرقان کی طرف بڑھی۔

''کیا ہو رہا تھا۔'' فرقان نے غصے سے کہا۔

''کھیل......!'' ابانا نے کہا۔ ''میں بولی...... پکڑو...... یہ دوڑا۔ میں دوڑی......'' ابانا نے گویا اٹکتے ہوئے تمام بات سمجھا دی۔

کامران کے لیے پریشانی کا ایک مرحلہ گزر گیا تھا۔ اب اس کے پاس جواب تیار تھا۔ ''میں ابھی آیا تھا تو مجھے ابانا کے سوا یہاں کوئی نہ ملا۔ پھر اس نے آنکھ مچولی کے کھیل کے لیے کہا اور یہ دوڑ بھاگ شروع ہو گئی۔ مگر ابانا تو چھلاوہ ہے۔ ہاتھ ہی نہیں آتی۔''

اور جب کامران واپس چلا گیا تو فرقان نے بڑے ناراض لہجے میں ابانا سے کہا۔ ''مجھے تمہاری یہ بات قطعی پسند نہیں آئی۔''

''تم انجان ہو فرقان......'' ابانا نے اطمینان سے کہا۔ ''جب تم پر حقیقت کھلے گی تو تم میرے قدموں میں آ گرو گے۔ ویسے بھی میرے جذبات پر تم پہرے نہیں بٹھا سکتے۔ لیکن کامران کا میرے جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔ سمجھے؟ میرے جذبات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ چیخ پڑی۔

سلیمہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''غصہ نہ کرو۔ یہ فرقان کی عزت کا سوال ہے۔''

''میں اس کی کیا لگتی ہوں کہ اس کی عزت بن گئی۔'' ابانا نے کہا۔

''تم میری بیوی ہو...... میری کامنی کے جسم پر قابض ہو۔''

''دوسروں کے کپڑے پہن لینے کو شخصیت کی تبدیلی تو نہیں کہتے......'' ابانا نے کہا۔

''مگر مجھے اس سے اور اسی بناء پر تم سے پیار ہے۔'' فرقان نے چیخ کر کہا۔ ''تم اس کے جسم کی یوں بے حرمتی نہیں کر سکتیں۔''

''میں نے تمہیں پیار کرنے سے نہ روکا ہے نہ تم سے بھیک مانگی ہے کہ تم مجھے پیار کرو۔'' پھر اُس کے لہجے میں نرمی آ گئی۔ ''فرقان میں تمہارا لحاظ کرتی ہوں۔ اس لیے کہ تم نے میری اُس وقت خدمت کی ہے جب میں بے حد کمزور تھی۔ تم نے میرے تار تار لباس کو جسے تم کامنی کا جسم کہتے ہو، رفو کیا ہے۔ میں تمہاری احسان مند ہوں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی

طرف بڑھ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کرنے سے پہلے اُس نے کہا۔ ''اور میں تمہیں بتا دوں کہ میں اس وقت احسان مندی اور محبت کے دو پھلوں والی قینچی کے درمیان ہوں۔ میں کامران سے محبت کرتی ہوں۔''

سلیمہ ابانا کی طرف لپکی۔ اور ابانا نے دروازہ بند کر لیا۔

''ابانا...... ابانا......'' سلیمہ چیخی۔

''تم مجھے پریشان نہ کرو۔''

''ابانا......'' سلیمہ چیخی۔

''ہم جانور اپنے محسن کو نقصان پہنچا ہی نہیں سکتے سلیمہ...... فرقان سے کہو کہ وہ رقابت اور حسد کو چھوڑ دے۔ ابانا کے جذبات پر وہ پہرے نہیں لگا سکتا۔ آج پہلا موقع ہے کہ اس نے ایسی بات کہی ہے۔'' ابانا کہتی رہی۔ ''میں نے اب اس کے ذہن کو آزاد کر دیا ہے۔ یہ سوچ کر کہ شاید اب وہ ابانا کے جذبات کی شدت اور مطالبوں کو سمجھ گیا ہوگا۔ مگر وہ نہیں سمجھا۔ میں چاہوں تو پھر اسے اپنا ذہنی مطیع بنا سکتی ہوں۔ اسے مجبور کر سکتی ہوں کہ وہ میری ہوس کی تسکین کے لیے مرد فراہم کرے بالکل اسی طرح جیسے وہ بابا کے لیے لڑکیاں فراہم کرنے پر مجبور ہوا ہے۔ اور پھر میں اُسے اس بات پر بھی راضی کر سکتی ہوں کہ وہ میری ہوس کی تسکین کے تمام مناظر بخوشی اسی طرح دیکھتا رہے جیسے ہوٹل ہل ٹاپ میں ہوا تھا۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ وہ میرا مطیع نہ رہے۔ صرف اس لیے کہ تم اس کی بیوی ہو۔ تم جو میری محبوب ہو۔ اسے سمجھاؤ۔''

''سلیمہ ادھر آؤ......'' فرقان نے کمرے سے نکل کر کہا تھا۔

''جاؤ......'' ابانا نے کہا۔ ''پاگل بلاوجہ جل رہا ہے۔ گویا میں اس کی محبوبہ ہوں۔''

☆......☆

فرقان بے حد برہم رہا۔ اس رات دیر تک وہ جاگتا رہا اور سگرٹوں پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ سلیمہ اسے سمجھاتی رہی۔ مگر وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ سلیمہ نے فرقان کو سابقہ تمام واقعات یاد دلائے کہ کس طرح ابانا نے ندیم کو استعمال کیا۔ ''اسپینی سیاح کو اس نے کس طرح اپنے جذبات کی تسکین کے لیے پاگل بنایا۔'' آخر تم اس وقت اتنے برہم کیوں نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت یہ رقابت اور حسد کہاں جا سویا تھا۔''

یہ رقابت اور حسد کی بات نہیں سلیمہ میری عزت کا سوال ہے ان موقعوں پر بھی میں نے اس لیے کچھ نہ کہا کہ ندیم اور وہ اسپینی سیاح ان واقعات کو بیان کرنے کے لیے ذہنی یا جسمانی طور پر موجود نہ رہے تھے۔ جس سے میری ہتک ہو سکتی تھی۔ مگر کامران کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ زندہ ہے اور شاید ابانا اسے نہ تو جان سے مارے گی۔ نہ ذہنی طور پر مفلوج کرے گی۔''

اور اب رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ فرقان پلنگ سے اٹھا اور اس نے ابانا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ ابانا کمرے میں نہیں تھی۔ وہ تیزی سے واپس آیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ ''کیا ہوا'' سلیمہ نے اس سے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہو۔''

''ابانا کمرے میں نہیں ہے۔''

''تو کیا ہوا......''

''وہ یقیناً کامران کی طرف گئی ہوگی۔ میں کامران کی کوٹھی پر جا رہا ہوں۔'' فرقان نے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے کہا۔

''میں بھی چلوں گی۔'' سلیمہ اٹھ بیٹھی۔ ''میں اس حویلی میں تنہا نہیں رہ سکتی۔''

مجبوراً فرقان کو اسے ساتھ لے کر چلنے پر آمادہ ہونا پڑا۔ وہ دونوں اس پہاڑی سے ہوتے ہوئے اب کامران کی کوٹھی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ لیکن اس وقت انہیں ابانا کوٹھی سے باہر آتی نظر پڑی۔ وہ تنہا تھی کامران اسے چھوڑنے بھی نہیں آیا تھا۔ پھر ابانا ڈھلان کی طرف بڑھی اور چونک کر ٹھہر گئی۔

''سلیمہ...... فرقان...... چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں آجاؤ......''

وہ دونوں ایک پتھر کی آڑ سے نکلے۔ اور اس کی طرف بڑھے ابانا نیچے ڈھلان پر اترنے لگی۔ اس نے کہا۔ ''کامران اپنی کوٹھی میں نہیں ہے۔''

''مگر تم یہاں مجھ سے پوچھے بغیر کیوں آئی تھیں۔''

''میں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی رکھتی ہوں ڈاکٹر۔'' ابانا کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ''لیکن اس وقت میں یہاں صرف تمہارے لئے آئی تھی۔''

سلیمہ نے فرقان کا ہاتھ دبایا۔ اور تیز چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔ ''ابانا آج تم بڑی پراسرار باتیں کر رہی ہو۔ آخر کامران سے فرقان کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔''

کامران فرقان کو پھانسی کے تختے پر لے جا سکتا ہے۔ وہ ایسی ہی صلاحیتوں کا مالک ہے۔''

فرقان ان کے برابر آ گیا۔

''یہ جھوٹ ہے؟''

''ابانا کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں...... جھوٹ کمزور لوگ بولتے ہیں۔''

''تم مجھے یہ افسانہ تراش کر مطمئن کرنا چاہتی ہو۔''

''مگر تم مطمئن نہیں ہوئے۔'' ابانا نے استہزائی ہنسی ہنس کر کہا۔ ''میں اتنی بے وقوف ہوں کہ تمہیں دوسرے طریقوں سے رام نہیں کر سکتی۔ یہی کہنا چاہتے ہو۔''

فرقان خاموش ہو گیا۔ وہ ابانا کی قوتوں سے واقف تھا۔ ''مگر کامران میرے لیے خطرہ کیونکر بن سکتا ہے۔''

پھر ان میں کچھ بات نہ ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کے ڈھلان پر اترتے رہے۔ حویلی کے گیٹ پر لگے ہوئے برقی ہنڈے سلگ رہے تھے۔ رات آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ اور ٹھنڈی ہوا گھاس اور پتوں میں ہمک رہی تھی۔

ایک بات یاد رکھو فرقان......'' ابانا نہ تو تمہاری غلام ہے نہ تمہاری بیوی۔ تم اس پر پہرے نہیں بٹھا سکتے۔ اور ابانا یہ وعدہ کر چکی ہے کہ وہ محض اپنی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دے گی۔ اس کا ثبوت ابانا دے چکی ہے۔ اور دیتی رہے گی۔''

پھر اس نے سلیمہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''سلیمہ تم ہی فرقان کو سمجھاؤ...... تم ابانا کو سمجھا سکتی ہو فرقان کو نہیں

سمجھا سکتیں......''

OOO

اور ابانا اس کے لیے سوہان روح بن گئی۔ ابانا نے شاید سچ ہی کہا تھا کہ اس نے اسے اپنے اثر سے آزاد کر دیا تھا۔ اور اب جوں جوں وہ ابانا اور اس کے رویے کے بارے میں سوچتا اسی طرح کامران کی طرف سے اس کے دل میں نفرت بڑھتی چلی جاتی۔ اس کی وجہ صرف اتنی سی تھی کہ ابانا کامنی کے جسم پر متصرف تھی۔ ''کسی دوست کو اپنا کوٹ مستعار دینے سے آدمی حق ملکیت سے دستبردار تو نہیں ہو جاتا۔'' اس نے اس سلسلے میں اپنے لیے دلیل تراشی تھی۔ ''ایسی صورت میں آدمی اپنے دوست کو ٹوک بھی سکتا ہے کہ وہ اس کے کوٹ کو احتیاط سے پہنے۔'' اپنائیت اور ملکیت کا یہی احساس تھا۔ جس نے اسے یہ سمجھایا تھا کہ ابانا پر صرف اسی کا حق ہے۔ ابانا نے کامنی کا جسم اوڑھ رکھا تھا۔ اور وہ اس جسم کو صرف اپنے لیے مخصوص سمجھتا تھا۔ کامنی جس نے اسے اور جسے اُس نے اپنے جسم و جان کی تمام سچائیوں کے ساتھ اپنایا تھا۔ وہ کامنی جو اس کے لیے سراپا خود سپردگی کے جذبات سے ہمیشہ چور رہتی تھی۔ اور اس کے ہنستے کھیلتے قلقاریاں مارتے بچے کی ماں تھی۔ اس نے یہ سب چیزیں کھو کر ابانا کو پایا تھا اور یہ ابانا اپنے حیوانی جذبات کی تسکین کے لیے کامنی کا جسم ہر مرد کے حوالے کرنے پر آمادہ رہتی تھی۔ اور اب ان ہی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس نے کامران کا انتخاب کیا تھا۔

وہ ابانا کے جسم کی یہ بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''فرقان......'' سلیمہ نے اس سے اس سلسلے میں کہا تھا۔ ''تم اس طرح اپنا ذہن پراگندہ نہ کرو۔ یہ تو سوچو کہ ابانا تمہیں اپنے اثر میں لے کر اب تک اس بات پر آمادہ کیے رہی کہ وہ جس مرد کو چاہے اپنی ہوس بجھانے کے لیے استعمال کرے۔ الفانسو کا واقعہ خود تمہارے سامنے ہوا تھا۔''

''تو اس سے کہو کہ وہ میرا ذہن پھر مفلوج کر دے۔ میں آگہی کے اس جہنم میں جلنا نہیں چاہتا۔''

بات یہیں ختم ہو گئی سلیمہ نہ اسے سوچ کی راہیں بدلنے پر آمادہ کر سکی نہ ابانا سے یہ بات کہہ سکی کہ وہ فرقان کو تکلیف نہ پہنچائے۔ یوں دن گذرتے رہے۔ اب فرقان ابانا سے گفتگو بھی نہیں کرتا تھا اور ابانا اکثر اسے چھیڑا کرتی تھی۔ ''کہئے کامران کے رقیب صاحب......'' مگر ہمیشہ سلیمہ دخل دے کر بات وہیں ختم کر دیتی۔ کامران صبح شام فرقان کے گھر آتا مگر فرقان اس سے محض دکھاوے کے لیے ملاقات کرتا اور کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ان کے پاس سے اٹھ جاتا۔ ایک دن موقع پا کر سلیمہ نے کامران سے کہا تھا۔

''کامران میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ یہاں نہ آیا کریں۔''

''مگر کیوں......'' اس نے سوال کیا تھا۔

''یہاں سب آنکھیں اور ذہن کھلا رکھتے ہیں۔ ابانا میں آپ جو دلچسپی لے رہے ہیں وہ کوئی چھپی رہنے والی بات نہیں ہے۔ فرقان اسے پسند نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی صبح و شام آمدورفت سے اور ابانا میں آپ کی غیر معمولی دلچسپی سے ابانا کی تربیت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔''

''آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں اس وحشی لڑکی میں دلچسپی لوں گا۔''

''صفائی پیش کرنے اور حیلہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے کامران صاحب! آپ کو کیا کرنا چاہئے کیا نہیں اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ آپ کا ہر روز آنا جانا کسی دن بڑے طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔''

''یہ فیصلہ واقعی مجھے کرنا ہے کہ میں کیا کروں کیا نہ کروں۔ اور میری آمدورفت واقعی طوفان کا پیش خیمہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر سلیمہ صاحبہ میں یہاں اس وقت تک آنا جانا بند نہیں کروں گا جب تک خود فرقان مجھ سے نہ کہہ دے۔''

''کیا آپ ان کے رویہ سے محسوس نہیں کرتے کہ وہ آپ کا آنا جانا پسند نہیں کرتے۔''

''میں ان معاملات میں بڑا کند ذہن واقع ہوا ہوں۔'' کامران نے بات ختم کر دی تھی۔ اور پھر ابانا سے باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ یہ باتیں کیا تھیں بس اس نے خود بھی ابانا کو بولنا سکھانے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔ ابانا کا رویہ اس کے ساتھ ایسا تھا کہ وہ یوں سلیمہ کے کہنے پر یہاں آنا جانا بند نہیں کر سکتا تھا۔ ابانا اسے نہایت مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ اور اسے دیکھ کر وہ یوں شاداب ہو جاتی تھی جس طرح بارش کے بعد فضا اور پیڑوں کے پتے نکھر جاتے ہیں۔ کامران کو ہمیشہ یوں لگتا تھا گویا اس کے آتے ہی ابانا کے چہرے سے حزن و ملال اور خوف و سراسیمگی کا پردہ چھٹ گیا ہو۔ ابانا کی آنکھیں چمچا اٹھتیں گالوں پر سرخی دوڑ جاتی ہونٹ کپکپاتے۔ ''آؤ...... آؤ...... بیٹھو......'' اس کے ہونٹوں سے الفاظ کا مترنم آبشار گرتا۔ ابانا کا یہ رویہ اسے بار بار یہ احساس دلاتا کہ فرقان اور سلیمہ ابانا کو مہذب اور شائستہ بنانے کے لیے اس پر بے پناہ سختیاں کر رہے ہیں اور یہ احساس اُس کے دل میں ابانا کے لیے رحم کے جذبات کو گہرا اور محبت کی لہر کو تیز کر دیتا۔

یوں کامران کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے ساتھ ہی فرقان کے دل میں حسد، نفرت اور رقابت کے جذبات شدید تر ہوتے گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ فرقان خود کو کسی مرد کے مقابلے میں ہیچ سمجھ رہا تھا۔ کامران اس سے زیادہ وجیہہ زیادہ شکیل اور زیادہ توانا تھا۔ اور ابانا اس پر اس طرح لٹو ہوئی تھی کہ گویا اس کے سوا دنیا میں کوئی اور مرد ہی نہ ہو۔ ایک دن اس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب دیکھا تو غصے میں پھنک گیا۔ فرقان نے اس دن کامران کو بے حد برا بھلا کہا۔ لیکن کامران کا جواب صرف اتنا تھا۔ ''ابانا تمہاری بیوی تو نہیں ہے کیوں بلاوجہ برہم ہوتے ہو۔ ابانا کو ان جذبات کا بھی تجربہ ہونا چاہئے۔ اس میں کیا خرابی ہے۔''

فرقان نے الٹے ہاتھ کا تھپڑ کامران کے منہ پر مارا تھا۔ اور اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا تھا۔ اس دن ابانا بے حد برہم رہی تھی۔ ''تمہیں ایسا نہ کرنا چاہئے تھا فرقان...... وہ تمہارے لئے بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''خاموش......'' فرقان نے چیخ کر کہا تھا۔

''احمق ہو گئے ہو۔'' ابانا نے کہا...... ''میں تمہاری کچھ نہیں ہوں۔ آئندہ ایسے لہجے میں مجھ

سے گفتگو نہ کرنا۔ تم کامران کو اس طرح مجھ سے نہیں چھین سکتے۔ اسے بہر حال میرا بننا ہوگا۔“

فرقان پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ سلیمہ...... ”ابانا نے کہا تھا۔“ ورنہ یہ پاگل ہو جائے گا۔ کامران کی اصلیت معلوم کرو۔ ساری باتیں تمہاری سمجھ میں آجائیں گی۔“

اور یوں کامران اس کے دل کی پھانس بن کر رہ گیا تھا۔ بدگمانیوں نے اس کے ذہن کو مفلوج کر دیا تھا۔ ابانا کے کہنے اور سلیمہ کے سمجھانے کے باوجود اس نے کامران کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ ابانا کی صلاحیتوں سے واقف تھا اور اسی واقفیت کی بنا پر یہ خیال اس کے ذہن میں کنکھجورے کی مانند اپنے تمام زہریلے پیر جما کر پیوست ہو گیا تھا کہ ابانا اس طرح اس کو کامران کے بارے میں بہلانا چاہتی ہے۔ نامعلوم کیوں اس نے سوچ لیا تھا کہ ابانا عثمانی کو اپنے اثر میں لا کر اس کے ذریعے کامران کے بارے میں ایسی معلومات فراہم کر دے گی کہ وہ ابانا کے کسی فعل و کامران سے اس کے بڑھتے ہوئے میل جول کو ہنسی خوشی برداشت کر لے گا۔

اور یوں وہ اپنے ہی آپ میں سلگتا اور پگھلتا رہا۔ ابانا اس کے بس سے باہر تھی۔ اس پر اس کا زور نہ چلتا تھا۔ اور اس بے بسی کی بنا پر اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی، غصے اور برہمی کا اظہار وہ ایک ہی طرح کر سکتا تھا۔ سو اس نے یہی کیا۔ اب وہ ابانا سے گفتگو کرنے کا بھی روادار نہ تھا۔

☆......☆

برابر کے کمرے سے ابانا اور سلیمہ کی ہنسی کی آوازیں آرہی تھیں۔ ابانا اس وقت بھی سلیمہ سے خوش فعلیوں میں مصروف تھی اسے اس وقت سلیمہ کی ہنسی کی آواز بے حد بری لگی اور وہ مسہری سے اٹھ کر ابانا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”سلیمہ......“ دروازہ کھول کر وہ زور سے دھارا...... ”ادھر چلو......“

سلیمہ سہم گئی۔ ابانا نے کہا جاؤ۔ ”وہ آگئے عاشق نامراد......“ اس نے یہ جملہ خاصی بلند آواز میں کہا تھا اور فرقان کے گویا تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ جھلا کر کمرے میں آیا اور ”چٹاخ“ کی آواز کمرے میں گونج گئی۔ ابانا کے گالوں پر پانچوں انگلیوں کے نشان بن گئے۔ اور وہ اس طمانچے کے زور میں ایک طرف کو جھک گئی۔

”فرقان ......“ سلیمہ اس کی طرف لپکی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ فرقان کا ہاتھ پکڑتی۔ اس کے پیر گویا زمین نے پکڑ لئے تھے۔ فرقان کا ہاتھ پھر ابانا کو مارنے کے لیے گھوما تھا مگر اس مرتبہ یہ ہاتھ ابانا کے چہرے پر پڑنے کی بجائے پوری قوت سے اس کے اپنے گال پر پڑا تھا۔ اور پھر اس کا ہاتھ گال پر ہی چپک کر رہ گیا تھا۔

”آداب فرقان صاحب......“ ابانا نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔

فرقان کو پھر محسوس ہوا گویا وہ اپنے ہاتھ کو جنبش نہیں دے سکتا ہے۔ ابانا کہہ رہی تھی۔ ”میں تمہیں ذہنی طور پر اپنا محکوم نہیں بناؤں گی...... میں تمہیں ذہنی آزادی دے کر ہر ہر لمحہ تمہارے لیے جہنم بنا سکتی ہوں۔“

فرقان کے ذہن میں گویا انگارے بھر گئے تھے۔ غصے سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اس نے پھر ابانا کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر ایک مرتبہ پھر اس کا تھپڑ لوٹ کر پھر اس کے گال پر پڑا مگر اس مرتبہ ساتھ ہی اس نے اپنی ٹانگ کو بھی حرکت دی تھی ابانا کی رانوں پر اس کی لات پوری قوت سے پڑی اور ابانا لڑکھڑا کر زمین پر گر گئی۔

ابانا کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ ”تم اس قدر ذلیل اور تنگ دل ہو گے میں سمجھ بھی نہیں سکتی تھی۔“ اس نے تیزی سے ایک طرف گھوم کر فرقان کی گھومی ٹانگ سے خود کو بچایا۔ اور لپک کر کھڑی ہو گئی۔ فرقان اس کی طرف لپکا تھا اور ابانا ایک سمت ہٹ گئی تھی۔

”آج تم بھی اپنی حسرت نکال لو۔“ ابانا نے چیخ کر کہا۔ ”میں اب تمہارے ذہن اور جسم کو پابند نہیں کروں گی۔ چلو...... مارو مجھے......“

”ابانا......“ سلیمہ کی تیز ہسٹیریائی آواز گونجی وہ اب بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکتی تھی۔ ”یہ تم کیا کر رہی ہو......“

سلیمہ کی آواز سن کر ابانا کی توجہ ایک لمحہ کے لیے ہٹی۔ اس نے پلٹ کر سلیمہ کو دیکھا اور اسی لمحے فرقان کا ہاتھ پوری قوت سے اس کی گدی پر پڑا۔ فرقان اس وقت پاگل ہو گیا تھا۔ وہ ابانا سے لپٹ پڑا اور اسے زمین پر گرا لیا۔ ”میں تجھے آج نہیں چھوڑوں گا۔“ اس نے ابانا کے چہرے پر پے در پے ہاتھ جھاڑ دیئے“...... فرقان...... فرقان......“ سلیمہ چیخی۔

ابانا مچھلی کی مانند فرقان کی گرفت سے نکلی۔ اور ایک کونے میں چوکنا ہرنی کے انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ فرقان اس وقت بھی زمین پر گٹھری بنا پڑا تھا۔

”سلیمہ میری جان......“ وہ بڑھ کر سلیمہ کی طرف آئی۔ آج تم کچھ نہ بولو۔ آج فرقان کو اپنے ارمان نکال لینے دو میں دیکھوں گی یہ کتنا اور طاقتور ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے سلیمہ کو بوسہ دیا۔ ”تم سلیمہ میری جان اتنی اچھی ہو کے مجھے تمہاری بات ٹالتے ہوئے دکھ ہوگا۔“

”سلیمہ تم کچھ نہ بولو......“ فرقان نے زمین پر لیٹے لیٹے کہا۔

”ہاں تم کچھ نہ بولو سلیمہ......“ ابانا نے چڑانے کے انداز میں کہا...... ”ورنہ فرقان صاحب توپ دم کرا دیں گے۔“ پھر اس نے سلیمہ کو اپنے بازوؤں میں بھرا اور مسہری پر لا کر ڈال دیا۔ ”سلیمہ...... میری سلیمہ......“ ابانا نے کہا...... ”ناراض نہ ہونا......“

ابانا کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ ”ہاں تو فرقان صاحب اب آیئے جو کچھ ارمان ہیں نکال لیجئے۔ صرف دو منٹ تمہارے لئے ہیں۔ میں اس دو منٹ کے عرصہ میں تمہارے خلاف کوئی جوابی کارروائی نہیں کروں گی۔ تم جو چاہے میرے ساتھ سلوک کرو۔ اور اسی سلوک کی روشنی میں میں دو منٹ بعد تمہیں اس کا بدلہ چکھا دوں گی۔ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں تا کہ تمہیں ابانا سے یہ شکایت نہ رہے کہ اس نے تمہاری ذہنی اور جسمانی قوتیں سلب کر لی تھیں۔“

فرقان کے جسم نے گویا زمین کو چھوڑ دیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہ ایسا محسوس کر رہا تھا کہ اگر پکا

فرش نہ ہوتا اور زمین دلدلی یا ریتلی ہوتی تو وہ اس کے اندر گھستا چلا جاتا۔ وہ جھرجھری لے کر کھڑا ہوا۔ اس کے ذہن میں غصے کے الاؤ دھک رہے تھے۔ اُس نے ابانا کو غضب ناک نگاہوں سے گھورا۔

''ڈرومت فرقان تم بالکل آزاد ہو۔ جو چاہو میرے ساتھ سلوک کرو۔''

فرقان اس کی طرف بڑھا۔ اور ابانا کے بال ہاتھوں سے پکڑ کر اس کے منہ پر تھوک دیا۔

''کتیا......'' اس نے بڑی نفرت سے کہا۔ ''اب تو کامران کے پاس نہیں جائے گی۔''

''تڑاخ......'' ابانا کے چہرے پر زناٹے کا تھپڑ پڑا۔

''مردوں کی طرح ہاتھ چلاؤ۔ یہ کیا زنخوں کی طرح تالی بجا رہے ہو۔'' ابانا نے اسے چڑا دیا۔

''تڑاخ......'' دوسرا ہاتھ پڑا۔

''بھچ......'' ابانا کے پیٹ پر زوردار مکا لگا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی رہی۔ ''ڈیڑھ منٹ رہ گیا ہے۔ فرقان صاحب جلدی کیجئے۔''

پھر فرقان اپنے کمرے میں گیا اور فوراً واپس آ گیا ابانا اسی جگہ کھڑی رہی فرقان کے ہاتھ میں پستول تھا۔

''بس مردانگی ختم ہوگئی......اتر آئے ان چیزوں پر......'' ابانا نے کہا۔

پھر فرقان نے تلے اوپر کئی فائر کر ڈالے مگر تمام گولیاں ابانا کے جسم کے چاروں طرف اس طرح دیواروں میں پیوست ہوگئیں جس طرح سرکس کا کوئی خنجر انداز اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔

''پندرہ سیکنڈ رہ گئے فرقان صاحب جلدی کیجئے......ابھی تک آپ نے کچھ بھی نہیں کیا......'' ابانا نے کہا۔

اور فرقان نے جھنجھلا کر قریب رکھا ہوا اسٹول اس پر دے مارا اور وہ بھی دیوار سے ٹکرا کر نیچے آیا۔

''آپ کا وقت ختم ہوگیا شیر افگن صاحب۔'' ابانا اس کی طرف بڑھی پستول اور اسٹول مار کر آپ نے میری شرط کی خلاف ورزی کی تھی اس لیے مجھے اپنی قوت آزمانی پڑی تھی۔ تم نے مجھے کتیا کہا تھا۔ میں تمہیں اپنے کتیا ہونے کا ثبوت دوں گی۔'' اس کے گرد اس طرح گھوم رہی تھی جس طرح سرکس میں شیر کو بٹھا کر رنگ ماسٹر اس کے گرد چکر لگاتا ہے۔

''مگر فی الحال......'' ابانا نے اس سے کہا۔ ''تم نے اپنا ڈیڑھ منٹ مردانگی دکھانے کی بجائے دوسری چیزوں کو استعمال کرنے میں صرف کیا لہذا ڈیڑھ منٹ اور میں تمہیں اپنے ارمان نکالنے کے لیے دیتی ہوں۔''

فرقان کے جسم سے انجانی بندشیں ایک مرتبہ پھر کھل گئی تھیں۔ ''میں اپنی کوئی قوت استعمال نہیں کروں گی۔

''تم کامران کے پاس نہیں جاؤ گی۔''

''حکم دینے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔''

فرقان نے جھلا کر اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور ابانا کے ہونٹوں سے خون کی لکیر بہہ نکلی ابانا کی آنکھوں میں نفرت کے دیئے جل اٹھے۔ ''تم بہت کمینے اور ناسمجھ ہو۔'' ابانا نے اس سے کہا۔ اور فرقان کے ہاتھوں کی گرفت اس کی گردن پر سخت ہوگئی۔''

''ایک منٹ رہ گیا ہے......'' ابانا نے اسی سکون سے کہا۔ ''یہ گردن سلیمہ کی یا کامنی کی نہیں ہے۔'' فرقان کے تمام جسم میں غصے کی بجلی کوند گئی اس نے ابانا کو جھنجھوڑ دیا۔ اور اپنا سر پوری قوت سے ابانا کی کھڑی ناک پر دے مارا۔

ابانا کے منہ سے ایک کراہ نکلی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ابانا کی ناک پر سر مارنا چاہا مگر ابانا نے اس کا وار بچالیا۔ اور فرقان نے اپنے دانت ابانا کی گردن پر جما دیئے۔

ابانا تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ ''تمہارے پاس اب صرف ۴۸ سیکنڈ ہیں۔ لیکن تم اپنے دانت استعمال نہیں کرو گے۔ ابانا کے خون کا ذائقہ اگر تمہاری زبان کو لگ گیا تو تم زندہ نہیں رہ سکو گے اسی لیے میں تم سے علیحدہ ہوگئی تھی۔'' ابانا نے اپنی کلائی سے ہونٹوں کی باچھوں سے بہنے والے خون کو پونچھا۔ ''چلو ابھی ۴۵ سیکنڈ ہیں۔''

فرقان نے پھر اپنی تمام قوت اپنے جسم میں لوٹتی محسوس کی۔ ''ابانا تُو کامران کے پاس نہیں جائے گی۔''

اور پھر فرقان ابانا کو پیٹتا ہی چلا گیا اور وہ ''کامران......کامران'' چلاتی رہی۔

''بس اب تمہاری مہلت ختم ہوگئی ہے۔'' ابانا کے منہ سے یہ آواز نکلتے ہی فرقان کا جسم ان دیکھی بندشوں میں جکڑ گیا۔ ''تم نے مجھے بیحد مایوس کیا ہے فرقان اگر اس وقت مجھ سے محبت سے سلوک کرتے تو میں تمہاری ہر بات ماننے پر تیار ہو جاتی۔ ہم جانور محبت ہی سے مار کھا سکتے ہیں۔ ورنہ پیر پڑنے پر تو چیونٹی بھی کاٹ کھاتی ہے۔ سو اب تمہاری بات ماننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟'' فرقان نے کہا۔

''میں......'' ابانا نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ سلیمہ نے اسے آواز دی۔ ''ابانا......ابانا......''

''کہو......کیا بات ہے۔'' ابانا اس کی طرف بڑھی۔

''فرقان کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔''

ابانا سلیمہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ ''تم بہت کٹھور ہو سلیمہ! تم دیکھ رہی ہو اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اس وقت تم نے کچھ نہیں کہا تھا۔''

سلیمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''تم میری مجبوریاں نہیں سمجھ سکتیں۔''

''میں سب سمجھتی ہوں۔ مگر اب میں اس سے اپنی توہین کا بدلہ ضرور لوں گی۔ اور اس سے انتقام کے لیے صرف تمہاری خاطر اتنا کرسکتی ہوں کہ میں کامران کی راہ میں حائل نہیں ہوں گی۔ اب فرقان کو کامران سے خود ہی نمٹنا ہوگا۔ یہ دو انسانوں کی ذہانت اور مکاری کا مقابلہ ہوگا۔''

''مگر آخر کامران ہے کیا بلا؟''

''کامران...... تمہارے لیے پھانسی کا پھندا بھی ثابت ہو سکتا ہے۔'' ابانا نے سلیمہ کے سوال کے جواب میں فرقان سے کہا۔ ''تم بدگمانی کے کیڑے ہو تم یہی سمجھتے رہے کہ میں تمہیں کامران کے بارے میں دھوکا دینا چاہتی ہوں۔ مگر تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم خود فریبی کا شکار ہو رہے ہو......''

''مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔'' فرقان نے جسمانی لاچارگی کے باوجود غصے سے کہا۔ اس وقت اس کا جسم غیر انسانی طاقت کی گرفت میں تھا۔ لیکن ذہن اس کے اپنے قابو میں تھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم بڑے طرم خان ہو۔'' ابانا نے کہا۔ ''اور جناب!'' اس کے لہجے میں طنز آ گیا تھا۔ ''اب مجھے اجازت ہے کہ میں بھی آپ کے سلوک کا بدلہ چکاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ فرقان کی طرف بڑھی جو نرم موٹے قالین پر بے بسی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔

ابانا اُس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اور منہ میں کچھ بدبدانے لگی۔ اُس نے کچھ پڑھ کر جیسے ہی فرقان کی طرف پھونکا۔ فرقان کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پتلیاں چاروں طرف گھومنے لگی تھیں۔ پھر فرقان یک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کا چہرہ اور آنکھیں یک دم سرخ ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے بال نوچنے اور پھاڑنے لگا۔ اور پھر زور سے چلایا۔ ''ابانا...... ابانا۔''

پھر وہ کمرے میں چاروں طرف گھورنے لگا۔ اُس کی حالت بالکل دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔ منہ سے کف بہنے لگا تھا۔ پھر اُس نے ابانا...... ابانا چلاتے ہوئے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

فرقان پوری حویلی میں چکراتا پھرتا تھا۔ کبھی ایک کمرے میں اور کبھی دوسرے کمرے میں کبھی پورچ میں کبھی پائیں باغ میں غرض وہ ساری حویلی میں بھاگا پھر رہا تھا۔ اور اُس کے منہ سے ابانا...... ابانا...... ابانا کے علاوہ کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ وہ ابانا کو پکارتا ہوا جیسے اسے تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ وہ ابانا کے سامنے کئی مرتبہ آیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے یا تو وہ اسے نظر ہی نہیں آئی تھی یا وہ اسے پہچان نہیں پایا تھا۔

اُس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی ہو چکی تھی۔ بال الجھ کر رہ گئے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرہ لگڑ گیا تھا۔ ہونٹوں سے کف جاری تھا۔ جذسم میں ایک اضطراب یا ایک بے چینی کی سی کیفیت پھیرا ہو چکی تھی۔ اُسے کہیں چین نہیں تھا۔ تڑپتا پھر رہا تھا۔ اور ابانا...... ابانا پکارتا جاتا تھا۔

سلیمہ اس کی حالت دیکھ کر رو رہی تھی۔ ابانا خاموش کھڑی تھی۔ سلیمہ کو اس طرح زار و قطار روتے دیکھ کر وہ سلیمہ کے پاس آئی اور اسے دلاسہ دینے لگی۔

''سلیمہ! میری جان مت رو یہ فرقان اسی قابل ہے کہ اسے سزا دی جائے۔ اس نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔'' ابانا نے سلیمہ کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''ابانا... تم نے یہ کیا کر دیا ہے فرقان کو...... تمہیں ترس نہیں آتا۔ ایسی کڑی سزا دی ہے اسے۔'' سلیمہ نے روتے ہوئے شاکی انداز میں کہا تھا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں۔ ابھی تو اسے بہت کچھ جھیلنا ہوگا۔'' ابانا نے گردن اکڑا کر غصے سے کہا۔

''ابانا...... ابانا! اسے معاف کر دو۔ اسے معاف کر دو ابانا! میری خاطر اسے ٹھیک کر دو۔ میں اسے سمجھاؤں گی آئندہ وہ تمہاری معاملات میں دخل نہیں دے گا۔ تم جو چاہے کرنا۔ ایک بار اسے معاف کر دو ابانا!'' سلیمہ نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

☆......☆

ابانا بے حد برہم تھی۔ سلیمہ کی لاکھ منت سماجت کے باوجود اس نے اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا۔ ''تمہیں نہیں معلوم سلیمہ فرقان نے مجھے کتنی تکلیف پہنچائی ہے۔'' اس نے سلیمہ سے کہا۔ ''میرے گالوں پر انگلیوں کے نشانات بہت تکلیف دہ ہیں میرے لیے سلیمہ۔'' یہ کہہ کر ابانا باہر چلی گئی۔ سلیمہ اس کو باہر جاتے بھیگی نظروں سے دیکھتی رہی۔ وہ فرقان کے لیے بے حد پریشان تھی۔ جو اس وقت کمرے میں چکراتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ اور چاروں طرف گھور گھور کر تکنے لگا۔ سلیمہ اس کے پاس چلی گئی۔ ''غوں...... غاں...... غاں...... خوں...... ابانا......'' فرقان نے ایک طرف گھورتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اسی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ جس سے ابانا باہر گئی تھی۔

''فرقان یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' سلیمہ نے فرقان کے جسم کے ایک ایک حصہ پر ہاتھ پھیرا فرقان کا تمام جسم تپ رہا تھا، اس کے جسم کے ہر ہر حصے سے آنچ نکل رہی تھی۔

''بخار......'' سلیمہ کے ذہن نے صدا لگائی...... کی بندشوں سے آزاد کر دیا۔

فرقان تڑپ کر اُس سے الگ ہو گیا۔ وہ دیوانگی کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

''ابانا......'' وہ پوری قوت سے دہاڑا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ سلیمہ نے اُسے پکڑنا چاہا لیکن فرقان نے اُسے زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر مسہری کے ساتھ جا ٹکرائی اُس کا سر مسہری کے پائے کے ساتھ ٹکرایا تھا اور وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

☆......☆

''ابانا...... ابانا...... ابانا......'' بے قرار، مضطرب، بے چین اور ملتجی چیخیں پہاڑیوں اور گھاٹیوں اور وادیوں میں سر پٹکتی رہیں۔ مگر سرد پتھر، شبنم آلود گھاس، سوئے ہوئے پتے کھلے ہوئے پھول بند کلیاں، اور ہریالی پر چاند کی روشنی میں بھیگی ہوئی شبنم اس پکار کا جواب نہ دے پائیں۔ ابانا...... ابانا...... ابانا......'' دردناک اور کرب میں ڈوبی ہوئی پکار کسی نے نہ سنی۔ رات کے سناٹے نے اس کے دکھ کو اپنی کوکھ میں چھپا لیا۔

پہاڑی پر چڑھتے ہوئے نوکیلے ناہموار پتھروں، سنگریزوں اور بکھرے ہوئے گوکھروؤں سے فرقان کے پیر زخمی ہوتے رہے...... خاردار جھاڑیوں سے گذرتے ہوئے کانٹوں نے اُس کے کپڑوں کو پھاڑ دیا اور اس کے جسم میں گہری خراشیں ڈال کر اپنے خشک ڈنک سیراب کئے۔ پتھروں سے ٹکرا کر ایک مرتبہ جو لڑکھڑایا تو ایک پتھریلی چٹان کے تیز کونے نے اس کی پیشانی کو زخمی کر دیا۔ مگر فرقان دیوانوں کی مانند انہی وادیوں اور انہی پہاڑیوں میں چکراتا رہا۔

کامران کے کانوں میں پکار اس وقت پڑی جب وہ کھڑکی کے قریب بیٹھا دور مشرق سے

ابھرتے ہوئے سورج کا منظر دیکھتے ہوئے شیو بنا رہا۔"ابانا......ابانا......ابانا......"فرقان کی فریاد پھر وادی میں تیرگئی۔ کامران لپک کر کھڑکی میں آیا۔ پہاڑی ڈھلان پر ایک طویل قامت آدمی وحشیانہ انداز میں اندھوں کی طرح دوڑتا پتھروں اور جھاڑیوں سے ٹکراتا دائیں طرف چلا گیا۔ اور جھاڑیوں نے اپنے سبز لبادے کی چادر میں اسے چھپا لیا۔"ابانا......ابانا......ابانا......" آوازیں پھر گونجیں، جھاڑیوں میں سرسراہٹ جاری رہی۔ کبھی کبھار پتوں سے اسے اس آدمی کا جسم نظر آ جاتا۔"ابانا......ابانا......ابانا......" بہرے گونگے اور ٹھنڈے پتھروں سے ٹکراتی رہی۔

کامران اس آواز سے کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ وحشت اور دیوانگی نے فرقان کی آواز پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اس نے چند ثانیوں میں جو جھلک انسانی جسم کی دیکھی تھی۔ اس نے کامران کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا کہ یہ شخص فرقان تھا ایک شبہ تھا...... لیکن پھر اس نے سوچا کہ آخر فرقان پر ایسی کیا آفت پڑی ہے۔ اس کی یہ حالت کیوں ہوگئی۔"ابانا...... ابانا......" دور کہیں پہاڑیوں سے پھر وہ چیخیں اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرائیں۔ وہ چیخیں جو پہاڑیوں کے دامن میں پھیلے ہوئے سکون میں کلبلا رہی تھیں۔

اس نے فرقان کی حویلی فون کیا مگر دوسری طرف کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اس نے نہایت عجلت میں الٹا سیدھا شیو کیا اور حویلی کی طرف بھاگ گیا۔

حویلی میں پہنچتے ہی کامران کا ماتھا ٹھنکا اسے اس ماحول میں اجنبی پن سا محسوس ہوا۔

"فرقان......فرقان......" اس نے آواز دی مگر حویلی سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ نہایت چوکنا انداز میں حویلی کے اندر داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم سے ہو کر وہ راہداری میں آیا۔ فرقان کے بیڈ روم میں جھانکا۔ وہ خالی پڑا تھا۔ پھر وہ ابانا کے کمرے میں آ گیا۔ جہاں سلیمہ بے ہوش پڑی تھی۔ اس کمرے کی حالت ایسی تھی گویا یہاں بہت دھینگا مشتی ہوئی ہو۔ اس نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے سلیمہ کسمسائی۔

"فرقان......فرقان......" اس کے ہونٹ پھڑپھڑائے۔"فرقان ہوش کرو...... یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے فرقان......" سلیمہ کے منہ سے الفاظ نکلے پھر ذرا ہی دیر میں اسے ہوش آ گیا۔ اس نے حیران حیران نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔"کامران صاحب......"

"کیا ہوا مسز فرقان...... ابانا اور ڈاکٹر کہاں ہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم......" سلیمہ نے کامران کو کچھ بتا کر نہیں دیا جب کامران کا اصرار بڑھا تو وہ چلا اٹھی۔"مجھ پر رحم کیجئے کامران صاحب، مجھے آپ کی ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

کامران نے زیادہ اصرار نہ کیا وہ تمام حویلی میں چکراتا پھرا مگر اسے کوئی ایسا سراغ نہ ملا۔ جس سے وہ کسی نتیجے پر پہنچ سکتا۔ تھک ہار کر وہ پھر واپس سلیمہ کے پاس آیا۔"میرا خیال ہے حویلی میں آپ کا تنہا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اعتراض نہ ہو تو میرے ساتھ چلئے۔"

مگر سلیمہ اس کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی۔ فرقان کے ملازمین آ گئے تو کامران وہاں سے چلا آیا۔ مگر یہ الجھن اس کو پریشان کئے ہوئے تھی کہ آخر فرقان اور ابانا کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ اگر

وہ شخص جس کی ایک جھلک اس نے کھڑکی سے دیکھی تھی فرقان ہی تھا تو اس پر ایسی کیا آفت پڑی تھی جس نے فرقان ایسے سلجھے ہوئے شخص کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔

☆......☆

دن ڈھلنے سے پیشتر ہی ابانا واپس آ گئی۔ کس وقت اور کیسے واپس آئی یہ سلیمہ کو پتہ ہی نہ چلا۔ وہ نوکروں کے جانے کے بعد حویلی کے دروازے بند کر کے بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں واپس آئی تھی تو اس نے ابانا کو وہاں بیٹھے پایا۔ وہ دن بھر اپنے کمرے میں پڑی روتی رہی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اس وقت کمرے میں ابانا کو دیکھتے ہی وہ پھٹ پڑی۔

"تم کیوں آئی ہو یہاں...... جاؤ نکلو یہاں سے......"

"میں تمہاری وجہ سے یہاں آئی ہوں۔"

اور سلیمہ نے ابانا پر گھونسوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ ابانا چپ چاپ یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔"میں تجھے قتل کر دوں گی۔" اس نے ابانا کے گلے پر دانت جما دیئے۔ اور ابانا تڑپ کر اس کے پاس سے علیحدہ ہوگئی۔"تم بہت کمینی ہو...... تم نے مجھے برباد کر دیا ہے۔" سلیمہ نے بستر پر مکے مارتے ہوئے کہا۔ اور سسک سسک کر رونے لگی۔

"تم ناسمجھ ہو سلیمہ......" ابانا کی آواز کپکپا رہی تھی۔ سلیمہ نے ابانا کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور یہ آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں پر آ رہے تھے۔"تم نے مجھے مارا ہے سلیمہ...... کیا تم مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتی ہو......"

"تم نے فرقان کو کیا کیا؟"

"فرقان مجھے تمہاری وجہ سے عزیز ہے اور اس لئے عزیز ہے کہ اس نے میری تیمارداری اس وقت کی تھی جب میں بے حد کمزور تھی میں اس کا احسان نہیں بھول سکتی۔"

"تو تم نے اسے پاگل بنا کر احسان کا بدلہ دیا ہے۔"

"اور اس نے مجھے جو پاگل کر دیا تھا۔" ابانا نے کہا۔"ذرا تم میری جگہ خود کو رکھ کر سوچو۔ اس نے کامران سے رقابت کی وجہ سے مجھے مارا۔ کیا میرے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہئے تھا؟"

سلیمہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ ابانا بڑی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سلیمہ اپنی بے بسی پر اس قدر رو چکی تھی کہ اب اس کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔ صرف ہوک سی اس کے دل سے اٹھتی اور ہچکیاں اس کے جسم کو ہلا کر رکھ دیتیں۔ وہ بڑی دیر تک خالی خالی آنکھوں سے چھت کو گھورتی رہی پھر وہ اسی عالم میں نامعلوم کب سو گئی۔۔ یہ نیند آرام کی نہیں پریشانی کی نیند تھی اور پھر اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ ابانا کے کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ چپکے سے دروازے کے پاس آئی اور سہم کر رہ گئی۔

منحوس بوڑھا ابانا کے کمرے میں کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی مانند

چمک رہی تھیں۔

وہ بے حد چوکنا تھا اور ابانا بھی کمرے میں پوری طرح تیار کھڑی تھی۔ ان کا انداز ایسا ہی تھا گویا دو دشمن آمنے سامنے ہوں۔ اور ایک دوسرے کے وار کا جواب دینے کے لیے منتظر ہوں۔ ''کہو بابا...... تم یہاں کیوں آ گئے؟''

بوڑھے کے مکروہ چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''میں نے فرقان کو دیکھا تھا اسے تو نے پاگل کر دیا ہے۔'' بوڑھا ہنسا۔ ''میں نہ کہتا تھا تو انسانوں میں نہیں رہ سکتی۔''

''یہ میرا اور فرقان کا معاملہ ہے تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے۔'' ابانا نے سرد لہجے میں کہا۔

''مجھے تیری ہر بات سے غرض ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''تو میری ہی کوششوں کے نتیجے میں اس جون میں آئی ہے۔''

''میں نے اپنے بچوں کی قربان دے کر تجھ سے آزادی حاصل کر لی ہے۔'' ابانا نے کہا۔

''اسی لیے میں تیرے پاس آیا ہوں تو میرے ساتھ چل کر رہ۔ پھر انسانوں کی اس بستی پر صرف ہمارا راج ہو گا۔ ہم نے یہ مصیبتیں اسی لیے برداشت نہیں کیں کہ ان انسانوں کو ہنستے مسکراتے دیکھتے رہیں ان کے ہونٹوں سے خوشیاں اور مسکراہٹیں چھیننا ان کے ہر گھر میں آہ و بکا اور بین کا سامان کرنا یہی ہماری خوشی ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''آ میرے ساتھ چل......''

''میں یہ نہیں کر سکتی۔ تو تو انسان سے جانور بنا ہے بابا۔ تیرے اندر کا حیوان پوری شدت سے جاگ اٹھا ہے۔'' ابانا نے کہا۔ ''مگر میں جانور سے انسان بنی ہوں۔ اور جانور کو اپنے مالک کا بڑا خیال ہوتا ہے۔'' ''مگر تیرا مالک میرے سوا کون ہے؟''

''تو مالک نہیں ہے...... مالک فرقان ہے۔'' ابانا نے کہا...... ''فرقان جس نے مجھے اپنایا ہے اور میرے لیے دکھ جھیلے ہیں۔''

''مگر وہ تو پاگل ہو چکا ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''ہم جانوروں کو مالک سے غرض ہوتی ہے۔ وہ خواہ پاگل ہی کیوں نہ ہو۔ فرقان پاگل ہوا ہے تو میری وجہ سے میں اس کے پاگل پن کی ذمہ دار ہوں مجھے وہ پاگل بھی عزیز ہے۔''

منحوس بوڑھا تلملا کر رہ گیا۔ ''میں تیرا جینا حرام کر دوں گا اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔''

''بابا واپس ہو جاؤ...... آگے نہ بڑھنا۔ ورنہ خود تمہارا خون تم سے مقابلہ کرے گا۔ وہ بلی اب بھی میرے وجود میں ہے۔''

بوڑھا واپس ہو گیا۔ ''اب جب میں تجھ سے ملوں گا تو یہ بلی بھی تیری مدد نہ کر سکے گی۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''میں اس بلی کا بھی پاپ کاٹ دوں گا۔ اور غور سے سنو اس نوچندی کی رات مجھے عورت کی ضرورت ہو گی اور اس کا انتظام اب تم کرو گی ورنہ یاد رکھو تم اس مرتبہ سلیمہ کو مجھ سے نہیں بچا سکو گی۔'' پھر بوڑھا الٹے قدموں دروازے سے باہر نکل گیا۔

سلیمہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن بوڑھے کی آمد سے وہ سہم گئی تھی۔ اور اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تنہائی سے ڈر کر ابانا کے کمرے میں آ گئی۔

☆......☆

اتوار کا دن تھا اور آج کسی ملازم کو حویلی نہیں آنا تھا۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد ابانا نے سلیمہ کی نظروں میں نظریں ڈال کر کہا تھا۔ ''تم بہت جاگی ہوئی ہو...... جاؤ سو جاؤ......'' ابانا کا یہ جملہ سلیمہ کے لیے حکم تھا۔ وہ اٹھی اور بے خودی کے انداز میں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں گئی اور گہری نیند سو گئی۔ ابانا نے یہ حکم جان کر دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کامران حویلی پہنچنے والا ہے۔

اور اس کا اندازہ درست تھا۔ کامران آیا اس وقت ابانا پورچ میں ستون سے ٹکی کھڑی تھی۔ ابانا کو دیکھ کر کامران کی رگ رگ میں برقی رو دوڑ گئی۔

''فرقان کہاں ہے۔''

''باہر گیا......''

''سلیمہ......''

''وہ بھی......''

''کوئی اور نہیں ہے......''

''میں اور تم......''

''آؤ اندر چلیں......''

کامران بے حد خوش تھا اسے یقین نہ تھا کہ ابانا کبھی اس سے یوں بھی پیش آئے گی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ ابانا کا وہ کیا کرے...... اسے یہاں یہ بھی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ سلیمہ یا فرقان کسی بھی وقت واپس آ سکتے ہیں۔ ابانا اس وقت سراپا تسلیم و رضا بنی ہوئی اس کی پوری حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ اور پھر وہ ابانا کو اپنی کوٹھی پر لے آیا۔ تمام دن وہ ابانا کے ساتھ رہا۔ لیکن ابانا کی طرف سے کسی خواہش یا آمادگی کا اظہار نہ پا کر وہ تنگ آ گیا۔ سورج ڈھلنے سے پہلے اس نے ابانا سے پوچھا تھا۔ حویلی جاؤ گی۔''

''نہیں......'' ابانا نے کہا۔ ''یہاں اچھا......''

پھر رات گہری ہو گئی۔ ابانا بیٹھے بیٹھے اچانک تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر کی جانب لپکی کامران کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ابانا کو اچانک یہ کیا ہو گیا ہے۔ وہ جذبات سے بھرا ہوا تھا...... ''ابانا...... ادھر آؤ......'' وہ چلایا...... مگر ابانا نے کوئی جواب نہ دیا اور کامران تیزی سے اس کی طرف لپکا اور ابانا کا ہاتھ پکڑ لیا مگر ابانا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور باہر نکل گئی۔ کامران اس کے پیچھے باہر آیا۔ اس نے تھوڑی دور تک ابانا کا تعاقب کیا لیکن ابانا جلد ہی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ مگر ابانا کا رخ حویلی کی طرف نہیں تھا اس کی مخالف سمت میں تھا۔

☆......☆

سلیمہ کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو خبیث بوڑھے کی گود میں پایا۔

ہر طرف چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور بوڑھا اسے گود میں اٹھائے تیزی سے پہاڑیاں پھلانگتا ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ چیخی اس نے بوڑھے کی کمر پر دو ہتڑ جمائے مگر بوڑھے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نہ اس کی رفتار میں کمی آئی چیختے چیختے سلیمہ کا حلق بیٹھ گیا تھا۔ مگر اس ویرانے میں کوئی مدد کو نہ آیا۔ پھر اس نے چیخ و پکار بے سود سمجھ کر خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اور اس کی آنکھوں سے بے بسی کے آنسو ٹپکتے رہے۔

بوڑھا بلا تکان بھاگتا رہا۔ اور پھر وہ ایک غار میں جا کر ٹھہرا...... یہاں اس نے سلیمہ کو فرش پر پٹخ دیا۔ "میری گڑیا...... بڑا پریشان کیا ہے تو نے......" بوڑھے نے کہا۔ اس کے لہجے سے بالکل ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی مسافت طے کر کے آیا تھا۔

"مجھے جانے دو......" سلیمہ گڑگڑائی۔

"تجھے جانے دوں تو اپنا کیا کروں......" اس نے سلیمہ کو اپنے جسم سے چمٹاتے ہوئے کہا۔

سلیمہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے اس کی چیخیں گھگھیوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اور اچانک سلیمہ نے خود کو بے بس پایا۔ بوڑھے کا منہ اس کے منہ کے قریب آ چکا تھا۔ اور وہ اپنے جسم پر سینکڑوں کیڑے کلبلاتے محسوس کر رہی تھی۔ ایک مرتبہ پھر اس کے منہ سے چیخ ابھری۔

"بابا...... ہٹ جاؤ......" اچانک ابانا کی آواز غار میں گونجی۔

"بھاگ جا یہاں سے۔" بوڑھے نے منہ پھیر کر کہا۔ اس وقت وہ انتہائی غصے میں تھا۔

OOO

کامران کافی دیر تک ابانا کو تلاش کرتا رہا تھا۔ لیکن ابانا جس طرف گئی تھی۔ اس طرف بہت دور تک جانے کے بعد بھی کامران کو اس کا کہیں سراغ نہ ملا تھا۔ پھر تھک کر وہ واپس آ گیا۔ لیکن ابانا کی قربت نے اس کے جذبات کو اتنا زیادہ انگیخت کر دیا تھا کہ اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ ہر حال میں اسے حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ کچھ دیر اپنے بنگلے میں تڑپتے پھرتے رہنے کے بعد اس نے فرقان کی حویلی جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے سوچا شاید ابانا حویلی چلی گئی ہو۔

وہ بہت تیز رفتاری سے چلتا ہوا حویلی پہنچا۔ حویلی پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ باہر ہی سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے حویلی میں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ وہ صدر دروازے سے اندر داخل ہوا۔ پورچ میں فرقان کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے باہر ہی سے فرقان کو آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ حویلی میں داخل ہو گیا۔ ایک ایک کمرے میں وہ حویلی کے مکینوں کو آوازیں دیتا ہوا ابانا کو تلاش کرتا پھرا لیکن نہ تو اسے کسی نے جواب دیا اور نہ حویلی میں کوئی انسان ہی اسے ملا۔

کامران، ابانا، ابانا، ابانا پکارتا رہا۔ اس نے فرقان اور سلیمہ کو بھی آوازیں دیں لیکن وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا...... ساری حویلی بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ اس نے ہر کمرہ دیکھ ڈالا۔ سارے غسل خانے کھنگال لئے حتیٰ کہ الماریوں کو کھول کھول کر دیکھا۔ بستروں اور میزوں کے نیچے جھانک جھانک کر وہ ابانا کو تلاش کرتا رہا لیکن اسے ہر طرف سے ناکامی ہوئی۔

ابانا، ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ میں سے کوئی بھی حویلی میں نہیں تھا۔ وہ سب کہاں چلے گئے۔ وہ سوچتا رہا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ابانا کا تصور اسے سلگائے دے رہا تھا۔ اس کی مثال ایسے پیاسے کی تھی جسے پانی دکھا کر اسے پانی سے دور کر دیا گیا ہو۔ وہ اندر سے سلگ رہا تھا اور چرمرا رہا تھا۔ ایک آگ تھی جو اسے جلائے دے رہی تھی۔

ابانا کو حویلی میں نہ پا کر کامران کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اچانک ابانا کو کیا ہوا تھا۔ وہ اچانک اس کی باہوں سے نکل کر دوڑ پڑی تھی۔ جیسے اسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو یا جیسے اس نے کوئی دہشت ناک منظر دیکھ لیا ہو۔

کامران ابانا کے خیالات میں الجھا ہوا حویلی میں پاگلوں کی طرح گھوم رہا تھا۔ پھر وہ

تھک کر ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر گر پڑا۔ ابانا کے ساتھ فرقان اور سلیمہ کا غائب ہونا اس کی سمجھ سے بالا تھا۔ اس نے سوچا کہ ابانا کی گمشدگی میں ضرور ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ کا ہاتھ رہا ہوگا۔ یہ سوچ کر اسے فرقان اور سلیمہ پر بے انتہا غصہ آنے لگا۔ اس نے ان دونوں کو ڈھونڈنے کی ٹھان لی۔ حویلی سے روانہ ہونے سے پہلے اس نے اپنے ماتحت شاہد کو فون کیا۔ فون پر وہ اسے کہہ رہا تھا۔

''شاہد تم فوری طور پر ڈاکٹر فرقان کی حویلی پہنچو اور ابانا کی گمشدگی سے متعلق رپورٹ مرتب کر کے مجھے دکھاؤ۔''

کامران نے اب کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کا سب سے نوجوان اور ذہین ترین سراغ رساں تھا۔ اور مرکز کی طرف سے اسے شہر میں ہونے والی پے در پے قتل کی وارداتوں کا سراغ لگانے کے لیے یہاں بھیجا گیا تھا۔ کامران نے حکمت عملی کے تحت فیصلہ کیا تھا کہ وہ کھل کر سامنے آنے کی بجائے پس منظر میں رہ کر کام کرتا رہے گا اور قتل کی ان وارداتوں کا سراغ لگائے گا۔

اُس نے کیس کا بطور مطالعہ کیا تھا اور ڈاکٹر فرقان کی شخصیت کو مشکوک پایا تھا۔ چنانچہ اس نے فرقان کی حویلی کے قریب ہونے کے لیے اور اسے قریب سے کھنگالنے کے لیے ایک ڈرامہ کھیلا تھا۔ چنانچہ اس ڈرامے کے تحت سلیمہ کو حویلی سے اغواء کیا گیا اور پھر مصنوعی طور پر فائرنگ کا تبادلہ کیا گیا تھا۔ اور اس نے فرقان کو یہ باور کرایا تھا کہ اس نے ڈاکوؤں پر حملہ کر کے سلیمہ کو ان کی دست برد سے نکال لیا تھا۔

اس طرح فرقان اس کا ممنون و احسان مند ہو گیا تھا اور پھر ان کے تعلقات بڑھتے چلے گئے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً ڈاکٹر فرقان کے گھر آتا تھا۔ اور اس طرح سے اس کی نگرانی کرنے میں اور اس کو قریب سے دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے میں اسے بہت زیادہ سہولت حاصل ہو گئی تھی۔

یہاں اس کی ملاقات ابانا کے ساتھ ایسے انداز میں ہوئی تھی کہ اسے ابانا ایک مظلوم لڑکی لگنے لگی، جس پر ڈاکٹر فرقان نے طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ وہ حقیقتِ حال سے آگاہ نہیں تھا۔ چنانچہ ابانا کی زبردست قسم کی اداکاری نے اُس کے دل میں ابانا کے لیے بے پناہ ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔

اور پھر ابانا کی طلسماتی، نسوانی کشش نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو اُس وقت بہت ہی زیادہ فزوں تر پاتا تھا۔ جب وہ ابانا کے قریب ہوتا تھا۔ اسے ابانا سے روایتی محبت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے اندر جو نفسانی خواہشات کا ابال آتا تھا اسے فرو کرنے کے لیے وہ اس کی قربت کا خواہاں تھا۔ لیکن فرقان اور اس کی بیوی سلیمہ ہمیشہ اس کے آڑے آئے تھے۔ وہ اُسے ابانا کے زیادہ قریب دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ابانا پر بہت سی پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ ابانا اُن کی غیر موجودگی میں کامران کے ساتھ بڑی بے تکلفی اور دریا دلی سے پیش آتی تھی لیکن ان دونوں کی موجودگی میں سہمی سہمی سی نظر آتی تھی۔ اس سے کامران نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ

ان دونوں سے اور خصوصاً فرقان سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ابانا کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے تشدد بھی کرتے ہوں۔ اسی وجہ سے اسے ابانا کے ساتھ خاص ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔

انہی سوچوں میں غرق وہ پیدل چلتا ہوا اپنے پہاڑی بنگلے میں آ گیا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سلیمہ اور فرقان کا کھوج لگانے کی انتہائی کوشش کرے گا۔ جو اس کے خیال کے مطابق ابانا کو لے کر نہ جانے کہاں روپوش ہو گئے تھے۔

اب تک وہ پس پردہ رہ کر انسپکٹر شاہد کے ذریعے معاملات کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ لیکن اب اُس نے براہِ راست کیس کو ہاتھ میں لے کر اپنے مخصوص انداز میں تفتیش کا فیصلہ کیا تھا۔ اور سب سے پہلا کام جو اس کے سامنے تھا وہ ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ کی تلاش تھی اور ان کے ذریعے ابانا کو بازیافت کرنا تھا۔

وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے بنگلے سے روانہ ہوا اور شہر میں پہنچ کر اس نے ہر ممکنہ جگہ پر ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ کو تلاش کر لیا لیکن وہ دونوں اسے کہیں نہ ملے۔

اب کامران اخبار صبح نو کے رپورٹر عثمانی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ رپوٹر عثمانی، ڈاکٹر فرقان کے بہت قریب ہے اس لیے اس نے سوچا تھا کہ ممکن ہے عثمانی کو فرقان کے بارے میں کچھ معلوم ہو کہ اس وقت وہ کہاں پایا جا سکتا ہے۔

عثمانی اپنے فلیٹ میں موجود تھا۔ اور کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ کامران نے اس کو اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وہ شہر میں موجودہ قتل کی وارداتوں سے پیدا ہونے والے حالات کے پیش نظر ان وارداتوں کے پس منظر پر موجود مجرموں کی بیخ کنی کے لیے مرکزی حکومت کی طرف سے یہاں متعین کیا گیا ہے۔ اور اسی سلسلے میں اسے عثمانی کی مدد درکار ہے۔

''فرمایئے صاحب! میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے قانون کا احترام لازم ہے اور ہم صحافی قانون ہی کی بالادستی کے لیے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں ہی کی مدد کے لیے دن رات مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں'' عثمانی نے کہا۔

''فی الحال تو مسٹر عثمانی مجھے ڈاکٹر فرقان کے سلسلے میں آپ سے بعض معلومات درکار ہیں۔''

''جی فرمایئے، ڈاکٹر فرقان کے معاملے میں آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ میرے علم میں ہوگا۔ میں آپ کو اس سے ضرور آگاہ کروں گا۔ یہ میرا قانونی اور اخلاقی فرض ہے۔''

عثمانی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پولیس کا یہ افسر کامران خاصا ذہین اور بال کی کھال اتارنے والا شخص ہے۔ چنانچہ اس نے انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا تھا۔

''عثمانی صاحب! میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر فرقان کے ساتھ آپ کے تعلقات خاصے

گہرے ہیں۔ اور آپ ان کے بہت قریب ہیں۔ اس لیے آپ کو اُن کے معمولات اور مصروفیات کے متعلق بھی خاصا علم ہوگا کہ کس وقت وہ کہاں مل سکتے ہیں۔''

''ارے نہیں مسٹر کامران، اتنے زیادہ گہرے تعلقات نہیں ہیں میرے ڈاکٹر فرقان کے ساتھ۔ ہاں البتہ اُن کی اس عجیب وغریب وحشی مریضہ ابانا کے متعلق اپنے اخبار کے لیے رپورٹ مرتب کرنے کی خاطر میں چند ایک مرتبہ ان کی حویلی گیا ہوں۔ اور اس لڑکی ابانا کا کیس سامنے آنے پر ہی میری ان سے شناسائی ہوئی تھی۔ وہ اس وحشی لڑکی کو انسان تہذیب و معاشرت کے بنیادی اصول سکھا رہے ہیں۔ اور اس کی تربیت کر رہے ہیں اور یہ موضوع ہمارے اخبار کے قارئین کے لیے خاصا دلچسپ ہے۔ اس لیے میں اسی وحشی لڑکی ابانا کے متعلق معلومات حاصل کر کے اپنے اخبار میں چھاپتا ہوں اور اس سلسلے میں ڈاکٹر فرقان کے ساتھ شناسائی ہوئی تھی......''

''تو پھر آپ کو یہ تو معلوم ہی رہتا ہوگا کہ آپ ڈاکٹر سے کس وقت اور کہاں ملاقات کر سکتے ہیں۔'' کامران نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''جی...... جی ہاں مجھے جب بھی ابانا کے کیس کے سلسلے میں ڈاکٹر سے ملنا ہوتا ہے میں پہلے فون پر اس سے اس کی اجازت لے لیتا ہوں اور ملاقات کا وقت اور جگہ مقرر کر لیتا ہوں۔ ویسے اکثر ملاقاتیں ان کی حویلی ہی میں ہوتی ہیں۔''

''حویلی کے علاوہ اور بھی تو اُن کے بیٹھنے کی کوئی جگہ ہوگی۔ اور بھی تو کوئی اُن کا ٹھکانہ ہو گا۔'' کامران نے سنجیدہ سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

''حویلی کے علاوہ...... ایک کوٹھی شہر میں بھی اُن کی ہے۔ جہاں اُن کے خاندان کو ایک بہت ہی دردناک حادثہ پیش آیا تھا۔ پھر ڈاکٹر کا اس کوٹھی سے دل ہی اچاٹ ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے کوٹھی کو چھوڑ کر اپنی آبائی حویلی میں رہائش رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔''

''اس کے علاوہ......'' کامران نے ایک مرتبہ پھر اپنا وہی سوال دہرایا تھا۔

''نہیں جناب اس کے علاوہ اگر اُن کا کوئی اور ٹھکانہ ہے تو مجھے اس کا علم نہیں ہے۔''

''او کے عثمانی صاحب! ویسے آپ سے یہ درخواست ہے کہ جب بھی آپ کو ڈاکٹر فرقان یا ان کی بیوی سلیمہ کے متعلق کوئی اطلاع ملے تو سب سے پہلے مجھے کال کیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے صاحب! لیکن کیا آپ ان کو تلاش کر رہے؟ کیا وہ دونوں میاں بیوی اپنی حویلی پر نہیں ہیں اور ابانا...... کیا ابانا بھی ان دونوں کے ساتھ لاپتہ ہے؟'' عثمانی کے چہرے سے تشویش کا اظہار ہونے لگا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ جس انداز میں کامران نے ڈاکٹر فرقان سے متعلق سوالات کئے تھے۔ اُن سے اس بات کا اندازہ لگا لینا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی کہ کامران کو اُن دونوں کی بلکہ تینوں کی تلاش ہے۔

جواب میں کامران نے عثمانی کی طرف مسکرا کر دیکھا تھا۔ اور زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر وہ اٹھ [illegible] تھا اور جاتے جاتے اس نے کہا تھا۔

''او کے مسٹر عثمانی! پھر ملاقات ہوگی۔''

☆......☆

اب کامران کی گاڑی ڈاکٹر فرقان کی شہر والی کوٹھی کی طرف تیزی سے رواں دواں تھی۔ اور وہ اس کیس کے متعلق نئے سرے سے غور کر رہا تھا۔ اس نے جو رپورٹ اس کیس کے متعلق پڑھی تھی۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک طوفان میں ڈاکٹر فرقان کا بچہ اور اُس کی بیوی ہلاک ہوگئے تھے۔ اور اس کے بعد اسی روز ابانا کو زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل کرایا گیا تھا۔ جس کے علاج کی ذمہ داری ڈاکٹر فرقان نے اپنے سر لے لی تھی کیونکہ ابانا اس کی بیوی کی ہم شکل تھی۔ اور پھر عجیب وغریب قتل کی وارداتوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ قتل کی ان وارداتوں کے پیچھے کون لوگ تھے۔ اس بات کا سراغ پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ البتہ ڈاکٹر فرقان کی شخصیت مشکوک ہوتی چلی گئی تھی۔

پولیس عاجز آ چکی تھی اور پولیس کی پے در پے ناکامیوں کے بعد مرکز نے یہ کیس کامران کے سپرد کیا تھا۔ اور ابھی تک کامران کے ہاتھ بھی ان قتل کی عجیب وغریب وارداتوں کا کوئی سراغ نہیں لگا تھا۔

فرقان کی کوٹھی پہنچ کر کامران نے کال بیل دی تو اندر سے تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص باہر آیا۔ یہ شخص کوٹھی کی دیکھ بھال کے لیے رکھا گیا تھا۔ کامران نے اسے اپنا تعارف کرا کے ڈاکٹر فرقان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو چوکیدار نے اسے بتایا کہ ڈاکٹر فرقان آج کل اس کوٹھی میں نہیں رہتے بلکہ وہ اپنی آبائی حویلی میں منتقل ہو چکے ہیں۔

''یہ بات میرے علم میں ہے لیکن ڈاکٹر صاحب حویلی میں نہیں ہیں اور مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ شہر والی کوٹھی میں آئے ہیں۔ اس لیے میں یہاں آیا ہوں......'' کامران نے بات بناتے ہوئے چوکیدار سے کہا۔

''سر جی! صاحب تو بہت دنوں سے کوٹھی نہیں آئے۔ میں کوٹھی میں اکیلا ہوں آپ اندر تشریف لائیں۔ ہوسکتا ہے ڈاکٹر صاحب کچھ دیر میں پہنچ جائیں۔ حویلی سے ادھر آتے ہوئے ممکن ہے وہ راستے میں کہیں رک گئے ہوں۔'' ملازم نے بڑے اطمینان سے کہا۔

کامران کوٹھی میں داخل ہوگیا۔ اور ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کی بجائے وہ کوٹھی کی تعریف کرنے لگا کہ یہ کوٹھی بہت خوبصورت ہے اور اس کی تعمیر بہت اچھی ہوئی ہے۔ اس نے ملازم سے کہا کہ وہ ساری کوٹھی دیکھنا چاہتا ہے۔

چنانچہ ملازم اسے لے کر سارے [illegible] گیا۔ کامران نے باورچی خانہ اور غسل خانہ تک دیکھ ڈالا اس کا مقصد تھا کہ ممکن ہے ڈاکٹر یہیں کوٹھی میں موجود ہو اور اس نے ملازم کو سکھا دیا ہو کہ وہ اسے یہ بتا کر کہ ڈاکٹر موجود نہیں ہے باہر ہی سے چلتا کر دے۔ لیکن ساری کوٹھی دیکھ لینے کے بعد اسے یقین ہوگیا کہ ڈاکٹر نہیں آیا تھا۔

اب اس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ملازم سے ڈاکٹر کی بیوی کامنی کی موت کے متعلق

سوالات شروع کر دیئے۔ ملازم نے وہ سارا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر کی بیوی کامنی کی موت کے علاوہ گھر کی ایک ملازمہ پر بھی اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ پاگل ہو گئی تھی۔

کامران کے ذہن میں ایک خیال بڑی تیزی سے وارد ہوا۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس ملازمہ سے کوئی کارآمد بات معلوم ہو جائے چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر اس نے اس ملازمہ سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ اس نے ملازمہ کا پتہ دریافت کیا تو ملازم نے اسے تفصیل کے ساتھ اس کا پتہ سمجھا دیا۔ جو ڈاکٹر کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ کامران فوری طور پر پتہ پوچھتا ہوا ملازمہ کے مکان پر پہنچ گیا۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک ادھیڑ عمر آدمی نے دروازہ کھولا تھا۔ کامران نے اسے پولیس والے کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا اور ڈاکٹر فرقان کی سابقہ ملازمہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

''سر جی آپ اس سے مل کر کیا کریں گے۔ وہ تو بے چاری پاگل ہو چکی ہے۔'' ادھیڑ عمر آدمی نے بڑی حسرت بھری آواز میں کہا تھا۔

''وہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟'' کامران نے پوچھا۔

''میری بیوی ہے۔'' بین کرتی ہوئی آواز میں اس نے جواب دیا تھا۔

''بس ایک نظر میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کامران نے ملتجیانہ انداز میں کہا تو آدمی ایک طرف ہٹ گیا اور کامران اندر چلا گیا۔ چھوٹے سے صحن کے سامنے ایک کمرہ تھا۔ جس میں روشنی ہو رہی تھی اور ایک چارپائی پر ایک عورت گم سم بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔ آدمی نے بتایا کہ وہی اس کی بیوی اور ڈاکٹر فرقان کی سابقہ ملازمہ ہے۔

کامران اس کے قریب جا کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ عورت کا خاوند اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے عورت کا چہرہ اپنی طرف کر کے اسے بلانے کی کوشش کی۔ اسے کامران کے متعلق بتایا کہ وہ کامنی کے متعلق اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ لیکن عورت نے خالی خالی نظروں سے اپنے خاوند کو دیکھا اور کچھ جواب دیئے بغیر چہرا پھیر کر پھر خلاء میں کچھ گھورنے لگی۔

''صاحب جی یہ کچھ بولتی نہیں ہے۔ بس خاموش خلاؤں میں نہ جانے کیا دیکھتی رہتی ہے۔ اور جب اسے دورہ پڑتا ہے۔ تو بس ایک بات کی تکرار کرتی رہتی ہے۔'' ارے وہ کھا گئی۔ وہ اس کا سر کھا گئی۔ ارے وہ چڑیل کھا گئی اس کا سر......'' بس اس قسم کی باتوں کی رٹ لگاتے لگاتے بیہوش ہو جاتی ہے۔'' ملازمہ کے خاوند نے بڑی آزردگی سے کامران کو بتایا تھا۔ اب کامران کے لیے یہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ وہ اس شخص کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

☆......☆

اب کامران کی گاڑی کا رخ انسپکٹر فہیم کی طرف تھا۔ فہیم وہ شخص تھا جو کامران سے پہلے اس کیس کی تفتیش پر متعین تھا۔ وہ فہیم کے گھر پہنچا تو فہیم اسے گھر پر ہی مل گیا۔ کامران نے ڈاکٹر

فرقان کے کیس کے بارے میں اس سے بات شروع کی تو فہیم کے چہرے پر بڑے کرب کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔ پھر اس نے بتایا کہ کیسے یہ کیس اس کے سامنے آیا تھا اور کس طرح اس کی کلاس فیلو شکیلہ کی گمشدگی اور پھر بعد میں قتل کے واقعات پیش آئے تھے۔ فہیم نے کامران کو اپنی تفتیش سے تفصیلاً آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''کامران صاحب! مجھے پورا یقین ہے کہ شکیلہ کی گمشدگی اور قتل کے پیچھے صرف اور صرف ڈاکٹر فرقان کا ہاتھ ہے۔ اس نے پہلے اسے اغوا کیا اس کے ساتھ زیادتی کی اور پھر اسے کچھ روز قید کر کے رکھنے کے بعد قتل کر دیا۔'' یہ کہتے ہوئے فہیم کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

''فہیم بھائی آپ اتنے آزردہ نہ ہوں۔ میرے علم میں ہے کہ شکیلہ کے ساتھ آپ کا جذباتی تعلق بھی تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس لڑکی کے ساتھ اتنے بُرے حالات پیش آئے آپ بے فکر رہیں میں اس کیس پر نئے سرے سے کام کر رہا ہوں اور مجھے پوری امید ہے کہ میں اصل قاتل کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میری محکمانہ زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ میں نے کبھی کوئی کیس ادھورا نہیں چھوڑا اور کبھی کسی کیس کی تفتیش میں ناکام نہیں رہا۔ اگر فرقان نے شکیلہ کو قتل کیا ہے تو وہ اپنی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ بعض دوسرے واقعات بھی ایسے ہیں جو ڈاکٹر فرقان کی شخصیت کو مشکوک بناتے ہیں۔ میں ان پر بھی کام کر رہا ہوں۔ ایک نہ ایک روز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔'' کامران نے فہیم کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''آپ درست فرماتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو کے رہے گا۔ اور ڈاکٹر فرقان اپنے کیئے کی سزا ضرور پا کر رہے گا۔'' فہیم نے پر جوش آواز میں کہا۔

''مسٹر فہیم! جن لوگوں نے آخری مرتبہ شکیلہ کو دیکھا تھا، آپ اُنہیں جانتے ہوں گے۔ وہ کون ہیں؟ آپ مجھے اُن کے متعلق بتائیں گے؟'' کامران نے پوچھا۔

''وہ اس کے پڑوسی ہیں جنہوں نے شکیلہ کو آخری مرتبہ ڈاکٹر فرقان کے ساتھ دیکھا تھا۔'' فہیم نے بتایا۔

''میں شکیلہ مرحومہ کے ان پڑوسیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلیں۔'' کامران نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں اسی وقت کامران کی گاڑی میں شکیلہ کے گھر کی طرف چل پڑے تھے۔ وہاں پہنچ کر فہیم نے شکیلہ کے پڑوس میں جو گھر تھا اس کی کال بیل بجائی تو ایک خاتون اندر سے باہر آئیں۔

کامران اُن سے مختلف طرح کے سوالات کرتا رہا اور پھر وہ کھڑے کھڑے ہی وہاں سے واپس ہو گئے تھے۔ کامران نے اس ساری کارگزاری سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ حالات جس انداز میں پیش آئے تھے وہ بہر حال فرقان کی شخصیت کو مشکوک بناتے تھے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ شکیلہ کے قتل میں یقیناً کوئی راز پوشیدہ تھا۔

واپسی پر کامران نے گاڑی ایک ہوٹل کے سامنے کھڑی کی اور وہ دونوں ہوٹل میں جا بیٹھے۔ چائے پینے کے دوران وہ ہوٹل میں بیٹھ کر پورے کیس پر تفصیلی گفتگو کرتے رہے۔ اس گفتگو میں ابانا کا تذکرہ بھی آیا تھا۔ ابانا کے ذکر نے کامران کو مضطرب کر دیا۔

اسے ابانا یاد آئی تو اس کا عجیب و غریب انداز اور بے پناہ حسن بھی یاد آ گیا۔ اور آج کے وہ سارے لمحات بھی اس کی آنکھوں کے سامنے جگمگانے لگے۔ وہ سارے حسین لمحات جو اس نے ابانا کے ساتھ اس کے حسن کی داد دیتے ہوئے گزارے تھے اسے یاد آ کر تڑپانے لگے۔ کچھ ہی دیر میں اس کے ذہن پر ابانا کے حسین جسم کے ایک ایک نشیب و فراز نے قبضہ جما لیا۔ اب اسے یہ بھی خیال نہیں رہا تھا کہ وہ انسپکٹر فہیم کے ساتھ بیٹھا اپنی زندگی کے ایک اہم کیس پر گفتگو کر رہا تھا۔ اب تو بس ایک خیال تھا جو اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ ایک ہی تصور تھا ''ابانا'' اس کا حسین جسم اس کے جسم کے دلکش خطوط۔ وہ چشم تصور سے ابانا کے کے جسم کے ایک ایک خط کو دیکھ رہا تھا اور اس کا سارا وجود اس کے تصوراتی جسم کی حدت سے تپ رہا تھا۔ ابانا کا طلسماتی حسن اس کو آوازیں دے رہا تھا۔ اور وہ اپنے گردوپیش سے جیسے بالکل بے نیاز ہو چکا تھا۔

یہ کیفیت بہت ہی عجیب تھی فہیم نے بھی فوری طور پر محسوس کر لیا تھا کہ کامران کسی گہرے خیال میں گم ہو گیا ہے۔ وہ اسے بلا رہا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ لیکن کامران کو تو جیسے کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔ کہ وہ کہاں بیٹھا اور کس کے ساتھ بیٹھا ہے۔

پھر بہت ہی عجیب بات ہوئی تھی۔ کامران ابانا کے تصور میں کھویا ہوا ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا ہوٹل سے باہر آ گیا تھا۔ اور اپنی گاڑی پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا تھا۔

فہیم پہلے تو حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پیچھے سے اسے آواز بھی دی تھی لیکن کامران نے تو جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔ پھر فہیم نے اٹھ کر باہر آ کے دیکھا تو کامران گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ یہ سارا کچھ بہت تیزی سے ہو گیا تھا اور فہیم کی عقل خبط ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک دم بیٹھے بٹھائے کامران کو یہ کیا ہوا تھا کہ وہ اسے کچھ بتائے بغیر، اس سے بات کئے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

☆......☆

کامران ابانا کے تصور میں کھویا ہوا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کی گاڑی ویلی روڈ پر فراٹے بھر رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیسے اسے وہ دو آدمی نظر آ گئے تھے اور اس نے گاڑی کو اچانک بریک لگا دیئے تھے ورنہ وہ انہیں روند ہی ڈالتا۔ وہ ابانا کے تصور میں ڈوبا ہوا ویلی روڈ پر گاڑی دوڑا رہا تھا کہ اچانک وہ دو عریاں شخص اچانک اسے نظر آ گئے تھے جو سڑک کے بیچوں بیچ ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ اگر وہ بروقت گاڑی روک نہ لیتا تو یقیناً وہ دونوں اس کی گاڑی سے کچلے جاتے اس نے گاڑی روکی تو اس کے کانوں میں ''ابانا'' کا نام گونج گیا۔ پھر دوبارہ کوئی پکارا تھا ''ابانا''

پھر ابانا ابانا کی تکرار ہونے لگی سی۔ وہ تیزی سے اپنی گاڑی سے باہر آیا۔

باہر آ کر اسے معلوم ہوا کہ یہی دونوں آدمی ابانا ابانا کی رٹ لگا رہے تھے اور ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ ان کے لڑنے کا انداز بڑا وحشیانہ تھا۔ کامران کی گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں ان دونوں کے جسم زخمی حالت میں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے سڑک پر بڑے صاف نظر آ رہے تھے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو مارنے نوچنے اور کھسوٹنے میں مصروف تھے۔ وہ وحشت اور دیوانگی کی نہ جانے کونسی منزل پر پہنچے ہوئے ایک دوسرے کو ختم کر دینے کے درپے نظر آتے تھے۔

کامران تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ قریب سے دیکھنے پر وہ ان دونوں کو پہچان گیا۔ وہ ڈاکٹر فرقان اور فرانسیسی سیاح الفانسو تھے۔ دونوں پر وحشت طاری تھی اور دونوں ہی ابانا ابانا چیخ کر ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ پہلے تو کامران کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ صورت حال اس کے لیے بہت ہی حیران کن تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ڈاکٹر فرقان کو یہ کیا ہوا تھا۔ اس پر یہ کیسی وحشت طاری تھی؟ وہ ان دونوں وحشیوں کی انتہا کو پہنچی ہوئی وحشیانہ حرکات کو دیکھ رہا تھا اور حیران و پریشان کھڑا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو جان سے مار دینے کے درپے تھے۔

پھر جیسے اسے ہوش آ گیا وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا اور اس نے ڈاکٹر فرقان کو اس کا نام لے کر پکارا۔ لیکن ڈاکٹر نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہ تھی وہ اسی طرح الفانسو کے ساتھ الجھا رہا۔
پھر کامران نے آگے بڑھ کر فرقان کو الفانسو کی گرفت سے چھڑانے کے لیے خاصی جدوجہد کر ڈالی اور آخر کار اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ الفانسو ''ابانا'' کا نعرہ لگا کر دوبارہ فرقان پر جھپٹا تو کامران نے ایک گھونسہ زور سے اس کے رخسار پر مارا جس سے وہ لڑھکتا ہوا دور جا گرا لیکن گرتے ہی وہ اٹھا تھا اور پھر دوبارہ ''ابانا'' کا نعرہ لگا کر دوڑتا ہوا آیا۔ کامران نے اس مرتبہ اسے اپنی ٹانگ پر لیا تھا ٹھوکر کھا کر الفانسو دوبارہ زمین چاٹنے لگا۔ ہاتھوں سے کامران نے ڈاکٹر فرقان کو قابو کر رکھا تھا۔

الفانسو ایک مرتبہ پھر اٹھا تھا اور پھر وحشیانہ انداز میں ٹکر مارنے کے لیے کامران کی طرف بڑھا کامران ڈاکٹر کو لے کر تیزی سے ایک طرف کو ہٹ گیا تو الفانسو اپنی جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا اور ٹھوکر کھا کر نیچے جا گرا۔ اب کامران کے سامنے بس ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی طرح سے ان دونوں کو بے بس کر دے۔

فرقان اس کی گرفت میں مچل رہا تھا اور ابانا ابانا چلا رہا تھا۔ کامران نے الفانسو کے دوبارہ اٹھنے سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

وہ فرقان کو لے کر تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ وہ اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا کہ اچانک الفانسو پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا اور اس نے زور سے فرقان

کی کمر میں ٹکر ماردی۔ فرقان ایک چیخ کے ساتھ اچھل کر زمین پر گرا تو الفانسو بھی چھلانگ لگا کر اس پر جا پڑا۔

کامران نے تیزی سے بڑھ کر الفانسو کو دائیں کولہے پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کی الفانسو بلبلا کر الٹ گیا۔ اور پھر کامران نے الفانسو کو اپنی ٹھوکر پر رکھ لیا اور تھوڑی ہی دیر میں الفانسو اپنے اوسان کھو بیٹھا۔ وہ بے ہوش ہوا تو کامران، ڈاکٹر فرقان کی طرف بڑھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پڑا تھا۔ قریب جا کر اس نے اسے سیدھا کیا تو پتہ چلا کہ وہ بھی بے ہوش ہو چکا ہے۔

کامران نے بے ہوش فرقان کو جلدی سے اٹھا کر اپنی گاڑی میں ڈالا کامران کی گاڑی چھوٹی تھی اور فرقان ایک طویل قامت آدمی تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح اس نے فرقان کو اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال ہی دیا۔

پھر وہ الفانسو کے قریب آیا اور اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ وہ خاصا زخمی ہو گیا تھا اور اس وقت بے ہوش تھا۔ کامران نے اپنی گاڑی سے ایک رسی نکالی اور اس رسی سے الفانسو کے ہاتھ اور پاؤں اچھی طرح باندھ کر اسے سڑک کے کنارے ایک طرف ڈال دیا اور آکر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

پھر اس کی گاڑی تیزی سے شہر کی طرف رواں دواں تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ ڈاکٹر فرقان کو لے کر ہسپتال پہنچ گیا۔ اسے ڈاکٹروں کے سپرد کر کے اس نے ہسپتال ہی سے انسپکٹر شاہد کو فون کیا۔ رات خاصی گزر چکی تھی لیکن شاہد اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ وہ ڈاکٹر فرقان کے خلاف رپورٹ تیار کرنے میں مصروف تھا۔ شاہد نے کامران کو بتایا کہ اس نے حویلی کا چپہ چپہ چھان مارا تھا اور حویلی کے آس پاس کا علاقہ بھی دیکھ لیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر فرقان اس کی بیوی اور اس کی مریضہ تینوں میں سے کسی کا بھی سراغ لگانے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے دو سپاہی حویلی کی نگرانی کے لیے وہاں چھوڑ آیا ہے۔ اور اب رپورٹ تیار کر رہا ہے۔

''شاہد اس وقت تم باقی کام چھوڑ کر ویلی روڈ جاؤ پندرہویں میل کے بعد کچھ فرلانگ پر تمہیں سڑک کی بائیں جانب راستے سے ہٹ کر ایک آدمی بندھا ہوا پڑا ملے گا۔ وہ غیر ملکی سیاح الفانسو ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں نے خود باندھے ہیں اسے اٹھا لاؤ۔'' کامران نے شاہد کو اطلاع دیتے ہوئے ہدایت کی۔

''سر! یہ الفانسو وہاں کیا کر رہا تھا۔ اور آپ اسے وہاں کیوں چھوڑ آئے۔ معاف کیجئے اپنے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے یہ پوچھا ہے۔'' انسپکٹر شاہد نے خجل سا ہو کر کہا تھا اسے اپنے سینئر افسر سے سوال کرنے کا حق تو نہیں تھا لیکن وہ واقعی اپنی متجسسانہ فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا۔

کامران نے شاہد کو ساری تفصیل بتا ڈالی اور پھر کہا۔

''میں الفانسو کو بھی ساتھ لے آتا لیکن ڈاکٹر کو گاڑی میں ڈالنے کے بعد مزید کسی آدمی

کے لیے گنجائش نہیں رہی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میری گاڑی ذرا چھوٹی ہے اس میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔''

''میں سمجھ گیا سر!'' شاہد نے کہا۔

''تم اسی وقت روانہ ہو جاؤ اپنے ساتھ دو سپاہی بھی لیتے جانا......'' کامران نے اسے ہدایت دی۔

''او کے سر میں روانہ ہو رہا ہوں۔'' شاہد نے کہا تو کامران نے فون بند کر دیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر وہ ڈاکٹروں کے آفس میں آ گیا۔ یہاں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو اس نے ہدایات دیں کہ ڈاکٹر فرقان کو پولیس کی تحویل میں سمجھا جائے۔ اور کامران کی اجازت کے بغیر نہ اسے کسی کے حوالے کیا جائے۔ اور نہ کسی سے ملنے دیا جائے۔

پھر وہ ہسپتال سے بھی نکل آیا تھا اور اب اس کی گاڑی دوبارہ واپسی کے سفر پر رواں دواں تھی۔ ویلی روڈ پر اس کی گاڑی فراٹے بھر رہی تھی۔ اور اس کا ذہن گاڑی سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے گذشتہ واقعات کو سوچ رہا تھا۔

اس کی پریشانی، الجھن اور تشویش میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ ابانا ڈاکٹر فرقان کے پاس ہو گی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر فرقان نے ابانا کو اس سے دور کرنے کے لیے غائب کر دیا ہو گا۔ کیونکہ وہ کامران کا ابانا کے ساتھ ربط و تعلق پسند نہیں کرتا تھا۔ اور سلیمہ نے بھی کامران کو تنبیہہ کی تھی کہ وہ ابانا کے ساتھ زیادہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش نہ کرے اور ان کے گھر زیادہ نہ آیا کرے۔

انہی وجوہات کی بنا پر اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر ابانا کو لے کر کہیں روپوش ہو گیا ہو گا۔ لیکن ویلی روڈ پر جس حالت میں اس کی ملاقات ڈاکٹر فرقان کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس نے کامران کے سارے خدشات اور اندازوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

ظاہر ہے ابانا، ڈاکٹر فرقان کے ساتھ نہیں تھی۔ تو پھر وہ کہاں چلی گئی۔ اور سلیمہ کا کیا ہوا؟ کیا ڈاکٹر فرقان نے سلیمہ اور ابانا کو کہیں چھپا دیا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر ڈاکٹر ان دونوں کو کہاں چھپا سکتا ہے۔ کیا کوئی ایسی خفیہ جگہ موجود تھی ڈاکٹر کے پاس جہاں وہ ابانا کو چھپا سکے؟ اس رخ پر سوچتے ہوئے اسے اس لڑکی شکیلہ کا خیال آیا جسے انسپکٹر فہیم کے مطابق ڈاکٹر نے اغوا کر کے کہیں روپوش کر دیا تھا اور پھر بعد میں اس کے ساتھ زیادتی کر کے اسے قتل کر دیا تھا۔

''فرض کیجئے اگر انسپکٹر فہیم کا اندازہ درست تھا تو ایسی صورت میں ڈاکٹر کے پاس ضرور کوئی ایسی خفیہ جگہ موجود تھی جہاں وہ لڑکیوں کو چھپا کر رکھ سکتا تھا۔ اور یقیناً ابانا کو بھی اس نے وہیں چھپا رکھا ہو گا۔'' کامران سوچتا رہا۔

اب اس کا رخ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر فرقان کی حویلی کی طرف تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اس کی حویلی کو کھنگالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس بار اس نے اس امکان کو بھی ذہن میں اجاگر کر لیا تھا کہ

اس کی حویلی میں کوئی ایسی جگہ بھی ہو سکتی تھی جو دوسروں کی نگاہ سے پوشیدہ ہو مثلاً کوئی تہہ خانہ وغیرہ جہاں فرقان نے ابانا کو چھپا رکھا ہو اور جہاں اس سے قبل اس نے شکیلہ کو بھی چھپایا ہو۔

تھوڑی دیر میں وہ حویلی کے سامنے پہنچ گیا تھا صدر دروازہ بند تھا لیکن بغلی دروازہ کھلا تھا ۔ کامران نے گاڑی کو حویلی سے باہر ہی ایک طرف کر کے پارک کیا اور بغلی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ حویلی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اندر داخل ہو کر اس نے ٹارچ روشن کی اور پھر ایک ایک کمرے کی تلاشی لینے لگا۔ وہ ایک ایک دیوار کو اور فرش کو ٹھونک بجا کر بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ تہہ خانے کا امکان اس کے ذہن میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر چکا تھا۔ اب اسے فرقان کی حویلی میں کوئی خفیہ کمرہ یا تہہ خانہ تلاش کرنا تھا۔

وہ کافی دیر تک کمروں کی تلاشی لیتا رہا اور دیواروں کو بجاتا رہا لیکن اسے کوئی ایسا سراغ نہ مل سکا جو اسے کسی خفیہ جگہ تک پہنچا پاتا۔

پھر وہ تقریباً مایوس ہی ہو گیا تھا کہ اتفاقیہ طور پر اس کا پاؤں کتب خانے میں رکھی ہوئی اس میز کی ٹانگ کے ساتھ ٹکرا گیا جس کے نیچے تہ خانے کا دروازہ تھا۔ میز کی ٹانگ کے ساتھ پاؤں کا ٹکرانا تھا کہ میز کا پایہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہل گیا۔ کامران نے جھک کر میز کی ٹانگ کو بغور دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ ٹانگ میز کی دوسری ٹانگوں سے کچھ مختلف رخ پر ہے اس نے ٹانگ کو پکڑ کر ہلایا تو وہ ایک طرف کو گھوم گئی اور اس کے ساتھ ہی فرش کے نیچے ہلکی سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

کامران نے تیزی سے میز کے نیچے والا قالین ایک طرف ہٹایا تو اسے قالین کے نیچے ایک راستہ نظر آیا جو سیڑھیوں کے ذریعے نیچے کو اترتا تھا۔ اس نے احتیاط کے ساتھ اپنا پستول دائیں ہاتھ میں پکڑ کر ٹارچ کی روشنی سیڑھیوں پر ڈالی۔ سیڑھیاں نیچے اترتی چلی گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ اس کے جسم میں ایک سنسنی پھیل رہی تھی۔ اور وہ خاصا پرتجسس ہو رہا تھا نیچے اتر کر اس نے چاروں طرف ٹارچ سے روشنی ڈال کر دیکھا۔ وہ ایک وسیع تہہ خانہ تھا لیکن تہہ خانے میں اسے کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ ایک متعفن بو پورے تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی۔

☆......☆

ابانا کی آواز سن کر وہ خبیث بوڑھا غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے ابانا کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن ابانا وہاں سے گئی نہیں تھی۔

بوڑھا سلیمہ کو لے کر اس پہاڑی غار میں آ گیا تھا۔ اور اب اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ عین اسی وقت جب اس نے سلیمہ کو بے بس کر کے اپنا گندا کھیل شروع کیا تھا اس کے کانوں سے ابانا کی آواز ٹکرائی تھی جو اسے سلیمہ کو چھوڑ دینے کے لیے کہہ رہی تھی۔ بوڑھے کو یہ کہاں گوارہ ہو سکتا تھا کہ ایسے وقت میں جب وہ اپنی شیطانی کارروائی کا آغاز کر چکا تھا کوئی آ کر اس کے راستے کا روڑہ بن جائے۔ اسے اس کی گندی خواہشات کی تکمیل سے باز رکھ

سکے۔ اس لیے وہ غصہ میں آگ بگولا ہو رہا تھا۔

وہ منحوس بوڑھا سلیمہ کے جسم کو پامال کرنے کے لیے کئی روز سے بے چین تھا۔ لیکن ابانا اس کے آڑے آ جاتی تھی۔ اس سے قبل بھی ایک مرتبہ جب بوڑھے نے اپنی جہنمی خواہشات کو سلیمہ کے جسم کی آگ سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی تو ابانا اس کے راستے کا پتھر بن گئی تھی اور اس نے اپنے بچوں کی قربانی دے کر سلیمہ کو اس کے پنجے سے چھڑا لیا تھا۔

''ابانا یہاں سے چپ چاپ چلی جا ورنہ آج میں یہ بھی پرواہ نہ کروں گا کہ تو میری ریاضت کا پھل ہے۔ آج میں اپنی زندگی کی کٹھن تپسیا کو بھی تیاگ دوں گا۔ میں بھول جاؤں گا کہ میں نے اپنی تپسیا اور دعاؤں سے تجھے ایک خوبصورت انسانی جسم میں منتقل کیا تھا۔'' بوڑھا غصے میں دیوانہ ہو رہا تھا۔

''بابا میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ سلیمہ کو چھوڑ دے۔ یہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ بابا میں اسے خود سے جدا نہیں کروں گی۔'' ابانا نے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''ابانا! میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ میرے حصے کی لڑکی ہے۔ جسے میرے لیے حاصل کیا گیا تھا۔''

''بابا! تیرے لیے اور بہت سی عورتیں آ سکتی ہیں۔ تو اسے چھوڑ دے۔ یہ میری ہے۔'' ابانا نے اسے قائل کرنے کے لیے ذرا نرم لہجہ اختیار کیا تھا۔

''ابانا تو نہیں جانتی میں نے اس لڑکی کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔ اب میرے جذبوں کی آگ اسی سے بجھے گی۔ تو یہاں سے چلی جا۔'' منحوس بوڑھے نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

بوڑھا سلیمہ کو فرش پر ڈال کر اس کی طرف پشت کئے ہوئے کھڑا ابانا سے گفتگو کر رہا تھا۔

ابانا نے جب دیکھا کہ بوڑھا اس کی باتوں سے قائل نہیں ہو رہا اور وہ سلیمہ کو پامال کرنے پر تلا ہوا ہے تو اس نے ذرا تیور بدل کر کہا۔

''بابا! تم دیکھ چکے ہو کہ میں اس لڑکی پر مرتی ہوں۔ میں اسے تیرے حوالے نہیں کر سکتی۔ پہلے بھی تم اس کا تجربہ کر چکے ہو۔''

''ابانا! اگر تو اپنی ہٹ سے باز نہ آئی تو تجھے نقصان پہنچ جائے گا۔ اس لیے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ یہاں سے چلی جا۔ جا اپنے اس پرستار کامران کے پاس چلی جا۔ اس کے ساتھ کھیل مجھے اپنا کام کرنے دے۔'' منحوس بوڑھے نے ابانا کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''نہیں بابا! نہیں...... میں سلیمہ کو لئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔'' ابانا اپنی جگہ اٹل رہی۔

''ابانا تو میری تخلیق ہے۔ میری دعاؤں کا، میری تپسیا کا پھل ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میں تجھے ضائع کر دوں۔ لیکن اگر تو اپنی ہٹ سے باز نہ آئی تو میں تیری بالکل بھی پرواہ نہیں کروں گا۔ میں تجھے کھو کر بھی اس لڑکی سلیمہ کو پا لوں گا۔ تو میری بات کو سمجھ کیوں نہیں رہی۔'' بوڑھا جھنجھلانے لگا

تھا۔

''بابا! کچھ بھی ہو جائے میں سلیمہ کو تیری گندی خواہشات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں۔'' ابانا نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''ابانا! تو نہیں جانتی میرا مذہب جدا ہے۔ میرا عقیدہ مختلف ہے۔ میں شیطان کا پجاری ہوں۔ میں گناہوں اور بدکاریوں کا رسیا ہوں۔ میں نیکی کا دشمن ہوں۔ برائی کا دوست ہوں۔ مجھ سے اچھائی کی توقع محال ہے۔ ایفائے عہد ایک اچھائی ہے ایک نیکی ہے اور میں وہ تجھے نہیں کرنے دوں گا۔ اس میں میری ترقی ہے۔ اس میں میری طاقت ہے۔ اب تو بھول جا کے میں تجھ پر ترس کھاؤں گا۔ اور تیرے کہنے پر اس لڑکی کی جان بخشی کر دوں گا۔ اب میں پہلے تجھے جلا کر بھسم کروں گا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جا۔'' یہ کہہ کر وہ بدکار بوڑھا منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ اس نے چند لمحے ابانا پر نظریں جمائے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پھر اس کی طرف پھونک دیا۔

پھونک مارنے کی دیر تھی کہ ابانا جہاں کھڑی تھی اس کے گرد پورے علاقے میں شعلے بھڑک اٹھے اور اس کے جسم کو چھونے لگے۔ ابانا کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔

ابانا کی چیخیں غار میں گونجنے لگیں۔ تو بوڑھا سلیمہ کی طرف متوجہ ہوا۔ سلیمہ تیزی سے بھاگ کر ابانا کی طرف بڑھی۔ وہ ابانا ابانا چیخ رہی تھی۔ سلیمہ آگ کی طرف دوڑی ہی تھی کہ منحوس بوڑھے نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔ اور اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اب وہ منحوس بوڑھا سلیمہ کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کے لیے آزاد تھا۔ سلیمہ نے حسرت بھری آواز میں ابانا کو پکارا۔ لیکن ابانا کی تو اپنی چیخیں غار میں گونج رہی تھیں۔ اب اسے اس منحوس اور غلیظ بوڑھے سے بچانے والا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

بوڑھے نے سلیمہ کو اٹھا کر نیچے فرش پر پٹخ دیا اور خود اس پر جھک گیا۔ اس نے سلیمہ کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ اور وہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ پھر جب اس کا متعفن منہ سلیمہ کے تو یہ تعفن سلیمہ کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

OOO

غار میں الاؤ اب بھی روشن تھا۔ اور گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جس میں بوڑھے کے منہ اور نتھنوں سے نکلتی ہوئی گہری سانسوں اور الاؤ میں چٹختی چنگاریوں کی آوازیں بڑی عجیب اور بھیانک اثرات گھول رہی تھیں۔

بوڑھے نے اپنی کلائیوں سے ہونٹوں کی باچھوں سے بہنے والی رال کو نہایت وحشیانہ انداز میں پونچھا۔ باہر سے آنے والے سرد ہوا کے جھونکوں نے غار میں الاؤ کے شعلوں کو بھڑ بھڑا دیا۔ بوڑھے نے غار سے باہر دیکھا۔ تو آسمان میں زرد چاند کا بڑا سا تھال کچھ اور نیچے لٹک آیا تھا۔

''چاند......'' بوڑھے کے ذہن میں گویا جھما کا ہوا۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ پورن ماشی کی صرف چند ساعتیں رہ گئی تھیں اور اگر یہ لمحات گذر گئے تو

مزید پندرہ دن اور انتظار کرنا ہو گا۔ ''نہیں میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔'' بوڑھے نے گویا خود ہی فیصلہ کن انداز میں اپنے آپ کو تنبیہہ کی اس کے بدن میں گویا بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ اور وہ سلیمہ کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن عین اُس وقت جب وہ سلیمہ کو پامال کرنے کے لیے پر تول رہا تھا کسی کے برفیلے ہاتھوں اُسے پیچھے سے پکڑ کر کھینچا اور زمین پر پٹخ دیا۔ وہ زمین پر گر کر بُری طرح ہاتھ پاؤں مارنے اور تڑپنے لگا۔ برفیلے ہاتھوں کی ٹھنڈک اُس کے بدن میں سرایت کر گئی تھی۔ بوڑھا اس یخ بستہ ٹھنڈک سے ٹھٹھرنے لگا۔

ابانا کے قہقہے غار میں گونج اٹھے۔

''میں تجھے مار دوں گا ابانا......'' بوڑھے نے اپنے کرب سے بلبلاتے ہوئے کہا۔

''ایک مرتبہ تو مار چکے ہو بابا۔ میں نے کہا ہے کہ اپنے بچوں کی قربانی دینے کے بعد میں تم سے سوا ہو گئی ہوں۔'' ابانا نے کہا اور بڑی نفرت سے بوڑھے کے جسم پر ایک ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''تم اتنے احمق کیوں ہو گئے ہو بابا کو یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ میرے آگ میں جلنے سے گوشت کی چراندھ کیوں نہیں آئی۔''

بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب بھی فرش پر گٹھری بنا پڑا سردی سے کپکپا رہا تھا۔ لیکن اس کے دل میں ابانا کی طرف سے نفرتوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ درد اور سردی کی شدت نے اس کے اعصاب اور ذہن دونوں کو مضمحل کر دیا تھا۔

ابانا اب سلیمہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ جواب بھی بے ہوش تھی اور اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔ بوڑھے کے منہ سے نکلنے والے متعفن بھبھکوں نے اس کے ذہن کو سخت متاثر کیا تھا اور اسے اپنے ہوش وحواس سے محروم ہونا پڑا تھا۔'' ابانا نے بڑے نفرت آمیز لہجہ میں کہا۔ ''تمہیں نہیں معلوم سلیمہ کو میں نے اپنے لئے منتخب کیا ہے۔''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔'' بوڑھے نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ ''کون کسی کا کیا لگتا ہے یہ میرے سوچنے کی بات نہیں میں صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ مجھے اس لڑکی کی ضرورت ہے۔''

''سلیمہ تک پہنچنے کے لیے تمہیں پہلے مجھے راستے سے ہٹانا ہو گا۔''

''ضد نہ کرو......'' بوڑھے نے پھر کپکپاتی آواز میں کہا۔

ابانا نے بوڑھے کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سلیمہ کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں کرنے لگی۔ پھر سلیمہ نے آنکھیں کھول دیں۔ ڈری ڈری سہمی سہمی خوفزدہ آنکھیں

''ابانا......ابانا......'' سلیمہ ابانا سے لپٹ گئی۔

''ابانا زندہ ہے سلیمہ! اس نے تیری ہی خاطر اپنے بچوں کی قربانی دی ہے۔ یہ بابا تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ابانا تجھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔'' اس نے سلیمہ کو تسلی دی اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔

ابانا کی باتیں سن کر بوڑھے کو غصہ آ گیا۔ اور اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا لیکن اس کے کپکپاتی اور لڑکھڑاتی زبان سے یہ گالیاں آپس میں گڈمڈ ہو کر بے ہنگم اور بے معنی شور میں تبدیل ہو گئیں۔ ''ابانا...... ابانا......'' وہ چیخا۔

''گالیاں بکنے سے فائدہ......'' ابانا نے کہا۔ ''ہمارے لیے وہ رشتے ہی بے معنی ہیں جنہیں گالیوں کے ذریعے الٹ پلٹ کر دیا جاتا ہے۔ اتنی بات بھی تمہیں یاد نہیں رہی۔''

بوڑھے کے جسم میں سردی اب اور گہری ہو گئی تھی۔ ''میں اس ٹھنڈ سے مر جاؤں گا۔'' اس نے بلبلاتے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھے آگ میں اسی یقین سے ڈالا تھا کہ میں مر جاؤں گی۔'' ابانا نے کہا تھا۔

''تمہارا وار الٹ گیا ہے۔''

''مگر تو بچ کیسے گئی۔''

''یہی سردی میری جان بچانے کا سبب ہوئی تھی بابا! میں نے اپنے جسم کو اتنا برفاب کر لیا تھا کہ آگ کے شعلوں کی زبانیں اسے چاٹتی رہیں مگر اس کے اندر سرایت نہیں کر سکی تھیں۔''

''بہت سردی ہو گئی ہے ابانا......'' بوڑھے نے ٹھٹھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں جم جاؤں گا۔'' اس نے اپنے پیر پٹخنے اور جسم کو الاؤ کی طرف کھسکایا۔

''یہاں سے نکل چلو ابانا......'' سلیمہ نے ابانا سے کہا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تمہیں اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ابانا نے سلیمہ کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''میں یہاں نہیں رک سکتی۔'' سلیمہ نے پھر بھیگی بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ موٹی موٹی بھیگی سی بڑی بڑی آنکھوں کا حسن بڑا عجیب تھا۔

''ابانا......'' بوڑھا چلایا۔ ''تو مجھے یوں تڑپا کر سکھی نہیں رہ سکتی۔ سلیمہ سے الگ ہٹ جا اسے میں نے بھی اپنے لیے پسند کیا ہے۔'' بوڑھا سردی سے ٹھٹھرتا ہوا بولتا رہا۔ اس کا جسم اب بری طرح کپکپا رہا تھا اور وہ آہستہ آہستہ الاؤ کی طرف کھسک رہا تھا۔ لیکن الاؤ کی طرف اس کے کھسکنے کی رفتار بے حد کم تھی۔ سردی نے اس کے تمام جسم کو اپنی ردا میں لپیٹ لیا تھا۔ اس کے تمام اعضا اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ تیزی سے آگ کے پاس ہو جانا چاہتا تھا لیکن سردی نے اس کے ہر جوڑ کو اپنی جگہ جما کر رکھ دیا تھا۔ ہڈیوں کے اندر کا گودا تک اس سردی سے جم گیا تھا۔ اور وہ اپنے ہاتھوں، پیروں یا اپنے جسم کو اپنی مرضی کے مطابق نہ تو سیدھا کر سکتا تھا۔ نہ حرکت دے سکتا تھا۔ اس کے اعضاء اس کے اعصاب اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

''بابا...... سلیمہ میری ہے۔'' یہ کہہ کر ابانا نے سلیمہ کے جسم کو اپنے جسم سے چمٹا لیا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' بوڑھا حلق پھاڑ کر چلایا۔ ''اپنی جان کی دشمن نہ بن ابانا تجھے اس کی سزا بڑی کڑی ملے گی۔'' بوڑھے کی سردی سے اینٹھی ہوئی زبان سے یہ الفاظ لکنت آمیز لہجے میں ادا

ہوئے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ الاؤ کی طرف کچھ اور کھسک گیا۔

بوڑھا کھسک کھسک کر الاؤ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر اس نے پوری قوت مجتمع کر کے اپنے سرد جسم کو لڑھکا کر الاؤ میں داخل کر دیا۔

الاؤ کے گرم شعلوں نے بوڑھے کے یخ بستہ جسم کو چاٹا۔ اور سردی کی بندشیں اس کے جسم سے ڈھیلی ہو گئیں اگلے لمحہ وہ الاؤ سے باہر آ گیا۔

ابانا نے آگ کی روشنی میں غار کی دیوار پو بوڑھے کے جسم کا سایہ لرزتے ہوئے دیکھا تھا اسے خطرے کا احساس ہوا۔ اور وہ چھلانگ لگا کر سلیمہ سے علیحدہ ہو گئی۔ بوڑھا شعلہ بار آنکھوں سے ابانا کو دیکھ رہا تھا۔ ''اب میں دیکھتا ہوں تو اسے کیسے بچاتی ہے۔'' بوڑھے کے منہ سے بھنبھناہٹ پیدا ہوئی۔ سلیمہ ابانا سے چمٹ گئی۔

''نہیں...... نہیں...... ابانا بچاؤ......'' سلیمہ کی ہزیانی چیخیں بلند ہوئیں ابانا نے سلیمہ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''چاند ڈھل چکا ہے بابا تمہاری یہ رات تمہارے ہاتھوں سے نکل گئی ہے۔'' ابانا نے بڑے چبھتے ہوئے لہجہ میں کہا۔

بوڑھے نے چونک کر غار سے باہر دیکھا۔ صبح کا ابتدائی ملگجا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا۔

''تو نے اچھا نہیں کیا ابانا......'' بوڑھے نے پلٹ کر کہا تھا اس کے لہجے میں بلا کی سختی اور بے رحمی تھی۔ ''تجھے اس کی بڑی کڑی سزا بھگتنی ہوگی۔''

''میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' ابانا نے کہا۔

پھر بوڑھا تیز تیز قدموں سے غار سے باہر نکل گیا۔

سلیمہ ابانا کے جسم سے چمٹی ہوئی تھی۔ اس کا جسم اب بھی تھرتھرا رہا تھا۔ ''یوں نہ خوفزدہ ہو جب تک میں موجود ہوں کوئی بلا تیری طرف نہیں آ سکتی سلیمہ......''

''یہاں سے نکل چلو۔'' سلیمہ نے اس سے ملتجی لہجے میں کہا۔

''ہم نہیں جا سکتے سلیمہ......'' ابانا نے کہا۔

''کیوں......؟'' سلیمہ نے حیرت سے کہا۔

''ہم اس غار کے اندر چل پھر سکتے ہیں۔'' ابانا نے کہا۔ ''اس کے باہر نہیں ہمارے نکلنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ کوئی ہمیں اٹھا کر اس غار سے باہر نکال دے۔ ورنہ اس غار کے دہانے پر پہنچتے ہی ہماری ٹانگیں مفلوج ہو جائیں گی۔ وہ ہمارے جسموں کا بوجھ نہیں سہہ سکیں گی۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''اسی طرح جیسے میں لوگوں کے ذہنوں کو پڑھ لیتی ہوں......'' ابانا نے کہا۔

''تو تم اس کا توڑ نہیں کر سکتی۔''

''نہیں......''

’’مگر میں یہاں نہیں رہ سکتی......‘‘ سلیمہ نے چیختے ہوئے کہا۔’’میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ سنا تم نے۔‘‘

’’میری بات کا یقین کرو سلیمہ......‘‘ ابانا نے کہا۔

سلیمہ کو غصہ آگیا۔’’میں باہر جارہی ہوں۔ میں باہر جا کر رہوں گی۔‘‘ وہ غار کے دہانے کی طرف بڑھی۔

’’تمہاری مرضی......‘‘ ابانا ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔

سلیمہ جھلا کر غار کے دھانے کی طرف بڑھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ قدم دہانے سے باہر نکالتی اسے یوں لگا گویا اس کی ٹانگیں اس کے جسم سے علیحدہ ہوگئی ہوں۔ اس کی ٹانگوں میں کوئی طاقت نہ رہی تھی۔ اور اس کا جسم ریت کی بوری کی مانند بھد سے زمین پر گر گیا۔

’’دیکھ لیا......‘‘ ابانا نے کہا۔’’اب تو یقین آگیا۔‘‘

’’مجھے اُٹھاؤ......‘‘ سلیمہ نے مفلوج کی مانند اس سے کہا۔

’’تم غار سے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کردو۔‘‘ ابانا نے کہا۔’’تم پھر چلنے پھرنے لگو گی۔‘‘

اور سلیمہ روہانسی ہوگئی۔’’مجھے کس جنجال میں پھنسا دیا ہے تم سب نے۔‘‘ اس نے غار سے باہر نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایسا لگا گویا اس کی ٹانگوں میں جان آگئی ہو۔ سلیمہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سسکیاں لیتی ہوئی غار میں آگئی۔

پھر وقت خاموشی سے گذرتا رہا سلیمہ کے ذہن میں رہ رہ کر اپنی اس پرسکون زندگی کی تصویریں ابھر رہی تھیں جو اس نے فرقان سے ملاقات سے قبل گذاری تھی۔ ہر تصویر کے ساتھ اس کے سینے میں گہری کراہ ابھرتی۔ ماضی اس کے ذہن میں پھانس بن کر اٹک گیا تھا۔ ماضی کی ہر تصویر اپنے دھندلے رنگوں کے باوجود بے حد حسین نظر آئی۔

’’انسان بڑا قنوطی جانور ہے۔‘‘ ابانا نے کہا۔’’اسے ہمیشہ ماضی اچھا معلوم ہوتا ہے حال سے ہمیشہ مایوس رہتا ہے۔ اور اچھے مستقبل کے خواب دیکھتا ہے۔‘‘

’’مجھ پر طنز کر رہی ہو۔‘‘ سلیمہ نے کہا۔’’ماضی سے پیار کرنا برا تو نہیں۔‘‘

’’مگر اسے مایوسی کا سبب نہیں بننا چاہیئے جو وقت گذر گیا اس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ پھر اس کے بارے میں سوچ سوچ کر بلاوجہ ذہن کو کیوں پراگندہ کیا جائے۔ تم لوگ ماضی سے چمٹ جاتے ہو۔ اور ماضی جونک کی مانند تمہارے فکر و عمل کی صلاحیتوں کے گرم گرم لہو کو چوستا رہتا ہے۔‘‘

’’فلسفہ نہ بگھارو۔‘‘

’’یہ فلسفہ نہیں ایک عام حقیقت ہے۔‘‘ ابانا نے کہا۔

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ وہ اس وقت ابانا سے کوئی بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ابانا اپنی جگہ سے اٹھی اور سلیمہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔’’ناراض ہوگئی۔‘‘

’’نہیں......‘‘ سلیمہ نے کہا۔’’مجھے تم سے ناراض ہونے کا بھلا کیا حق ہے۔‘‘

’’میں سچ کہہ رہی ہوں......‘‘ ابانا نے سلیمہ کو اپنے شانوں سے لگاتے ہوئے کہا۔’’میں خود مجبور ہوں۔ ہم غار سے صرف اسی صورت میں باہر نکل سکتے ہیں کہ کوئی تیسرا شخص غار کے باہر سے آئے اور ہمیں اٹھا کر یہاں سے باہر نکال لے جائے۔ ہم خود اپنے وجود کو اس غار سے نہیں نکال سکتے۔ اور اس کا توڑ میرے لئے صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ بابا یہاں موجود ہو میں کوئی گیانی نہیں ہوں۔ میں تو بس ذہن پڑھ لینے کی صلاحیتوں سے اس کا توڑ تلاش کردوں گی۔ میں اس کے ذہن سے اپنا ذہنی رابطہ قائم کر کے اس کا توڑ معلوم کروں گی۔‘‘

’’تو گویا ہم یہاں قیدی ہیں؟‘‘

’’ایسا ہی سمجھ لو......‘‘ ابانا نے کہا۔

’’ہم کب تک یہاں قید رہیں گے۔‘‘

’’بابا یا پھر کسی اور شخص کے یہاں آنے تک۔‘‘

سلیمہ نے ابانا کے سینے پر سر رکھ دیا۔’’مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں ہے ابانا مجھے اپنی ذات اور اپنے ماضی سے شکایت ہے۔‘‘

’’اس وقت بڑی بے چارگی کے عالم میں تھی۔ وہ ابانا سے غار سے نکل چلنے پر اصرار بھی نہیں کرسکتی تھی اسے یقین تھا کہ ابانا نے اس غار میں قید کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح ہے۔ اس غار سے وہ اپنے وجود کا بوجھ اٹھا کر نہیں لے جاسکتیں۔ اس کے ساتھ ہی اُسے خود اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ تھوڑی دیر پہلے اس نے ابانا کے خلوص پر کیوں شبہ کیا تھا؟ اور کیوں یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تھا کہ ابانا خود ہی اسے اس غار سے نکالنا نہیں چاہتی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ابانا سے کہا۔’’میں تم سے شرمندہ ہوں ابانا۔‘‘

’’اس میں تمہارا قصور نہیں......‘‘ ابانا کے لہجے میں وہی افسردگی گھلی ہوئی تھی۔’’مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں بے اعتباری اور خود کو عقل کل سمجھنا انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ انسان ہمیشہ دوہری بے اعتباری کا شکار رہتا ہے۔ وہ دوسروں پر اعتبار نہیں کرتا اور اس وجہ سے خود اسے اپنے اوپر اعتماد نہیں رہتا۔‘‘ ابانا کے لہجے میں رسانیت آگئی تھی۔’’ہم جانور اعتبار اور اعتماد کے قائل ہوتے ہیں ہم اپنے حواس پر اعتبار کرتے ہیں۔ اور انسان کو کبھی کبھار اپنا دوست سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس اعتبار میں مارے جاتے ہیں۔‘‘

وہ دونوں اسی طرح باتیں کرتی رہیں۔ سلیمہ کے ذہن میں سوالات ابھرتے، ابانا ان سوالات کو اپنی ذہنی صلاحیت سے پڑھ لیتی اور جواب دیتی۔ پھر ایک مرحلے پر سلیمہ کے ذہن کو یہ کرید لگ گئی کہ ابانا اس سے پہلے بھی اس کے نامعلوم کیا کیا خیالات پڑھ چکی ہوگی اس کے ساتھ وہ یہ سوچنے لگی کہ اس نے ماضی میں ابانا کے بارے میں کیا کیا آراء قائم کی تھیں۔

’’تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ تم نے میرے بارے میں کیا کیا

رائے قائم کی تھی۔ تم اپنی جگہ میرے بارے میں ہر رائے قائم کرسکتی ہو۔ تمہیں اس کا اختیار ہے۔ میرے لیے اصل معاملہ یہ ہے کہ میں تمہارے لیے کیا رائے رکھتی ہوں ہم جانور بڑے خودغرض ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف اپنے کام سے کام ہوتا ہے۔ دوسرے کیا سوچتے ہیں اس کی ہمیں پرواہ نہیں ہوتی۔ تم مجھے پسند کرتی ہو یا ناپسند میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ میرے لیے اطمینان کی بات یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ اور ویسے تم جس چیز کے بارے میں فکرمند ہو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں ہر وقت تو انسانی ذہن نہیں پڑھتی تمہارے سلسلے میں تو نہ معلوم کیوں خود میں نے اپنی یہ صلاحیت کم سے کم استعمال کی ہے۔''

بات نامعلوم کہاں سے کہاں نکل گئی۔ سلیمہ کو اب یہ بھی خیال نہ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ ابانا اس کے ساتھ ہے اور ابانا کی موجودگی میں اس کے لیے خطرے کی کوئی بات نہیں۔ اپنی زندگی کے بارے میں اسے تحفظ کا اتنا احساس کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور وہ احسانمندی کے احساس تلے دبی ابانا کی آغوش میں سمٹی ہوئی تھی۔

''تم نے فرقان کو کیا کر دیا ہے۔'' سلیمہ نے اچانک ابانا سے پوچھ لیا۔ یہ خیال اسے اچانک آیا تھا۔

''کچھ نہیں......'' ابانا نے قدرے بےزاری سے کہا تھا۔

''میں دو پاٹوں کے درمیان پس رہی ہوں ابانا ایک طرف تم ہو اور دوسری طرف فرقان مجھے تم بھی عزیز ہو اور فرقان بھی۔ تم اس لیے کہ تم نے میرے لیے قربانیاں دی ہیں۔ مجھے خودرحمی اور احساس کمتری سے نجات دلائی ہے۔ اور فرقان اس لیے کہ اس نے مجھے اس حالت میں اپنی شریک حیات بنایا ہے۔ جبکہ کوئی اور شخص مجھے قبول نہ کرتا۔ اس کے ساتھ مجھے زندگی گذارنا ہے تم دونوں مجھے پسند کرتے ہو میں تم دونوں میں سے کسی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تم دونوں کی محبتوں کی چکی میں پس رہی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہاری محبتوں کو برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ یہ محبتیں میرا گلا گھونٹ دیں گی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں ان محبتوں کو برداشت نہیں کر پاؤں گی ابانا۔ میں مر جاؤں گی۔'' سلیمہ نے کچھ اداس لہجے میں کہا۔ ''مجھے بتاؤ ابانا کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ تم نے فرقان کو کیا کر دیا ہے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔'' ابانا نے کہا۔ ''اس نے جو کچھ سلوک کیا تھا میں نے اس کا جواب دیا تھا۔''

''تم اس کو ٹھیک نہیں کرسکتیں۔'' سلیمہ نے کہا۔ ''کیا اس کے لیے اتنی سزا کافی نہیں ہے۔''

ابانا نے سلیمہ کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ہویدا ہوگئے۔ سلیمہ نے اس کے چہرے پر تغیر کے اثرات دیکھ کر کہا۔ ''ابانا کیا تم سلیمہ کی خاطر بھی فرقان کو معمول پر نہیں لاؤ گی۔ کیا تم اپنی سلیمہ کی خاطر بھی ایسا نہیں کرو گی؟''

''تیری خاطر تو میں بہت کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' ابانا نے جذبات میں سلگتی ہوئی

آواز میں کہا اور سلیمہ کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔ باہر رات کی تاریکی کچھ اور گہری ہوگئی۔

☆......☆

کامران تہہ خانے میں اتر گیا تھا اور اب وہ اس راستے پر آگے بڑھ رہا تھا جو غار کی طرف نکلتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور بےدھڑک آگے بڑھ رہا تھا۔ راستہ بالکل صاف تھا۔ اور گرد نام کو نہ تھی۔ پھر یہ راستہ ایک بڑی سی چٹان پر جا کر ختم ہوگیا اس نے بڑی بےتکلفی سے ٹارچ کی روشنی چٹان پر ڈالی۔ روشنی چٹان پر پھسلتی رہی۔ پھر یہ روشنی چٹان کے پہلوؤں پر پھسلنے لگی۔ وہ اس چٹان کے کھسکنے کا میکنزم تلاش کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تہہ خانے کے ساتھ یہ راستہ خالی از علت نہیں پھر اس راستے کی حالت ایسی تھی گویا یہ استعمال میں رہا ہو۔ اس پر گرد کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اور عین اس لمحہ جبکہ وہ یہ میکنزم تلاش کرنے کے قریب ہی تھا کہ اس کے کان میں ایک میٹھی سریلی آواز گونجی اس آواز میں ایک پکار تھی اور التجا بھی۔

''کامران......آؤ......اب آ بھی جاؤ......'' سریلی آواز نے اس کے کان پر دستک دی اور اس کے ذہن کو مسخر کیا۔

''کامران......آؤ......آؤ نا......آ بھی جاؤ نا......'' کیسا سحر اور کیسا جادو تھا اس آواز میں کیسی التجا اور پیاس تھی اس لہجے میں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا زمین دوز ہموار راستے پر کوئی نہ تھا لیکن اس آواز نے اس سے ایک غیرمرئی رشتہ قائم کرلیا تھا۔ اور وہ اسی رشتے کے سہارے اس آواز کے تعاقب میں چل پڑا۔

تہہ خانے سے باہر آ کر اس نے آہستگی کے ساتھ آبنوسی بھاری میز کو اپنی جگہ احتیاط سے جمایا اور پھر لائبریری کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے کوٹھی میں تعینات پولیس والوں میں سے بھی کچھ نہ کہا۔ اسے تو بس ان ہونٹوں تک پہنچنے کی دھن لگی ہوئی تھی جن سے نکلنے والے الفاظ اس کے کانوں میں موسیقی کے آبشار کی مانند رس گھول رہے تھے۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر اس وقت اس نے کسی سے بھی بات کی تو رس کی قطرہ قطرہ کانوں میں گرنے والی یہ پھوار رک جائے گی۔ اس کا انداز اس وقت ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص سوتے میں چل رہا ہو۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن پلک نہیں جھپک رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ جس میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہ تھا۔

کوٹھی میں متعین سپاہی اسے آتے دیکھ کر اپنی کرسیوں اور اسٹولوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پولیس پارٹی نے اس سے مخاطب ہونا چاہا لیکن وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوا کمر بالکل سیدھی کئے ہوئے ایک خاص فاصلے کے برابر برابر قدم رکھتا وہ ان کے پاس سے ایک ایسے مشینی انسان کی طرح گزرتا چلا گیا جو اپنے طے شدہ راستے پر چلتا ہے اور مقررہ کام انجام دیتا ہے پولیس والوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ اور کندھے اچکا کر خاموشی سے پھر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تھے۔

کامران اسی انداز میں کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ پھر وہ اس آواز کے سہارے پتھر،

جھاڑیاں سنگریزے عبور کرتا گھاٹیوں اور پہاڑیوں کو عبور کرتا ہوا ایک سمت بڑھتا چلا گیا۔ نغمگی کا غیر مرئی تار اس کے وجود کو اپنی سمت بڑھائے لئے جا رہا تھا۔ کامران کے حواس اس وقت اس کے قابو میں نہ تھے اس کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں سلب ہوگئی تھیں۔ اسے تو بس یہ احساس تھا کہ ایک آواز اسے پکار رہی ہے اور اس کو اس آواز کے منبع تک پہنچنا ہے۔

اُسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ وہ کس راستے سے اور کس سمت سے آیا ہے۔ اور کہاں جا رہا ہے۔ یہ راہیں اس کے لیے انجان تھیں۔ لیکن موسیقی کی ان تانوں نے جو نغمگی بن کر اس کی روح میں سما گئی تھیں ان راہوں کو اس کے قدموں کے لیے شناسا بنا دیا تھا۔ پھر وہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھنے لگا پہاڑ پر اگی ہوئی جھاڑیوں اور نکلے ہوئے نوکیلے پتھروں کو پکڑ کر وہ بے حد تیزی سے اوپر چڑھتا رہا۔ اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے تھے لیکن اس کے جسم میں اس نغماتی پکار نے جو آگ لگا دی تھی۔ اس نے تکلیف کے احساس کو بھی زائل کر دیا تھا۔ پکار اور تیز ہوگئی۔ التجا اور شدید ہوگئی نغمگی کا آہنگ اور بلند ہوگیا۔

''کامران...... آبھی جاؤ نا...... کامران کے قدموں کی رفتار میں اور تیزی آگئی۔ اب وہ وحشیوں کی طرح پہاڑ کی بلندی سے دوسری طرف نشیب میں اتر رہا تھا۔ اس وقت اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو اسے پاگل اور دیوانہ قرار دیتا۔

اور پھر وہ ا[illegible] ور لے کے ناطے سے پہاڑی غار کے قریب پہنچ گیا۔ نغمگی اچانک تھم گئی۔ وہ آواز جو اس کی رہبری کر رہی تھی رات کے سناٹوں میں کھوگئی۔ وہ دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور پھر پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگا لیکن اس کی منزل کھوگئی تھی۔ اس دوڑ بھاگ میں وہ بُری طرح ہانپنے لگا تھا۔ رات کی تاریکی میں اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر اس غار سے ایک سمت دوڑا۔ اور پھر واپس اسی جگہ آگیا جہاں سے وہ لپکا تھا۔ تکان نے اس کے جسم کو چور چور کر دیا تھا۔

''آؤ...... آجاؤ......'' اسی دلفریب نغمگی نے پھر اسے اپنی جانب پکارا۔ اور وہ اس نغمگی کا تعاقب کرتا ہوا غار میں گھس گیا۔ وہ بے حد نڈھال ہو چکا تھا۔ غار میں پہنچتے ہی وہ ہانپتا ہوا ایک پتھر سے ٹکرا کر گر گیا۔

غار میں ایک سمت آگ جل رہی تھی اس آگ کی روشنی میں اس نے غار کا جائزہ لیا۔ غار کے دوسرے کونے میں ابانا اور سلیمہ پڑی تھیں۔

''آؤ...... آجاؤ...... آؤ بھی نا...... کامران......'' کامران کو یوں محسوس ہوا گویا یہ پکار ابانا کی ہو۔ اس میں ایک ازلی پیاس تھی...... بے قراری تھی ایک ہڑک تھی۔ ایک فریاد تھی۔
''آؤ......'' کامران ہانپتا ہوا فرش سے اٹھا۔ ''آجاؤ......'' نغمگی نے پکارا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''آؤ بھی نا......'' وہ لپک کر ابانا کی طرف بڑھا۔

ابانا اور سلیمہ دونوں بے ہوش تھیں۔ ابانا کے جسم سے ابھرنے والی پکار اور اس کے وجود

میں اترنے والی نغمگی کے سوتے پھر بند ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کامران کے ذہن کی سوچنے کی صلاحیتوں سے نغمگی کی گرفت ڈھیلی ہوگئی تھی اور وہ ابانا اور سلیمہ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا تھا۔ باہر رات کی تاریکی میں صبح کے نور کے خنجر پیوست ہو چکے تھے۔

ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تمام تدبیریں ناکام ہو چکی تھیں۔ اچانک کامران کو غار میں گھٹن کا احساس ہوا۔ اور تھوڑی دیر میں وہ سلیمہ اور ابانا کو غار سے باہر ایک چٹان پر لٹا چکا تھا۔

صبح کی ٹھنڈی ہوا نے ابانا اور سلیمہ کے جسموں اور دماغ کو تھپتھپایا اور چند لمحوں کے وقفے کے ساتھ وہ دونوں ہوش میں آگئیں۔ سلیمہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ابانا کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں ڈر کے اثرات تھے۔ وہ بے حد سہمی سہمی ٹکر ٹکر کامران کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''کامران صاحب......'' سلیمہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا...... ''یہاں سے نکل چلیے۔''

اور پھر وہ تینوں وہاں سے بوجھل قدم اٹھاتے کامران کی کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ جس وقت وہ کوٹھی پہنچے سورج مشرق کی اوٹ سے سر ابھار چکا تھا۔

☆......☆

ہسپتال پہنچ کر انہیں فرقان کے بارے میں جو رپورٹ ملی اس سے سلیمہ بے حد پریشان ہوگئی۔ یہاں پہنچ کر کامران نے پہلی مرتبہ سلیمہ کو بتایا تھا کہ فرقان ہسپتال میں زیر علاج ہے اور یہ کہ وہ خود فرقان کو ویلی روڈ سے اٹھا کر یہاں لایا تھا۔ سلیمہ نے فرقان کو دیکھنے اور اس کے پاس جانے کی ضد کی تو ڈاکٹروں نے سختی سے منع کر دیا۔

''ہم ڈاکٹر فرقان کے سامنے کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ لوگوں کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کا جنون شدید ہو جاتا ہے۔ ہم نے انہیں باندھ رکھا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ دیکھنے سے ان کے جسم میں جو اشتعال پیدا ہوتا ہے وہ ان کے دماغ کے لیے خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس کی شدت سے اپنا دماغی توازن ہمیشہ کے لیے کھو سکتے ہیں حالانکہ ابھی تک ہمیں امید ہے کہ وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔''

''مگر وہ ٹھیک کیونکر ہو سکتے ہیں؟''
''اس سلسلے میں ابھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔
''میں ڈاکٹر فرقان کی بیوی ہوں۔''
''میں جانتا ہوں...... مگر آپ کو بھی اُن کے سامنے بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتے۔ ابھی تھوڑی دیر میں ایک جماعت ان کا معائنہ کرے گی۔ پھر ہم شاید کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں۔''

ابانا اور سلیمہ کمرے میں بیٹھی ڈاکٹروں کے معائنہ مکمل کرنے کا انتظار کرتی رہیں۔ اور کامران ان کو چھوڑ کر خود بھی ڈاکٹروں کے ساتھ کمرے سے جا چکا تھا۔

وہ دونوں اس وقت تنہا تھیں۔ سلیمہ کے چہرے پر پریشانی اور کشیدگی کے آثار تھے۔

''کیا اب بھی تمہارا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا، ابانا......اب تو بہت زیادہ تماشہ بن چکا''

''ششش...'' ابانا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کے لیے کہا۔

''مجھے جی کی بھڑاس نکال لینے دو ابانا....'' سلیمہ اس وقت بے حد غصے میں تھی۔

''شی.....'' ابانا نے پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آواز نکالی۔

''اتنی ظالم نہ بنو......فرقان کو بہت سزا مل چکی ہے۔ تم چاہو تو وہ ذرا دیر میں ٹھیک ہو سکتا ہے۔''

ابانا جھلا کر کھڑی ہو گئی اور سلیمہ کو یوں لگا گویا کسی نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی ہو۔ اور غصے میں اس نے ابانا کے بال کھینچ لیے۔ وہ لڑکھڑا کر سلیمہ کے پہلو میں گری۔

''پاگل نہ بنو.....خاموش رہو......سب ٹھیک ہو جائے گا......'' اس نے سرگوشی میں کہا۔

اسی وقت سلیمہ اسے کاٹنے کے لیے جھکی تو اسے آنکھوں کی اوٹ سے پیچھے کھڑکی میں کوئی سایہ کھڑا نظر آیا۔ اس نے مڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا کوئی تیزی سے نیچے ہو گیا تھا۔ سلیمہ لپک کر کھڑکی میں آئی اور باہر جھانکا مگر اسے کوئی نظر نہ آیا۔

سلیمہ کو اس وقت ابانا پر بے حد غصہ آیا۔ اگر ابانا اس بات سے واقف تھی کہ کوئی چھپ کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا ہے تو وہ اس سے پہلے بھی سلیمہ کو آگاہ کر سکتی تھی۔ اسے بات کرنے سے روک سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ تو پھر آخر وہ کیا کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ اپنے ذہن میں ان گتھیوں کو سلجھانے میں الجھی رہی۔ اور ابانا کے خلاف اس کا غصہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔

ڈاکٹر فرقان کا معائنہ شروع ہو چکا تھا۔ ہسپتال کے عملے میں عجیب سی افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ابانا کی ہسپتال میں آمد کی خبر ذرا ہی دیر میں ہسپتال کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک مریض تک پہنچ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کمرے کے باہر ابانا کو دیکھنے کے متمنی لوگوں کا اجتماع ہو گیا جہاں ابانا اور سلیمہ بیٹھی تھیں۔ ابانا ان کے لیے داستانوں کے کرداروں میں سے ایک کردار تھی۔ پر اسرار عجیب اور حسین۔ وہ ابانا کے بارے میں صرف اخبارات میں پڑھتے تھے اور شریف عثمانی کے کالم سے ابانا کی تربیت کے مراحل سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے ابانا کی صرف تصویریں اخباروں میں دیکھی تھیں۔ اور آج انہیں ابانا کو گوشت و پوست کی حالت میں اپنی آنکھوں سے چلتے پھرتے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہسپتال کے حکام کوئی اقدام کرتے اس کمرے کے باہر لوگوں کا خاصہ بڑا مجمع لگ چکا تھا۔ کچھ لوگ پچھلی کھڑکی میں بھی آ کھڑے ہوئے تھے۔ خیریت بس یہی تھی کہ ابھی تک یہ لوگ کمرے میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ جو لوگ دروازے میں آگے کھڑے ہوئے لوگوں کے پیچھے تھے وہ ایڑیاں اچکا اچکا کر ابانا کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور جو ان سے بھی پیچھے تھے وہ آگے کھڑے ہوئے لوگوں کو دھکے دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک عجب بے چینی اور اضطراب کا عالم لوگوں پر طاری تھا۔ اور کمرے کے اندر ابانا کے ہونٹوں پر ایک دلفریب

مسکراہٹ لرز رہی تھی۔ اس مسکراہٹ میں دیکھنے والوں کے لیے ایک بے آواز نامعلوم پیغام تھا۔

سلیمہ کی پریشانی بڑھ گئی۔ اسے ڈر تھا کہ لوگوں کا مجمع کسی وقت بھی ان کی تکا بوٹی کر دے گا۔ اب دروازے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے حسرت و یاس کے جذبات سے معمور گہری سانسیں لینی شروع کر دی تھیں۔ لیکن ابانا مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

پھر ان لوگوں کی فقرہ بازی جو وہ ابانا پر کر رہے تھے۔ آپس کی تکرار میں تبدیل ہو گئی۔ اور تکرار نے جلد ہی دھینگا مشتی اور مکہ بازی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ سب کچھ اتنے کم عرصہ میں اور اتنے غیر محسوس طریقے سے ہوا کہ ہسپتال کے عملے کی مداخلت سے پہلے ہی کمرے کے باہر برآمدے میں اچھی خاصی لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر شخص ایک دوسرے سے الجھا ہوا تھا۔ کوئی کسی کا حلیف یا حمایتی یا مددگار نہیں تھا۔ ہر شخص باقی تمام لوگوں کا دشمن تھا۔ اور جو شخص جس کے سامنے پڑا۔ اس سے الجھ گیا۔

ہسپتال میں شور مچ گیا۔ بے ہنگم چیخیں گالیاں، اور ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ جو زبر تھا وہ مار رہا تھا۔ جو زیر تھا وہ گالیاں بک رہا تھا۔ اور حتی المقدر اپنے مقابل کا جواب دے رہا تھا۔ ہاتھ پیر، جوتے، ڈنڈے، لاتیں گھونسے ٹھوکریں اور زبانیں پوری رفتار سے چل رہی تھیں۔ ہسپتال کا عملہ کے وہ لوگ جو اس حصے میں ڈیوٹی پر متعین تھے وہ بھی اس ہنگامے پر قابو پانے میں ناکام ہو چکے تھے۔ ہسپتال کی طرف سے پولیس کو بلوایا گیا۔ اور جتنی دیر میں پولیس وہاں پہنچی۔ ہر شخص کے جسم پر، چہروں پر اور ہاتھوں پر نیل کے نشانات ابھر آئے تھے۔ کسی کا ہونٹ سوجا ہوا تھا۔ تو کسی کا گال اور کسی کی آنکھ۔

کامران ہسپتال کے اس ہنگامے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس ہنگامے کی ایک ایک تفصیل سے واقف تھا۔ اس نے لوگوں کو کمرے کے سامنے جمع ہوتے دیکھا تھا اور اب وہ انہی لوگوں کو جو بڑے اشتیاق کے ساتھ ابانا کو دیکھنے جمع ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کو بھنبھوڑتے اور ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کے سب اجتماعی پاگل پن کا شکار ہو گئے تھے۔ یوں لگتا تھا گویا کسی نے ان سب کو ایک ساتھ ہپناٹائز کر دیا ہو۔ اسطرف اس کا ذہن اس لیے گیا کہ اسے شروع ہی سے یہ بات بڑی عجیب لگی تھی کہ یہ سب ہنگامہ اگر چہ ابانا اور سلیمہ اور خاص طور پر ابانا کی وجہ سے شروع ہوا تھا لیکن اس مشتاق ہجوم میں سے کسی نے بھی اس کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ لوگ جمع ہوئے۔ پھر ان کا اشتیاق بڑھا۔ انہوں نے ابانا اور سلیمہ پر بے ہودہ جملوں کی یورش کی اور پھر باہم دست و گریباں ہو گئے۔

پولیس ہسپتال پہنچی اور اس نے ان لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ اس کارروائی میں خود کچھ پولیس والے بھی زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن بہر حال یہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ ہسپتال کے اس ہنگامے کی خبر عثمانی کو بھی مل چکی تھی اور وہ پولیس کے ساتھ ساتھ ہی یہاں پہنچا تھا۔ اس کا کیمرہ اور ذہن اس ہنگامے کی ایک ایک تفصیل کو محفوظ کر رہا تھا۔

عثمانی نے کامران سے بھی اس ہنگامے کی تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامران اس کے تمام سوالات کو خوبصورت سے ٹال گیا اور عثمانی ہنگامے کی دیگر تفصیلات جمع کرنے کے لیے اس کے پاس سے ٹل گیا۔

ہسپتال کا یہ ہنگامہ اور اس کی نوعیت کامران کے لیے خاص دلچسپی کا سبب بن گئی اور اسکا ذہن اس ہنگامے کے دوران اور اس کے بعد بھی اس کے اسباب وعلل پر غور کرتا رہا۔ اس ہنگامے نے کامران کے لیے قتل کی ان پراسرار وارداتوں کی تحقیقات کے لیے ایک اور زاویہ دیا تھا۔ اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ اس انداز پر بھی اپنی تحقیقات کو آگے بڑھائے گا۔ ساتھ ہی اچانک اس کے ذہن میں اس وقت رات کے اس سفر کی یاد تازہ ہوگئی۔ جو اس نے فرقان کی کوٹھی سے غار تک اختیار کیا تھا۔ اس نے سوچا اور یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اس کا ذہن اس سفر کے دوران ایک عجیب اثر کا مطیع ہو گیا تھا۔ لیکن اب اس وقت یہ اثر اس کے ذہن سے زائل ہو چکا تھا۔ ’’تو کیا فرقان بھی کسی ایسے ہی اثر کا غلام رہا ہے۔‘‘ اس نے سوچا اور پھر اسے فرقان کی موجودہ حالت یاد آئی اور سلیمہ اور ابانا کے درمیان وہ گفتگو یاد آئی جو اس نے ہنگامے سے تھوڑی دیر قبل کھڑکی سے سنی تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ فرقان کی موجودہ حالت کا تعلق بھی کسی نہ کسی طرح ابانا کسے ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ ان تمام واقعات میں کسی نہ کسی طرح ابانا کی ان پراسرار قوتوں کا ضرور تعلق ہے۔ جسے اس نے فی الحال ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی کا مجموعہ قرار دیا تھا۔

کامران اس نتیجہ پر پہنچ کر افسردہ ہوگیا۔ اس کی چھٹی حس اسے یقین دلا رہی تھی کہ اس کے تمام مفروضات حقیقت پر مبنی ہیں۔ اور ایسی صورت میں اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ابانا کے بارے میں قانون کو تمام حقائق سے مطلع کردے۔ اس کے بعد فرقان کا پھانسی کے تختے پر پہنچنا تو خیر یقینی تھا لیکن ابانا کو اگر بعض نفسیاتی اور قانونی پیچیدگیوں کے سبب پھانسی نہ ملتی تب بھی کامران کے لیے اسے اپنانا ناممکن ہو جاتا۔ اور وہ قانوناً اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتی اور اس کی قربت کے تمام امکانات ختم ہو جاتے۔

اور عام حالات میں فرقان کی شخصیت اس کے اور ابانا کے درمیان حائل رہتی۔ ابانا موجودہ حالت میں ایک قومی ملکیت تھی اور فرقان اس کا امین تھا۔ اس کی افسردگی کا سبب یہی ذہنی کشمکش تھی جو ابانا کو اپنانے اور نہ اپنانے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔

’’میں ابانا کو چھوڑ دوں گا۔‘‘ کامران نے گویا اپنی تمامتر ذہنی صلاحیتوں کو بروکار لاکر فیصلہ کیا۔ ’’ابانا بھی ایک عام عورت ہے۔‘‘

’’نہیں......‘‘ اس کا تمام وجود چیخ اٹھا۔ اس کے دل میں ایک کسک پیدا ہوئی جس نے اس کے تمام اعصاب کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ’’ابانا کو یوں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابانا میری طلب ہے۔ وہ عام عورت نہیں۔‘‘ اس کے جذبات نے احتجاج کیا۔

اور جسم وجاں کے یہ تقاضے اس کے ذہنی فیصلے پر غالب آ گئے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ

تمام واقعات کی حقیقت معلوم کر کے اپنا مقدمہ اس انداز میں قانون کے سامنے پیش کرے گا کہ فرقان کے لیے اپنی صفائی پیش کرنا اور زندگی بچانا ناممکن ہو جائے گا۔ اور پھر ابانا پر اس کا اور صرف اس کا تصرف ہوگا۔

اس فیصلے پر پہنچ کر کامران نے اطمینان کا سانس لیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب اس کے منصوبے کے مطابق اس کا اگلا اقدام کیا ہوگا۔

ڈاکٹروں کی جماعت فرقان کا معائنہ کر چکی تھی۔ اور اس وقت ان میں سے ایک ڈاکٹر ابانا اور سلیمہ کے پاس موجود تھا۔ کامران بھی ڈاکٹر کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔

’’مگر ڈاکٹر صاحب......‘‘ سلیمہ نے بھرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ’’میں ان کی بیوی ہوں۔ میں انہیں گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ اس میں آپ کو مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔‘‘

’’مجھے افسوس ہے۔‘‘ اکٹر اجمل نے کہا۔

’’آپ ہمیں ڈاکٹر فرقان سے ملنے کی اجازت تو دیدیں۔‘‘

’’ہاں یہ ممکن ہے۔ مگر آپ پانچ منٹ سے زیادہ اندر نہیں رہیں گی۔ ڈاکٹر فرقان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں آپ انہیں کھولنے کی کوشش بھی نہیں کریں گی۔‘‘

سلیمہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابانا بھی اس کے ساتھ اٹھی تھی۔

’’یہ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتیں۔‘‘ ڈاکٹر نے سلیمہ سے کہا۔

’’جانے دیجئے ڈاکٹر......‘‘ کامران نے کہا۔ ’’ابانا کوئی اجنبی عورت نہیں ہے ڈاکٹر فرقان کے لیے۔ یہ اس کی مریضہ ہے۔‘‘

چنانچہ ان دونوں کو فرقان کے کمرے کی طرف لے جایا گیا...... کمرے میں داخل ہونے سے پیشتر ڈاکٹر اجمل نے سلیمہ کو پھر خبردار کیا کہ وہ ان ہدایات پر سختی سے عمل کرے جو اسے دی گئی ہیں۔

OOO

فرقان کی حالت دیکھ کر ابانا اور سلیمہ دونوں پر مختلف ردعمل ہوا۔

فرقان کے ہاتھ پیروں کو سفید سوت کی رسی کی مضبوط بندشوں سے مسہری کے چاروں پایوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ حدت سے اس کے بدن کا روم روم جھلس رہا تھا۔ وقفے وقفے سے اس کے اندر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی تھی اس کے جسم میں لرزش پیدا ہوتی اس کے تمام اعضاء میں اینٹھن پیدا ہوتی اور اس کے جسم کی ایک ایک نس رسی کے بلوں کی مانند ابھر آتی۔ اس کے جسم کی حالت اس بند بوتل کی سی تھی۔ جس میں مسلسل گیس پیدا ہو رہی ہو۔ اور اس کیفیت میں فرقان کو یوں لگ رہا تھا گویا کسی بھی لمحے اس کا جسم بھک سے اُڑ جائے گا۔ اور اس کے تمام اعضاء ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر جائیں گے۔ وہ اس ناقابل برداشت کرب سے بے حال ہو گیا تھا۔ جسم کے ہر حصے پر پسینے کی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

فرقان کی یہ کیفیت دیکھ کر سلیمہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شدت جذبات اور بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھوں کو نم کر دیا تھا۔ وہ کتنی بے بس تھی کہ فرقان کے لیے کچھ نہ کر سکتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے فرقان کی اس کربناک کیفیت کو پوری طرح محسوس کر لیا تھا۔ اور وہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ فرش نے گویا اس کے پیر پکڑ لیے تھے اور غیر یقینی کیفیت اس کے پاؤں کی زنجیریں بن گئی تھیں۔

اور ابانا..... فرقان کی حالت دیکھ کر اس کے چہرے پر نفرت انگیز آسودگی کی مسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی تھی۔ ''تمہاری یہی سزا ہے.....'' اس نے اپنے دل میں کہا۔ ''تم نے مجھے بے حد دکھ پہنچایا ہے فرقان..... تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا تھپڑ میرے اندر کتنے کچوکے لگا گیا ہے۔ میں ان کچوکوں کو برداشت کر رہی ہوں..... لیکن تم انسان ہو کر اپنی خواہشات کے بوجھ کو برداشت نہیں پاتے۔ آخر انسان ہو۔ کمزور ذہن مخلوق..... تم نے طاقت کو ذہن کا تابع بنا لیا۔ لیکن اپنی کمزوریوں پر قابو نہ پا سکے۔'' ابانا اپنی جگہ کھڑی رہی اور بڑی بے تعلقی سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

سلیمہ نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ اور یوں اس کے حلق سے ابھرنے والی چیخیں گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ پھر وہ بے تابی سے فرقان کے پاس پہنچ گئی۔ اور بلکتی ہوئی اس پر گر گئی۔ اس کے سر کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں فرقان؟'' اس نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

مگر فرقان کو اس وقت سلیمہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ وحشت زدہ سرخ سرخ آنکھوں سے ابانا کو دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں میں رحم کی بھیک تھی۔ ''ابانا..... ابانا.....'' وہ گڑگڑایا۔ اسے یوں لگا گویا اس کی کنپٹیاں جسم میں پھیلتے ہوئے غبار سے پھٹ جائیں گی۔ ''ابانا..... ابانا.....'' وہ بلبلا اٹھا۔ ''مجھے تیری ہر بات منظور ہے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

مگر ابانا اس وقت گونگی اور بہری ہو گئی تھی۔ اس نے فرقان کی التجا سنی تھی۔ اور اٹھلاتے ہوئے بڑی ادا سے قدم اٹھا کر وہ کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''ابانا.....'' فرقان پھر مچلا۔ اور اتنی شدت سے کہ کلائیوں پر رسی کی گرفت کی رگڑ سے خون چھلک آیا۔''

بے بسی اور مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ سلیمہ بپھری ہوئی اٹھی۔ اور اس نے ابانا کے دونوں بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ اس وقت بے حد غصے میں تھی۔ ''ابانا.....'' سلیمہ کے ہونٹوں سے جھاگ سا آ گیا۔

سلیمہ کے جی میں آئی کہ وہ ابانا کے بال اور اس کا منہ نوچ ڈالے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پر عمل کرتی اسے یہ خیال بھی آیا کہ فرقان کو اس کیفیت سے صرف ابانا ہی نکال سکتی ہے۔

''ابانا.....'' وہ پھر چیخی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ناراضگی سے، اس کی التجا کر کے، خوشامد کر کے کسی نہ کسی طرح ابانا کو راضی کرے گی۔ مگر ابانا اس وقت پتھر بن گئی تھی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اور کھڑکی کے باہر پھیلے ہوئے پہاڑی منظر کو دیکھتی رہی۔

''بارش کے بعد پہاڑوں کا حسن نکھر آتا ہے۔'' ابانا نے بے خیالی کے انداز میں کہا۔

''ابانا.....'' سلیمہ نے پھر اس کے بازو جھنجھوڑ ڈالے۔ ''ادھر دیکھو۔''

''کہو.....'' ابانا نے سلیمہ کی طرف دیکھا۔ سلیمہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ''ابانا.....'' اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ''فرقان کو ٹھیک کرو..... میری خاطر ٹھیک کر دو.....'' وہ ابانا کے پیروں پر گر گئی۔ ''میں تم سے بھیک مانگتی ہوں۔ فرقان کو ٹھیک کر دو.....''

سلیمہ کا یہ انداز ابانا کو بے چین کر گیا۔ اور اس نے بڑے دکھ سے کہا۔ ''کاش تم میری بے بسی اور فرقان کے ہاتھوں میری بے عزتی پر بھی اتنی ہی بے قرار ہوتیں۔''

ابانا کے اس دکھ بھرے جملے کا سلیمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ یونہی کھڑی سسکیاں لیتی رہی۔ البتہ ابانا کے بازوؤں پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ ابانا سلیمہ کو دیکھتی رہی پھر اس نے اداس لہجے میں کہا۔ ''تم انسان بڑے ظالم اور کٹھور ہوتے ہو۔ ہم جانوروں کو اپنی دل بستگی کا سامان بناتے ہو.....''

''میں تم سے کچھ نہیں مانگتی ابانا.....'' سلیمہ نے کہا۔ ''لیکن فرقان کو اگر کچھ ہو گیا تو سلیمہ

بھی اس دنیا میں نہیں رہے گی۔''

''تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو......'' ابانا نے اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ ''فرقان ٹھیک ہو جائے گا۔''

ان کی یہ گفتگو بہت دھیمے لہجے میں ہوئی تھیں۔ اور اس کی وجہ خود ابانا کا لہجہ تھا۔ ان کی آواز سرگوشیوں سے زیادہ بلند نہیں ہوسکی تھی۔ اور کامران دروازے کے باہر کھڑا ہوا باوجود کوشش کے ان کے درمیان ہونے والے مکالمے نہ سن سکا تھا اور بے تابانہ انداز میں ہاتھ مل رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ان تمام واقعات میں ابانا اور صرف ابانا کا ہاتھ ہے۔ یہ ایک ایسی بات تھی کہ دوسروں کے سامنے اس کے بارے میں لب کشائی کرنا خود اس کے نزدیک اپنے آپ کو نکو بنانا تھا۔ بھلا کون اس کی اس بات پر یقین کرسکتا تھا۔ اور اگر وہ دوسروں کو اس پر قائل کر بھی لیتا تو خود ابانا اس کی پہنچ سے باہر ہو جاتی۔ چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اس نے تمام واقعات کا ذمہ دار فرقان کو ٹھہرانے کے لیے پہلے جو منصوبہ تیار کیا تھا۔ اسی کو عملی جامہ پہنائے۔ یہاں اس کے لیے کوئی کام نہیں رہا تھا۔ سو وہ وہاں سے کھسک گیا۔ اور اپنے منصوبے کی تکمیل کی جانب پہلا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

اندر کمرے میں ابانا اب بھی سلیمہ کو دلاسے دے رہی تھی۔ اور سلیمہ کی سسکیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

''میں تم سے کچھ نہیں چاہتی۔ میں تم سے یہ بھی نہیں کہتی کہ تم فرقان کو ٹھیک کر دو تم اگر میرا تماشا دیکھنا چاہتی ہو تو یوں ہی سہی۔'' سلیمہ نے ہچکیوں سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔''

ابانا نے سلیمہ کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔ ''میں تمہارے لئے خود تماشہ بننے کے لیے تیار ہوں سلیمہ! مگر اس وقت صرف ایک شرط ہے۔''

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' سلیمہ نے عجلت میں کہا۔

''میں تمہاری اس کھلی پیش کش سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گی۔'' ابانا نے کہا۔ ''حالانکہ ہم جس مخلوق کے خاندان سے ہیں اس کے نزدیک جائز و ناجائز اچھا اور برا یہ تمام الفاظ بے معنی ہیں۔''

''تم اپنی شرط بتاؤ......'' سلیمہ نے کہا۔ ''ویسے بغیر بتائے بھی تم جو چاہے کرسکتی ہو۔''

''مگر میں تمہارے سامنے مجبور ہو جاتی ہوں۔'' ابانا نے کہا۔ ''میں اپنی اسی کمزوری پر بعض اوقات بے حد کڑھتی بھی ہوں۔ میں صرف اتنا چاہتی ہو کہ فرقان ٹھیک ہو جائے۔ اور اس کے بعد کامران جب اس کے مقابلے پر آئے تو تم فرقان کی حمایت مجھ سے نہ کرو...... فرقان نے جو تکلیف مجھے پہنچائی ہے میں ابھی تک اس کی کسک اپنے پورے وجود میں محسوس کر رہی ہوں۔ کامران کو میں نے اپنے لیے پسند کرلیا ہے۔ یہ میری اپنی پسند ہے۔ وہ مجھے حاصل کرنے کے لیے فرقان کے خلاف کھل کر میدان میں آئے گا۔ فرقان کو اپنی عقلمندی پر بڑا مان ہے کامران کی ذہانت اس کے ساتھیوں میں ضرب المثل ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کامران کا پلہ اس میں فرقان کے مقابلے میں کسی

طرح کمزور نہ پڑے گا۔ تم اس مقابلے کو میری طرح خاموش تماشائی کی طرح دیکھنا اور مجھ سے فرقان کی مدد کے لیے نہ کہنا۔''

سلیمہ اس کی یہ تمام باتیں سنتی رہی۔ فی الحال اس کے نزدیک سب سے بڑی اور اہم بات یہ تھی کہ فرقان موجودہ جنونی کیفیت سے نکل آئے۔ مگر ساتھ ہی ابانا نے فرقان اور کامران کے مقابلے کے جن امکانات کا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے ایک لمحہ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اور پھر اس نے کہا۔

''اس سلسلے میں میری بھی ایک شرط ہے۔'' معاملہ جب شرط کا ہی تھا تو وہ بھی اپنی طرف سے جوابی شرط عائد کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ ''بتاؤ......''

''تم نے میرا ذہن پڑھ لیا ہوگا۔'' سلیمہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تمہارے معاملے میں، میں اپنی یہ صلاحیت کم سے کم استعمال کرتی ہوں۔ ابانا نے کہا۔ ''یہ بات میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔''

''میری شرط یہ ہے کہ کامران اور فرقان کے مقابلے میں تم بھی کامران کی مدد نہیں کرو گی۔'' سلیمہ نے کہا۔

''مجھے یہ شرط منظور ہے۔'' یہ کہہ کر ابانا نے سلیمہ کو سہارا دے کر کرسی پر بٹھا دیا۔

''فرقان اس وقت بھی وحشت زدہ انداز میں ٹکر ٹکر ابانا کو دیکھے جا رہا تھا۔ بار بار اس کا جسم بل کھا کر رہ جاتا تھا۔ لیکن اس کی زبان پر گویا کسی نے قفل لگا دیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ گویا اس کے حلق میں کسی نے گوڈر ٹھونس دیا ہو۔ زبان الفاظ ادا کرنے سے اور حلق آواز نکالنے سے قاصر تھا۔

''فی الحال تم فرقان کو گھر لے چلنے کا انتظام کرو'' ابانا نے سلیمہ سے کہا۔

''مگر اس صورت میں کون اسے لے جانے دے گا......؟'' سلیمہ نے بے بسی سے کہا۔

''مت بھولو کے ابانا تمہارے ساتھ ہے۔''

اور اس کے بعد جو کچھ ہوا چند لمحوں کی بات تھی۔ ابانا نے منہ میں کچھ پڑھ کر فرقان کے جسم پر پھونکیں مارنا شروع کر دیں۔ ہر پھونک کے ساتھ فرقان کے جسم میں ٹھنڈک اترتی جا رہی تھی۔ پھر اس ٹھنڈ نے اس کے تمام وجود کو یخ کر دیا اس کے جسم کی آگ پر پھونکوں کی ٹھنڈک نے راکھ جما دی تھی۔ اور ٹھنڈک نے اس کو ایسا سکون بخشا کہ وہ رفتہ رفتہ نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

بے ہوش فرقان کا سینہ دھونکنی کی طرح جل رہا تھا۔ سانس کی آمد و رفت بے حد تیز تھی گویا کئی میل دوڑنے کے بعد وہ تھکن سے نڈھال گر کر بے ہوشی کی گہری نیند سو رہا ہو۔ اس کے چہرے سے ناآسودہ جذبات کی تمتماہٹ ختم ہوگئی تھی اور تمام جسم سرد تھا۔

''جاؤ...... دروازہ کھول دو اور ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ فرقان کو ابھی حویلی لے چلو...... عثمانی اس سلسلے میں تمہاری مدد کرے گا۔''

''اور وہ کامران......'' سلیمہ نے کہا۔

''وہ فرقان سے مقابلے کی تیاری کے لیے شہر میں مارا مارا پھر رہا ہوگا۔'' ابانا نے بڑے تیکھے انداز میں کہا تھا۔

☆......☆

رات بڑی بھیانک تھی۔ سیاہ بادلوں نے سرشام ہی آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ اور شمال کی طرف سے سرد ہوا کے جھکڑ رفتہ رفتہ تیز ہو کر طوفان میں تبدیل ہو گئے تھے۔ آسمان پر بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ اور بار بار برق آسمانی کے کوندے لپک لپک کر تیرہ و تار ماحول کو روشن کر جاتے تھے۔ اس ماحول میں دو نسوانی سائے فرقان کی حویلی سے نکل کر ایک کوس پر واقع دیہی آبادی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ان میں سے ایک سایہ سلیمہ اور دوسرا ابانا کا تھا۔ اور وہ دونوں کا انتظام کرنے نکلی تھیں۔

سلیمہ کو مجبوراً اس مہم پر نکلنا پڑا تھا۔ ہسپتال سے انہیں کسی مخالفت کے بغیر فرقان کو گھر لانے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ اور سلیمہ کو یقین تھا کہ انہیں اس فیصلے پر ابانا نے اپنی انجانی اور مافوق الانسانی قوت کے ذریعہ مجبور کیا ہوگا۔ ورنہ وہ ڈاکٹر جو انہیں فرقان کے کمرے میں جانے کی اجازت تک دینے کے روادار نہ تھے۔ بھلا کیونکر اتنی آسانی سے کوئی جرح کئے بغیر فرقان کو گھر لے جانے کی اجازت دے سکتے تھے۔ مگر سلیمہ کو اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ اسے تو بس اس بات سے غرض تھی کہ فرقان کو کسی نہ کسی طرح گھر لے جانے کی اجازت مل جائے جو مل چکی تھی۔

حویلی میں اس کے لیے ایک نئی پریشانی استقبال کے لیے موجود تھی۔ یہ پریشانی پولیس پارٹی کی شکل میں تھی۔ پھر اس نے فون پر پولیس سے اس پر سخت احتجاج کیا تھا مگر اس کے تمام احتجاج بے کار گئے۔ دوسری طرف سے یہی جواب ملا تھا۔ ''آپ اس سلسلے میں کامران صاحب سے بات کیجئے۔''

''وہ کہاں ملیں گے۔'' سلیمہ نے کہا تھا۔

''مجھے اس سلسلے میں کچھ علم نہیں......'' انسپکٹر شاہد نے کہا تھا۔

''آپ اپنے لئے پریشانیاں مول لے رہے ہیں۔''

''میں تو معمولی ماتحت ہوں مسز فرقان......'' انسپکٹر شاہد نے کہا تھا۔ ''کامران صاحب کے حکم کے بغیر پولیس پارٹی نہیں ہٹائی جاسکتی۔''

''تو پھر مجھے بتاؤ کامران کہاں ہے؟'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

''میں نے آپ کو بتایا نا کہ وہ مجھے کچھ بتا کر نہیں گئے۔''

''وہ جیسے ہی واپس آئے مجھے فون کرائیے۔'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ پھر وہ پیر پٹختی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

''یہ ڈرائنگ روم تمہاری ملکیت نہیں ہے سمجھے۔ چلو اٹھو باہر پورچ میں اپنا ڈیرا جماؤ۔''

پولیس پارٹی کے سربراہ نے کہا۔ ''مگر باہر بے حد سردی ہے۔''

''میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں۔ جن لوگوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے وہی تمہاری سردی دور کرنے کا بھی انتظام کریں گے۔''

اور پھر جب تک پولیس پارٹی باہر نہیں چلی گئی۔ سلیمہ انہیں یونہی برا بھلا کہتی رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سلیمہ پر غصہ اور جھنجھلاہٹ طاری تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ فرقان کو ٹھیک کرنے کے بارے میں وہ خود کو جس قدر بے بس تصور کر رہی تھی۔ اس نے اسے بے حد جھنجھلا دیا تھا۔ وہ اس سلسلے میں ابانا پر اپنی جھلاہٹ کا اظہار کر کے اپنے لیے مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

دن جوں توں کر کے کسی طرح تمام ہوا۔ رات آئی تو پولیس پارٹی بدل گئی۔ اس عرصے میں اس نے کئی مرتبہ انسپکٹر شاہد کو فون کیا تھا۔ مگر کامران کا کوئی پتہ نہیں مل رہا تھا۔ ''آخر وہ کہاں جا مرا ہے؟'' اس نے آخری مرتبہ بڑی برہمی سے پوچھا تھا۔ اور ریسور پٹخ دیا تھا۔

ابانا حویلی میں واپس آکر انجان بن گئی تھی اور سلیمہ اپنے طور پر عمل کرنے میں آزاد تھی۔

رات ہوئی تو ابانا نے سلیمہ کو بتایا کہ بوڑھے کی خباثت سے سلیمہ کو بچانے کے لیے انہیں ایک عورت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اور اس کے لیے آج کی رات مناسب تھی۔ سلیمہ کیا جواب دیتی۔ وہ تو بے بس تھی۔ اُس نے خود کو ابانا کے حوالے کر رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے تم جیسے چاہو کرو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' سلیمہ نے کہا۔

''تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کام میں تمہارا حصہ لینا تمہیں خبیث بوڑھے کے ناپاک عزائم کی بھینٹ چڑھنے سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔ یوں سمجھو کہ تم اپنی جگہ ایک دوسری عورت کی قربانی پیش کرو گی۔'' ابانا نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ ''اب وقت ہو چکا ہے اب ہمیں نکلنا ہے۔''

''اور یہ پولیس......؟'' سلیمہ نے کہا۔

''پولیس ابانا کو آنے جانے سے نہیں روک سکتی۔'' ابانا کا جواب تھا۔

اور جو کچھ ابانا نے کہا تھا وہ من و عن سچ ثابت ہوا۔ جس وقت وہ حویلی سے باہر نکلی تھیں تمام پولیس پارٹی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ سردی کے باوجود گہری نیند سو رہے تھے۔

''تم بہت ظالم ہو۔ بے چاروں کو باہر سردی میں بٹھا رکھا ہے۔'' ابانا نے اس سے کہا تھا۔

''میں ان کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی۔'' سلیمہ نے کہا۔

''اور مجھے دیکھو...... میں نے ان بے چاروں کو سردی کی کلفت سے بچانے کے لیے سلا دیا ہے۔'' ابانا کی مترنم ہنسی ہوا میں تیر گئی۔

اس لمحے اچانک سلیمہ کو خیال آیا کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں کامران کا فون آیا اور حویلی سے جواب نہ ملا تو وہ بھاگا بھاگا حویلی پہنچے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ پھر کیا ہوگا؟ اور یہی سوال اس نے ابانا سے کر دیا۔

"کامران کل صبح سے پہلے اس حویلی میں نہیں آ سکتا۔" ابانا نے کہا۔ "میں تمہیں کسی طرح بھی کامران کے ہاتھوں پریشان نہیں ہونے دوں گی۔"

سلیمہ کے ذہن میں دن بھر کے تمام واقعات برق کے کوندے کی مانند لپکے تھے۔ اور اس نے ابانا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ "ابانا......" اس نے سردی سے کپکپاتے ہوئے کہا تھا۔ "کامران اور فرقان کے مقابلے میں کون جیتے گا۔"

"غیب کی باتیں میرے علم میں نہیں ہیں سلیمہ......" ابانا نے کہا۔ "یہ مقابلہ دو نہایت ذہین اور عیار انسانوں کے درمیان ہوگا۔ اور میں اس مقابلے میں کامران کی مدد نہیں کروں گی۔ اور تم نے وعدہ کیا ہے کہ اگر فرقان اس مقابلے میں کمزور رہا تو تم مجھ سے اس کی سفارش نہیں کروگی۔"

"تو تمہیں یقین ہے کہ کامران فرقان پر حاوی آجائے گا۔ جبھی تو تم نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے۔"

"دو پہلوانوں کے مقابلے میں ایک یقیناً ہارتا ہے اور میں نے ایک پر شرط لگائی ہے۔" ابانا نے جواب دیا۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ کامران جیتے گا۔" سلیمہ نے پھر کہا۔

"شرط یقین کے تحت ہی لگائی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ محض امکان ہوتا ہے۔" ابانا نے پھر گول مول جواب دیا۔

پھر سلیمہ نے ابانا سے اس مسئلے پر کوئی بات نہ کی۔ رات بڑی بھیانک تھی۔ سیاہ بادلوں نے سرِ شام ہی آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ اور شمال کی طرف سے سرد ہوا کے جھکڑ رفتہ رفتہ تیز ہو کر طوفان میں تبدیل ہوگئے تھے۔ آسمان پر بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ اور بار بار برق آسمانی کے کوندے لپک لپک کر تاریک ماحول کو روشن کر جاتے تھے۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ اور وہ ابانا کے ساتھ تیزی سے گاؤں کی آبادی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت جب وہ پیپل کے درخت کے نیچے سے گذریں تو درخت پر بیٹھے ہوئے الو نے بڑی بھیانک آواز میں چیخ ماری اور پھڑ پھڑا کر رات کے تاریک آسمان میں کسی سمت اڑ گیا۔ الو کی چیخ اتنی خوفناک تھی کہ سلیمہ کو اپنی رگوں میں خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے سہم کر ابانا کا ہاتھ تھام لیا۔ "ابانا......" اس نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

مگر ابانا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اب وہ پگڈنڈی کے ساتھ لگے ہوئے درختوں کے نیچے سے گذر رہی تھیں۔ ان درختوں کی پتیاں خزاں کی سرد ہواؤں نے ایک ایک کر کے علیحدہ کر دیں تھیں۔ بجلی چمکی اور ان درختوں کی شاخیں ایک لمحے کے لیے خوفناک جالوں کی مانند روشن پس منظر میں اجاگر ہوگئیں اچانک گیدڑوں نے رونا شروع کر دیا۔ درختوں کی ننگی شاخوں میں بنے ہوئے گھونسلوں میں پھڑ پھڑاہٹ شروع ہوگئی اور پرندے ہولناک آوازوں میں چیخنے لگے۔ بھیڑیوں کی آوازیں فضا میں تیرنے لگیں اور بستی کے آوارہ کتوں نے رونا شروع کر دیا۔ جانوروں کی یہ چیخ و پکار تیز و تند ہواؤں کے دوش پر ماحول میں آوارہ ہوگئی۔ اور سلیمہ کے سینے میں اس کا دل خوف سے

ٹھٹھر کر رہ گیا۔

"ابانا......" سلیمہ نے کہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ مگر ابانا اسی لمحے اس سے دو قدم آگے پہنچ گئی تھی۔

"ابانا......" وہ اس کے پیچھے بھاگی...... فضا میں جانوروں کے رونے اور پرندوں کے چیخنے کی آوازیں اور تیز ہوگئیں۔ سلیمہ نے تیزی سے لپک کر ابانا کا ہاتھ تھام لیا۔

لیکن اس کے بعد سلیمہ کے پیر گویا زمین نے پکڑ لیے۔ اس کا دل خوف سے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس کا وجود سردی کے باوجود خوف سے پسینے میں نہا گیا۔ اس نے جو ہاتھ تھاما تھا وہ سوکھی لکڑی کی مانند ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آرہا تھا۔ اور اس نے خوف سے اس ہاتھ کو جھٹک کر پھینکنا چاہا تھا تو اس کے ہاتھ کی گرفت نے کھلنے سے انکار کر دیا تھا۔ سوکھے ہوئے ہاتھ کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ایک خوفناک چیخ فضا میں گونجی۔ یہ چیخ ایک نہیں تھی سلیمہ کو ایسا لگا تھا گویا سینکڑوں بلاؤں نے اس کے گرد کھڑے ہو کر چیخنا اور بلبلانا شروع کر دیا ہو۔ اس کے حواس نے جواب دے دیا۔ اور ٹھیک اس لمحے جب وہ خوف کے اس شدید دباؤ سے بے ہوش ہو کر گرنے والی تھی اسے اپنا وجود ایک گہرے کنوئیں کی تہہ کی طرف گھومتا ہوا نیچے جاتا محسوس ہو رہا تھا۔ کسی نے اسے سہارا دیا۔

"سلیمہ......" ابانا نے سرگوشی کی۔ اور اس کے ہاتھ سے سوکھا ہوا ہاتھ علیحدہ کر دیا۔

سلیمہ اس سے لپٹ گئی۔ ابانا کے لمس نے اس کے ذہن کو سکون بخشا تھا۔ "تم...... تم کون ہو۔"

"ابانا......"

"اور وہ......" سلیمہ نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا۔

"بابا نے حملہ کیا تھا۔" ابانا نے کہا۔ "مگر میں نے اس کا حربہ ناکام بنا دیا ہے۔ اس کے کارندے کا ہاتھ ٹوٹ چکا ہے۔"

سلیمہ اس سے چمٹی ہوئی تھی۔ "واپس چلو ابانا......" اس نے گھبرا کر کہا۔

"حوصلہ...... ہار گئیں۔" ابانا نے اس سے کہا تھا۔ "تمہیں بابا کی گندی خواہشات سے نجات حاصل کرنی ہے۔ ذرا ہمت سے کام لو۔"

ابانا نے اُس کو ہمت دلائی تو سلیمہ اس مہم کی تکمیل پر رضامند ہوگئی۔ مگر جو خوف اس کے وجود میں جاگزیں تھا۔ اس نے اس کے جسم سے تمام طاقت نچوڑ لی تھی۔

"تم کہاں چلی گئی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں بابا کے حملے کا جواب دینے کے لیے تم سے علیحدہ ہوئی تھی اور اسی لمحے اس کے ہرکارے نے میری جگہ لے لی تھی۔ مجھے شرمندگی ہے کہ تمہیں بلاوجہ اس تجربے سے گزرنا پڑا۔"

پھر سلیمہ کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا تھا۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ ابانا نے اسے اپنی آغوش میں لے کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا۔ "میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ تمہارے کام آرہی ہوں۔" ابانا کی

مترنم آواز گونجی تھی۔ سلیمہ کو اپنی سدھ بدھ نہ رہی تھی۔

☆......☆

پھر سلیمہ نے خود کو اپنی مسہری پر لیٹے پایا تھا۔ اور ایک لڑکی اُس کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ ابانا مسہری کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے سلیمہ کو بتایا کہ یہ قریب کی بستی کی ایک کسان گھرانے کی لڑکی ہے۔ جس کا نام موتیا ہے۔ اور اب اس کی دیکھ بھال کرنا اور اس کی حفاظت وغیرہ سلیمہ کی اپنی ذمہ داری تھی۔ ابانا نے اُسے صاف بتا دیا تھا کہ وہ آئندہ اس لڑکی کے معاملے میں بھی سلیمہ کی مدد کرنے سے قاصر رہے گی۔ جیسا کہ وہ فرقان کے معاملے میں لاتعلق رہے گی اسی طرح اس لڑکی کے معاملے میں بھی خاموش رہے گی۔ اور سلیمہ کی کوئی مدد نہ کر سکے گی۔ اُس نے کہا کہ یہ اُس کی مجبوری ہے۔ کیونکہ اب فرقان اور کامران کے درمیان کھیل شروع ہو چکا تھا۔

سلیمہ نے ابانا سے فرقان کے بارے میں پوچھا کہ وہ اُسے کب ٹھیک کرے گی۔ اس پر ابانا نے بتایا تھا کہ فرقان اب ٹھیک ہو چکا ہے۔ اُس کی ذہنی حالت ٹھیک ہو چکی اور اب صرف لمبی نیند لے رہا ہے۔ کیونکہ اُسے اس کی ضرورت تھی۔

باہر صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ سلیمہ کا ذہن رات بھر کی بیداری کی وجہ سے بوجھل ہو گیا تھا۔ اس نے فرقان کو بیدار کرنے کی کوشش کی جو کئی دنوں جاگنے کے بعد گہری نیند سو رہا تھا۔ سلیمہ نے اسے جھنجھوڑا۔ اس کے چہرے کو آہستہ سے تھپتھپایا لیکن فرقان کی نیند ختم نہ ہوئی۔ تنگ آ کر اس نے فرقان کو یونہی چھوڑ دیا۔ اب اس کے سامنے موتیا کا مسئلہ تھا۔ وہ موتیا کو کیونکر چھپائے۔ موتیا کو تہہ خانے میں اٹھا کر لے جانا اس کے بس میں نہ تھا۔ اور کمرے میں موتیا کو رکھنا خطرناک تھا۔ باہر پولیس پارٹی موجود تھی اور کامران کسی بھی لمحے حویلی میں آ سکتا تھا۔

سلیمہ بے حد مضطرب تھی۔ وہ موتیا کو تہہ خانے میں لے جانا چاہتی تھی لیکن فرقان کی مدد کے بغیر اس کے لیے ایسا کرنا تقریباً ناممکن تھا اس نے پریشانی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر فرقان کو جھنجھوڑا مگر بے سود۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ خطرہ تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ سورج کی پہلی کرن کھڑکیوں پر لرز رہی تھی۔ سلیمہ نے جلدی جلدی موتیا کے ہاتھ پیر دوپٹوں سے باندھ دیئے اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے آہستگی سے دونوں مسہریوں کے نیچے لٹا دیا اور اس پر ایک کمبل ڈال دیا۔ اس وقت یہی ترکیب اس کی سمجھ میں آئی تھی۔ مسہری سے فرش تک لٹکتی ہوئی چادروں کی وجہ سے موتیا کا نظر آنا ناممکن تھا۔ موتیا اب بھی بے ہوش تھی۔

موتیا کو وہ مسہریوں کے نیچے لٹا کر اٹھی ہی تھی کہ اسے دستک سنا دی۔ ساتھ ہی اسے اپنے ملازم کی آواز سنائی دی۔ سلیمہ نے فرقان کے جسم پر کمبل ڈال دیئے اور نیند میں ڈوبی ہوئی آواز بنا کر کہا۔ ''ناشتہ تیار کرو۔ میرا اور ابانا کا۔ ڈاکٹر صاحب کے لیے دودھ گرم کر دینا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی مسہری پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ ان حالات میں اب اس کا آئندہ

اقدام کیا ہونا چاہئے۔

☆......☆

خلاف توقع کامران سہ پہر تک نہیں آیا۔ اس عرصے میں کئی مرتبہ اس نے تھانے ٹیلیفون کیا لیکن ہر مرتبہ اسے کامران کی تلاش کرنے میں ناکامی ہوئی۔ دو تین مرتبہ اس نے کامران کی کوٹھی پر بھی فون کیا تھا مگر دوسری طرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ ابانا ناشتہ کرنے کے بعد پھر اپنے کمرے میں گھس گئی تھی اور فرقان کی نیند نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ اس وقت بھی گہری نیند سو رہا تھا۔

سلیمہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی پیش آنے والے ممکنہ واقعات، کامران کے سوالات اور اس کی تفتیش کے بارے میں اپنی طرف سے جوابی اقدامات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ فرقان اگر جاگ جاتا تو اس کی بہت سی پریشانیاں ختم ہو گئی ہوتیں۔ اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ فرقان ذہنی طور پر جذبات کی ناآسودگی کے طویل تجربے کے بعد کیسی حالت میں ہے؟ اور پھر اس کی روشنی میں وہ آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل آسانی سے طے کر سکتی تھی۔ اور فی الحال وہ صرف یہی خواہش کر سکتی تھی کہ کاش موتیا کی موجودگی کسی طرح رات تک پوشیدہ رہے اور کسی کو اس کے بارے میں علم نہ ہو سکے۔

اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جس کے لیے وہ اب تک خود کو تیار کرتی رہی تھی۔

وہ شام کی چائے پی رہی تھی کہ ملازم نے آ کر بتایا کہ کامران اس سے ملنا چاہتے ہیں۔

''بلا لاؤ......'' اس نے کہا اور کامران سے پہلی مرتبہ کسی مدد کے بغیر مقابلے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔

کامران اندر آیا اور اجازت لیے بغیر ایک صوفے پر دھنس گیا۔

''چائے لاؤ۔'' اس نے ملازم سے کہا تھا۔

کامران نے کسی تمہید کے بغیر اس سے سوال کیا۔ ''ڈاکٹر فرقان کی طبیعت کیسی ہے؟''

''معلوم نہیں......'' سلیمہ نے کہا۔ ''وہ کل سے ہی سو رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ انہیں بیدار نہ کیا جائے۔ ان کا خود ہی بیدار ہونا بہتر ہے۔''

''ابانا......؟'' اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔'' سلیمہ نے کہا۔

''سو رہی ہے یا اسے آپ نے کمرے میں مقید کر دیا ہے۔'' کامران نے کہا۔

''مجھ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر کامران!'' سلیمہ نے کہا۔ ''آپ کو اگر فرقان یا مجھ پر کوئی شبہ تھا تو صاف طور پر ہم سے بات کر سکتے تھے۔ آپ نے بڑی کمینگی کا مظاہرہ کیا ہے کامران صاحب! اپنے بارے میں ہمیں اندھیرے میں رکھ کر اب اس گھر میں آپ سے بے تکلفی سے بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا سیدھے سیدھے مطلب کی بات کیجئے اور چلتے بنئے۔''

''میں اپنے پیشے کی وجہ سے مجبور ہوں۔''

''میں یہاں آپ کی صفائی سننے کے لیے نہیں بیٹھی ہوں۔ آپ کو اگر مجھ سے کچھ پوچھنا ہے تو سوالات کیجئے۔ میں جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ فرقان سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لیے آپ کو اس کے بیدار ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''میں فرقان کو دیکھ سکتا ہوں...... '' کامران نے کہا۔

''ضرور آپ اپنی تسلی کر لیجئے کہ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔''

کامران نے کچھ نہیں کہا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ سلیمہ کے ساتھ فرقان کے کمرے کی طرف آیا۔ اور سلیمہ کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اندر داخل ہوا۔

فرقان اس وقت بھی اسی بے ہوشی کی گہری نیند میں گم تھا۔ ''جگانے کی کوشش کر لیجئے۔'' سلیمہ نے اس سے کہا۔ ''یا میں کوشش کروں۔

''نہیں آپ ناراض ہوتی ہیں تو رہنے دیجئے۔''

''میری ناراضگی کی پرواہ نہ کیجئے۔'' سلیمہ نے کہا۔ ''آپ لوگوں میں بھلا اتنی شائستگی کہاں ہے کہ دوسروں کی ناراضگی یا ان کے احساسات کا خیال رکھیں۔''

''بڑا غلط تاثر قائم کیا ہے آپ نے ہمارے بارے میں۔''

''یہ تاثر ٹھوس تجربے کے بعد قائم ہوا ہے۔'' سلیمہ نے کہا۔

کامران نے کچھ نہیں کہا۔ وہ فرقان کے پلنگ پر جھک گیا۔ اور غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''واقعی گہری نیند سو رہے ہیں۔''

''اداکاری تو نہیں ہے۔''

کامران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ سلیمہ کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے باہر آئی۔ ''اپنی ابانا کو بھی دیکھ لیجئے۔''

کامران تیزی سے اس کی طرف پلٹا۔ ''میں آپ کے اس جملے کا مطلب نہیں سمجھ سکا؟''

''اتنے معصوم بھی نہیں ہو کہ اس جملے کا مطلب نہ سمجھ سکو...... '' سلیمہ کا لہجہ بڑا کٹیلا تھا۔ ''عورت سے زیادہ مرد کی ہوسناک نگاہوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ اپنی جگہ بہت ذہین ہوں گے لیکن ابانا میں آپ کی دلچسپی میری نظروں سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے ہی ابانا کی خاطر فرقان کو اس حال تک پہنچایا ہے۔ اور اسے اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔''

''یہ بات اگر فرقان مجھ سے کہتا تو میں اسے جواب دیتا۔'' کامران نے کہا۔

''اپنی شرافت اور شریف نفسی کے اظہار کے لیے بالواسطہ طریقہ اختیار نہ کرو۔'' سلیمہ نے کہا۔ ''میں نے کئی مرتبہ تمہیں ابانا کے بے حد قریب دیکھا ہے۔ لیکن میں نے خاموشی روا رکھی

کامران پہلی مرتبہ خود کو بے حد خجل محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پھر سہارا لینا چاہا۔ ''کیا اس لیے کہ آپ کو ابانا سے نفرت ہے۔''

''ہاں مجھے ابانا سے نفرت ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ خوبصورت ہے بلکہ اس لیے کہ وہ کامنی کی ہمشکل ہے۔ کامنی جو فرقان کی بیوی تھی۔ اس کی محبوبہ تھی۔ وہ آج بھی ابانا میں کامنی کا پرتو تلاش کرتا ہے مجھے حسرت ہی رہی کہ کبھی فرقان مجھ پر بھی وہ نظریں ڈالتا جن سے وہ ابانا کو دیکھتا ہے۔'' اس وقت خود سلیمہ کو آپ پر تعجب تھا کہ وہ یہ تمام جھوٹ اتنی کامیابی اور خوبصورتی سے کیسے بول رہی ہے۔ اسے اپنی اس صلاحیت کا پہلی مرتبہ علم ہوا تھا۔ ''کامران صاحب...... '' سلیمہ نے اپنا لہجہ اور گمبھیر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ ایک عورت کا دکھ نہیں سمجھ سکتے۔ میں نہیں چاہتی کہ ابانا اس گھر میں رہے۔ اسی وجہ سے میں نے ہمیشہ ابانا میں آپ کی دلچسپی کو نظرانداز کیا ہے۔ ہمیشہ آپ کو ابانا کے قریب جانے کا موقع دیا ہے۔''

''لیکن میں...... '' کامران نے کچھ کہا۔

''اپنی صفائی پیش نہ کیجئے۔ کامران صاحب...... '' سلیمہ نے کہا۔ ''آپ ابانا کو دیکھنا چاہتے ہیں تو جا کر دیکھ لیجئے۔'' یہ کہہ کر اس نے ابانا کے کمرے کی چابی اس کی طرف پھینک دی۔ ''لیکن یاد رکھئے کہ آپ ابانا کی خاطر فرقان کو پریشان نہیں کر سکتے۔ میں نے ابھی تک یہ بات کسی سے نہیں کہی ہے کہ آپ نے خود فرقان کو اس حال کو پہنچایا ہے۔''

''مجھ پر یہ الزام لگانا غلط ہے۔ مجھے خود ڈاکٹر فرقان کی حالت پر تشویش ہے۔ میں خود انہیں ہسپتال لے کر گیا تھا۔''

''سوال یہ ہے کہ آخر فرقان آپ ہی کو کیوں ملا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس غار میں کیسے پہنچے۔ اور آپ ہی کیوں اس غار میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔''

''محض اتفاق...... '' کامران نے کہا۔

''کیا عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات آپ کامران کو ہسپتال پہنچاتے ہیں اور رات کے آخری حصے میں اس غار میں ہمیں تلاش کر لیتے ہیں۔ افسانوں کی باتیں نہ کیجئے کامران صاحب!...... آپ دو مخالف سمتوں میں ایک ہی رات میں دونوں جگہ کیسے موجود ہو سکتے ہیں۔''

کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ سلیمہ پھر بولی۔ ''آپ فرقان کا پیچھا چھوڑ دیجئے میں اسے بتا دوں گی کہ ابانا کو وہ آپ کے حوالے کر دے......''

''میں سودے بازی کا قطعی قائل نہیں ہوں۔ ایسی بات ہوتی تو آج میں بہت دولت مند ہوتا اور یوں خاک نہ چھانتا پھرتا۔'' کامران کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔

''مگر اس سے پہلے ابانا کبھی آپ کی زندگی میں نہیں آئی ہو گی۔'' سلیمہ کے لہجہ کا تیکھا پن برقرار تھا۔

''میں نے کبھی کسی عورت یا کسی لڑکی کو اتنی اہمیت نہیں دی کہ وہ میرے فرض پر حاوی

جائے۔'' کامران نے سلیمہ کو پے در پے حملوں کا جواب دینے کے تہیہ کرلیا تھا۔ ''ابانا سے مجھے صرف اتنی دلچسپی ہے جتنی کسی عام آدمی کو ہوسکتی ہے۔ اس لیے میرے دل میں ہمدردی کے جذبات ہیں تو اس کی وجہ محض تمہارا اور فرقان کا وہ رویہ ہے۔ جو تم نے ابانا سے روا رکھا ہے۔ وہ ایک ایسی مظلوم عورت ہے۔ جس نے بچپن سے جوانی تک حیوانوں میں پرورش پائی ہے اور اب تم لوگ اسے آداب آدمیت سکھا رہے ہو۔ اس کی حیثیت تمہارے ہاتھوں میں سرکس کے ایک جانور کی مانند ہے جسے سرکس والے اپنی روزی کمانے کے لیے کچھ کرتب سکھاتے ہیں۔ کیا یہ تمام باتیں ایک عام ذی فہم اور ذی شعور شخص کو ابانا میں دلچسپی لینے پر مجبور کرنے کے لیے کافی نہیں۔''

''مجھے سبق نہ پڑھائیے کامران صاحب! دلچسپی اور ہوس میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ابانا میں آپ کی دلچسپی ہوس کی تابع ہے اور اسی بنا پر میں نے آپ کو یہ پیش کش کی ہے۔ آپ فرقان کا پیچھا چھوڑ دیجیے۔ ابانا کو میں آپ کے پہلو میں لاکر بٹھاؤں گی۔''

''فی الحال تو آپ موتیا کو میرے پہلو میں لاکر بٹھادیں تو بہتر ہوگا۔''

''موتیا......'' سلیمہ کے ہونٹوں سے یہ نام حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ صرف ایک لمحہ جس میں اس نے سوچا کہ کامران کو موتیا کے بارے میں کیونکر علم ہوا اور وہ کیوں اس سے موتیا کے بارے میں ایسا کہہ دیا ہے۔ لیکن دوسرے ثانیہ میں کامران کی اصل حیثیت اس کے ذہن میں ابھری۔ سر غراساں کامران جو اس علاقے میں ہونے والی پراسرار اموات کی تفتیش کے سلسلے میں مرکز کی جانب سے اس پہاڑی شہر میں ڈیڑہ جمائے ہوئے بیٹھا ہے۔ اور موتیا کی گمشدگی کوئی ایسی بات نہ تھی جو کسی سے پوشیدہ رہ سکتی ہو۔ خود فرقان کے خانساماں نے آج دوپہر کے کھانے پر اسے موتیا کی گمشدگی کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''بیگم صاحبہ یہاں بڑی عجیب عجیب باتیں ہونے لگی ہیں۔ آج تک اس قصبے میں ایسی باتیں کبھی سننے میں نہیں آئیں جو اب دیکھنے میں آرہی ہیں۔'' تو یہ بات بھلا کامران سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔ اس نے سوچا تھا اور اس سلسلے میں وہ کامران کے اگلے جملے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ اس ایک لمحہ میں اس نے خود کو کامران سے مقابلے کے لیے تیار کرلیا تھا۔

''موتیا... کا نام سن کر آپ چونک کیوں پڑیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''کیا موتیا نام آپ نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔''

''میں اپنے کتے کو پیار سے موتیا کہتی ہوں۔ وہ اب بھی آپ کو ابا جان کے گھر پر مل جائے گا۔ چونکی میں اسی لیے تھی کہ آپ موتیا کا ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ کیا وہ غائب ہوگیا ہے۔ ہائے کتنا اچھا تھا وہ...'' یہ کہہ کر وہ فون کی طرف لپکی۔

''کہاں جارہی ہیں۔''

''ابا جان کو فون کرنے..... ہائے میرا موتیا......'' سلیمہ کے لہجے میں انتہائی بے ساختگی تھی۔

''میں اس موتیا کے بارے میں نہیں پوچھ رہا ہوں۔'' کامران نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ سلیمہ کے پہلے ردعمل سے جو امید اسے بندھی تھی وہ بعد میں سلیمہ کی وضاحت سے دم توڑ گئی تھی۔ اس نے موتیا کے بارے میں سلیمہ سے بڑے ڈرامائی مرحلے پر سوال کیا تھا۔ موتیا کی گمشدگی کے بارے میں اسے آج دوپہر اطلاع ملی تھی۔ اور اس نے سوچا تھا ممکن ہے اس کی گمشدگی کا تعلق بھی فرقان، ابانا اور فرقان کی کوٹھی سے ہو۔

''تو آپ کس کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔'' سلیمہ نے پلٹ کر کہا۔

''موتیا ایک لڑکی کا نام ہے۔''

''وہ جو آج بستی سے گم ہوئی ہے۔ یاد آیا مجھے خانساماں نے بتایا تھا اور میرا اس سے کیا تعلق......''

''ممکن ہے فرقان سے کوئی تعلق ہو......''

''تو کیا آپ اب فرقان پر اغوا کا الزام بھی لگائیں گے۔'' سلیمہ بپھر گئی۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنے نیچ اور کمینے بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ فرقان کل سے اب تک گہری نیند سو رہا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ رات بھر تم نے اپنے کتوں کو ہماری نگرانی کے لیے یہاں تعینات کر رکھا تھا تم اس پر یہ الزام لگا رہے ہو۔ شرم آنی چاہئے مسٹر کامران، محبت میں آدمی کو اتنے گھٹیا پن پر اترنا نہیں چاہئے۔''

''میں اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کرسکتا۔'' کامران نے کہا۔

''تو آپ یہ کیسے توقع کرتے ہیں کہ میں اپنے شوہر کی توہین برداشت کرلوں گی۔'' سلیمہ نے نہایت ترش روئی سے کہا۔ اور ایک کتاب زور سے میز پر پٹخ دی۔

''میں نے کسی کی کوئی توہین نہیں کی۔'' کامران نے سخت لہجے میں کہا۔

''ایک تو اغواء کا الزام لگا رہے ہیں اور کہتے ہو توہین نہیں کی ممکن ہے تمہاری لغت میں یہ کوئی بڑا کارنامہ رہا ہو۔''

''اغواء کا لفظ آپ نے استعمال کیا ہے مسز فرقان......'' کامران کا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔

''میں نے تمہارے سوال کے اصل مفہوم کو صحیح لفظ دیا ہے مسٹر کامران! الفاظ کو گورکھ دھندے سے اپنی ریاکاری پر پردہ نہ ڈالو۔''

''میں جارہا ہوں۔'' کامران نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے بہت سوں کو دیکھا ہے۔''

''دھمکی دے رہے ہو......'' سلیمہ نے کہا۔ ''افسوس مجھے صرف اس بات کا ہے کہ میں تمہارا منہ نہیں توڑ سکی اور فرقان سو رہا ہے۔''

''میں پھر آؤں گا جب فرقان جاگ رہا ہوگا۔''

کامران سے گفتگو کرنے کے بعد سلیمہ کی طبیعت بے حد مکدر ہوگئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک وہیں بیٹھی تمام معاملات پر غور کرتی رہی۔ موتیا سے متعلق کامران کے سوال نے اسے پریشان کردیا

تھا۔ بات تھی بھی پریشانی کی۔ کامران آخر اس نتیجے پر کسی طرح پہنچ گیا تھا کہ موتیا کے اغواء کا تعلق کسی طرح فرقان سے ہے تو وہ اس سے پہلے پیش آنے والے پراسرار قتل اور گمشدگی کی وارداتوں کو بھی فرقان سے وابستہ کرسکتا تھا۔ اس نہج پر سوچتے ہوئے سلیمہ کے ذہن میں انسپکٹر شاہد کی وہ گفتگو بھی تازہ ہوگئی۔ جو اس نے سلیمہ اور فرقان سے تھانے میں کی تھی۔ اس نے تمام پراسرار وارداتوں کا مرکز فرقان اور اباانا کی ذاتوں کو قرار دیا تھا۔ اور جب کامران کا معاون اس انداز میں سوچ سکتا ہے۔ تو پھر کامران کو اس انداز میں تفتیش آگے بڑھانے میں کیا چیز حائل ہوسکتی تھی۔

سلیمہ اس وقت خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔ فرقان کے ہوش میں آنے تک اسے تمام حالات سے نمٹنا تھا اور اس کی طرف بڑھنے والی پریشانیوں اور الجھنوں کو روکنا تھا۔ موتیا کی گھر میں موجودگی ان کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ اور اس کی برآمدگی ان کے خلاف پہلا زندہ اور ٹھوس ثبوت ہوسکتا تھا۔ صورت حال سلیمہ کے قابو سے باہر تھی۔ وہ موتیا کو حویلی سے کہیں اور منتقل نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ حویلی پر پولیس پارٹی کا اب بھی پہرہ تھا۔ اسے تہہ خانے میں منتقل کرنا بھی تنہا اس کے بس میں نہ تھا۔ اور فرقان کا کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ اپنی بے ہوشی نما نیند سے کب بیدار ہوسکتا ہے ان حالات میں اس نے عثمانی کو فون کرنے کی ضرورت محسوس کی وہ چاہتی تھی کہ عثمانی کے اخبار کے ذریعہ وہ خود کامران کے لیے کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا کردے کہ کچھ عرصہ تک وہ یکسوئی کے ساتھ فرقان کے خلاف اپنی سرگرمیاں ترک کردے اور اس کا ذہن دوسرے غیر متعلق معاملات میں الجھ جائے۔

عثمانی کے آنے تک اس نے اپنی تیاریاں مکمل کرلی تھیں۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں ایک مرتبہ پھر جھاڑ پونچھ کرلی تھی۔ اور مسہری کے نیچے موتیا کو دیکھا تھا جو دن کی بھوکی پیاسی اسی کیفیت میں بندھی پڑی تھی۔ اسے موتیا کی حالت پر بے حد ترس آیا مگر وہ اس وقت اس کی مدد کرنے سے قاصر تھی۔ نہ اسے کچھ کھلا پلا سکتی تھی نہ اسے بندشوں سے آزاد کرا سکتی تھی کیونکہ باہر اب بھی پولیس پارٹی موجود تھی۔ اور موتیا کا بندشوں سے آزاد ہونے کے بعد ادھم مچانا لازمی تھا۔ اور پھر جو نتائج سامنے آتے ان کا قیاس کرنا سلیمہ کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

اپنے کمرے سے نکل کر وہ اباانا کے کمرے کی طرف آئی۔ اباانا اس وقت بھی اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ وہ بھی آج دن بھر اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی تھی۔ ناشتہ اور کھانا بھی اس نے اپنے کمرے میں ہی کھایا تھا۔ اس کے ذہن میں کیا تھا سلیمہ اس سے بے خبر تھی۔ لیکن اسے نامعلوم کیوں یقین تھا کہ اباانا نے فرقان اور کامران کے مقابلے میں لاتعلق رہنے کا جو وعدہ کیا ہے اس پر وہ قائم رہے گی۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں آبیٹھی اور عثمانی کا انتظار کرنے لگی۔

جس وقت عثمانی حویلی پہنچا ماحول پر اندھیرا چھا چکا تھا۔ بستی میں پیش آنے والے پراسرار واقعات کے بعد لوگوں نے مغرب کے بعد گھروں سے نکلنا ترک کردیا تھا۔ اور فرقان کے ملازم بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت حویلی میں کوئی بھی ملازم نہ تھا۔ چنانچہ خود

سلیمہ کو عثمانی کے لیے کافی تیار کرنی پڑی۔ اور اس کے لیے اس نے ڈرائنگ روم میں ہی بجلی کی کیتلی میں پانی گرم کرلیا۔

اس دوران سلیمہ نے عثمانی کو کامران کے رویہ کے بارے میں بتایا۔ اباانا میں کامران کی دلچسپی سے آگاہ کیا اور تمام واقعات اس انداز میں بیان کیے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا تھا کہ کامران کا اصل مقصد اباانا کو حاصل کرنا ہے اور اس کے لیے وہ فرقان کو مختلف طریقوں سے پریشان کرنے اور اباانا کو اس کی تحویل سے نکالنا چاہتا ہے۔ عثمانی خود کامران کی سخت پوچھ گچھ کا ستایا ہوا تھا۔ اس نے عثمانی کو صبح ہی جا کر بیدار کیا تھا۔ فرقان اور اباانا سے متعلق اس کی ہفتہ وار رپورٹ کے پس منظر اور تعلق کے ساتھ ایسے ایسے الٹے سیدھے سوالات کئے تھے کہ عثمانی جیسا شخص بھی تنگ آگیا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اگر وہ خود غیر جانبدار ہوکر کامران کے سوالوں کا تجزیہ کرے تو خود عثمانی، فرقان، اباانا، اور شہر میں پیش آنے والے پراسرار واقعات کے مثلث میں مرکزی نقطہ بن جاتا ہے۔

کامران کی اس شدید جرح سے تنگ آکر اس نے کہا تھا۔ ’’کامران صاحب! اگر آپ مجھ پر کوئی شبہ کر رہے ہیں تو آپ کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ لیکن محض شبہ ہی کافی نہیں ہوتا بہتر ہے کہ آپ اپنے دلائل کی حمایت میں ٹھوس ثبوت بھی لائیں میرے لیے آپ کو صرف اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ میرا ان واقعات سے صرف اتنا ہی تعلق ہے جتنا ایک رپورٹر کا واقعات اور حقائق سے ہوتا ہے۔‘‘

مگر آپ نے اپنے کاموں میں جس طرح کی پبلسٹی کی ہے وہ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ اس سلسلے میں آپ کے ملوث ہونے کے امکان پر بھی غور کروں۔ آپ نے فرقان کی حمایت کرتے ہوئے ایسی خبریں اپنے اخبار کو دی ہیں جن کی بناء پر ایک پولیس افسر معتوب ہوا۔‘‘

’’میں نے جو کچھ لکھا تھا اگر وہ غلط ہوتا تو یقیناً اسے سزا نہ ملتی۔ رہا فرقان کی پبلسٹی کا سوال تو مجھ سے زیادہ خود حکومت نے اس کی پبلسٹی کی ہے۔ جو الزام آپ مجھ پر لگا رہے ہیں وہی حکومت کے ان ذمہ دار افراد پر لگائیے جو فرقان کی شہرت کا سبب بنے ہوئے ہیں۔‘‘ عثمانی نے تلخی سے کہا تھا۔ ’’میں اس سے زیادہ آپ کے سوالات کا جواب نہیں دے سکتا۔‘‘

اور کامران چلا گیا تھا اس کے جانے کے بعد ہی عثمانی نے دارالحکومت میں وزارت داخلہ کے ایک اہم ذمہ دار افسر سے رابطہ قائم کیا تھا جو کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔ اس سے اس نے کامران کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور ان کا جواب لب لباب تھا۔ اس کی بنا پر خود عثمانی نے ایک لمحہ کے لیے سوچا تھا کہ بہتر یہی ہے کہ کامران سے نہ الجھا جائے۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کی شیطانی رگ پھڑکی تھی اور اس نے دل ہی دل میں گویا کامران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ ’’اچھا بچو اگر تجھے بھی میں نے تگنی کا ناچ نہ نچایا تو میرا نام بھی عثمانی نہیں۔‘‘

مگر وہ کامران کو تگنی کا ناچ کیونکر نچا سکتا ہے۔ دن بھر یہی سوال اسے پریشان کرتا رہا تھا۔ اور اس وقت جب سلیمہ نے یہ بتایا کہ کامران اباانا میں دلچسپی لیتا رہا ہے تو وہ کامران کے خلاف میدان میں آنے کا پروگرام تیار کرچکا تھا۔

''آپ بے فکر رہیں بھابھی......'' اس نے سلمیہ سے تمام واقعات سن کر کہا تھا۔ ''مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا۔''

اور اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی۔ سلیمہ نے ریسور اٹھایا تو دوسری طرف سے کامران کی آواز آئی۔ ''ہیلو مسز فرقان ذرا فون عثمانی کو دیجئے۔''

''عثمانی......'' سلیمہ نے کہا۔

''حیرت کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔'' کامران نے کہا۔ ''مجھے معلوم ہے وہ ابھی ابھی آپ کے ہاں آیا ہے۔''

''میں حیرت کا اظہار نہیں کر رہی تھی شرلاک ہومز صاحب......'' سلیمہ نے کہا تھا۔ ''عثمانی کو آواز دے رہی تھی۔'' پھر اس نے ریسور عثمانی کو دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''کامران کا فون ہے۔''

''ہیلو......'' عثمانی نے ریسور لیتے ہوئے کہا تھا۔ ''کیا میری نگرانی کی جا رہی ہے۔''

''نہیں......البتہ حویلی کی نگرانی ہو رہی ہے۔''

''اس کا مقصد......'' عثمانی نے کہا۔

''میں نے تمہارے سوالات کا جواب دینے کے لیے فون نہیں کیا تھا۔'' کامران نے کہا۔ ''میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''مجھے ابانا کے بارے میں اپنے ہفتہ وار کالم کے لیے مواد اکٹھا کرنا تھا۔'' عثمانی نے کہا۔

''ہوں......'' کامران کا لہجہ ایسا تھا گویا اسے اس جواب سے خاصی مایوسی ہوئی ہو......

''تو اکٹھا کر لیا۔''

''کہاں......'' عثمانی نے کہا۔ ''ابھی آکر بیٹھا ہی تھا کہ بیچ میں تم ٹپک پڑے۔ ویسے میں آپ سے ان حالات کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جن میں فرقان آپ کو ملا تھا۔ اور جن کے سبب آپ اس غار میں پہنچے تھے جہاں ابانا اور سلیمہ بے بس پڑی ہوئی تھیں۔''

کامران نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ''تمہارے یہاں آنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

''نہیں اس کے علاوہ میں فرقان کو بھی دیکھنے آیا تھا۔''

''کیسی طبیعت ہے اس کی......''

''وہ ابھی تک سو رہا ہے۔'' عثمانی نے کہا۔ ''بہر حال میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ اپنی رپورٹ تیار کرنے کے سلسلے میں مجھے آپ سے بھی کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ویسے کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ وہ بوڑھا کون تھا۔''

''کون بوڑھا......'' کامران نے سوال کیا۔

''جس نے ابانا اور سلیمہ کو اس غار میں مقید کر رکھا تھا جہاں سے تم انہیں برآمد کر کے لائے تھے۔''

''سنو......'' کامران نے کہا۔ ''میں تمہاری اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تم جو چاہو کرتے پھرو لیکن میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ مجھے اگر تم نے بدنام کرنے کی کوشش کی تو تمہارا انجام اچھا نہ ہوگا۔ میں کامران ہوں......''

''تو کیا تمہارے پاس بھی نہیں آ سکتا۔'' عثمانی نے اس سے دریافت کیا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''بہتر یہی ہے کہ تم مجھ سے دور رہو......'' کامران کا لہجہ تلخ تھا۔ ''ورنہ تم خود کو صحیح سالم لے کر نہ جا سکو گے۔''

''قرض کی ادائیگی میں میں اس سے پہلے کئی مرتبہ پٹ چکا ہوں۔ اب تو میں بہت ہی بے حیا ہو گیا ہوں۔ ویسے میری خواہش تھی کہ آپ میرے چند ایک سوالات کا جواب دے دیتے تاکہ ابانا کے بارے میں میری رپورٹ جامع بن سکتی۔ اگر فرقان ہوش میں ہوتا تو مجھے تم سے اس سلسلے میں اتنے اصرار کی ضرورت نہ ہوتی۔ میں ابانا کے بارے میں اپنی رپورٹ صرف اس کی تربیت کی حد تک محدود رکھتا۔''

میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

''میں چاہتا تھا کہ میری یہ رپورٹ یکطرفہ نہ ہو۔ اسی لیے میں تم سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔''

''تم مجھ کو دھمکی دینے کی کوشش کر رہے ہو۔'' کامران کے لہجے میں بیزاری اور غصہ ظاہر تھا۔

''نہیں دھمکیاں دینے کا حق تو صرف آپ جیسے صاحب اختیار لوگوں کو حاصل ہے۔ ہم تو صرف آپ سے درخواست ہی کر سکتے ہیں۔'' عثمانی نے مخصوص طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''تو پھر اجازت ہے مجھے آپ سے ملنے کی۔ ویسے میں یہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا کہ آپ نے مجھے یاد کیوں فرمایا تھا۔''

کامران نے فون بند کر دیا۔ اور عثمانی نے ریسور رکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا بھابھی میں اب چلتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ کل دوپہر تک سب کچھ درست ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ابھی اپنے ایک وکیل دوست سے ملاقات کروں گا۔ بہتر ہے کہ آپ خود بھی ایک مرتبہ اور فون کر کے کامران سے کہیں کہ وہ آپ کی حویلی سے پولیس کا پہرہ اٹھا لے۔''

عثمانی باہر آیا تو بے حد خوش تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ابانا سے متعلق اس کی نئی قسط بہت ہنگامہ خیز ہوگی۔ اور خاص طور پر کامران پاگل ہو جائے گا۔ فی الحال وہ اپنے ایک دوست وکیل سے مشورہ کر کے کامران کو یہ نوٹس دینا چاہتا تھا کہ وہ بلاوجہ اس کی منکوحہ سلیمہ کو پریشان نہ کرے اور حویلی سے پولیس کا دستہ ہٹا لیا جائے۔ یہ وہ ابتدائی کارروائی تھی جس کے بعد اس کی رپورٹ اور بھی وقیع ہو سکتی تھی۔ اس وکیل سے صلاح مشورے کے بعد وہ آج رات کامران کی کوٹھی کی نگرانی کرنا

چاہتا تھا اور کامران کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

☆......☆

عثمانی کے جانے کے بعد سلیمہ اٹھی اور اس نے دروازے وغیرہ بند کر کے اپنے کمرے کی راہ لی۔ خنک پہاڑی ہوا نے کمروں کو برفا دیا تھا۔ اس نے کمرے کا ہیٹر جلا کر کھڑکیوں کے پردوں کو احتیاط سے برابر کر دیا اور ابانا کے کمرے میں پہنچی۔ وہ اس وقت پلنگ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ سلیمہ کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔ ''تمہیں موتیا کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ موتیا کا علاج بابا کے پاس ہے اس طرح تم بھی اُس سے محفوظ رہ سکو گی اور کم از کم پندرہ دن فرقان بھی اطمینان سے گذار سکے گا۔''

''تم اس قدر سنگدل کیوں ہو۔ تمہیں اس معصوم لڑکی پر بھی ترس نہیں آتا۔'' سلیمہ نے پلنگ پر ابانا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے تمہارے سوا کسی پر ترس نہیں آتا۔'' ابانا نے کہا۔ ''ویسے تم چاہو تو ابھی سپاہیوں کو بلا کر موتیا کی موجودگی سے انہیں آگاہ کر کے اپنی رحم دلی کا ثبوت دے سکتی ہو۔''

''سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں۔ وہ صبح سے بھوکی پیاسی پڑی ہے میں نے اس کا منہ کھولا اور وہ یقیناً شور مچا دے گی۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' ابانا نے اس سے کہا۔ ''تم جو چاہو اس کے ساتھ کرو۔ موتیا کی وجہ سے کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ اور نہ اس کی آواز کسی تک جائے گی۔''

سلیمہ نے بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھا۔ ''جاؤ...... جاؤ...... فکر نہ کرو......'' ابانا نے اسے چمکارا۔

''میں اسے تہہ خانے میں منتقل کرنا چاہتی ہوں۔'' سلیمہ نے کہا۔

''تمہاری مرضی، اس سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' تم خود کوشش کر کے دیکھو۔'' ابانا نے کہا۔

''کیا آج پھر کچھ ہنگامہ کرنے کا ارادہ ہے۔''

''ہنگامہ...... ہاں آج ہنگامہ ہوگا۔ آج بھونچال آئے گا۔''

اور ابانا نے جو کچھ کہا تھا وہ درست تھا۔ اس نے واپس اپنے کمرے میں آ کر موتیا کو بندشوں سے آزاد کیا۔ اور موتیا اس سے اس طرح خوفزدہ تھی جیسے کوئی کبوتر بلی کے پنجے میں آ کر سہم جاتا ہے۔ سلیمہ نے اسے دودھ وغیرہ پلایا۔ اس کو غسل خانے میں لیجا کر نہلایا۔

اور جب سلیمہ نے اس کو اپنے کپڑے پہنائے تو موتیا شیشے میں خود اپنا روپ دیکھ کر شرما گئی۔

سلیمہ موتیا سے بے حد شرمندہ تھی۔ اور اس کے لیے اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات موجزن تھے۔ ''میں تم سے معافی چاہتی ہوں موتیا۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا میرا ہرگز اس

میں کوئی قصور نہیں ہے۔''

رات کے پچھلے پہر سلیمہ کی آنکھ کھلی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ اٹھ کر فرقان کو دیکھ چکی تھی۔ مگر فرقان بے ہوشی کی گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن اس مرتبہ وہ فرقان کے کراہ کر کروٹ بدلنے کی آہٹ سے بیدار ہوئی تھی۔ پھر فرقان نے آنکھیں کھول دیں اور حیران نظروں سے کمرے کو دیکھنے لگا۔

''فرقان...... ٹھیک ہونا......'' سلیمہ نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں......'' اس نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

پھر سلیمہ نے اسے گذشتہ رات کے تمام واقعات

موتیا کا مسئلہ فرقان کے لیے بھی پریشان کن تھا۔ سلیمہ نے اسے کامران کی باتوں سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد اس کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ موتیا کو جس قدر جلد ممکن ہو کمرے سے منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے موتیا کو تہہ خانے میں بند کر دیا۔ اور اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دبے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں ابانا کا کوئی پتہ نہ تھا۔ پھر اس نے اندر جا کر باتھ روم دیکھا۔ ابانا وہاں بھی نہیں تھی۔

سلیمہ کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر فرقان نے اس سے دریافت کیا اور سلیمہ کے جواب پر اس نے کہا۔ ''چھوڑو، گولی مارو......''

مگر سلیمہ اس معاملہ کو یوں چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔ وہ باہر آئی تو اس نے دیکھا باہر پورچ میں پولیس پارٹی کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اور تمام ماحول بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ کامران نے پولیس پارٹی یہاں سے ہٹالی ہے۔''

''تم اس سلسلے میں کامران سے معلوم کرو۔'' فرقان نے اس سے کہا تھا۔

''مگر اس وقت......''

پھر ان دونوں نے یہی طے کیا کہ اس سلسلے میں فی الوقت کچھ دریافت نہ کیا جائے۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر موتیا کے اصل کپڑوں کو بستی کے قریب کسی مناسب جگہ پھینک دیا جائے۔

☆......☆

کامران نے رات ہی کو پولیس پارٹی کو وہاں سے منتقل کر دیا تھا۔ ویسے بھی اس پولیس پارٹی کی تعیناتی کا مقصد نگرانی سے زیادہ ابانا اور سلیمہ کی حفاظت کرنا تھا۔ اور جب پولیس پارٹی وہاں سے روانہ ہوگئی تو وہ پھر حویلی میں داخل ہوا تھا لیکن پورچ میں آتے ہی اسے ابانا نظر آئی جو دروازے میں کھڑی محوِ انتظار تھی۔

ابانا کو دیکھ کر کامران یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ اس نے ابانا کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ اور واپس چل دیا۔ ابانا نے کوئی تعرض نہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد کامران کی کیفیت ایک مدہوش آدمی کی سی تھی۔ وہ جلد از جلد ابانا کو لے کر اپنی کوٹھی پہنچ جانا

چاہتا تھا۔ اب اس کے ذہن میں نہ تو فرقان کا خیال تھا نہ سلیمہ اور موتیا کا حالانکہ رات کے اس حصے میں حویلی آنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ حویلی پہنچ کر ان کی باتوں کی سن گن لے۔ اس کا خیال تھا کہ فرقان کی بے ہوشی یا نیند بناوٹی ہے اور وہ اسی بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے شبہے کو دور کرنا اور سلیمہ اور فرقان کے طرزِ عمل سے واقف ہونا چاہتا تھا۔

مگر ابانا اس کے آڑے آ گئی۔

ابانا جس نے اس کی زندگی کے تمام اصول، نظریات اور معمولات درہم برہم کر دیئے تھے۔ اس مرتبہ پھر اسے اپنے مقصد سے دور لے گئی اس نے ابانا کا ہاتھ تھاما تھا اور رگ و پے آگ سی بھر گئے تھے۔ جسم میں آتش بازیاں چھوٹ رہی تھیں۔ اور ذہن بھٹی بنا ہوا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنی کوٹھی کس طرح پہنچا تھا۔ اور اس کے بعد کی تمام باتیں محض ایک خواب تھیں۔ اس کا جسم اور ذہن سب ایک پُر کیف خمار آلود غبار میں ڈوبے ہوئے تھے۔

روشن کمرے میں سلگتے ہوئے بلبلوں کی روشنی سے تیز ایک جھماکا ہوا۔ روشنی کے اس جھماکے نے کامران کے جذبات سے بوجھل ذہن کو چونکا دیا۔ اور اس نے ہڑبڑا کر ابانا سے علیحدہ ہونا چاہا۔ مگر ابانا کے جسم کی گرفت نے اسے آزاد نہ ہونے دیا۔ پھر دوسرا جھماکا ہوا۔ اس مرتبہ کامران نے پھر تڑپ کر ابانا سے علیحدہ ہونا چاہا لیکن ابانا نے اُسے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ کامران پھر مجبور ہو گیا۔ اس کے ذہن میں جھماکے سے پیدا ہونے والے وسوسے پھر سے سو گئے۔ اور وہ ایک مرتبہ پھر ابانا سے الجھ پڑا۔

پھر ایک اور جھماکا ہوا۔

کامران تیزی سے کھڑکی کی طرف لپکا۔ ''کون ہے؟'' ساتھ ہی وہ چیخا بھی تھا۔ اس کے پلنگ سے اترنے اور دو ایک قدم اٹھانے تک دو جھماکے اسی کھڑکی سے اور ہوئے تھے۔

کامران نے کھڑکی کھول کر دائیں بائیں دیکھا۔ دور دور کسی متنفس کا پتہ نہ تھا۔ اس کے ذہن میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کسی نے فلیش لائٹ سے اس کی تصویریں اتاری ہیں۔ مگر اس کی تصویریں کون اتار سکتا ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا اور سب سے پہلے اس کا خیال فرقان کی طرف گیا۔ اسے یقین تھا کہ فرقان ہی نے اس کی تصویریں کھینچی ہوں گی۔ کیونکہ وہ فرقان کی مدہوشی کی نیند کی بات کو محض ایک بہانہ سمجھتا تھا۔

''کامران......'' ابانا منمنائی۔

''ابھی آتا ہوں......'' کامران نے کہا۔ اور تیزی سے فون کی طرف بڑھا۔

''ہیلو......'' فرقان کی کوٹھی کے نمبر ملاتے ہوئے وہ دہاڑا۔

''ہیلو......'' سلیمہ کی آواز آئی۔

''ابھی تک جاگ رہی ہیں آپ......''

''مگر آپ کون ہیں۔'' سلیمہ نے پوچھا۔

''کامران......کوئی خاص وجہ اس وقت تک جاگنے کی؟''

''آپ چاہتے کیا ہیں؟ میں فرقان کی نگہداشت کر رہی ہوں۔ جاگنا میری قسمت ہے۔''

''فرقان کہاں ہے......''

''ابھی ابھی جاگے ہیں......''

''فون انہیں دیجئے......'' کامران نے کہا۔

☆......☆

تو اس کا یہ شبہ غلط ثابت ہوا تھا۔ فرقان سے اس نے چند ایک الٹے سیدھے سوالات کیئے تھے۔ اگر فرقان نے اس کی تصویریں اتاری تھیں تو یقیناً اتنی جلدی اپنی حویلی واپس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اب صرف ایک امکان یہ باقی تھا کہ فرقان نے یہ کام کسی اور سے لیا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں عثمانی کا خیال آیا۔ فرقان اور عثمانی کے تعلقات کے بارے میں اس نے جو نظریہ قائم کیا تھا۔ اس کے پس منظر میں یہ بات خارج از امکان نہیں تھی کہ فرقان نے یہ کام عثمانی سے لیا ہوگا۔ خود عثمانی نے فون پر جس انداز میں اس سے بات کی تھی۔ چغلی کھا رہی تھی کہ عثمانی اسے کسی نہ کسی انداز میں بلیک میل ضرور کرے گا۔

اپنے اس شبے کی جب اس نے تصدیق کرنا چاہی تو اسے یہ سب ایک ٹھوس حقیقت معلوم ہوا۔ اس نے عثمانی کے گھر فون کیا تھا وہاں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس نے عثمانی کے دفتر فون کیا لیکن عثمانی وہاں بھی نہ تھا۔ صرف اتنا پتہ چل سکا تھا کہ اس وقت وہ ہوٹل ہل ٹاپ میں مل سکے گا۔ جہاں اس کا ایک وکیل دوست ٹھہرا ہوا ہے۔ بس وکیل کا نام شوکت جعفری تھا۔ لیکن ہوٹل ہل ٹاپ میں اسے نہ تو وکیل مل سکا نہ عثمانی۔ وہ دونوں ساتھ ہی ہوٹل سے باہر نکلے تھے اور انکوائری کلرک کو بتا گئے تھے کہ اگر ان کا کوئی فون آئے تو فون کرنے والے کا نام پوچھ لیا جائے۔ اور اگر کوئی ملاقات کے لیے آئے تو اسے بتا دیا جائے کہ وہ دونوں رات کو چار بجے کے قریب واپس آئیں گے۔ اور جب کامران نے انکوائری کلرک کو اپنا نام بتایا تو اس نے بتایا تھا۔

''جناب آپ کے لیے ایک اور پیغام بھی ہے۔ عثمانی صاحب نے کہا تھا کہ اگر آپ کا فون آئے تو آپ کو بتا دیا جائے کہ انہوں نے آپ کی ہدایت کے مطابق رپورٹ دے دی ہے۔''

''نان سنس......سن آف اے بچ۔''

''جی جناب......'' دوسری طرف سے انکوائری کلرک نے کہا تھا۔ اس کے انداز میں تحیر تھا۔

لیکن کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور فون کریڈل پر پٹخ دیا۔

پھر کامران نے فوراً شہر جانے اور ہوٹل ہل پاٹ میں عثمانی کو پکڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ''مگر ابانا......'' اس نے سوچا وہ ابانا کو اپنی کوٹھی میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اور اس نے ابانا کو فرقان کی

حویلی چھوڑنے اور پھر شہر جانے کا ارادہ کیا۔

وہ دونوں تیار ہو کر باہر نکلنے والے تھے کہ فون کی گھنٹی تیزی سے بج اٹھی۔ کامران نے لپک کر فون اٹھایا۔ دوسری طرف فرقان بہت غصہ میں بول رہا تھا۔

''مسٹر کامران ابانا کہاں ہے؟''

''تمہیں ابانا کا اس وقت خیال کیسے آیا......؟''

''میں اس کا نگران ہوں سمجھے۔'' فرقان نے کہا تھا۔ ''ابھی میں ابانا کے کمرے میں گیا تھا۔ ابانا وہاں نہیں تھی۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر تمہارے پولیس والے بھی نہیں ہیں۔''

''ابانا اس وقت میرے پاس ہے۔ اور میں اسے لے کر تمہارے پاس آ رہا ہوں۔''

''تم ابانا کی تربیت کا کام مشکل بنا رہے ہو مسٹر کامران اور شاید اپنے لیے پریشانیاں بھی مول لے رہے ہو۔''

''میں بلیک میلروں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔'' کامران نے کہا تھا۔

''اس میں بلیک میلنگ کی کیا بات ہے۔ اپنی غلطیوں کو دوسروں پر الزام تراشی سے نہ چھپاؤ مسٹر کامران!'' اس نے غصے میں کہا تھا۔ ''بہتر ہے کہ تم جلد ابانا کو یہاں چھوڑ جاؤ۔''

''عثمانی کہاں ہے؟'' کامران نے سوال کیا۔ ''تم نے ابانا کی گمشدگی کے بعد صرف مجھے کیوں فون کیا تھا۔''

''عثمانی کا مجھے کچھ علم نہیں، وہ کہاں ہے سلیمہ نے بتایا تھا کہ وہ شام کو یہاں آیا تھا۔ اور ابانا کے لیے تمہیں فون میں نے اس لیے کیا تھا کہ تم ان دنوں اس میں خاص دلچسپی لے رہے ہو۔ سلیمہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' فرقان نے کہا۔ ''اور ہاں تمہارے ان دونوں سوالوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟''

''ربط تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا ہے۔'' کامران نے کہا۔

پھر وہ ابانا کو حویلی چھوڑتا ہوا شہر روانہ ہو گیا۔ فرقان اور سلیمہ دونوں اسے حویلی کے بڑے گیٹ پر ملے تھے۔ ابانا کار سے باہر آ گئی تھی۔ فرقان نے ایک مرتبہ پھر کامران سے کچھ پوچھنا چاہا۔ مگر کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور کار زناٹے سے آگے بڑھا دی۔ اور پوری رفتار سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ عثمانی کو فلم ڈیولپ کرنے سے قبل پکڑنا چاہتا تھا۔ اور اس سے قبل کہ وہ فلم کو کہیں اور منتقل کرتا کامران اسے اپنے قبضے میں لے لینا چاہتا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ اس واقع کو جس نے اس کے ذہن پر آندھیوں کی یلغار کر دی تھی۔ نصف گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔

ہوٹل ہل ٹاپ وہ عین اس وقت پہنچا تھا۔ جب عثمانی اور اس کا دوست کار سے اتر رہے تھے۔ کامران نے کار روکی اور تیزی سے ان کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ عثمانی

کے کاندھے پر کیمرہ لٹک رہا تھا۔ اور وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ کامران کو دیکھتے ہی اس کا قہقہہ گھٹ کر رہ گیا اور اس نے کیمرے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

''خیر تو ہے مسٹر کامران......اس وقت......'' عثمانی نے کہا تھا۔

''مجھے تم سے چند باتیں کرنی ہیں۔'' کامران نے کہا۔

''مجھے حکم دیا ہوتا۔ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ آپ نے کیوں زحمت گوارا کی۔'' عثمانی نے کہا۔ کیمرے پر اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

''نہیں......میں نے سوچا اپنے کام کے لیے تمہیں کیا تکلیف دوں ظاہر ہے تم بڑے مصروف آدمی ہو۔''

''شرمندہ کر رہے ہیں کامران صاحب......'' عثمانی نے کہا۔ ''آپ جیسے لوگوں کی خدمت تو ہمارے لئے سعادت ہوتی ہے۔ ان سے ملئے میرے دوست ایڈوکیٹ شوکت جعفری۔'' اور کامران کو بادل نخواستہ جعفری کا بڑھا ہوا ہاتھ تھامنا ہی پڑا۔

''میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔'' کامران نے کہا۔

''میں بسر و چشم حاضر ہوں۔ چلئے جعفری صاحب کے کمرے میں چلتے ہیں وہیں بات چیت ہو جائے گی۔''

تینوں آگے پیچھے ہوٹل میں داخل ہوئے۔ سب سے آگے جعفری تھا پھر کامران اور پھر عثمانی......اندر داخل ہو کر جعفری زینوں کی طرف بڑھا اور کامران اس کے پیچھے، اس وقت عثمانی تیزی سے انکوائری کلرک کی طرف بڑھا۔ کاندھے سے کیمرہ اور فلیش گن اتار کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ''انہیں رکھ لو میں واپسی میں لے لوں گا۔''

کامران تیزی سے واپس آیا۔ ''نہیں عثمانی صاحب کیمرہ بھی لے چلئے مجھے اپنی تصویر اتروانی ہے۔ صبح دفتر پوسٹ کرنی ہے۔ آپ سے ملاقات کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔ دراصل میں نے آج کی ڈاک رات میں کھولی تھی۔ اور اسی میں مجھے دفتر کی طرف سے ایک لفافہ ملا تھا۔ جس میں کچھ فارم بھی تھے اور مجھے تصویروں کے ساتھ یہ فارم فوری طور پر بھیجنے ہیں۔''

عثمانی نے پھر کیمرہ گلے میں ڈال لیا۔ ''بڑا ہی مکار شخص ہے۔'' کامران نے دل ہی دل میں عثمانی کو گالی دی۔

''چلئے......'' عثمانی نے فلیش گن سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

جعفری کے کمرے میں پہنچ کر عثمانی نے کیمرہ اور فلیش گن میز پر رکھ دی۔ اس وقت وہ بظاہر کچھ پرسکون معلوم ہو رہا تھا۔ گویا وہ اپنی پریشانی پر قابو پا چکا تھا۔ اور اب وہ نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ برا نہ مانیں تو میں چند منٹ تنہائی میں عثمانی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' کامران

نے جعفری سے کہا۔

''نہیں کوئی بات نہیں......'' جعفری باہر چلا گیا۔

''خیریت ہے کامران صاحب......'' عثمانی نے اس سے کہا تھا۔ مگر کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میز کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور فلیش گن الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ''میں ابھی باتھ روم سے آیا۔ عثمانی نے اس سے کہا اور بڑھ گیا۔

''کیمرہ تو بڑا شاندار ہے......'' کامران نے چیخ کر کہا تھا۔

''ہاں ایک آپ جیسے ہی کرم فرما کا عطا کیا ہوا تحفہ ہے......'' عثمانی نے بھی زور سے کہا تھا۔

اور جب عثمانی واپس آیا تو اس نے دیکھا کیمرہ کھلا پڑا ہے اور اس کے اندر کی فلم فرش پر کسی سانپ کے جسم کی مانند بل کھاتی کھلی پڑی ہے۔

''یہ...... یہ...... آپ نے کیا کیا۔ اس میں بڑے قیمتی فوٹو تھے......'' عثمانی نے کہا۔

''مجھے ان کی قدر و قیمت معلوم تھی۔'' کامران نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔''

کامران نے پوری قوت سے عثمانی کے منہ پر بائیں ہاتھ کا مکا مارا اور عثمانی لڑکھڑا کر میز سے جا ٹکرایا۔ اور میز الٹ گئی اس پر رکھا ہوا شیشے کا جگ اور گلاس چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

کامران اس کی طرف آگے بڑھ آیا۔ ''یہ اس پہلے فلیش کے جواب میں ہے۔ جو تم نے آج رات چمکایا تھا۔ ابھی کئی اور مکے ادھار ہیں......'' اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

''کامران صاحب...... آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اس فلم میں واقعی بڑی قیمتی تصویریں تھیں۔ شوکت جعفری بھی اس کا گواہ ہے کہ یہ تصویریں کتنی قیمتی تھیں۔ آپ کو ہرجانہ دینا ہوگا۔''

عثمانی کے منہ پر ایک ٹھوکر پڑی۔ ''یہ دوسرے اسنیپ کا جواب ہے۔'' کامران نے کہا۔ ''بلیک میلروں کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔''

ٹھوکر کے ساتھ ہی عثمانی کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔

''زیادہ گالیاں بک کر مزید ٹھوکروں اور گھونسوں کے مستحق نہ بنو عثمانی! تم نے اب تک فہیم جیسے لوگوں کو اپنی بلیک میلنگ کا شکار بنایا ہوگا۔ میں کامران ہوں...... تم نے خود میرا خیال ہے۔ اس عرصہ میں معلوم کر لیا ہوگا کہ میں کون ہوں...... مجھے بتاؤ...... اس وقت تم کہاں سے آ رہے ہو۔''

''تم مجھ سے پوچھ گچھ نہیں کر سکتے مسٹر کامران......'' عثمانی نے فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور اس سے پہلے کہ عثمانی اچھی طرح کھڑا ہوتا کامران کا ایک اور طاقت سے بھرپور مکا اس کے جبڑے پر پڑا۔ ''ابھی چھ اسنیپ اور باقی ہیں۔ تم نے آج رات مجھے جس قدر پریشان کیا ہے۔ کسی نے زندگی میں نہیں کیا۔ تم اتنے گھٹیا اور کمینے ہو سکتے ہو مجھے معلوم نہیں تھا۔'' اس نے عثمانی

کے منہ پر تھوک دیا۔

''تمہیں اپنا تھوکا ہوا چاٹنا پڑے گا۔ مسٹر کامران!'' عثمانی نے کہا ''تم نے ایک معزز شہری کو زدوکوب کیا ہے۔''

''میں واقف ہوں تم کتنے معزز ہو۔ آج رات تم نے میری کوٹھی میں اپنے معزز ہونے کا جو مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے بعد تمہارا اصل روپ میرے سامنے آ گیا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں اس شہر سے باہر ہی نہیں گیا سمجھے...... جعفری......''

اور جعفری دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ عثمانی نے ہونٹوں کی باچھوں سے رستے ہوئے خون کو رومال سے پوچھتے ہوئے کہا۔ ''انہیں بتاؤ جعفری ہم نے رات کہاں گذاری ہے۔''

''مگر تمہیں کیا ہوا۔'' پھر اس نے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آخر معاملہ کیا ہے۔''

مگر کامران نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆

کامران کو یقین تھا کہ اس کا چھاپہ کامیاب رہے گا۔ رات اس نے حویلی سے پولیس پارٹی کو ہٹا دیا تھا لیکن اس وقت خود انسپکٹر شاہد حویلی کی نگرانی کرنے کے لیے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اور انسپکٹر شاہد نے اسے رپورٹ دی تھی کہ کامران جب ابانا کو حویلی چھوڑ کر گیا تھا۔ تو اس کے تھوڑی دیر بعد فرقان اپنی کار سے شہر والی کوٹھی گیا تھا۔ جبکہ سلیمہ اور ابانا اس حویلی ہی میں رہ گئی تھیں۔

اگرچہ اس رپورٹ میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو چھاپے کا جواز بنتی لیکن کامران سوچ رہا تھا کہ آخر فرقان کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی جو رات گئے اس نے شہر والی کوٹھی جانا ضروری سمجھا تھا۔ چنانچہ اس نے شاہد سے مختلف سوالات کئے کیا فرقان نے ڈکی میں کچھ رکھا تھا۔ کار کی پچھلی نشست پر کوئی تھا۔ لیکن انسپکٹر شاہد کے جواب نفی میں تھے۔ اس نے کہا کہ وہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈکی میں کچھ تھا یا نہیں...... فرقان نے ڈکی میں کچھ رکھا تھا یا نہیں اس لیے کہ اگر اس نے ڈکی میں کچھ رکھا بھی تھا تو بھی شاہد اس سے لاعلم تھا کیونکہ وہ حویلی سے باہر تھا اور یہ کہ اگر اس نے اس کار کے ذریعہ شہر کی کوٹھی میں کوئی چیز منتقل کی تھی تو اس کی نظر میں نہیں آئی تھی۔ یہی صورت حال شہر والی کوٹھی کی تھی۔ وہاں بھی وہ باہر ہی رہ کر فرقان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

اور پھر اس نے اس ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس میں فرقان نے کار سے سفر اختیار کیا تھا۔ بہت خاص نوعیت کا سوال کیا۔ ''شاہد میرے اس سوال کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ فرقان رات کو چار بجے کے قریب شہر روانہ ہوا تھا۔ رات کے یہ لمحات سکون اور سکوت کے لمحات ہوتے ہیں اس میں ذرا سی آواز بہت دور تک سنائی دیتی ہے۔ خوب یاد کر کے اور ذہن پر زور دے کر یہ بتاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم نے نہایت چوکنا رہ کر نگرانی کی ہے۔ تمہارے تمام حواس نہایت چوکنا رہے ہوں گے۔ تو مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا حویلی سے کار کی روانگی کے وقت اور کار کے کوٹھی کے اندر

پہنچنے کے بعد ایسی آوازیں سنی تھیں جن پر یہ گمان کیا جا سکے کہ وہ ڈکی کے بند کرنے یا کھولنے کی آوازیں ہوسکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمہارے کہنے کے مطابق کار میں صرف فرقان سوار تھے۔ ایسی صورت میں صرف ایک مرتبہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آ سکتی ہے۔''

اور انسپکٹر شاہد کی ماتھے کی شکنیں گہری ہوگئیں۔ یقیناً اس نے ایسی آوازیں سنی تھیں۔ جنہیں ڈکی کے کھولنے اور بند کرنے کی آوازیں کہا جا سکتا تھا۔ اور یہی وہ جواب تھا جس نے کامران کو فرقان کی حویلی اور اس کے گھر کی تلاشی لینے کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جس وقت کامران پولیس پارٹی کے ساتھ حویلی پہنچا، فرقان، سلیمہ اور اباتا ناشتہ کر رہے تھے۔ جب کامران نے اپنی آمد کا مقصد بتایا تو سلیمہ اس پر بپھر پڑی۔ ''تمہیں شرم آنی چاہئے۔ مسٹر کامران آخر تم کس شبہ میں تلاشی لینا چاہتے ہو۔''

''ہمیں ایک مغویہ کی تلاش ہے۔'' کامران نے کہا۔

''مگر میں نے اباتا کی گمشدگی کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں لکھوائی تھی۔ اُسے تو خود تم ہی برآمد کر لائے تھے۔'' فرقان نے کہا۔ ''مسٹر کامران دوسروں کو اپنے کردار کے معیار پر نہ پرکھئے۔''

''میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔'' کامران نے کہا۔ ''آپ میرے ہمراہ شہر چلئے میں آپ کی موجودگی میں آپ کی کوٹھی کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''کیوں.....؟'' فرقان نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''ہمارا خیال ہے کہ آپ نے اس حویلی سے جو چیز اپنی کوٹھی منتقل کی ہے وہی ہماری دلچسپی کا سبب ہے۔''

''تو رات میں میری حویلی کی نگرانی ہو رہی تھی۔''

کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کرسی پر ایک پیر رکھے کھڑا تھا اور اس کے ایک ہاتھ میں چھڑی تھی جسے اس نے گھٹنے پر رکھ کر چھڑی کی مٹھ پر اپنا گال رکھ رکھا تھا۔ اور وہ اباتا کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ کسی فلم کی شوٹنگ نہیں ہو رہی ہے مسٹر! کرسی پر سے پیر ہٹا لیجئے۔''

''شائستگی مسز فرقان! میں بدتمیزی برداشت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔'' کامران کا لہجہ ترش تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا۔

''میں شائستہ اور مہذب لوگوں کے حسن سلوک سے خوب واقف ہوں مسٹر! میں صرف اتنا کہنا چاہتی تھی کہ اباتا آپ کے اس پوز سے کوئی خاص معنی اخذ نہیں کرے گی۔''

''آپ پھر بدتمیزی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔'' کامران نے اسی انداز میں کھڑے ہوئے کہا۔ البتہ اس نے چھڑی کے مٹھ سے اپنا گال ہٹا لیا تھا۔

''تم خاموش رہو سلیمہ کامران ایک ذمہ دار افسر ہیں۔''

اس نے اپنی ٹانگ کرسی سے کھینچ لی۔ پھر تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھ گیا۔ ''فرقان صاحب جلد آ جائیے.....'' اس نے کہا۔

فرقان ناشتہ کر کے اٹھ گیا۔ سلیمہ اس کے ساتھ کوٹھی جانے پر مصر تھی مگر فرقان اس پر راضی نہیں ہوا۔ تم یہیں اباتا کے ساتھ رہو۔ عثمانی ایڈوکیٹ کے ساتھ آنے والا ہوگا۔ تم انہیں یہیں روکے رکھنا..... میں واپس آ کر اسے تمام حالات سے آگاہ کر دوں گا۔''

جس وقت فرقان، کامران کے ہمراہ اپنی کوٹھی پہنچا تو عثمانی ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

''تم یہاں..... اور یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا.....؟''

''مجھے اطلاع ملی تھی کہ کامران صاحب آج پہلے تمہاری کوٹھی اور پھر حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں لہٰذا میں نے سوچا کہ تمہارے ساتھ ہی یہاں سے واپس حویلی چلا جاؤں گا۔ ورنہ میں اس چوہے کی دید سے محروم ہو جاتا جو کامران صاحب یہاں سے برآمد کرنے والے ہیں.....'' عثمانی نے کہا اور کیمرہ سنبھال لیا۔

''مگر تمہارے چہرے کو کیا ہوا.....''

''کامران صاحب کی مہربانی ہے۔'' عثمانی نے کہا اور فرقان اور کامران کی ایک تصویر اتاری۔

''تم اندر نہیں آؤ گے۔'' کامران نے کہا۔

''میں فرقان کا دوست ہوں۔'' عثمانی نے کہا۔

''تم اندر نہیں آؤ گے۔'' کامران نے سختی سے کہا اور دو پولیس والوں کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ عثمانی پر کڑی نظر رکھیں۔

''نہیں آؤں گا.....'' عثمانی نے کہا۔ ''اور میں تم پر ہرجانے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ تم نے میری وہ تصویریں ضائع کی ہیں۔ جس سے مجھے اور میرے اخبار کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور اس کے علاوہ زدوکوب کرنے کے خلاف بھی.....''

''جہنم میں جاؤ.....'' کامران نے کہا اور فرقان کو لے کر کوٹھی کے اندر داخل ہوگیا۔

''اباتا کے بارے میں کل کی قسط پڑھنا نہ بھولئے گا۔'' عثمانی نے چیخ کر کہا۔

پھر فرقان نے کوٹھی کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ مگر اسے وہ چیز نہ ملی جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فرقان نے رات کو یقیناً موتیا کو یہاں منتقل کیا ہوگا۔ اسے نا معلوم کیوں یہ یقین تھا کہ موتیا کی گمشدگی کا تعلق فرقان کی ذات سے ہے۔

اپنی تلاشی میں ناکام ہونے کے بعد کامران نے تلخی سے کہا۔ ''تم رات یہاں کیا لائے تھے؟''

''ایسی چیز جس کی تمہیں تلاش نہیں ہے۔'' فرقان نے کہا۔ اپنے ملازم سے مخاطب ہو کر

کہا۔ ''تم بھی نہ بتانا کہ رات میں کیا لایا تھا۔''

''تو تم قانون کی راہ میں رکاوٹیں حائل کر رہے ہو......'' کامران نے کہا۔

''نہیں خود کو ایک حاسد اور متعصب شخص سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں......''

''میں کسی سے حسد اور عناد نہیں رکھتا..... اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔''

''اپنا دفاع ہر شخص کا حق ہے اور میں ایسا ہی کر رہا ہوں۔'' فرقان نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''میں پوچھتا ہوں کل رات تم یہاں کیا لائے تھے؟'' کامران جھلا گیا تھا۔

''تمہاری عداوت، نفرت اور شبہات......'' فرقان نے کہا۔

''تو تم مجھے نہیں بتاؤ گے......''

''میں کیا لایا تھا کیا نہیں اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے تمہیں جس چیز کی تلاش ہے ڈھونڈ نکالو۔ گھر کھلا پڑا ہے۔''

کامران خاموش ہو گیا۔ موتیا کا اسے یہاں کوئی سراغ نہ ملا تھا۔ اور یوں وہ فرقان کے ہمراہ واپس اس کی حویلی آیا۔ اس مرتبہ عثمانی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ لیکن حویلی روانہ ہونے سے قبل وہ ایڈووکیٹ جعفری کو فون کرنا اور اسے حویلی پہنچنے کی ہدایت دینا نہیں بھولا تھا۔

راستے میں فرقان اور کامران میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ واپسی کے اس سفر میں تمام گفتگو عثمانی کا حصہ رہی۔ اس نے فرقان کو ابانا کے بارے میں اپنی نئی قسط کی شان نزول بتائی ''مجھے افسوس ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اس دفعہ میری قسط اس اعتبار سے تشنہ رہے گی کہ اس میں تمہاری کوئی ماہرانہ رائے شامل نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس مرتبہ قسط میں جتنے دلچسپ اور پراسرار واقعات آئے ہیں اس سے پہلے کسی قسط میں نہیں آئے۔'' اور اس کے بعد اس نے سرسری طور پر اپنی قسط سے اسے آگاہ کیا۔

حویلی پہنچ کر کامران کی سرگرمیاں کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئیں۔ اس نے تمام حویلی کو چھان مارا، الماریاں دیکھیں، مسہریوں اور پلنگوں کے نیچے جھانک کر دیکھا تھا۔ لیکن کامران کو جس کی تلاش تھی وہ نہیں مل سکا۔ تنگ آ کر فرقان نے اس سے کہا تھا۔ ''اب میری جیبیں باقی رہ گئی ہیں۔ انہیں بھی دیکھ لو......''

''میں تمہاری نہیں تمہارے مکان کی جیب دیکھنے کی سوچ رہا ہوں......'' کامران نے کہا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' فرقان نے چونک کر کہا۔

''مطلب تم خوب سمجھتے ہو۔'' کامران نے کہا۔ ''آیئے..... میرے ساتھ..... اور تم مسٹر عثمانی تم بھی آؤ۔ شاید تمہارے لیے بھی حیرت انگیز انکشاف ثابت ہو۔''

اسی وقت سلیمہ نے زور سے چیخ ماری تھی۔ اور وہ تیورا کر گرنے والی ہی تھی کہ فرقان نے اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھال لیا تھا..... پھر تھوڑی دیر سلیمہ کی دیکھ بھال میں وقت صرف ہوا۔ اسے گلوکوز پلایا گیا اور جب سلیمہ کو ہوش آیا تو فرقان نے اسے تسلی دی۔ لیکن سلیمہ کے چہرے پر زردی برسنے لگی تھی۔ اور ہوائیاں سی اڑنے لگیں تھیں۔

پھر وہ سب کامران کی ہدایت پر کتب خانے میں پہنچے۔ فرقان کے اصرار کے باوجود سلیمہ اس کے ساتھ رہنے پر مصر تھی۔ اور کامران نے بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ ''اب یہ اداکاری ختم کر دیجئے۔ میرا خیال ہے اس کا کوئی وقت نہیں۔ مسٹر عثمانی میرا خیال ہے آپ اپنا کیمرہ سنبھال لیں۔ یہ بھی آپ کے اخبار کے لیے اچھی خبر بن سکتی ہے۔ میں اب اس کمرے سے تہہ خانے میں اترنے والا راستہ کھولتا ہوں۔''

کامران بڑی فاتحانہ نظروں سے سب لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور سلیمہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے فرقان کا ہاتھ زور سے تھام لیا۔

OOO

کمرے میں سناٹا پھیل گیا تھا اور کامران بڑے فخریہ انداز میں لائبریری میں موجود ایک ایک شخص کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سلیمہ اور فرقان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔ ان کے چہروں پر آنے والے واقعات کے خدشوں نے زردی مل دی تھی اور عثمانی ان سے بے نیاز اپنا کیمرہ درست کر رہا تھا۔

''کیا بات ہے مسٹر فرقان بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔'' کامران نے فاتحانہ انداز میں کہا تھا۔

''ہاں پریشان ہوں۔'' کامران نے گویا اعتراف کیا۔ ''اگر تم نے تہہ خانے کا راستہ تلاش کر ہی لیا ہے۔ تو بڑی آسانی کے ساتھ وہاں میرے خلاف کئی شہادتیں جمع کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے تمہیں اس کام کے لیے خاصے مواقع حاصل رہے ہیں۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ تم اس تہہ خانے کو بہت سے جرائم کی پردہ پوشی کے لیے استعمال کرتے رہے ہو۔ کامران نے بے رحمانہ لہجہ میں کہا۔ اس سے پہلے کئی مرتبہ پولیس کسی نہ کسی سلسلے میں تلاشی کے لیے یہاں آتی رہی ہے۔ لیکن تم نے انہیں اس تہہ خانے کی موجودگی سے آگاہ نہیں کیا۔ کیا صرف یہی بات تمہاری نیت کے فتور کو ظاہر کرنے کے لیے کافی نہیں۔''

''میں نے پولیس کی تلاشی میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی تھی محترم......'' فرقان نے کہا۔ ''نہ پولیس نے کسی تہہ خانے کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا تھا۔ اگر مجھ سے پولیس معلوم کرتی اور میں نہ بتاتا تو مجھے مورد الزام ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ ویسے تمہیں اب تہہ خانے سے کیا برآمد ہونے کی توقع ہے۔''

''میں اس وقت صرف موتیا کو برآمد کرنا چاہتا ہوں؟''

''تمہیں معلوم ہے کہ موتیا کے اغوا کا واقعہ میری بے ہوشی کے دوران پیش آیا تھا۔'' فرقان نے کہا۔ اس کے لہجے میں مردنی اب بھی برقرار تھی۔

''تمہاری بے ہوشی مصنوعی بھی ہو سکتی ہے مسٹر فرقان '' کامران نے کہا۔ ''کیا خیال ہے موتیا تہہ خانے میں موجود ہوگی......''

''تم نے اگر اسے تہہ خانے میں لا کر رکھا ہوگا تو وہ یقیناً موجود ہوگی۔ ویسے تمہارا یقین بھی اس امر کا غماز ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ویسا ہی ہے۔''

''خیر اس بات کا فیصلہ تو عدالت کرے گی۔ کہ موتیا کو تہہ خانے میں کس نے رکھا ہے۔'' کامران نے لاپرواہی کے انداز میں کہا۔ ''تم تو تیار رہنا عثمانی......''

''ہم پولیس کی ہدایت کا انتظار نہیں کرتے......'' عثمانی نے فلیش لائٹ کا تار کیمرے میں لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہم پولیس کے بیان پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہم صرف اپنی آنکھوں اپنے کانوں اور حالات کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں......''

''گویا تم بھی فرقان کے ساتھ رہے ہو......'' کامران نے کہا۔ ''لیکن مجھے امید ہے کہ جلد ہی تم میری ہمنوائی شروع کر دو گے۔ ظاہر ہے کہ فرقان نے تمہیں آج تک اس تہہ خانے کے راز سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ اور تم صرف مسٹر فرقان کے بیانات پر ہی اعتبار کرتے چلے آ رہے ہو۔''

''مجھے آپ دونوں میں سے کسی سے ہمدردی یا عناد نہیں ہے۔'' ''میں نے آپ کو صرف اخباری رپورٹنگ کے آداب بتائے ہیں۔ مجھے صرف اپنے پیشے اور اپنے پیٹ سے محبت ہے۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے میں اپنا فرض ادا کروں گا۔'' عثمانی کا لہجہ خاصہ درشت تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ کامران تہہ خانے کا دروازہ کھولتا ایک کانسٹیبل اندر آیا۔ وہ نہایت عجلت میں تھا۔ کانسٹیبل سیدھا کامران کی طرف گیا۔ اور اسے سلام کرتے ہوئے ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔ ''جناب یہ لفافہ ابھی ابھی شاہد صاحب نے یہاں بھیجا ہے۔ ان کی ہدایت ہے کہ اسے فوراً آپ کو پہنچا دیا جائے......''

کامران نے لفافہ لے لیا۔ ''جناب......'' ''نہایت اہم فوری توجہ کے لیے۔ ''قطعی ذاتی'' اور کامران کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ یہ تمام الفاظ انگریزی میں ٹائپ تھے ان کے علاوہ لفافے پر ایسی کوئی علامت نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ لفافہ شاہد نے بھیجا ہے۔

کامران نے بڑی تیزی سے لفافہ کھولا۔ اس کے اندر چند تصاویر رکھی ہوئی تھیں۔ پہلی ہی تصویر دیکھ کر کامران کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اور ان شکنوں میں پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھر آئے۔ اس نے لفافہ بند کر دیا۔ غصے سے اس کا تمام جسم کپکپا رہا تھا۔ اور چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔ اور اس نے نہایت خونخوار نظروں سے عثمانی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ ایک دوسرے سے شدت کے ساتھ پیوست تھے اور جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔

''مجھ سے کچھ غلطی ہوگئی ہے کامران صاحب!'' عثمانی کے لہجے میں شرارت تھی۔ ''ان نظروں پر ارادۂ قتل کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔''

کامران نے کوئی جواب نہ دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا لائبریری سے باہر نکل گیا۔ عثمانی بھی اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ اُس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان تھا۔

کامران نے ڈرائنگ روم پہنچتے ہی فون اٹھایا۔ نمبر ملائے اور دوسری جانب سے فون اٹھاتے ہی اس نے کہا۔ ''ہیلو شاہد! کامران بول رہا ہوں۔ تمہیں یہ فوٹو کہاں سے ملے تھے۔'' اس کا لہجہ شدت جذبات سے مرتعش تھا۔

''کون سے فوٹو......'' شاہد نے سوال کیا۔

''تو تم نے یہاں کوئی ہرکارہ نہیں بھیجا تھا......'' کامران نے شاہد کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

دوسری طرف سے نفی میں جواب ملتے ہی کامران نے ٹیلی فون بند کر دیا اور وہاں سے تقریباً دوڑتا ہوا باہر پورچ میں آیا۔ ''وہ شخص کہاں گیا جسے انسپکٹر شاہد نے بھیجا تھا۔'' اس نے پورچ میں موجود سپاہیوں سے دریافت کیا۔

یہ معلوم ہوتے ہی کہ شاہد کا ہرکارہ لفافہ دیتے ہی واپس چلا گیا تھا کامران نے اس نا معلوم شخص کے حلئے سے متعلق چند ایک مختلف سوالات کئے نامعلوم شخص پولیس کی موٹر سائیکل پر حویلی آیا تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ اور اس نے پولیس کی وردی بھی پہن رکھی تھی۔ حویلی پر پولیس پارٹی کے ساتھ آنے والے کسی بھی سپاہی نے اس سے قبل اس حلئے کا کوئی آدمی پولیس میں نہیں دیکھا تھا۔ چند منٹ میں یہ کارروائی بھی ختم ہوگئی اور کامران نے ایک مرتبہ پھر فون پر انسپکٹر شاہد سے رابطہ قائم کیا۔

''سنو شاہد...... جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر فوراً اور سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے کسی قسم کی کوئی کوتائی نہیں ہونی چاہئے۔ تم فوراً پولیس کی ایک پارٹی لے کر دیلی روڈ پر پہنچ جاؤ۔ اور اس راستے سے شہر کی طرف آنے والے ہر اس شخص کو روک لو جو پولیس کی موٹر سائیکل پر آ رہا ہو۔ اس میں کوئی استشناء نہیں ہے۔ اس کے علاوہ پولیس کی دو پارٹیاں فوراً روانہ کرو۔ ایک عثمانی کے گھر اور دوسری اس کے دفتر ان پارٹیوں کو کسی آنے جانے والے سے کوئی تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں صرف اتنا خیال رکھنا ہوگا کہ دونوں میں سے کسی جگہ سے کوئی ٹائپ رائٹر باہر نہ لے جایا جائے۔ ان باتوں پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔''

کامران نے انسپکٹر شاہد کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔ اور صوفے کے نرم دبیز گدیلوں میں دھنس گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار تھے۔ رات عثمانی کے کیمرے کی فلم ضائع کر کے وہ مطمئن ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے خلاف بلیک میلنگ کا تمام سامان ضائع کر دیا ہے۔ رات جس وقت اس نے ہوٹل بل ٹاپ کے باہر عثمانی کو پکڑا تھا اس کے بعد سے کیمرے کے بارے میں عثمانی کے رویہ اور پریشانی سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ عثمانی ابھی فلم ڈیولپ نہیں کر سکا تھا۔ مگر اس وقت لفافے میں وہی تصاویر دیکھ کر اسے عثمانی کی تمام پریشانی محض اداکاری معلوم ہو رہی تھی۔ اور کامران اس صورت حال سے نمٹنے کے بارے میں تیزی سے سوچ رہا تھا۔

کمرے پر مسلط بھاری سکوت کو عثمانی ہی نے توڑا۔ ''میرے گھر اور دفتر کی نگرانی کا سبب کیا ہے۔''

''تم اتنے ذہین بنتے ہو اندازہ نہیں لگا سکے......'' کامران نے خود کو نارمل ظاہر کرتے

ہوئے کہا۔

''نہیں......'' عثمانی نے کہا۔ ''ذہانت کا الزام مجھ پر غلط ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے اس لفافے میں کیا ہے۔'' کامران نے لفافہ ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... ویسے میرا اندازہ کے اس میں فوٹو ہیں......''

''کیسے اور کس کے......'' کامران نے سوال کیا۔

''لفافہ مجھے دو تو دیکھ کر بتا سکتا ہوں۔ ویسے اب میری سمجھ میں آیا کہ رات تم نے میری فلم کیوں ضائع کی تھی۔ تمہیں کچھ تصویروں کی تلاش تھی اور تمہارا خیال تھا کہ میں نے ہی وہ تصویریں اتاری تھیں۔ کیوں میرا اندازہ غلط ہے کیا......'' عثمانی نے کامران سے سوال کیا۔

''خیال نہیں مسٹر عثمانی، مجھے یقین ہے کہ......'' کامران نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''تم مجھے کسی جال میں نہیں پھنسا سکتے مسٹر کامران......'' عثمانی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے گھونسوں اور ٹھوکروں کو ابھی تک نہیں بھلا سکا ہوں۔ نیل کے یہ نشان جو میرے چہرے پر ہیں تمہیں ان کا قرض چکانا ہی ہوگا......''

''گویا تم اس طرح یہ قرض وصول کرو گے......'' کامران نے کہا۔

''گھونسوں اور لاتوں کی زبان میں گفتگو تم نے پہلے شروع کی تھی......'' عثمانی نے کہا۔

''میں اسی پہل کا جواب دوں گا۔ ان تصویروں سے اس کا کوئی تعلق نہیں......''

اس کے بعد عثمانی اور کامران میں بے حد تلخ کلامی ہوئی۔ لیکن عثمانی، کامران کی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوا۔ وہ سختی سے اس بات کی تردید کرتا رہا کہ ان تصاویر کو اتارنے یا بھیجنے میں اس کا بھی کوئی ہاتھ ہے آخر جب وہ دونوں اپنے غصہ کی انتہا پر پہنچ کر ایسے مقام پر آ گئے جہاں دونوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تھا کہ وہ آخری مرتبہ ایک دوسرے کو سخت الفاظ میں دھمکیاں دے کر خاموش ہو رہیں۔ تو فرقان نے کامران سے کہا۔ ''مسٹر کامران آپ کو جو کچھ اس مکان میں تلاش کرنا ہے جلد تلاش کر لیں اس معاملے کو ختم کر دیں تاکہ میں دوسرے ضروری کاموں کی طرف توجہ دے سکوں میرے پاس تمہاری طرح فالتو وقت نہیں ہے۔ اور نہ یہ گھر تمہارا دفتر ہے۔''

کامران کو گویا کسی نے بجلی کا جھٹکا لگا دیا ہو۔ وہ اچھل کر کھڑا ہوا۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گا......''

''دیکھ تو تم بہت عرصہ سے رہے ہو......'' سلیمہ نے کہا۔

''میں بدتمیزی کو پسند نہیں کرتا......'' کامران نے کہا۔ یہ کہہ کر پھر کتب خانے کی طرف بڑھا۔ اس مرتبہ اس کا انداز ایسا تھا گویا اگر کسی نے اس سے کوئی بات کی تو وہ اسے پھاڑ کھائے گا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کم از کم فرقان اور سلیمہ کے لیے غیر متوقع تھا۔ کامران نے تہہ خانے کا دروازہ کھولا تھا۔ اب اس کے انداز میں فاتحانہ افتخار نہ تھا۔ بلکہ ایک جھلاہٹ تھی اور اس کا

انداز خالص پیشہ وارانہ تھا۔ جس وقت اس نے تہہ خانے کا دروازہ کھولا تھا۔ تو عثمانی کے منہ سے استعجابیہ انداز میں ہلکی سی چیخ ابھری تھی۔ اور سلیمہ کے جسم پر کپکپی طاری تھی۔ خود فرقان کی حالت بے حد خراب تھی مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا اور وہ سلیمہ کی کمر کو ہاتھ سے تھپتھپا کر اسے حوصلہ دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

موت کے دائرے فرقان اور سلیمہ کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے۔ سردی کے باوجود انہیں اپنی ریڑھ کی ہڈی پر پسینے کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ عثمانی تیزی سے تہہ خانے کی تصویریں لے رہا تھا۔ اور کامران چیخ چیخ کر سپاہیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔ اس نے دو سپاہیوں کو تہہ خانے میں اتار دیا تھا اور باقی کو تہہ خانے کے دروازے کے باہر پہرہ دینے کی ہدایت کی تھی۔ سپاہیوں کے تہہ خانے میں اترتے ہی عثمانی بھی اپنا کیمرہ لے کر تہہ خانے میں اتر گیا تھا۔ اس وقت کامران نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ شاید وہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ عثمانی موقع کی تصاویر اتار لے۔ عثمانی کے تہہ خانے میں اترنے کے بعد اس نے بڑے طنزیہ انداز میں فرقان اور سلیمہ سے کہا تھا۔ ''اب آپ بھی تشریف لے آیئے......''

اور جس وقت وہ دونوں تہہ خانے میں اتر رہے تھے تو کامران نے فرقان سے کہا تھا......

''اب بھی تسلیم کر لو کہ موتیا کو تم نے تہہ خانے میں بند کر رکھا ہے......''

''میں تمہاری بے ہودہ باتوں کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ اگر موتیا تہہ خانے میں موجود ہے تو اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہی عائد ہوتی ہے......''

کامران نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ سلیمہ اور فرقان کے پیچھے تہہ خانے میں اتر گیا۔

☆......☆

مگر تہہ خانے میں موتیا کا کوئی پتہ نہیں۔ وہاں نہ موتیا موجود تھی نہ اس کی موجودگی کا کوئی نشان تھا۔

یہ بات سب سے زیادہ حیرت انگیز خود سلیمہ اور فرقان کے لیے تھی۔ ان دونوں نے رات ہی موتیا کو تہہ خانے میں منتقل کر کے اسے تہہ خانے میں باندھ دیا تھا۔ اس کا خود یہاں سے نکل جانا ناممکن تھا۔ فرقان نے معنی خیز نظروں سے سلیمہ کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید سلیمہ نے رات کو اس وقت جب وہ شہر کی کوٹھی گیا تھا۔ موتیا کو تہہ خانے سے منتقل کر دیا ہوگا۔ لیکن خود سلیمہ حیرتی نگاہوں سے فرقان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی نظروں کا مفہوم بہت اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اس بارے میں بات نہیں کر سکتے تھے۔

''کمال ہے کامران صاحب! اس تہہ خانے کا انکشاف جس قدر ڈرامائی انداز میں کیا تھا اس کا نتیجہ اتنا ہی حوصلہ شکن برآمد ہوا......''

خود کامران اس ناکامی پر خجل تھا لیکن ابھی ایک اور امید باقی تھی۔ وہ ان سب کے ساتھ اس زمین دوز راستے پر آگے بڑھا۔ جس پر وہ چند دن قبل خود گیا تھا اور جہاں سے اسے ایک نامعلوم

پیاسی آواز کے سحر نے واپس بلا لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ راستے کے اختتام پر یقیناً کوئی اور کمرہ ہوگا جس کا راستہ وہ اس دن تلاش کرنے سے قبل ہی لوٹ گیا تھا۔

اور جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں تہہ خانے کا یہ راستہ بند ہو جاتا تھا تو کامران نے فرقان سے کہا۔ ''بہتر ہے اس رکاوٹ کو آپ ہی ہٹا دیں۔ فرقان نے اس وقت کامران سے الجھنا مناسب نہ سمجھا تہہ خانے میں موتیا کے نہ ملنے سے وہ ایک بہت بڑے خطرے سے بچ گئے تھے۔ اور اب ان پر موتیا کو اغوا کر کے اسے حبس بے جا میں رکھنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی اس نے کہا تھا۔
''کیا اس میں کوئی خاص راز ہے۔''

''نہیں......'' کامران نے لاپرواہی کے انداز میں کہا تھا۔

فرقان آگے بڑھا۔ اور راستے میں حائل چٹان کی ایک کگر کے پیچھے ہاتھ ڈالا۔ پھر اگلے ہی لمحہ وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ آیا۔

ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ راستہ روکنے والی چٹان نے جنبش کی اور دروازہ کی مانند کھل گئی۔ اس کے ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ لیکن اس جھونکے کے ساتھ آنے والی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ ایسا تعفن تھا گویا کئی دن کی لاش سڑ رہی ہو۔ ان سب نے گھبرا کر اپنے سانس روک لیے اور رومال ناک پر رکھ لیے۔

''کیا تم نے موتیا کو......'' کامران نے پلٹ کر فرقان سے پوچھا اور جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''نہیں......'' فرقان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ کامران کے دوہرائے جملے کا اصل مفہوم پا گیا تھا۔

سرنگ کے دہانے کے باہر دن کی روشنی کا اجالا نظر آ رہا تھا۔ اور ہوا کے تیز سرد جھونکوں کے ساتھ تعفن اندر آ رہا تھا۔ سب سے پہلے کامران سرنگ سے باہر نکلا اس کے بعد دونوں سپاہی باہر نکلے پھر فرقان، عثمانی اور سلیمہ۔

وہ سب ایک غار میں کھڑے تھے اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ غار میں ان کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا تھا وہ ان کے لیے اتنا ہی خلاف توقع اور حیرت انگیز تھا کہ وہ چند لمحوں کے لیے یہ فیصلہ بھی نہ کر سکے کہ اس صورت حال اور ایسی کیفیت میں انہیں کیا کرنا چاہئے۔

کامران کے لیے پہلا ذہنی جھٹکا یہ بات تھی کہ وہ فرقان کی حویلی کی سرنگ کے راستے اب اسی غار میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے اس نے ابانا اور سلیمہ کو نکالا تھا۔

سپاہیوں کے لیے پریشانی کی بات یہ تھی کہ وہ اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہے تھے کامران کی موجودگی میں اس پر کس انداز میں اپنا ردعمل ظاہر کریں۔ عثمانی اس منظر سے اتنا بھونچکا ہو چکا تھا کہ اپنا کیمرہ تک استعمال کرنا بھول گیا تھا۔ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا جب اس نے اس قدر ڈھٹائی سے ایسی بے حیائی کا مظاہرہ دیکھا تھا۔

فرقان کے لیے یہ منظر کوئی نیا نہیں تھا۔لیکن وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ اس واقعہ کے بعد کامران اس کا پیچھا چھوڑ دیگا۔اور وہ اب تک اس پر جو شبہات کر رہا تھا وہ ختم ہو جائیں گے۔اس کے سوا اس کے ذہن میں کوئی اور خیال پیدا نہ ہوا تھا۔

اور سلیمہ...... وہ یہ منظر دیکھ کر بے ساختہ چیخ اٹھی تھی۔''خبیث بوڑھا'' اس کے منہ سے یہ آواز نکلی تھی۔اس نے اس وقت موتیا کو اسی طرح بے بس دیکھا تھا جس طرح نیلے چشمے والی کوٹھی میں وہ خود اسی بوڑھے کے سامنے مجبور تھی۔

''ہٹ جا بوڑھے......'' کامران دہاڑا اور اچھل کر بوڑھے پر آ رہا۔اس کے ساتھ ہی دونوں سپاہی بھی بوڑھے پر حملہ آور ہوئے تھے حیرت کا لمحہ گزر چکا تھا۔عثمانی کو اچانک اپنا کیمرہ یاد آ گیا تھا اور فرقان سلیمہ کو سہارا دیئے کھڑا تھا جس کے ذہن پر اس منظر نے بہت برا اثر ڈالا تھا۔

بوڑھا کامران اور دونوں سپاہیوں پر بھاری پڑ رہا تھا۔اور تینوں کو بری طرح رگید رہا تھا۔ان کے تمام حملے بے اثر تھے۔وہ جب بھی بوڑھے کے جسم پر مکا مارتے انہیں یوں لگتا گویا ان کا مکا کسی پتھر یا چٹان سے ٹکرایا ہو۔اور پھر ایک مرتبہ دونوں سپاہیوں کی گردنیں اس کی انگلیوں کی گرفت میں آ گئیں۔انہیں ایسا لگا گویا سانپ نے ان کی گردن کو اپنے حلقے میں جکڑ لیا ہے۔مگر اگلے لمحے سینکڑوں تارے ان کے دماغ ٹوٹے تھے۔اور تاریکی چھاتی گئی تھی۔بوڑھے نے کچھ ایسی قوت سے ان کے سر آپس میں ٹکرائے تھے کہ ان کے سروں کی کئی ہڈیاں ٹوٹ کر بھیجے میں گھس گئی تھیں۔اور اسی لمحہ کامران نے پیچھے سے بوڑھے کی گردن پر کراٹا کا بڑا جچا تلا ہاتھ مارا تھا۔یہ وار ایسا تھا کہ طاقتور سے طاقتور آدمی کی گردن کی ہڈی توڑنے کے لیے کافی تھا لیکن بوڑھے پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔بوڑھا اس کی طرف پلٹا اور کامران نے اچھل کر بوڑھے کے سینے پر لات مارنی چاہی لیکن اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔بوڑھے نے نہایت اطمینان سے اس کی پنڈلیوں کو اپنی پتلی انگلیوں کی گرفت میں لے لیا اور کامران اس کے ہاتھوں میں ٹانگوں کے بل یوں لٹک گیا جس طرح شکاری دم پکڑ کر مچھلی کو لٹکا لیتا ہے۔

اس مرحلے پر فرقان نے کامران کی مدد کے لیے بڑھنے کا ارادہ کیا تھا مگر سلیمہ نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔''نہیں فرقان تم نہیں جاؤ گے......''

کامران اب بھی بے بسی سے بوڑھے کے ہاتھوں میں لٹک رہا تھا اس کے جسم سے پھوٹنے والی بدبو نے اس کے دماغ کو بوجھل کر دیا تھا اور اس میں جدوجہد کرنے یا مدافعت کرنے کی قوت دم توڑ گئی تھی۔عثمانی دم بخود تھا اس کے سامنے دونوں سپاہی اور کامران کا انجام تھا۔اور وہ سوائے تصویریں اتارنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔سلیمہ نے اپنا منہ پھیر لیا۔بوڑھے نے کچھ ایسی ہی حرکت کی تھی کہ اس کے لیے آنکھیں کھلی رکھنا ناممکن ہو گیا تھا۔''تم اندر چلی جاؤ......'' فرقان نے کہا تھا۔

اور عثمانی، فرقان اور سلیمہ کو یوں لگا گویا کسی نے ان کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی

ہوں اور ان کی آنکھوں کو بوڑھے کی طرف مرکوز کر دیا ہو۔

پھر اس نے کامران کو فرش پر پھینک دیا۔اور موتیا کو اٹھا کر قہقہے لگاتا غار سے نکل گیا۔

کامران نے نیم جان انداز میں گردن گھما کر فرقان اور سلیمہ کی طرف دیکھا۔پھر اس نے اپنی نظریں عثمانی کی طرف گھمائیں مگر وہ تینوں اپنی جگہ پتھر کی مورتیوں کی مانند کھڑے ہوئے تھے۔ان کے جسم سے حرکت کرنے کی تمام طاقت سلب ہو چکی تھی۔وہ صرف اپنی آنکھوں کو ادھر ادھر حرکت دے سکتے تھے۔یا پھر ان کے ذہن کام کر رہے تھے۔

ان پر یہ کیفیت چند منٹ بعد ختم ہو گئی۔ان سب کو اچانک یہ محسوس ہوا تھا۔گویا ان کے اعصاب پر سے ان دیکھی گرفت اچانک ختم ہو گئی تھی۔سب سے پہلے سلیمہ تہہ خانے کی سرنگ میں داخل ہوئی تھی۔اور اس کے بعد کامران اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو......'' اس نے عثمانی اور فرقان سے کہا تھا میں ابھی واپس آیا۔یہ کہہ کر کامران بھی اسی سرنگ میں داخل ہو گیا جو فرقان کی حویلی میں جاتا تھا۔تھوڑی دیر بعد اس غار سے دونوں سپاہیوں کی لاشیں اٹھالی گئی تھیں۔اور کامران غار سے باہر ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔

☆......☆

اس واقعہ کے کوئی ایک گھنٹے بعد کامران فرقان کی حویلی میں چائے پی رہا تھا۔سلیمہ نے اسے بتایا تھا کہ یہی بوڑھا انہیں اس غار میں مقید کر گیا تھا۔اور یہی وہ بوڑھا تھا جو اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ پولیس کی وین سے پراسرار طور پر غائب ہو چکا تھا۔تمام تفصیلات معلوم کرنے کے بعد کامران، فرقان سے اپنے رویہ پر معافی مانگ رہا تھا۔اور فرقان نے بڑی فراخدلی سے اسے معاف کر دیا تھا۔اسے خوشی اس بات کی تھی کہ غار سے جاتے ہوئے بوڑھا موتیا کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ورنہ موتیا کا بیان سلیمہ اور فرقان کو قانون کی گرفت میں لانے کے لیے کافی ہوتا۔اور ابا نا یہ تمام واقعات بڑے غور سے سن رہی تھی۔اس کے چہرے پر سخت پیچ و تاب کے آثار تھے۔اور وہ بوڑھے سے ٹکرانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

''میں خاص طور پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔مسز فرقان......'' کامران نے کہا۔''آپ کے لیے میرا رویہ خاصہ تکلیف دہ رہا ہے لیکن میں اپنے فرض سے مجبور تھا۔اس پرامن، الگ تھلگ علاقے میں اتنے لوگوں کا پراسرار انداز میں قتل ہو جانا تشویشناک بات ہے۔مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جان بوجھ کر قتل کی ان تمام وارداتوں کا مرکز آپ کو بنایا جا رہا ہے۔قتل کی جو بھی واردات ہوئی ہے اس میں آپ دونوں میں کسی نہ کسی کی موجودگی موقعہ واردات پر ثابت ہوتی ہے۔کیوں کیا یہ بات آپ لوگوں کو مشتبہ بنانے کے لیے کافی نہیں۔''

''ہو سکتا ہے......'' سلیمہ نے کہا۔

اور پھر یہ محفل نہایت خوشگوار انداز میں ختم ہوئی۔وہ کشیدگی اور تناؤ ختم ہو چکا تھا جو صبح سے فرقان اور کامران کے درمیان تھا۔اور اس کا ایک سبب خود کامران کا بار بار اظہار معذرت تھا۔

لیکن اس خوشگوار تبدیلی کے باوجود کامران کا دل عثمانی کی طرف سے صاف نہ تھا۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ اس کی قابل اعتراض تصویریں عثمانی ہی نے اتاری ہوں گی۔ اس سلسلے میں وہ عثمانی کی یہ وضاحت بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ اس کا دوست جعفری اس حقیقت کا ثبوت دے سکتا ہے کہ رات وہ کامران کی کوٹھی کی طرف نہیں گیا تھا۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ عثمانی کے ساتھ ایک ہوٹل میں بیٹھا گپوں میں مصروف تھا اور جس کی تصدیق نہایت آسانی سے ہو سکتی تھی تب بھی عثمانی کے لیے کسی اور سے یہ کام لینا ناممکن نہ تھا۔ اور اگر معاملہ یہی تھا تو کامران کے لیے اور زیادہ پریشانی کی بات تھی۔ اس نامعلوم آدمی تک پہنچنا بھی صرف عثمانی کے ذریعہ ہی ممکن تھا۔ اور یہی وہ وجوہ تھیں کہ اس نے حویلی سے روانگی کے وقت کہا تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا مسٹر عثمانی آپ کی شخصیت ابھی تک مشتبہ ہے......''

''میں حاضر ہوں......'' عثمانی نے خوش دلی سے کہا تھا۔

اور جس وقت اس نے فرقان سے الوداعی ہاتھ ملایا تھا تو اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی نیک نیتی اور خلوص کے اظہار کے لیے کہا تھا۔ ''تہہ خانے کے بارے میں آپ میری تجویز پر غور کریں۔ اب جبکہ اس کا راز افشا ہو گیا ہے بہتر ہے کہ آپ اسے بند کرا دیں۔ ورنہ یہ آپ کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔''

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' کامران نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا۔ فی الحال تو میں سرنگ کے دروازے کا میکنزم خراب کر دوں گا تا کہ آسانی سے اس راستے کو استعمال نہ کیا جا سکے۔ ویسے خود مجھے بھی آج تک کبھی اس تہہ خانے کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی......''

کامران اور پولیس پارٹی اور عثمانی کے جانے کے بعد فرقان نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ سلیمہ اس صوفے کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے کامران کے الجھے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔

''فرقان...... میں نہیں بتا سکتی کہ اس وقت میں خود کو کس قدر ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں......''

''ان باتوں کو چھوڑو سلیمہ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ اب اس کے ذکر سے کیا حاصل......''

''تم ایسا نہیں کر سکتے کہ ابانا کو کامران کے حوالے کر دو......'' سلیمہ نے اس سے کہا۔

''کیوں......''

''میں نہیں چاہتی کہ وہ کسی اور واقعہ کی بنا پر تمہاری طرف متوجہ ہو جائے......''

''میں قانونی طور پر ایسا نہیں کر سکتا۔ حکومت نے ابانا کو میرے حوالے کیا ہے۔ مجھے اس کا نگراں بنایا ہے۔ اس کی تربیت کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے......''

''مگر تم یہ تجویز بھی تو پیش کر سکتے ہو کہ ابانا کی اگر شادی کر دی جائے تو اس کی ذہنی نشوونما

کی رفتار تیز ہو سکتی ہے۔''

''میں اس پر سوچوں گا......'' فرقان نے کہا۔

''یہ مسئلہ سوچنے کا نہیں فرقان...... فیصلہ کرنے اور عمل کرنے کا ہے......'' سلیمہ نے کہا۔

''تم جانتے ہو ابانا پر تمہارا کوئی بس نہیں چلتا۔ وہ جیسا چاہتی ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔ وہ جس دن یہ فیصلہ کر لے گی کہ اسے تمہارے تحفظ کی ضرورت نہیں اسی دن وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے گی۔ لہٰذا تمہیں کیوں ایسا خطرہ مول لینے کی ضرورت ہے کہ تم پر یہ الزام عائد کیا جائے کہ تم نے اس کی نگہداشت کی طرف سے غفلت کی تھی......''

''میں نے کہا نا سوچوں گا اس بارے میں......'' فرقان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو یوں کہو کہ تمہیں ابانا سے محبت ہے۔ اس لیے کہ وہ کامنی کی ہمشکل ہے......'' سلیمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

فرقان نے کہا۔ ''مجھے ابانا سے محبت نہیں...... میں ابانا کو نہیں چاہتا اس کا انکشاف گذشتہ چند روز میں مجھ پر ہوا ہے مجھے اس سے دلچسپی ہے۔ میں اس کی نگہداشت کرنا چاہتا ہوں۔ میں اسے اس لیے پسند نہیں کرتا کہ وہ کامنی کی ہمشکل ہے۔ بلکہ میری دلچسپی کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ کامنی کے جسم پر قابض ہے۔ اور میں اس جسم کو آلودگی سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''کامنی کے جسم پر قابض ہے......'' سلیمہ نے کہا۔ ''کون ابانا...... تو ابانا کیا ہے......''

''ابانا کیا ہے...... ابانا کیا ہے......'' فرقان بڑبڑاتا رہا...... بڑبڑاتا رہا...... لیکن اس کا منہ اس کا جواب ادا نہ کر سکا۔ اس کی زبان اس سوال کا جواب دینے کے قابل نہ تھی۔ ابانا نے اس کی زبان سے اس سوال کا جواب دینے کی طاقت سلب کر لی تھی۔

فرقان بڑی دیر تک سلیمہ کو ابانا کی اصل حقیقت بتانے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا اور سلیمہ نے اس سے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''اگر نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ۔ مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں۔ میں تو تمہاری جھوٹ بات پر بھی یقین کرنے کے لیے تیار رہتی ہوں فرقان......''

''میں تم سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا۔'' فرقان نے کہا۔ ''مگر اصل بات میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتی......'' اس کا ذہن اپنی زبان کی بے چارگی پر الجھن میں مبتلا تھا۔ اس کی اب بھی یہی کوشش تھی کہ اسے ذرا سا موقع ملے اور وہ ایک جملے میں سلیمہ کو ابانا کی حقیقت سے آگاہ کر دے۔ اور اپنی اس کوشش اور ذہنی الجھن کی بنا پر اس کی زبان میں بھی لکنت آ گئی تھی۔ اور اس کے منہ سے الفاظ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل رہے تھے۔ ''تم ابانا سے اس کی اصلیت معلوم کرونا......'' اس نے مجبور ہو کر کہا۔

پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ کئی دن کی ذہنی کشیدگی اور انتشار بے چینی کے بعد آج پہلی مرتبہ سکون ملا تھا۔

☆......☆

کامران کے لیے یہ ناکامیوں کا دن تھا اور اس وقت بستر پر لیٹا وہ اپنی ناکامیوں پر غور کر رہا تھا۔

فرقان کی حویلی سے وہ شہر آیا تھا۔ اور ویلی روڈ کے ''ٹی اینڈ'' پر اسے انسپکٹر شاہد پولیس پارٹی کے ساتھ ملا تھا۔ لیکن وہ نامعلوم ہرکارہ ادھر سے نہیں گزرا تھا۔ جو وہ لفافہ لے کر فرقان کی حویلی پہنچا تھا۔ جس میں اس کے خلاف بلیک میلنگ کا خاصہ مواد موجود تھا۔ لیکن اس کی یہ تگ ودو بھی بے کار گئی تھی۔ دفتر اور گھر پر جو ٹائپ رائیٹر موجود تھے۔ ان کے حروف کا ٹائپ اس ٹائپ سے قطعی مختلف تھا جس میں لفافے پر اس کا نام ''انتہائی اہم'' ''اور فوری توجہ کے لیے'' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

اور اس وقت عثمانی نے اس سے کہا تھا۔ ''کامران صاحب فرض کیجئے اگر یہ لفافہ میں نے آپ کو بھیجا ہے تو آپ مجھ سے یہ کیونکر توقع کر سکتے ہیں کہ اس لفافے پر آپ کا نام وغیرہ ٹائپ کرنے کے لیے میں اپنا یا دفتر کا ٹائپ رائیٹر ہی استعمال کروں گا۔ یہ بات تو بہت معمولی ذہانت کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے......''

''ہر امکان پر نظر رکھتے اور اسے دیکھتے ہیں۔ محض اس بنا پر کوئی امکان رد نہیں کرتے کہ مجرم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں جانتا تھا کہ اگر تم نے ہی یہ لفافہ بھیجا ہوگا تو اس پر پتہ وغیرہ لکھنے کے لئے تم نے اپنا یا اپنے دفتر کا ٹائپ رائیٹر استعمال نہیں کیا ہوگا۔ لیکن میں ہمیشہ کسی ذہن مجرم کی تلاش اور اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کے لیے ''سیانا کوا'' والی مثال کو اپنا رہبر بناتا ہوں اور آج تک اسی بنا پر کامیاب رہا ہوں مجرم جرم کا ارتکاب کرتے وقت قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے ہمیشہ محتاط رہتا ہے۔ وہ ان تمام نشانیوں کو مٹاتا چلا جاتا ہے جو قانون کو اس کی گرفت کرنے میں مدد دیتی ہیں لیکن غیر اہم تفصیلات اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے سلسلے میں وہ اکثر لاپرواہی سے کام لیتا ہے۔ اور یہی بات اس کی گرفت کا سبب بن جاتی ہے......''

''تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں ذہین نہیں ہوں ......'' عثمانی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں......'' کامران نے کہا۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ اگر تم نے واقعی یہ لفافہ بھیجا ہے تو مجھے اس کے بارے میں یقین سے کوئی حکم لگانے کے بہت سخت محنت کرنی ہوگی۔ مصیبت یہ ہے کہ اس لفافے پر ٹائپ شدہ الفاظ کے سوا کوئی اور کلیو بھی نہیں جس پر میں آگے بڑھ سکوں خیر مجھے امید ہے کہ جلد ہی تم سے پھر ملاقات ہوگی۔''

''ویسے اس لفافے میں ہے کیا جس نے تمہیں اس قدر پریشان کر دیا ہے......''

''اگر تم نے ہی یہ لفافہ بھیجا ہے تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ اس میں کیا ہے اور اگر تم نے یہ لفافہ نہیں بھیجا تو میں تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ اس میں کیا ہے۔''

اور اس وقت پلنگ پر لیٹا وہ اسی ادھیڑ پن میں لگا ہوا تھا کہ کس طرح اس بلیک میلر تک

پہنچا جائے جس نے اسے لفافہ بھیجا تھا۔

اسے تعجب اس بات پر تھا۔ کہ ابھی تک اس شخص کی طرف سے اسے مزید کوئی پیغام نہیں ملا تھا۔ جس نے اسے وہ قصاد پر بھیجیں تھیں۔ یہ حیرت انگیز بات تھی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز کہ اس شخص کو یہ معلوم تھا کہ جس وقت اس نے وہ لفافہ بھیجا تھا۔ وہ فرقان کی حویلی میں موجود تھا۔ لیکن یہ تمام باتیں ایسی تھیں کہ فی الحال ان کا کوئی معقول جواز نہیں سوچ سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اس لفافے کے اس تک پہنچنے میں صرف عثمانی ہی کا ہاتھ ہے۔

اس نے ایک مرتبہ پھر عثمانی کے رویے کے بارے میں سوچا اور صبح سے گذرے ہوئے تمام واقعات کی ایک ایک تفصیل کو اپنے ذہن میں تازہ کیا لیکن وہ بات جس کی اسے تلاش تھی۔ اسے یاد نہیں آ رہی تھی اس کے ذہن میں ایک خلش تھی۔ وہ کوئی اہم بات نظر انداز کر رہا تھا۔ کوئی اہم بات اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ مگر کوشش کے باوجود اس بھولی ہوئی بات کو یاد نہ کر سکا۔

اچانک ٹیلیفون نے اس کے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ وہ بڑی دیر تک ٹیلیفون کو گھورتا رہا لیکن دوسری طرف کوئی نہایت ثابت قدمی سے فون لئے بیٹھا رہا۔ پانچ منٹ بعد اس نے فون اٹھایا۔ ''ہیلو......''

''میں عثمانی بول رہا ہوں کامران صاحب ہوٹل ہل ٹاپ سے یہاں مجھے ابھی ابھی ایک لفافہ ملا ہے۔ اسی نوعیت کا جیسا آپ کو ملا تھا۔ اس میں آپ کی تصویریں بھی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آخر یہ تصویریں مجھے کیوں بھیجی گئی ہیں۔''

''مگر تمہارے پاس یہ تصویریں ہوٹل ہل ٹاپ ہی کے پتے پر کیوں آئیں۔'' کامران نے پوچھا تھا۔

یہ ہوٹل میرا ایک مستقل اڈہ ہے۔ دن میں ایک ادھ چکر ادھر کا ضرور لگتا ہی ہے۔ اور ان دنوں تو یہاں آنا میرا معمول ہے میرا دوست جعفری یہاں ٹھہرا ہوا ہے نا۔''

''جعفری'' کامران کے ذہن پر گویا کسی نے ہتھوڑا مارا اس کے ذہن کی وہ گرہ کھل گئی تھی۔ جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا اس نے بے تابی سے پوچھا ''کیا تم مجھ سے ابھی مل سکتے ہو۔ میں اس لفافے کے بارے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور...... ویسے میں یہ تصویریں خود اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ میرے پاس اس قسم کی تصویروں کا کافی ذخیرہ ہے ملک ملک کے لوگوں کی تصویریں ہیں میرے پاس، فحش لٹریچر اور تصاویر جمع کرنا میرا شوق ہے۔

''اچھا شوق ہے......''

''ویسے اتنی نیچرل تصویریں میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔ وہ تمام تصویریں پوز کی ہوئی ہیں۔ لیکن ان تصویروں میں جو کیفیت اور حسن ہے وہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ ویسے کیا یہ عورت تا نہیں ہے۔''

کامران نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ''میں تم سے ابھی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کر تو رہا ہوں بات......'' عثمانی نے کہا اس کے لہجے میں شرارت کا عنصر خاص طور پر نمایاں تھا۔ جسے کامران نے محسوس کر لیا تھا۔

''میں تم سے دو بدو گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' کامران نے اپنا لہجہ نرم رکھتے ہوئے کہا۔ ویسے وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

''تو پھر آ جاؤ......'' عثمانی نے کہا۔ ''میں آج رات ہوٹل ہل ٹاپ میں ہی گذار دوں گا۔ جعفری نے مجھے خاص طور پر مدعو کیا ہے۔ ویسے کیا پیتے ہو؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تھا۔

''میں آ رہا ہوں۔'' کامران نے کہا تھا اور فون بند کر دیا تھا اسے یقین تھا کہ اس بلیک میلنگ میں عثمانی ہی کا ہاتھ ہے۔

فون کی گھنٹی اور جعفری کے حوالے نے اسی کے ذہن کی پھانس کو نکال دیا تھا۔ اسے وہ بھولی ہوئی بات یاد آ گئی تھی جو اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ عثمانی نے صبح شہر والی فرقان کی کوٹھی سے روانہ ہوتے وقت جعفری کو فون کیا تھا۔ اور فرقان کی حویلی پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن وہ فرقان کی حویلی نہیں پہنچا تھا۔ اور کامران اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ یہ فون دراصل جعفری کے لیے یہ پیغام تھا کہ وہ تصویروں کا لفافہ کامران کو حویلی کے پتے پر بھیجے ورنہ ہو سکتا تھا کہ یہ لفافہ کامران کو فرقان کی شہر والی کوٹھی میں ملتا۔

''اچھا بچو میں دیکھوں گا کہ تو کہاں تک مجھ سے بچے گا۔'' کامران نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اور اپنے ذہن میں اپنی کارروائی کا خاکہ مرتب کرنے لگا۔ یہ خاص نجی نوعیت کا معاملہ تھا۔ اور وہ اس سلسلے میں پولیس کو استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں ضابطہ اور قواعد کی کئی رکاوٹیں اس کی راہ میں حائل ہوئیں۔ اور وہ اس وقت کوئی رکاوٹ یا ضابطہ کی کسی کارروائی میں الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

کامران کی کارروائی کا پہلا مرحلہ عثمانی کے گھر کی تلاشی لینا تھا۔ اس میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ عثمانی کے نوکر کو بے بس کرنا اس کے لیے زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ اور پھر وہ عثمانی کے کاغذات کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن اسے عثمانی کے خلاف کوئی خاص ثبوت نہ ملا۔ لیکن اس نے جی نہیں ہارا۔ اور آخر کار عثمانی کی کیبنٹ میں سے جس کا تالا اس نے ایک مڑے ہوئے تار کی مدد سے کھولا تھا۔ اسے تصویروں کے کئی البم مل گئے۔ فرقان نے تصویروں کے ان البموں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ ان میں بیشتر تصاویر ایسی تھیں جن کے بارے میں یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ وہ بلیک میلنگ کے لیے استعمال کی گئی ہوں گی۔ پھر اسی کیبنٹ کے ایک خانے سے اسے عثمانی کے بینک کی وہ کتابیں مل گئیں جن پر رقمیں جمع کرائی جاتی تھیں۔ فرقان نے انہیں بھی اپنی جیب میں ٹھونس لیا پھر اس نے اس کارروائی کو چوری کی واردات کا رنگ دینے کے لیے آہنی الماری میں بنی ہوئی سیف میں رکھی ہوئی چند سو روپے پر مشتمل تمام رقم نکال لی۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا لیکن واپسی سے قبل اس نے عثمانی کی میز

پر رکھے ہوئے کاغذات پر ایک نظر ڈالی۔ ان کاغذات کے درمیان اس کو ایک فوٹوگرافر کا بل بھی ملا جس پر اسی روز کی تاریخ پڑی ہوئی تھی۔ کامران نے اس بل کو وہیں رہنے دیا۔ البتہ اس بل کا نمبر تاریخ وغیرہ نوٹ کرنا نہ بھولا۔ یہ بل اس کی نظروں میں خاصا اہم تھا۔ عثمانی کے گھر پر اس کا چھاپہ مکمل ہو گیا تھا۔

پھر وہ وہاں سے نکل آیا۔ اس سے قبل اس نے عثمانی کے ملازم سے چلتے ہوئے کہا تھا۔

''بابا'' معاف کرنا تمہیں صبح تک یونہی رہنا پڑے گا۔ اور اس بوڑھے ملازم نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کسمسا کر پہلو بدلا تھا۔ اور کامران تیزی سے باہر آ گیا تھا۔ اس نے یہ تمام کارروائی اپنے چہرے پر سیاہ نقاب لگا کر کی تھی۔ اور اس مہم میں اسے نصف گھنٹہ لگا تھا۔

ہل ٹاپ ہوٹل پہنچ کر اس نے عثمانی کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا وہ جعفری کے کمرے میں موجود ہو گا۔ اور وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا دوسری منزل پر پہنچا۔ عثمانی نے اس کا بڑی خوش دلی سے استقبال کیا تھا۔

لیکن کامران کا لہجہ بہت سرد تھا۔ تم مجھ سے مسٹر جعفری کی موجودگی میں گفتگو کرنا چاہو گے یا تنہائی میں۔''

''یہ آپ پر منحصر ہے۔ مسٹر کامران جو حکم آپ دیں میں اس پر عمل کروں گا۔'' عثمانی نے اس سے کہا تھا۔

''اگر تم وہ تصویریں جعفری کو دکھا چکے ہو تو ان کی موجودگی میں بات کرنا چاہوں گا۔'' کامران نے کہا۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں کیا میں وہ تصویریں انہیں دکھا سکتا ہوں۔'' عثمانی نے سوالیہ لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

''تم سے کچھ بعید نہیں۔'' کامران نے اس سے کہا تھا۔

''اتنی بے اعتباری بھی ٹھیک نہیں۔'' عثمانی نے گلاس سے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''ویسے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے جعفری کو وہ تصویریں دکھا دی ہوں گی تو پھر مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہے ہو کہ جعفری کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ یا نہیں......''

''میں چاہتا ہوں کہ معاملہ تمہاری اپنی شرائط پر طے ہو......'' کامران نے کہا تھا۔

''تو پھر ہم تنہائی ہی میں گفتگو کریں گے۔'' عثمانی نے کہا تھا۔ ''میں اتنا کم ظرف بھی نہیں ہوں کہ کسی کی کمزوریوں کی تشہیر کرتا پھروں۔''

''تو پھر میرے ساتھ آؤ۔'' کامران نے اس سے کہا تھا اور عثمانی وہاں سے اٹھ لیا تھا۔

راہداری میں پہنچتے ہی عثمانی نے کامران سے کہا تھا۔'' ویسے استاد ہاتھ بہت اونچا مارا ہے تم نے آخر اسے تم نے پٹایا کیسے تھا۔''

''بے ہودگی اور بدتمیزی سے گفتگو نہ کرو۔'' کامران نے اس سے کہا تھا۔

''کمال کرتے ہو یار یعنی یہ کہ اس حد تک تو تم جا چکے ہو اور کہہ رہے ہو بے ہودگی نہ کرو''

''کامران نے اس کے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گیا تھا۔

وہ دونوں کافی روم میں ایک الگ تھلگ میز پر بیٹھ گئے۔

کافی کا آرڈر دینے کے بعد کامران نے عثمانی سے کہا۔ ''میں کوئی تمہید باندھنا نہیں چاہتا۔ صرف ان تصویروں کے بارے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''کونسی تصویروں کے بارے میں۔ وہ جو مجھے لفافے میں ملی ہیں۔ یا وہ جو میں نے غار میں کھینچی ہیں۔'' عثمانی کا لہجہ خالص کاروباری تھا۔

''دونوں ہی کے بارے میں۔'' کامران نے کہا۔ ''مجھے یہ تمام تصویریں ان کے نیگیٹیو سمیت چاہئیں۔''

''تصویریں مل سکتی ہیں نیگیٹیو نہیں۔'' عثمانی نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ ''اور وہ بھی میں اپنی شرائط پر دوں گا۔''

''مجھے یہ تصویریں اور نیگیٹیو چاہئیں۔'' کامران نے کہا۔ ''اور اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے پاس ان تصویروں کی کوئی کاپی نہیں رکھو گے۔''

''میں تصویریں دے سکتا ہوں۔'' عثمانی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''نیگیٹیو نہیں مل سکتے۔''

''تو تم بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔'' کامران نے کہا۔ ''میں تمہاری زندگی کو جہنم بنا دوں گا۔''

''یہ بھی کر دیکھو......'' عثمانی کا جواب تھا۔ ''میں تمہارے اس سلوک کو نہیں بھول سکتا۔ جو تم نے کل رات مجھ سے کیا تھا۔ یہ نیل دیکھ رہے ہو۔ اس نے اپنے چہرے کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''میں ان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نے اپنے اس ٹوٹے پھوٹے چہرے کی تصویر بھی اتروائی ہے۔ تاکہ تمہارے خلاف میرا انتقامی جذبہ سرد نہ پڑ سکے۔''

''میں تمہاری اس سے بھی بری درگت بنا دوں گا۔'' کامران نے کہا۔ ''مجھے تمام تصویریں ان کے نیگیٹیو کے ساتھ مل جانی چاہئیں۔''

''ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکیں گے اس طرح۔'' عثمانی نے کہا۔ ''بہتر ہے تم اپنا رویہ کچھ تبدیل کرو۔''

''میں تمہیں اس بلیک میلنگ کے عوض کچھ نہیں دوں گا بس اتنا وعدہ کر سکتا ہوں کہ اگر تم نے تمام تصویریں اور نیگیٹیو مجھے واپس کر دیئے تو تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ ورنہ میرا انتقام اس سے کہیں زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''تم اپنے عہدے اور سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' کامران نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ معاملہ میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس کی نوعیت قطعی نجی ہے۔ میں اس معاملے میں سرکاری حیثیت میں نہیں اپنی ذاتی حیثیت میں نمٹوں گا۔'' کامران نے کہا اور کافی کا آخری گھونٹ لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا دو گے۔'' عثمانی نے کاروباری لہجہ اختیار کر لیا۔

''مال تمہارے پاس ہے قیمت تمہیں لگانی ہے۔'' کامران نے کہا۔ ''تم بتاؤ......''

''دس ہزار روپے۔'' عثمانی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''صرف بیس روپے۔'' کامران نے کہا۔ ''زیادہ سے زیادہ تمہارے 15 روپے خرچ آئے ہوں گے۔ پانچ روپے اپنا منافع لگا لو۔''

''میں یہاں پکوڑے بیچنے نہیں آیا ہوں۔'' عثمانی نے کہا۔ ''ذرا سوچو جب یہ تصاویر اخبار میں پٹیاں لگا کر ستر پوشی کر کے چھاپی جائیں گی تو تمہاری کیا حیثیت رہ جائے گی۔''

کامران ایک لمحہ کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ''تو کیا تم اس حد تک جانے کے لیے تیار ہو۔''

''ہر شخص اپنی صلاحیت اور بساط کے مطابق آگے بڑھتا ہے۔

تو میں صرف اتنی صلاحیت ہے کہ چہرے کو داغدار بنا دو۔ اور میں تمہارے کردار کو تمہارے سکھ اور تمہارے بھرم کو آلودہ کر سکتا ہوں۔ تم اپنا کردار ادا کر چکے ہو۔ اور اب مجھے اپنا کردار ادا کرنے کی آزادی ہے۔''

کامران پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''تم ایسا نہیں کرو گے عثمانی'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں پرسوں تک مہلت دیتا ہوں۔ پرسوں شام تک تم مجھے رقم پہنچا دو۔ تصویریں اور نیگیٹیو تمہیں مل جائیں گے ورنہ پھر معاملہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

وہ دونوں اس ملاقات میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ اور کامران نہایت غصہ میں وہاں سے چلا آیا تھا۔ اس نے عثمانی سے اس سلسلے میں نمٹنے کا دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور جب وہ وہاں سے چلا تھا تو عثمانی نے اس سے کہا تھا۔ ''پرسوں شام پانچ بجے مہلت ختم ہو جائے گی۔''

وہ نہایت برہمی کے عالم میں ہوٹل ہل ٹاپ سے چلا تھا۔ اس کا دماغ عثمانی کی باتوں پر بے حد گرم تھا۔ اور وہ اس کے خلاف پوری طرح میدان میں آنے کے لیے گھر پہنچ کر پہلے ان البموں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ جو اس نے عثمانی کے گھر سے حاصل کی تھیں اسے یقین تھا کہ ان البموں کی بناء پر وہ عثمانی کے خلاف کافی مواد جمع کرے گا۔ پھر اسے عثمانی کے بنک کا حساب بھی دیکھنا تھا۔ جن سے اسے یہ پتہ چل سکتا تھا کہ عثمانی نے کس کس کو بلیک میل کیا ہے اور اس سے کیا رقم اینٹھی ہے۔ اسے اس سلسلے میں بہت کچھ کام اسی رات کرنا تھا اور صبح پوری تیاری کے ساتھ عثمانی کے خلاف سرگرم عمل ہو جانا تھا۔ ذہن میں مختلف منصوبوں کی تفصیلات طے کرتا وہ اب آندھی طوفان کی طرح اپنے گھر پہنچا

تھا۔

مگر یہاں ایک نئی پریشانی اس کے استقبال کے لیے اپنی آغوش پھیلائے کھڑی تھی۔

اس نے مکان میں داخل ہو کر سوئچ دبایا ہی تھا کہ اس کے پیر فرش سے اٹھ گئے۔ ''کہاں تھے میری جان بڑا انتظار کرایا۔''

کامران نے ہاتھ پیر چلائے مگر گرفت اتنی سخت تھی کہ وہ اس سے آزاد نہ ہو سکا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ بدبو جو اس نے غار میں محسوس کی تھی۔ اس وقت اس کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے ہے۔

وہ واقعی خبیث بوڑھا تھا۔ جس نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اور پھر وہ کامران کو اسی طرح اٹھائے اندر لے آیا۔ ''آج تمام دن تمہارے خیال نے مجھے بے کل رکھا ہے۔''

کامران غصہ سے کپکپا اٹھا اور اس نے پوری قوت سے اپنے ہاتھ پیر چلائے۔ ''ہائے بڑے کٹھور ہو تم تو۔'' بوڑھے نے کہا تھا۔ اور اس سے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔

کامران تڑپ کر علیحدہ ہوا اور پوری قوت سے بوڑھے کے منہ پر مکا مارا۔ اور بوڑھے نے سسکاری لی۔ ''ہائے......'' اس کے منہ سے نکلا اور پھر کامران اس پر پے در پے مکے برساتا ہی چلا گیا۔ ''اور مارو اور مارو۔'' بوڑھے نے اس سے کہا تھا۔

اور جب کامران تھک گیا تو بوڑھے نے اسے اس طرح دبوچ لیا جس طرح بلی کبوتر کو دبوچ لیتی ہے۔

OOO

کامران بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے جسم کی ساری طاقت گویا کسی نے نچوڑ لی تھی۔ اور وہ اس وقت فرش پر بالکل ایسی بے جان چھپکلی کی مانند پڑا ہوا تھا۔ جو دیوار سے فرش پر گر گئی ہو صرف اس کی آنکھیں متحرک تھیں۔ بوڑھا جا چکا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ بوڑھا اس سے ایک سودا کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔ اور یہ سودا اس نے بادل ناخواستہ کیا تھا۔ بوڑھے کی شیطانی قوت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔

''میں چاہوں تو تمہیں اس وقت بھی اسی طرح بے بس کر سکتا ہوں جیسے آج تم سب لوگوں کو غار میں بے بس کیا تھا۔''

کامران نے اچانک وہاں سے ایک طرف چھلانگ لگا کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اور بوڑھا اس کے پیچھے لپکا تھا۔ لیکن کامران کی یہ کوشش بھی ضائع گئی۔ وہ جس دروازے کی طرف بھاگا تھا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی بند ہو گیا تھا۔ کامران نے اسے کھولنے کی بے سود کوشش کی اور اگلے لمحہ پھر وہاں سے دوسرے دروازے کی طرف بھاگا۔ اب بوڑھا اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ ''میں چاہوں تو تم ایک قدم آگے نہ بڑھا سکو۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔''

ان کی یہ بھاگ دوڑ جاری رہی۔ اور پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ کامران کے لیے قدم اٹھانا

دوبھر ہو گیا۔ ''میں تمہیں اس سے پہلے بھی پکڑ سکتا تھا۔ تم مجھ سے دوڑنے میں نہیں جیت سکتے لیکن تمہاری دوڑ بھاگ کا انداز اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے اس منظر سے لطف لینے کا فیصلہ کیا......''

کامران نے پھر اپنی رہی سہی تمام قوت جمع کر کے زور لگایا۔ ایک مرتبہ پھر وہ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

چار گھنٹے کی اس بھاگ دوڑ کے بعد کامران بالکل بے دم ہو کر فرش پر گر گیا۔ اپنی بے بسی پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

''تم مجھ سے بچنا چاہتے ہو تو سلیمہ کو میرے لیے یہاں نوچندی کی رات کو موجود ہونا چاہئے۔ بوڑھے نے اٹکتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے تمام وجود کی توانائی گویا ختم ہو گئی تھی اور وہ اٹک اٹک کر الفاظ ادا کر رہا تھا۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے رکھی تھیں۔ اور اس کے تمام جسم پر کپکپی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا ہر لمحہ کے ساتھ اس کی قوت سلب ہوتی جا رہی ہے۔ پھر وہ دروازے تک پہنچ کر لڑکھڑا کر گر پڑا۔ میری قوت شامہ کی تیزی میرے لیے وبال بن گئی ہے۔ میں تیرے جسم کے حسن میں اتنا کھو گیا تھا کہ مجھے وقت کا بھی احساس نہ رہا تھا۔'' بوڑھا گھسٹتا ہوا دروازے کے باہر نکل گیا۔

کامران کو اس وقت اپنی بے بسی پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت وہ انجانی گرفت نہ تھی۔ جو اس نے غار میں محسوس کی تھی۔ وہ عمل کرنے اور آگے بڑھنے کے لیے آزاد تھا۔ لیکن چار گھنٹے کی مسلسل بھاگ دوڑ نے اس کے تمام جسم کی طاقت نچوڑ لی تھی۔ اس کا تمام جسم سن تھا۔ اعضا حرکت کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ وہ یونہی لیٹا رہا۔ دور کہیں سے فجر کی اذان کے آخری کلمے ہوا کے دوش پر آ کر اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرائے اور اس نے پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔ پھر وہ وہیں فرش پر گہری نیند سو گیا۔

☆......☆

اور اس وقت دن بھر کی محنت کے نتائج کامران کے سامنے تھے عثمانی کی آمدنی کے بارے میں اس نے عثمانی کی بینک سے جو معلومات حاصل کی تھیں اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کو بلیک میل کرتا رہا ہے۔ اس میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی تصویریں اس نے عثمانی کے گھر سے اڑائی ہوئی البموں میں دیکھی تھیں۔ لیکن اس کے لیے سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ عثمانی فرقان کو بھی بلیک میل کر رہا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ آخر عثمانی اسے کس سلسلے میں بلیک میل کر رہا ہے۔ دوسری حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہ بلیک میلنگ اباٹا کے فرقان کی تحویل میں آنے کے بعد سے شروع ہوتی تھی۔ اور فرقان عثمانی کو ماہ بماہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ ایک معقول رقم ادا کر رہا تھا۔

''تو کیا یہ بلیک میلنگ اباٹا ہی کے سلسلے میں ہو رہی ہے۔ یا کسی جرم کی پردہ پوشی کے سلسلے میں'' کامران نے خود سے سوال کیا۔ پھر اس نے اس سوال کا پہلا حصہ خود ہی مسترد کر دیا۔ ''رہا

سوال کے دوسرے حصہ کا معاملہ تو اس کا امکان موجود ہے۔'' کامران نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دیا۔ ''یہ الگ بات ہے کہ اس کے جرم کا کوئی تعلق ابانا کی ذات سے ہو یا پھر ابانا کی خاطر اس نے کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو۔'' اسے دوسرا امکان زیادہ قرین قیاس معلوم ہوا۔

فرقان اور سلیمہ سے گذشتہ روز جس طرح اس کی صلح صفائی ہوئی تھی۔ اور گرمجوشی کا جو ماحول پیدا ہوا تھا وہ اب اسے اچانک اس طرح تباہ نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں خود اس کی اپنی مصلحتیں اور اپنی خودغرضیاں شامل تھیں۔ ایک طرف ابانا تھی جسے وہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں اسے فرقان اور سلیمہ دونوں ہی کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنا ضروری تھی۔ پھر خود سلیمہ اسے یہ پیش کش کر چکی تھی کہ وہ ابانا کو اس کے پہلو میں لا بٹھائے گی اور اب سلیمہ کی اس پیش کش پر بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے متعلق از سرنو کوئی بات چھیڑے تو سلیمہ کو اپنا وعدہ ایفا کرنے میں کوئی عار نہ ہوگا۔ پھر اس کے سامنے بوڑھے کی دھمکی بھی تھی۔ نوچندی رات میں صرف دس دن باقی تھے۔ اور اگر وہ ان دس دنوں میں بوڑھے کی شیطانی قوتوں کا توڑ نہ کر سکا تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سلیمہ کو کسی نہ کسی طرح بوڑھے کی ہوس کی بھینٹ چڑھا دے۔ یہ وہ مصلحتیں اور خودغرضیاں تھیں جن کی بناء پر وہ فی الحال فرقان اور سلیمہ سے اپنے تعلقات میں ذرا سی بھی تلخی نہیں گھول سکتا تھا۔

جب اس نے فرقان سے اسے اپنے اعتماد میں لے کر یہ سوال کیا کہ آخر وہ ہر ماہ ایک مخصوص رقم عثمانی کو کیوں دیتا ہے تو فرقان کا جواب اس کے ان تمام اندیشوں کو غلط ثابت کر گیا کہ عثمانی اسے بلیک میل کر رہا ہے۔ ''تمہارا خیال غلط ہے مسٹر کامران یہ تو دراصل عثمانی کی محنت کا صلہ ہے۔ بہت سے لوگ اپنا سیکرٹری نشرواشاعت رکھتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ عثمانی میرے لیے اسی حیثیت میں کام کر رہا ہے ابانا کے بارے میں اس کا قسط وار سلسلہ ابانا سے زیادہ میری تشہیر کا سبب بنا ہے اور میں اس کے عوض اسے ماہ بماہ رقم دیتا ہوں۔''

اس وقت وہ تینوں یعنی ابانا، فرقان اور خود کامران، فرقان کی حویلی کے باغ میں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اور سلیمہ حویلی کے اندر کسی کام میں مصروف تھی۔ ابانا، کامران کو مسلسل آنکھ جھپکائے بغیر ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک اضطراب اور بے چینی تھی۔

پھر فرقان بھی وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ سلیمہ پورچ میں کھڑی اسے بلا رہی تھی۔ وہ خود اس وقت کامران اور ابانا کو تنہائی موقع دینا چاہتی تھی۔ اور وہ خود اپنی اس پیش کش کو عملی شکل دینے کے لیے بتدریج قدم اٹھانا چاہتی تھی۔ جو اس نے کامران کو کی تھی۔ اب وہ اپنے اور فرقان کے درمیان کسی تیسرے فریق کی شرکت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ پھر یہ بات بھی قطعی واضح تھی کہ ابانا اگر فرقان کے ساتھ ہی رہی تو کسی نہ کسی مرحلے پر وہ پھر فرقان کے لیے نئی پریشانیوں کا سبب بن سکتی تھی لہٰذا اس نے یہی سوچا تھا۔ کہ وہ کسی نہ کسی طرح فرقان کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ ابانا کو فرقان کے ساتھ زندگی گذارنے دے۔ رہا سوال تربیت کا تو وہ یہ تربیت ابانا کے کامران کے پاس

رہتے ہوئے بھی دے سکتا تھا۔ کیونکہ تربیت تو محض بناوٹ اور دکھاوا ہی تھا دنیا کو دھوکا دینے کے لیے

فرقان کے وہاں سے ہٹتے ہی کامران، ابانا کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''ابانا......''

ابانا کے چہرے پر ایک آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''کامران......'' اس کے ہونٹوں سے مترنم آواز نکلی۔ ''تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔'' کامران نے کہا۔

''جادو کیا ہوتا......'' ابانا نے آنکھیں پھیلا کر حیرانی کے انداز میں کہا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر خفیف سی مسکراہٹ کی لکیر لرز رہی تھی۔ اس قدر دلفریب انداز تھا ابانا کا کہ فرقان بے تاب ہو گیا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور ابانا کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''کیوں...... ناراض ہو......'' ابانا نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

''نہیں......'' اس نے جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا۔ ''تم سے ناراض نہیں ہو سکتا۔''

''مگر...... فرقان اور سلیمہ ناراض ہوتے ہیں۔ مجھ سے۔'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ ایک ایک لفظ وہ اس طرح ادا کر رہی تھی گویا ہر لفظ سوچ سوچ کر استعمال کر رہی ہو۔ اس کا لہجہ کھردرا اور اکھڑا ہوا تھا لیکن اس کی آواز کے ترنم نے اس کی لکنت کو اور بھی حسین بنا دیا تھا۔

''اب نہیں ہوں گے......'' کامران نے کہا۔ ''اپنے گھر۔ لے چلو......'' ابانا کی دلی خواہش گویا زبان پر آ گئی۔

کامران اس وقت خود پر بے حد قابو پائے ہوئے تھا اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خود ابانا اس وقت اپنی غیر انسانی صلاحیتوں سے کام نہیں لے رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اسے یہ تجربہ بھی کرنا چاہئے کہ انسان کا جذبات سے اپنے طور پر معمور ہو کر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ خود انسان جذبات کی بھول بھلیوں کی سیر کس طرح کرتا ہے اور اس میں خود ابانا کو بڑی تکلیف سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی حیوانی جبلت تو بس جھپٹ پڑنا ہی چاہتی تھی۔

''لے چلوں گا......'' کامران نے کہا۔ اس نے گھوم کر پورچ کی طرف دیکھا۔ وہ خالی پڑا تھا۔

''تو چلوں میں......'' ابانا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس نے کامران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کامران تذبذب میں پڑ گیا۔ اس کی کتنی خواہش تھی کہ وہ ابانا کو اپنا لے۔ ابانا کے وجود میں خود کو گم کر دے۔ اس کا ہمرنگ اور ہم جان بن جائے۔

''کیا سوچ رہے ہو......'' ابانا نے کہا۔ ''نہیں لے جانا چاہئے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔

کامران بے چین ہو گیا۔ ساتھ ہی اسے خوشی بھی ہوئی کہ ابانا بھی اس کے لیے ویسے ہی جذبات رکھتی تھی۔ جنہوں نے خود اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔ لیکن ابانا کی آنکھوں کے آنسو اسے بے قرار کر گئے۔

''چلو فرقان سے پوچھ لیں۔'' کامران نے کہا۔ وہ اس وقت بھی فرقان کے ساتھ معمول پر آنے والے تعلقات کو برقرار رکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''نہیں...... '' ابانا نے کہا۔ ''تم نہیں لے جاتے تو میں خود جاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔

کامران اس کے پیچھے لپکا...... ''ابانا...... سنو تو فرقان اور سلیمہ کو بتا دیں۔''

''نہیں...... '' ابانا اور آگے بڑھی اس کے قدموں کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔

کامران نے ایک مرتبہ پورچ کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اور پھر بھاگ کر ابانا کی طرف لپکا۔ ''ابانا...... سنو...... وہ پریشان ہوں گے۔''

مگر ابانا اس وقت تک گیٹ پر پہنچ چکی تھی۔ کامران اس کی طرف دوڑا اور ابانا نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔ اب ابانا آگے آگے اور کامران اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کامران اسے آوازیں دے رہا تھا۔ لیکن ابانا نے اس کو آواز پر کوئی دھیان نہ دیا۔ وہ تیزی سے پہاڑی کی بلندی پر پتھروں اور سنگریزوں اور جھاڑیوں کو پھلانگتی ان میں سے راستہ بناتی آگے بڑھتی رہی اور کامران اس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ لیکن وہ اپنے اور ابانا کے درمیان فاصلہ کم نہ کر سکا۔

جس وقت کامران، ابانا کے ساتھ اپنی کوٹھی پہنچا۔ عثمانی بھی اپنی کار میں اسی وقت وہیں پہنچا تھا۔ کامران کو اس وقت عثمانی کی آمد بہت گراں گزری تھی۔ وہ اس وقت ابانا اور اپنے درمیان کسی اور کی موجودگی نہیں چاہتا تھا۔

''ہیلو کامران صاحب۔'' عثمانی نے کار روکتے ہوئے آواز لگائی۔ ''آج پھر پروگرام ہے کیا۔ میرا کیمرہ بھی میرے ساتھ ہے۔''

''بھاگ جاؤ...... '' کامران نے کہا۔ ''میں تمہاری صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا۔''

''مگر میں کیا کروں تم اتنے خوبصورت ہو کہ وہ خبیث بڈھا بھی کل تم پر ریجھ گیا تھا۔''

''عثمانی...... '' کامران کا لہجہ سخت تھا۔ ''چلے جاؤ، ورنہ...... '' اس نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

''جاتا ہوں یار جسمانی تشدد سے کیوں مارتے ہو۔ ہم تو ویسے ہی مرنے کے لیے تیار ہیں۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ تم نے میری پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

میں بلیک میلروں کا چارہ بننے کے لیے پیدا نہیں ہوا ہوں۔'' کامران نے غصہ سے کہا۔

عثمانی نے اپنی کار اسٹارٹ کی۔ ''تمہیں شاید اپنی رائے آج ہی بدل لینی پڑتی۔ مگر میرا لفافہ دیر سے پہنچا تھا۔ بہر حال کل ''صبح نو'' کی رپورٹ ضرور پڑھ لینا۔ ممکن ہے اس کے بارے میں تم نظر ثانی کر لو۔''

''میں تم جیسے لوگوں سے خوب نمٹنا جانتا ہوں سمجھے۔''

''میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوں استاد...... مجھ پر ہاتھ ڈالتے ہوئے خوب غور کر لینا۔''

اور کامران کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ عثمانی نے زوردار آواز سے کار بیک کی اور ٹاٹا کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ ابانا کامران کو اپنے ساتھ اندر لے آئی۔ ''یہ کون تھا۔''

عثمانی اب تک ابانا کی زندگی میں پہلا آدمی تھا جو ابانا کی سفلی قوت کے حلقہ اثر سے آزاد تھا۔ اس شخص کا ذہن اس نے کئی مرتبہ پڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن ہمیشہ ناکام رہی تھی۔ کئی مرتبہ اور خصوصاً آج اور اس وقت اس نے عثمانی کو اپنے زیر اثر لینے کی شدید کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔ پھر اس نے عثمانی کے بارے میں کامران کا ذہن پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی ناکامی ہوئی ہر مرتبہ اس کی سفلی قوت کے سامنے ایک سفید چادر تن جاتی اور اس کی ٹیلی پیتھی کی قوت اس سفید پردے کے پار نہ دیکھ پاتی۔

کامران نے جب ابانا کے بارے میں فرقان کو ٹیلیفون پر اطلاع دی تو اس کا ردعمل نہایت دوستانہ تھا۔ ''میں خود ابانا کو سوشل سرکل میں لانا چاہتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا تھا۔ ''وہ بے حد ذہین ہے اور جس قدر زیادہ لوگوں سے اس کا میل ملاپ ہوگا یہ اس کے حق میں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اس طرح وہ بہت جلدی کے ساتھ بولنا سیکھ جائے گی۔ اور اس کے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہوگا۔ مگر میری تم سے اتنی درخواست ہے کہ اس کے جذبات کو انگیخت نہ کرنا۔ اس سے اس کی ذہنی نشوونما پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ذہنی طور پر وہ ابھی دس بارہ سال کی بچی سے زیادہ نہیں ہے۔ دو تین ماہ کی اور بات ہے پھر اس کا ذہن بھی اس کے جسم کی طرح جوان ہو جائے گا۔''

کامران نے کچھ نہ کہا۔ صرف ہوں ہاں کرتا رہا۔ اسے فرقان کے رویہ پر تعجب تھا۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس کے لیے خود سلیمہ نے فرقان کو ہموار کیا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سلیمہ کے لیے اپنے دل میں ممنونیت کے لامحدود جذبات موجزن پانے لگا۔ لیکن ساتھ ہی بوڑھے کا خیال اسے پریشان کر گیا۔ کیا وہ سلیمہ کو بوڑھے کے حوالے کر سکے گا۔

''کہاں غائب ہوگئے۔'' فرقان کی آواز اسے فون پر سنائی دی۔

''سن رہا ہوں...... '' کامران نے جواب دیا۔

''میں خود ابانا پر زیادہ پابندیاں لگانا نہیں چاہتا ذہنی طور پر اس کے جلد از جلد بالغ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوش رہے اسے آزادی کا احساس رہے وہ خود کو پابند نہ سمجھے اس کا ذہن ہر طرح کے بوجھ سے آزاد ہو۔ اگر وہ تمہارے ساتھ خوش ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ میری مریضہ ہے اور میں اس کا معالج اور اگر تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ خیال ہے کہ میں اس میں دوسری نوعیت کی دلچسپی لے رہا ہوں تو میرا مشورہ یہی ہے کہ تم اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو...... ہر خوبصورت مریضہ معالج کی محبوبہ نہیں بن جاتی میرے دوست......''

فرقان بولتا جا رہا تھا۔ کامران نے اس مرحلے پر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''میرا ہرگز یہ مقصد نہیں میں تو......''

مگر فرقان نے اس کی بات پھر کاٹ دی۔ ''ممکن ہے تمہارا مطلب یہ نہ رہا ہو لیکن بہر

حال میں اپنی پوزیشن واضح کر رہا ہوں۔ ابانا سے میری دلچسپی کی نوعیت ایک معالج اور ایک مریضہ کی سی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ میں نے اس کی تربیت سے متعلق ایک خاص ذمہ داری مول لی ہے۔ اور اب تک اس سلسلے میں جتنے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ وہ بڑے حوصلہ افزا ہیں۔ کامران ''میرے دوست'' ابانا اب میری یا تمہاری یا کسی انفرادی شخصیت کی دلچسپی کا مرکز نہیں ہے۔ ابانا پر اس وقت دنیا بھر میں دلچسپی لی جا رہی ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں ان خطوط سے ہوگا جو ابانا کے بارے میں مجھے دنیا کے کونے کونے سے مل رہے ہیں۔ ان میں عام لوگ بھی شامل ہیں اور ماہرین بھی......''

پھر اس نے فون بند کر دیا۔ کامران اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن فرقان نے اسے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ وہ دراصل اس وقت فرقان کے ذہن سے یہ خیال نکالنا چاہتا تھا کہ وہ ابانا سے جذباتی دلچسپی رکھتا ہے۔

''کتنی عجیب بات ہے۔'' کامران نے سوچا۔ ''میں اب فرقان کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

کامران کے کردار میں یہ تبدیلی ابانا کی ذات نے پیدا کی تھی اور نہ آج تک اس نے کسی کے سامنے دب کر بات کرنے یا کسی معاملے میں اپنے کردار کی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ نہایت بے باک اور اکل کھرا آدمی تھا۔ اس کے دوستوں کا حلقہ بھی اسی لیے محدود تھا۔ اس لیے کہ اس کی کڑوی زبان ہمیشہ لوگوں کو اس کے قریب آنے سے بدکا دیتی تھی۔ اس نے آج تک کسی کے سامنے اپنی صفائی کی ضرورت پیش نہیں کی تھی اس لیے کہ اس کا کردار اور اس کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کھلی ہوئی کتاب کی مانند تھیں لوگ اس سے ناراض ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں نہایت بری رائے رکھتے تھے اسے مغرور کہتے تھے۔ لیکن اسے اس کی کوئی پرواہ نہ تھی لیکن جب سے ابانا اس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی شخصیت میں اور اس کے کردار و گفتار میں تبدیلی آ گئی تھی۔ ابانا اس کی کمزوری بن گئی تھی۔ وہ ابانا سے اپنی دلچسپی کو راز رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کی کتاب کا یہ باب ایسا تھا جس کے بارے میں اس کی کوشش یہی تھی کہ کوئی اسے پڑھ نہ سکے۔ اور جب رازداری کی مصلحت سامنے ہو جب دل کے چور کو دوسروں سے چھپانے کی کوشش کی جائے تو گفتگو میں اور طرزِ عمل میں غیر محسوس طریقہ پر نامانوس تبدیلی آ جاتی ہے۔

لیکن کامران کے لیے یہ تبدیلی نہ نامانوس تھی اور نہ ہی یہ تفاوت کردار عمل غیر محسوس طریقہ پر اس کی زندگی میں آیا تھا۔ وہ اپنے کردار کی اس تبدیلی سے خوب واقف تھا۔ اور کبھی کبھی جب وہ خالی الذہن ہو کر اس کے بارے میں سوچتا تو اس کو خود پر بے حد غصہ بھی آتا لیکن پھر ابانا کا خیال یوں کسی پہاڑی چشمے کے ٹھنڈے برفیلے پانی کی مانند بہتا ہوا اس کے ذہن پر تیر آتا کہ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا۔ اور اس کے غصہ کی حدت جذبات کی حدت میں تبدیل ہو جاتی۔

''کاش میں ابانا کو اپنا سکوں۔'' اس کے منہ سے بے تابی سے یہ جملہ ادا ہوتا۔

اور اس وقت فرقان کو فون کرنے کے بعد تمام خیالات کامران کے ذہن میں ایک

طوفان کی مانند آئے تھے۔ اور اس کا اختتام بھی ابانا کو اپنانے کی خواہش پر ہوا تھا۔ لیکن اس مرتبہ اس نے یہ جملہ ابانا کے پیکر کے تصور سے مخاطب ہو کر ادا نہیں کیا تھا۔ بلکہ خود ابانا کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے گوشت و پوست کے وجود سے کیا تھا۔ وہ اپنے خیالات کی بھول بھلیوں سے ابانا ہی کے ایک جملہ کے سہارے باہر آیا تھا۔

''کامران...... ناراض ہو......'' ابانا نے اس سے کہا اور کامران نے پلٹ کر دیکھا۔ ابانا کھڑکی میں کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کاش میں ابانا کو اپنا سکوں۔'' اس نے دل ہی دل میں اپنا یہ پسندیدہ جملہ دہرایا اور ابانا کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں کھڑکی میں کھڑے تھے کہ گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ اور اس وقت کامران کو محسوس ہوا کہ وہ بہت دیر تک اس کھڑکی میں کھڑا رہا ہے۔ اسے ہلکی ہلکی تھکن کا احساس ہوا اور وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں دیر تک کھڑکی میں کھڑے سامنے پھیلے ہوئے پہاڑی وادی کے حسن کو دیکھتے رہے۔ کامران بار بار ابانا کے بالوں، اس کی آنکھوں، اس کی لانبی سفید گردن اور اس کے گلابی گالوں کو چوم رہا تھا۔ اس کی سانسوں میں جذبات کی حدت کی مہک تھی۔

آنے والا کوئی اجنبی یا ناپسندیدہ شخص نہ تھا۔ یہ سلیمہ تھی۔ جس نے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہلکی سی اٹیچی تھی اور فرقان اپنی کار میں بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی سلیمہ نے کامران سے کہا۔

''یہ ابانا کے چند جوڑے کپڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ تمہیں اس وقت اس کا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ اس کے علاوہ تمہیں ابانا کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو مجھے فون کر دینا۔ میں خود تمہیں وہ چیز یہاں پہنچا دوں گی۔ اس میں تکلف یا ہچکچانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں مسز فرقان۔''

''نہیں......'' سلیمہ نے کہا۔ میں اپنا وعدہ پورا کر رہی ہوں۔ اور ہاں اسی اٹیچی میں ابانا کے روزانہ معمولات سے متعلق فرقان نے ایک تفصیلی پرچہ بھی رکھ دیا ہے۔ اس پر اگر تم عمل کرو تو۔ یہ ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔''

کامران نے فرقان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ناراض ہیں کیا مجھ سے......؟''

''اس پر بعد میں بات کر لینا......'' سلیمہ نے کہا اور وہاں سے تیز قدموں سے واپس چلی آئی۔

کامران نے انہیں بہت روکا لیکن وہ وہاں نہیں ٹھہرے۔ ''بہتر ہے اب تم اس اصرار کو ختم کر دو۔'' فرقان نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ ''ہمیں اپنے تعلقات کو خوشگوار رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔'' فرقان نے بڑے کڑوے لہجے میں کہا۔ وہ [illegible] وقت اس احساس سے بے چین ہو رہا ہے

کہ اب ابانا پر اس کی گرفت کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن دوسرے لمحہ اس نے سوچا کہ ابانا پر اس کی گرفت مضبوط ہی کب تھی۔ خود ابانا نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد کامران، فرقان کے اس جملے کا تجزیہ کرتا رہا۔ ''ہمیں اپنے تعلقات کو خوشگوار رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔'' وہ اس جملے میں پنہاں تلخی کو محسوس کر چکا تھا۔ اور اس بات پر متعجب تھا کہ فرقان نے جس دوستانہ اور مفاہمت کے انداز میں اس سے ابانا کے بارے میں فون پر گفتگو کی تھی۔ دوبدو گفتگو میں وہ جذبہ مفقود تھا۔ ''تو کیا...... فرقان نے ابانا میں اپنی مخصوص دلچسپی کے بارے میں اس سے غلط کہا تھا۔'' اس نے سوچا لیکن وہ اس کے صحیح اثباتی جواب کو قبول کر نے کے لیے تیار نہ تھا۔

☆......☆

ہوٹل ہل ٹاپ میں جس وقت کامران ابانا کے ہمراہ داخل ہوا تو وہاں ہلچل مچل گئی۔ ابانا اس چھوٹے سے پہاڑی شہر کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اور کامران بھی گذشتہ چند دن کی سرگرمیوں کے بعد یہاں پر اچھی طرح جانا پہچانا جانے لگا تھا۔ خود وکیل جعفری ان دونوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔ اور کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

''ہیلو مسٹر کامران......'' اس نے خوشدلی سے کہا۔ ''مبارک ہو۔''

''تمہارا دوست کہاں ہے۔'' کامران نے سوال کیا۔

''ہم وکیلوں کے دوست کہاں ہوتے ہیں۔ مسٹر کامران ہمارے صرف کلائنٹ ہوتے ہیں۔'' جعفری قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''میں عثمانی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''خاک چھان رہا ہوگا کہیں بڑا رپورٹر ہے نا......'' جعفری نے کہا۔ ''مسٹر فرقان نہیں آئے تعجب ہے۔''

''اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔'' کامران بولا اور ابانا کا ہاتھ تھامے ہوئے ایک میز کی طرف بڑھا۔ ''آؤ تم بھی بیٹھو......''

''ابانا کو وہ ہر وقت اپنی نگرانی میں رکھتے ہیں نا اس لیے میں نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔'' جعفری نے کہا۔

''اب ابانا پر ہر وقت نگرانی کی ضرورت نہیں رہی۔'' کامران نے جواب دیا۔

پھر چائے آ گئی ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ابانا کو ہوٹل ہل ٹاپ لانے کا مقصد یہی تھا کہ وہ عثمانی پر یہ ظاہر کردے کہ اب ابانا کی اس کے پاس موجودگی کوئی خلاف معمول بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ ابانا کو مختلف مقامات پر لے جا کر اسے انسانوں سے بھی مانوس کرنا چاہتا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کی توجہ اب صرف دو معاملات پر تھی۔ عثمانی سے وہ تصویریں اور نیگیٹیو حاصل کرنا اور

ابانا کو انسانی معاشرت سے مانوس کرنا۔ قتل کی پراسرار وارداتوں کی تحقیقات اب پس منظر میں جا چکی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس معاملہ کو لاینحل چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لیکن بہر حال یہ معاملہ فی الحال اس کے لیے ثانوی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

اور جب عثمانی ہوٹل ہل ٹاپ پہنچا تو اسے استقبالیہ کے کاؤنٹر ہی سے کامران اور ابانا کے ہوٹل میں آنے کی اطلاع ملی۔ یہ اس کے لیے دوسری حیرت انگیز بات تھی۔ آج شام ہی ابانا کو کامران کے ساتھ اس کی کوٹھی میں دیکھ کر وہ چونکا تھا۔ لیکن اس وقت اس نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ پھر اس نے کامران سے فوراً ملنے کے بجائے پہلے فرقان کو فون کیا لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون نہ اٹھایا۔ وہ لوگ شاید اس وقت حویلی میں نہیں تھے۔ پھر اس نے فرقان کی شہر والی کوٹھی پر فون کیا۔ لیکن وہاں بھی نوکر نے اسے بتایا کہ فرقان اس طرف نہیں آیا ہے۔ یہ بات عثمانی کے لیے حیرت انگیز تھی اور وہ حالات کے اس رخ کے بارے میں ذہن ہی ذہن میں الجھتا ہوا کافی روم کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں اسے اب کامران سے ملاقات کرنی تھی۔

ان کی یہ ملاقات خوشگوار انداز میں شروع ہوئی اور انتہائی ناخوشگوار موڑ پر ختم ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سنگین نتائج کی دھمکی دی تھی۔ اور ایک دوسرے کو مزا چکھا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ کامران کا کہنا تھا کہ وہ عثمانی کو اتنا تنگ کر دے گا کہ وہ خود ہی تصویریں اور نیگیٹیو دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اور عثمانی کا دعویٰ تھا کہ کامران کا پالا آج تک عثمانی سے نہیں پڑا تھا۔ اور یہ کہ وہ ایک مخصوص رقم لیے بغیر یہ تصویریں نہیں دے گا۔ ''میں پکوڑے نہیں بیچتا مسٹر کامران۔'' اس نے اپنا پسندیدہ جملہ کہا۔

''اور میں تمہیں واقعی پکوڑے بیچنے پر مجبور کردوں گا......'' کامران نے نہایت تلخی سے جواب دیا۔

فضا خاصی مکدر ہو چکی تھی۔ کامران اور عثمانی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ابانا خاموش تھی اس نے پھر عثمانی کا ذہن پڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔ پھر اس نے عثمانی کے بارے میں کامران کا ذہن پڑھنے کی کوشش کی لیکن عثمانی سے متعلق اس کا ذہن بھی بالکل صاف پایا۔ سفید پردہ اس کی ذہنی قوت اور عثمانی کے ذہن اور اس کے بارے میں دوسروں کے خیالات کے درمیان حائل تھا۔

ابانا کو عثمانی کا رویہ بے حد گراں گذرا تھا۔ وہ اس شخص کو شروع سے ناپسند کرتی تھی لیکن اس کو نقصان پہنچانے یا اس کے خلاف کارروائی کرنے کی اسے کبھی ہمت نہ ہوئی۔ اور اب کامران کے بارے میں عثمانی کے رویہ کو دیکھ کر اس کی ناپسندیدگی نفرت میں بدل گئی...... مصیبت یہ تھی کہ وہ خود اس مسئلہ پر کامران سے گفتگو نہیں کر سکتی تھی۔ کامران کے سامنے اسے بہر حال اپنی تربیت کا ڈھونگ رچائے رکھنا تھا۔ اس نے اس کا وعدہ سلیمہ سے کیا تھا۔ سلیمہ جو خود اس کی ایک نامحسوس کمزوری بن گئی تھی۔ کبھی کبھی اس نے مسئلہ پر بھی غور کیا کہ اسے سلیمہ اور کامران دونوں میں سے کس

سے زیادہ رغبت ہے۔ لیکن وہ اس کا کوئی جواب نہ دے پائی تھی۔ وہ سلیمہ اور کامران میں سے کسی کو فوقیت نہ دے پائی تھی۔ یہ دونوں ہی اس کے لیے بے حد عزیز تھے۔ اور سلیمہ کی بات سے اس کے لیے انکار کرنا یا سلیمہ کی بات کو رد کرنا یا اس سے کئے ہوئے وعدے سے منحرف ہونا اس کے تصور میں بھی نہیں آتا تھا۔

وہ ایک حیوان کے کئے ہوئے وعدے، ایک حیوان کے عہد وفاداری کے وعدے کی پابند تھی وہ اس وعدے کی خلاف ورزی کر سکتی تھی لیکن اس کے نتیجے میں اسے اپنا انسانی روپ تج دینا پڑتا۔ وعدے کی خلاف ورزی کے ساتھ ہی اس کا انسانی جسم اس سے چھن جاتا۔

''کیسی مجبوری ہے......'' اس نے سوچا۔ ''واقعی انسان ہم حیوانوں سے عظیم ہیں۔ یہ عہد شکنی کرتے ہیں اپنے وعدوں کو پامال کرتے ہیں۔ اپنی قسمت کو توڑتے ہیں لیکن اس کی سزا نہیں پاتے۔ اور ہم حیوان جو کبھی کبھار انسانی روپ اختیار کرتے ہیں۔ کتنی پابندیوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ کاش یہ سب انسان حیوان ہوتے اور پھر انہیں یہ انسانی روپ ملا ہوتا تب یہ جانتے کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی کیا سزا ہوتی ہے۔

کامران اور عثمانی میں اب بھی تلخ کلامی جاری تھی۔ اور وہ بہت بے چینی کے عالم میں پہلو بدل رہی تھی۔ دو ایک مرتبہ اس نے کامران سے وہاں سے اٹھ کر چلنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن کامران نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ آج عثمانی کے چکر کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ ''میں تمہیں بند کروا دوں گا۔ تمہارا اغواء ہو جائے گا اور تمہارا سراغ تک نہیں مل سکے گا۔ میں ریتی سے تمہاری کھال رگڑوا دوں گا۔ سمجھے...... بلیک میلروں کے لیے میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''جعفری میرے دوست تم وکیل ہو اور اس تمام گفتگو کے گواہ ہو۔'' عثمانی نے وکیل جعفری سے کہا۔ ''میری طرف سے آج تم یہ رپورٹ درج کراؤ گے کہ مجھے یعنی عثمانی کو خطرہ ہے کہ وفاقی محکمہ سراغرسانی کے ایک اعلیٰ افسر مسٹر کامران مجھے اغواء کرنے اور جان سے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' عثمانی کا لہجہ بڑا سپاٹ اور زہریلہ تھا۔ پھر وہ کامران سے مخاطب ہوا۔ ''مجھے بد کردار افسر بے حد ناپسند ہیں میرے دل میں ان کے لیے رحم کی کوئی گنجائش نہیں۔''

''جعفری...... جعفری......'' ابانا کے ذہن میں جھماکے ہوئے اسے اپنے اوپر بے حد غصہ آیا۔ کہ آخر یہ سامنے کی بات اس کے ذہن میں پہلے کیوں نہ آئی۔ وہ عثمانی کو مزا چکھانے کے لیے جعفری کو بھی تو استعمال کر سکتی تھی۔ کامران کے ہاتھوں عثمانی کی ٹھکائی کرانے کا کئی مرتبہ اس کے ذہن میں خیال آیا تھا لیکن اسے خطرہ تھا کہ اس سے معاملات کا رخ ایک دم کامران کے خلاف ہو جائے گا۔ وہ خود بھی عثمانی پر حملہ کر سکتی تھی لیکن ایسی صورت میں وہ عثمانی کے سامنے ایک حقیر نازک اندام سی عورت ثابت ہوتی۔ اس کی وہ سفلی اور حیوانی قوت جس سے وہ دوسرے انسانوں کو زیر کر سکتی تھی، اپنا مطیع بنا سکتی تھی۔ عثمانی کے وجود پر پھیلی ہوئی سفید چادر کے سامنے ہیچ تھی۔ اسے ملال

تھا کہ کیوں اس نے عثمانی کو اسی دن جب وہ پہلی مرتبہ فرقان کی حویلی میں داخل ہو کر اس کے پاس پہنچا تھا۔ اور اس کے جذبات انگیخت ہوئے تھے۔ ٹھکانے نہیں لگا دیا تھا۔'' مگر کیا معلوم تھا کہ حالات ایک دن یہ رخ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔'' اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

''جعفری...... جعفری......'' ابانا کے ذہن میں پے در پے جھماکوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اور پھر اس نے جعفری کے توسط سے سبق دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے لمحہ جعفری جو ابانا کی طرح اس تمام معاملے سے بے تعلق بنا بیٹھا تھا۔ گفتگو میں شامل ہو گیا۔

''عثمانی...... بہت ہو گیا...... میرا خیال ہے کہ تم وہ تصویریں واپس کر دو۔ تم نے بہت سے لوگوں کو بلیک میل کیا ہے سمجھ لینا کہ ایک میں تمہیں ناکامی ہوئی۔ کیا ضروری ہے کہ تم ہر شخص کو جس کی کمزوری تمہارے ہاتھ میں آ جائے بلیک میل کرو۔''

جعفری کی مداخلت پر عثمانی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''اس معاملے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''نہیں...... میں ضرور دخل دوں گا۔ اور وہ تمام تصویریں اور نیگیٹیو بھی مسٹر کامران کے حوالے کر دوں گا۔'' جعفری نے غصہ سے کہا۔ ''میں ایک شریف آدمی کو اس طرح پریشان ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔''

''تم نیگیٹیو نہیں دو گے۔'' عثمانی نے کہا۔ ''یہ میرا اور کامران کا معاملہ ہے۔ تم صرف میرے وکیل ہو۔''

''میں اب تمہاری وکالت نہیں کروں گا۔ سمجھے۔'' جعفری نے کہا۔ ''مسٹر کامران آپ وہ تصویریں ابھی مجھ سے لے سکتے ہیں۔''

پھر عثمانی نے کھڑے ہو کر زور سے جعفری کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ابانا کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس کے زیر اثر کافی روم میں بیٹھا ہوا ہر شخص اس جھگڑے میں فریق بن گیا تھا۔ اس ہنگامے کے دوران کامران، ابانا کو وہاں سے لے کر ایک طرف ہٹ آیا۔ لڑکیاں اور عورتیں بری طرح چیخ رہی تھیں۔ گلاس، بوتلیں، جگ، پیالیاں چھن چھن کر کے ٹوٹ رہے تھے۔ گالیوں اور شور وغوغا کے طوفان سے کافی روم میں کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ ہر شخص کسی نہ کسی سے الجھا ہوا تھا۔

کامران ابانا کو کافی روم سے باہر لے کر آ گیا۔ اور اسے ری سیپشن کے کاؤنٹر کے پاس کھڑا کر کے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو ابانا...... میں ابھی آتا ہوں۔''

''اچھا......'' ابانا نے کہا۔

ہنگامہ پولیس کے آنے کے بعد فرو ہوا۔ اس وقت تک کافی ہاؤس میں موجود ہر شخص ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ ہر شخص کے چہرے پر نیل کے نشانات تھے۔ کچھ کے شیشے کے ٹکڑوں سے آنے والے

زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔لیکن پولیس کے آنے تک وہ مدہوشوں کی طرح ایک دوسرے سے اُلجھے رہے۔ان میں سے کسی کو یہ پتہ نہ تھا کہ وہ کیوں لڑ رہا ہے بس سامنے آنے والے شخص کو دیکھ کر اس کے دل اور ذہن میں نفرت کی چنگاریاں نکلتیں اور وہ اس پر حملہ آور ہو جاتا۔

ہنگامے پر قابو پانے کے بعد جب پولیس نے اس کے سبب کے بارے میں سوالات کئے تو کسی نے اس کا تشفی بخش جواب نہیں دیا۔لیکن اس بات پر سب متفق تھے کہ ہنگامہ کس میز سے شروع ہوا تھا۔

کامران کی توقع کے مطابق عثمانی اور جعفری نے بھی ہنگامے کا سبب نہیں بتایا۔انہوں نے ایک دوسرے سے شکایت بھی نہیں کی۔اور اس نشست پر کامران کی موجودگی کے سبب بھی پولیس نے ان سے زیادہ...... اصرار نہیں کیا۔

پولیس کے جانے کے بعد جعفری، کامران اور ابانا کو لے کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگا عثمانی پولیس کی پوچھ گچھ کے دوران ہی وہاں سے کھسک لیا تھا۔''مسٹر کامران جلدی...... میرا خیال ہے...... عثمانی کا بچہ انہی تصویروں کی تلاش میں گیا ہوگا۔''

ان کا خیال درست ثابت ہوا۔عثمانی جعفری کے کمرے ہی میں بیٹھا تھا۔اور کمرے میں رکھی ہوئی الماری کھلی ہوئی تھی۔

''مجھے بتاؤ تم نے تصویریں کہاں رکھی ہیں جعفری......'' عثمانی نے نہایت تلخ لہجہ میں کہا۔ ''میں تمہاری زندگی حرام کر دوں گا۔''

جعفری تیزی سے لپک کر لوہے کی الماری کے قریب گیا۔اس میں لگی ہوئی مضبوط آہنی سیف کھلی پڑی تھی۔اور اس میں سے تصویریں اور نیگیٹیو غائب تھے۔

اس نے مڑ کر عثمانی کو نہایت غضب ناک نگاہوں سے دیکھا۔

OOO

''تصویریں واپس کر دو عثمانی۔'' جعفری نے کہا۔''ورنہ میں تمہارے خلاف سرقے کے رپورٹ کر دوں گا۔مسٹر کامران اس بات کی گواہی دیں گے کہ جب ہم لوگ یہاں داخل ہوئے تو الماری اور اس میں لگی آہنی سیف کھلی پڑی تھی۔اور تم میرے کمرے میں موجود تھے۔''

''اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ تصویریں بھی میں نے ہی لی ہیں۔'' عثمانی طنز آمیز لہجے میں بولا۔''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔میں تمہارے خلاف خیانت مجرمانہ کا مقدمہ کر دوں گا۔تم میرے وکیل ہو۔تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے موکل کے کاروباری راز کسی اور کے حوالے کر دو۔''

''بکواس بند کرو عثمانی!'' کامران نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔پھر وہ جعفری سے مخاطب ہوا۔''مسٹر جعفری آپ علاقے کے تھانے میں چوری کی رپورٹ درج کرا دیں۔ساتھ ہی اپنے شبہے سے بھی پولیس کو آگاہ کر دیں۔''

جعفری ٹیلیون کی طرف بڑھ گیا۔ابانا اب تک خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔لیکن جب جعفری نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ بول اٹھی۔

''ٹھہر جاؤ جعفری......'' اس کے لہجے میں نہ جانے کیسا تاثر تھا کہ عثمانی اور کامران بھی چونک اٹھے اور جعفری کا بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

''کیوں......؟'' کامران نے پوچھا۔

''جھگڑا بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔'' ابانا رک رک کر بولی۔''مجھے گھر واپس لے چلو...... میرا دل گھبرا رہا ہے۔عثمانی سے کسی اور وقت نمٹ لینا۔''

عثمانی کے چہرے پر بڑی زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔پھر جعفری کے روکنے کے باوجود کامران ابانا کو لے کر چلا گیا۔دونوں کے جانے کے بعد جعفری کو اپنے اب تک کے رویہ پر اچانک شرمندگی سی محسوس ہوئی۔اسے عثمانی کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔کافی دیر تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔پھر عثمانی نے ہی اس خاموشی کو توڑا تھا۔

''اچھا مسٹر جعفری......'' وہ کرسی سے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔''میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔تم میرے تمام کاغذات لے کر وہیں آ جاؤ۔''

جعفری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عثمانی چند لمحے اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور سیدھا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ سامنے ہی خبیث بوڑھا کھڑا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں تصویروں کے لفافے دبے ہوئے تھے۔

''آؤ..... آؤ.....'' بوڑھے نے کہا۔ ''رک کیوں گئے؟ میں تمہارا دشمن نہیں۔ گھبراؤ نہیں میں تو تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں یہ دیکھو..... یہ وہ تصویریں اور کاغذات ہیں جو کامران نے تمہارے کمرے سے غائب کی تھیں۔''

عثمانی جیسے سوتے سوتے چونک گیا ہو..... اس نے جھپٹ کر بوڑھے کے ہاتھ سے تمام چیزیں چھیننے کی کوشش کی لیکن بوڑھا اس سے زیادہ تیز ثابت ہوا تھا۔ وہ تیزی سے ایک جانب ہو گیا۔ اور عثمانی ہاتھ مل کر رہ گیا۔

''چالاک بننے کی کوشش مت کرو.....'' بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''تصویریں اور کاغذات میں تمہارے حوالے ہی کرنے کے لیے لایا ہوں مگر.....''

''مگر کیا؟'' عثمانی نے بوڑھے کو رکتے دیکھ کر کہا۔

''تمہیں میری ایک شرط ماننا پڑے گی۔''

''کیسی شرط.....'' عثمانی نے بے تابی سے پوچھا۔

''پہلے کمرے کا دروازہ بند کرو۔ پھر اطمینان سے گفتگو ہوگی۔'' بوڑھے نے جواب دینے کے بجائے کہا۔

جب عثمانی دروازہ بند کر کے پلٹا تو بوڑھا اطمینان سے پاؤں پھیلائے بستر پر دراز تھا۔ کاغذات اب بھی اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے تھے۔ وہ بھی آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور بوڑھے کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

☆..... ☆

کامران جب ابانا کو لے کر کوٹھی پر پہنچا تو ایک اور صدمہ اس کا منتظر تھا۔ اس کے مخصوص کمرے میں سامان بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا وہ سمجھ گیا کہ تصویریں وغیرہ غائب ہو چکی ہیں۔ وہ شکست خوردہ سا کرسی پر گر گیا۔ اسے اپنی اب تک کی تمام کوششوں پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اسے حیرت اس بات کی تھی کہ آخر یہ سب کس کی حرکت ہے۔ عثمانی کو تو وہ جعفری کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ اور اتنی جلدی وہ یہاں پہنچ کر یہ سب نہیں کر سکتا تھا۔ پھر.....؟

اچانک اس کے ذہن میں جھماکا ہوا..... اسے یاد آیا کہ ہوٹل ہل ٹاپ میں عثمانی اس کے پہنچنے کے بعد ہی پہنچا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے روانہ ہونے کے بعد وہ یہاں داخل ہوا ہو۔ اور تصویروں وغیرہ پر قبضہ کر کے ہی ہوٹل میں واپس پہنچا ہو؟ کامران جیسے جیسے سوچتا اس کا یہ خیال پختہ ہوتا گیا۔ غصہ سے اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اور مٹھیاں بھینچ کر بول پڑا۔ ''اچھا بیٹے..... تمہیں

ایک سبق اور دینا پڑے گا۔'' پھر بالوں میں ابانا کی انگلیوں کی سرسراہٹ ہی نے اسے اس کیفیت سے نجات دلائی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ پرسکون ہوتا جا رہا تھا۔

''ابانا.....'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جی.....'' ابانا نے مترنم لہجے میں بولی۔

''تمہیں پانے کے بعد اب میں محسوس کرتا ہوں کہ پہلے میری زندگی ایک اجاڑ صحرا کی مانند تھی۔'' کامران خوابیدہ آواز میں بولتا گیا۔ ''لیکن تمہاری شخصیت میں نہ جانے کیسی کشش ہے..... نہ جانے کیسی جاذبیت ہے کہ میں..... جس نے آج تک کسی لڑکی کے حسن کا اثر قبول نہیں کیا..... تم سے مستقل دوری کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' اس نے ابانا کا ہاتھ تھام کر اسے سہلانا شروع کر دیا تھا۔ ابانا بڑی مشکل سے اپنی فطری جبلت پر قابو پائے ہوئے تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی حالت قابو سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ اور جب اس نے محسوس کیا کہ اب مزید وہ جذبات کو نہیں روک سکے گی۔ تو اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ کامران بھی چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ابھی اسے بہت کام کرنا تھا۔ سامان ٹھیک کرنے کے بعد اور کپڑے بدل کر ابھی اسے ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ سے رابطہ قائم کرنا تھا اور انسپکٹر شاہد کو فون کر کے عثمانی کے متعلق چند ہدایات دینا تھیں۔

ابانا بھی کپڑے تبدیل کرنے غسل خانے میں چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو کامران کسی سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کئی دفعہ کوشش کے بعد بھی شاید وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ ابانا ایک بار پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

☆..... ☆

صبح بڑی ہنگامہ خیز تھی۔ ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ ابھی تک لاپتہ تھے۔ اور کامران، عثمانی کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ عثمانی نے اخبار میں کامران اور ابانا کی نیم برہنہ تصاویر چھاپ دی تھیں۔ ساتھ ہی سرخی لگی ہوئی تھی۔ ''عصمتوں کے محافظ عوامی عدالت میں'' اور اس سرخی کے نیچے تفصیل سے کامران کے کردار پر کیچڑ اچھالی گئی تھی۔ خبر میں یہاں تک کہا گیا تھا کہ کامران نے ابانا کو حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ کو طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے پریشان کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے تنگ آ کر وہ لوگ اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر کسی خفیہ جگہ پر منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اخبار پڑھتے ہی کامران گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ہوٹل ہل ٹاپ پر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ عثمانی تو گزشتہ رات ہی کو وہاں سے اپنا سامان لے کر کہیں اور چلا گیا تھا۔ وکیل جعفری سے بھی اس کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اور اب وہ پاگل کتے کی طرح چکرا رہا تھا۔ اس وقت دن کے دو بجے تھے۔ وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک نزدیکی ہوٹل میں جا بیٹھا۔ اور چائے کا آرڈر دینے کے بعد اب تک کی کارکردگی کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کی نظریں ہوٹل کے سامنے والی سڑک پر لگی تھیں۔ اور وہ ہر گزرنے والے کا جائزہ بھی لیتا جا رہا تھا۔

صبح سے اس وقت تک کی بھاگ دوڑ بے نتیجہ ثابت ہوئی تھی۔عثانی کا کہیں پتہ نہیں چل سکا تھا۔ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

بیرے نے چائے لاکر رکھی اور وہ آہستہ آہستہ چائے کی چسکیاں لینے لگا۔اس کی نظریں اب بھی دروازے پر لگی تھیں۔ابھی آدھی پیالی خالی ہوئی تھی کہ سامنے سے گذرتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے فرد پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونک اٹھا۔وہ شخصیت کچھ ایسی ہی تھی کہ اسے سیٹ چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا۔وہ کاؤنٹر پر پیسے ادا کرنے کے بعد تیزی سے باہر کی جانب لپکا۔باہر کھڑی ہوئی گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ اسی سمت روانہ ہوگیا۔جدھر ٹیکسی گئی تھی۔تھوڑی دور جانے کے بعد اسے ٹیکسی نظر آ گئی۔اس کا رخ پہاڑیوں کی جانب تھا۔کامران نے مناسب فاصلے کا تعاقب جاری رکھا۔

پھر پہاڑیوں کے درمیان ایک جگہ ٹیکسی رک گئی۔کامران نے بھی ٹیکسی رکتے دیکھ کر فاصلے پر اپنی گاڑی روک دی۔ٹیکسی سے اترنے والی شخصیت ابانا تھی۔ٹیکسی کے واپس ہوتے ہی وہ ایک جانب پیدل ہی چل رہی تھی۔مجبوراً کامران کو بھی اپنی گاڑی چھوڑنا پڑی۔ابانا ادھر ادھر دیکھے بغیر آگے بڑھے جا رہی تھی۔پھر اس سفر کا اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔

یہاں پہلی بار اس نے رک کر چوکنا انداز میں اپنے اطراف نظر ڈالی تھی۔کامران جلدی سے ایک چٹان کی آڑ میں ہوگیا ورنہ اس کا دیکھ لیا جانا یقینی تھا۔پھر اس نے غار میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔لیکن جھجک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔غار کے اندر جو کوئی بھی تھا۔اس نے مداخلت کے خطرے سے بچنے کے لیے یقیناً دہانے کی حصار بندی کر رکھی تھی۔دن کے تقریباً تین بجے تھے۔لیکن اس وقت بھی غار کے اندر مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔اندر سے سانپ کی سی پھنکار کے ساتھ ساتھ کسی کی مسلسل سسکیوں کی آواز باہر کھڑی ابانا کے کانوں میں آ رہی تھیں۔لیکن وہ انتہائی کوشش کے باوجود حصار توڑنے میں ناکام رہی تھی۔وہ واپس پلٹ پڑی۔اس کا رخ سڑک کی جانب تھا۔

اب کامران کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔اس نے گاڑی کھڑی کرتے وقت احتیاط سے کام نہیں لیا تھا۔اسے گاڑی کو کسی چٹان وغیرہ کی آڑ میں چھپا دینا چاہئے تھا۔لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ابانا یقیناً اس کی گاڑی پہچان لیتی۔لہذا مزید چھپے رہنے میں اسے کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔جب ابانا اس کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ آڑ سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

ابانا نے اسے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔اس کے بجائے اس کے چہرے پر ایک رنجیدہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کامران کی موجودگی اور اس کے تعاقب کا پہلے سے علم تھا۔چند منٹ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے اور پھر کامران نے خاموشی سے ایک طرف ہٹ کر ابانا کو گذرنے کا راستہ دیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے سڑک کی طرف روانہ ہوگیا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد ابانا سیدھی کامران کی کار کی طرف گئی تھی۔دونوں خاموش تھے اور

اپنی اپنی سوچوں میں گم......

پھر خاموشی کا یہ طلسم اس وقت تک نہیں ٹوٹا جب تک دونوں کامران کے بنگلے پر نہیں پہنچ گئے۔

ٹیلیفون کی گھنٹی نہ جانے کب سے بج رہی تھی۔اس نے ریسیور اٹھایا۔دوسری جانب سے انسپکٹر شاہد بول رہا تھا۔''جی ہاں...... مرکز سے کئی بار آپ کے بارے میں پوچھا جا چکا ہے۔ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی فون آیا تھا۔اور کہا گیا کہ آپ جہاں بھی ہوں تلاش کر کے یہ پیغام پہنچا دوں کہ فوری طور پر اپنے چیف افسر سے رابطہ قائم کریں۔''

''ٹھیک ہے...... میں ابھی تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور نہانے کے لیے باتھ روم میں گھس گیا۔

☆......☆

عثانی کا سکوٹر پہاڑیوں کے درمیان بنی ہوئی پگڈنڈی پر ہچکولے کھا رہا تھا۔شیو بڑھا ہوا تھا۔اور لباس میں جگہ جگہ شکنیں نمودار ہو چکی تھیں۔وہ دو دن سے پہاڑیوں میں بنے ہوئے ایک قدرتی پوشیدہ غار میں رہ رہا تھا۔دو دن میں آج پہلی بار وہ تھوڑی دیر کے لیے حالات کا جائزہ لینے آبادی کی طرف نکل گیا تھا۔اور اپنے ایک واقف کار کے گھر سے فون کر کے اخبار کے ایڈیٹر سے رابطہ قائم کیا تھا۔

ایڈیٹر نے تمام حالات بتانے کے بعد اس سے کہا تھا کہ وہ فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا ہے۔لیکن عثانی نے اسے ٹال دیا تھا۔اور اب وہ دوبارہ اپنی خفیہ رہائش گاہ کی طرف واپس پلٹ آیا تھا۔

اسے معلوم ہوا تھا کہ کامران کو اس کے چیف کی طرف سے بری طرح لتاڑ گیا تھا اور اب وہ اس کی تلاش میں پاگل ہو رہا تھا۔مرکز کے احکامات کے تحت مقامی پولیس اور انسپکٹر شاہد نے اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔اور وہ تنہا رہ گیا تھا۔وہ یہی کچھ سوچتا اور مستقبل کے متعلق لائحہ عمل بناتا چلا جا رہا تھا۔کہ ایک دھماکے سے اسکوٹر کا پچھلا ٹائر پھٹ گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔اسکوٹر روک کر اس نے تیزی سے ایک جانب چھلانگ لگائی اور ایک ابھری ہوئی چٹان کی آڑ میں ہوگیا۔چھلانگ لگاتے وقت اس نے تعاقب میں آتے ہوئے کامران کی جھلک دیکھ لی تھی۔جس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

ابھی وہ فرار کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ شانوں پر کسی کے ہاتھوں کی گرفت محسوس کر کے چونک اٹھا۔اس نے مڑ کر دیکھا بوڑھا اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔عثانی جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

کامران اب اس کے اسکوٹر کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔بوڑھے نے عثانی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود چٹان کی آڑ سے نکل کر کامران کے سامنے آ گیا۔بوڑھے کو دیکھ کر کامران کے چہرے پر نفرت بکھر گئی۔

''تم......'' وہ پھنکارا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

''میں تیری جان لے لوں گا۔'' اس نے ریوالور کا رخ بوڑھے کی طرف کیا لیکن نگاہیں ملتے ہی اس کا ہاتھ کپکپایا اور ریوالور چھوٹ کر گر گیا۔

''ہا...... ہا...... ہا......'' بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ ''آؤ...... آؤ...... پیارے میرے سینے سے لگ جاؤ۔ وہ کامران کی طرف بڑھا اور کامران نے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوا کہ زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لئے ہوں۔

پھر ممکن ہے کہ بوڑھا کامران کو لے کر رخصت ہو جاتا لیکن ابانا کی مداخلت پر وہ بپھر اٹھا تھا۔

''بابا......'' ابانا کی دھاڑ سناٹے میں دور دور تک پھیل گئی تھی۔ اور بوڑھا بدک اٹھا تھا۔

اس نے اپنے شکار پر سے نظریں ہٹا کر دیکھا سامنے ابانا کھڑی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور غصہ سے چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس وقت اس کا حسن کچھ اور ہی بہار دکھا رہا تھا۔

''تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی بابا......'' اس بار بھی ابانا ہی نے پہل کی تھی۔

''جا...... بھاگ جا......'' بوڑھا چلایا۔ ''چلی جا...... میرے راستے سے ہٹ جا...... ورنہ میں تجھے فنا کر دوں گا۔''

جواب دینے کے بجائے اس نے بوڑھے پر چھلانگ لگائی تھی لیکن اس کے بدن سے ٹکرا کر پتھریلی زمین پر آ رہی۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس وقت تک بوڑھا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا اپنا عمل مکمل کر چکا تھا۔ ابانا کو ایسا محسوس ہوا کہ اسے رسی سے جکڑا جا رہا ہو۔ اس نے پورا زور لگا کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہا تھا۔ لیکن بے بس ہونے کے علاوہ وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔

''اس وقت تو بالکل بے بس ہے۔'' بوڑھا منمنایا۔ ''میں چاہوں تو تجھے فنا کر سکتا ہوں۔ لیکن...... کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ وہ اپنی تخلیق کو ختم کر دے۔ میں بھی نہیں چاہتا لیکن یہ یاد رکھ کہ کوئی بھی چیز اپنے خالق سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ تو قیامت تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ تیرا موجودہ روپ میرا ہی بخشا ہوا ہے۔ یہ مت بھول...... ایک بات اور دھیان سے سن لے۔ تیری اصل ہی تیری آخری پناہ گاہ ہے۔ تجھے انسانوں سے سوائے دکھ کے کچھ اور حاصل نہ ہو گا۔ اس دور میں انسانیت ایک دھوکہ ہے۔ ایک فریب ہے جسے انسان اپنے شیطانی کردار کو چھپانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اب میں جا رہا ہوں میری بات کو ذہن میں رکھنا...... ورنہ بری طرح پچھتائے گی۔''

پھر اس نے عثمانی کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ آہستہ ایک سمت کو روانہ ہو گیا۔ بوڑھے کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد ہی ابانا اور کامران کو موجودہ کیفیت سے نجات مل سکی تھی۔

دونوں آگے پیچھے بستی کو جانے والی سڑک کی سمت روانہ ہو گئے جہاں کامران نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ کامران بوڑھے کے جملوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ابانا کے چہرے پر پہلی بار شکست خوردگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ بے حد کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ گاڑی پر بیٹھتے ہی اس

نے آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا اور تھوڑی دیر بعد مدھم مدھم خراٹے نشر ہونے لگے تھے۔

کامران نے تشویش آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پلٹ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ جہان آباد آئے ہوئے اسے تیسرا دن تھا۔ سلیمہ اس کے ساتھ تھی۔ اور اس وقت وہ اس کے برابر کے کمرے میں سو رہی تھی۔ رات کے تین بجے کا عمل تھا۔ فرقان کی آنکھ بھی بس اچانک ہی کھلی تھی۔

دونوں تقریباً دس بجے رات کو کہیں باہر سے آئے تھے۔ اور اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ جہان آباد آنے سے پہلے ڈاکٹر فرقان نے ایک مضافاتی بستی میں بنگلہ کرائے پر حاصل کر لیا تھا۔ اور اب دونوں اس میں رہ رہے تھے۔

گھوم کر آنے کے بعد دونوں اس قدر تھک چکے تھے کہ آتے ہی سو گئے تھے۔ اور اب اچانک آنکھ کھل جانے سے ڈاکٹر فرقان پر بے چینی اور گھبراہٹ حملہ آور ہوئی تھی اور وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اور برابر کے کمرے میں سلیمہ بے خبر سو رہی تھی۔

دونوں صبح گھر سے نکلے تھے اور مختلف مقامات پر تفریح کرتے رہے تھے۔ پھر پارکوں ہوٹلوں اور کلبوں سے اکتا کر وہ شہر سے باہر واقع جھیل کی طرف نکل گئے تھے۔ ضروری سامان بازار سے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں پہنچنے کے بعد یہ لوگ وہاں کی فضا میں اس طرح کھو گئے تھے کہ انہیں کسی بات کی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوتے انہیں نو بج گئے تھے۔ اور پھر شہر میں ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد جب گھر آئے تو بہت تھکے ہوئے تھے۔ لیکن ہر غم سے آزاد سو گئے تھے۔ ڈاکٹر فرقان نے تمام دن کی مصروفیات کے بارے میں ذہن ہی ذہن میں سوچا لیکن اسے اپنی بے چینی کا سبب دریافت کرنے میں شاید اب بھی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ٹہلتے ٹہلتے جب بہت دیر ہو گئی تو وہ برابر کے کمرے کا دروازہ کھول کر سلیمہ کے بستر کی جانب بڑھا۔

سلیمہ اس وقت بے حد پرسکون اور گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ اپنا سایہ کئے ہوئے تھی۔

وہ آہستگی سے مسہری کے کنارے پر بیٹھ گیا اور خالی الذہن سا اس کی صورت تکنے لگا۔

پھر اُس نے سلیمہ کو بھی جگا دیا تھا۔ سلیمہ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ لیکن اپنے سامنے ڈاکٹر فرقان کو پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''فرقان......'' اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''ہوں......''

''تم اب تک جاگ رہے ہو؟'' سلیمہ فرقان کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھا کرتی ہوئی

بولی۔ ''نیند نہیں آئی تمہیں؟''

''نہیں یہ بات نہیں۔ بس اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔''

''کیا ابانا یاد آ رہی ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''واپس کیوں نہ چلے چلیں۔ جانے وہ کس حال میں ہوگی۔ عثمانی کا بھی کوئی پتہ نہیں کہیں وہ خبیث بوڑھے کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو...... ویسے کامران اس کی تلاش میں پاگل ہو رہا ہوگا۔''

''کہہ تو ٹھیک رہی ہو۔'' ڈاکٹر فرقان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''عثمانی ہے بہت تیز...... کامران کو اس سے الجھنے پر اب یقیناً پچھتاوا ہو رہا ہوگا۔ خیر چھوڑو...... ہمیں کیا......؟ اس مسئلے پر صبح بات کریں گے۔ اس وقت سوچ کر کیوں ذہن کو پریشان کریں۔'' فرقان نے سلیمہ کے ہونٹوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

OOO

میری شخصیت میں یہ کیسی تبدیلی آتی جا رہی ہے۔ کامران سوچ رہا تھا۔ ''میں کس طرف جا رہا ہوں......؟ یقیناً یہ تباہی کا راستہ ہے۔ مجھے ان معاملات میں اس حد تک ملوث نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ابانا...... ابانا آخر ہے کیا بلا......؟ کیوں میں اس کی چاہت میں دیوانہ بن گیا ہوں......؟'' پھر اسے گذشتہ واقعات یاد آئے۔ ''آخر خبیث بوڑھے سے اس کا کیا تعلق ہے؟ بوڑھے نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ ابانا کا خالق ہے؟ آخر وہ تمام واقعات میں کیوں اپنی ٹانگ اڑاتی ہے؟'' وہ جتنا سوچتا اس کا دماغ الجھتا جاتا اسے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

پھر اسے اپنے چیف افسر کی تنبیہہ یاد آئی اور عثمانی کے خلاف اس کی نفرت ایک بار پھر عود کر آئی۔ اس عثمانی کے بچے کو میں وہ سبق دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ لیکن وہ ہے کہاں؟...... بوڑھے نے اسے کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ اسے کس طرح تلاش کیا جائے؟ ابانا...... وہاں ابانا مددگار ثابت ہو سکتی ہے...... مجھے فی الحال اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے کہ وہ کیا ہے۔ وہ کچھ بھی ہے مجھ سے محبت کرتی ہے اور میرے لیے خطرات سے الجھ سکتی ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہ مجھے ایک کھلونے کی طرح استعمال کر رہی ہے۔ میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے اب اسے چارے کی طرح استعمال کروں گا۔'' اس نے خود کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔ پھر ابانا کی آواز نے اس کی توجہ ان سوچوں سے ہٹا دی تھی۔

''کامران......'' ابانا کے لہجے میں اگاوٹ تھی۔ کامران نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ پھر بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو کامران؟''

''میں سوچ رہا ہوں ابانا......'' اس نے ابانا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ تم کتنی پیاری ہو......''

''کامران......''

''ہاں...... ابانا...... میں نے جتنا ٹوٹ کر تمہیں چاہا ہے اتنا آج تک کسی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔ یہ جانے بغیر کہ تم کون ہو...... کیا تم نے اب تک اس بات کو محسوس نہیں کیا؟''

''تم سچ کہہ رہے ہو......'' ابانا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات بکھر گئے۔

''پھر مجھے بتاؤ کہ آخر تم کون ہو...... تمہارا اس خبیث بوڑھے سے کیا تعلق ہے؟''

''تھوڑا صبر کرو کامران...... میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی۔''

''ابھی بتانے میں کیا حرج ہے۔''

''تم نہیں سمجھتے کامران......'' ابانا بے حد اداسی سے بولی۔ ''مجھ پر بھروسہ کرو...... اپنی ابانا کا بھی اعتبار نہیں کیا تمہیں؟''

''اوہ...... ابانا مجھے معاف کر دو...... میں اپنی پریشانیوں کی وجہ سے ذہن کو قابو میں نہیں رکھ سکا...... اداس مت ہو...... میں تم پر شک نہیں کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں'' ابانا نے کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ حالات نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ مجھے تمہاری بات سے کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ میں تو یہ سوچ کر اداس ہو گئی تھی کہ میں کتنی مجبور ہوں بے بس ہوں کہ اپنے محبوب کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ابانا۔ میں مایوس نہیں ہوں...... ایک نہ ایک دن ان اسرار سے ضرور پردہ اٹھے گا۔''

ابانا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گذر گیا۔ اس نے سوچا ''شاید وہ میری زندگی کا آخری دن ثابت ہو۔''

''ابانا......'' کامران نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

''جی......''

''اب تم کس فکر میں پڑ گئیں۔''

''کچھ نہیں...... کوئی خاص بات نہیں۔'' وہ ٹالتے ہوئے بولی۔ ''اب تمہارا کیا کرنے کا ارادہ ہے۔ عثمانی تو بہت خراب آدمی ثابت ہوا۔''

''عثمانی......'' وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑایا۔ ''وہ کب تک چھپا رہے گا۔ کب تک اس بوڑھے کی آڑ لئے رہے گا؟ کبھی تو تنہا ہوگا میں اسے پاتال تک نہیں چھوڑوں گا......'' کامران کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''اتنا غصہ مت کرو...... وہ یقیناً تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ بھلا تمہارا اور اس کا کیا مقابلہ...... وہ صرف...... بابا کے دم سے اکڑ رہا ہے...... وہ نہیں سمجھتا کہ بابا اسے اپنے کسی پوشیدہ مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور جس دن اس کا مطلب پورا ہو گیا وہ اسے کسی بے بس چوہے کی مانند بلی کے آگے ڈال دے گا...... تڑپنے کے لیے...... مرنے کے لیے......'' وہ اٹک اٹک کر بولتی گئی۔

☆......☆

انسپکٹر شاہد ابھی آفس میں داخل ہی ہوا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ ٹیلیفون پر کئی بار ڈاکٹر فرقان رابطہ قائم کر چکا ہے اور وہ اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

''اس نے اپنا پتہ وغیرہ بتایا تھا؟'' اس نے اطلاع دینے والے سے پوچھا تھا۔

''نہیں جناب...... '' آپریٹر نے جواب دیا۔ ''اس نے کہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد وہ پھر ٹیلیفون کرے گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں دیکھتا ہوں۔'' اور وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اسے فائلیں دیکھتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

''ہیلو......انسپکٹر شاہد......'' اس نے ریسیور میں کہا۔

''مسٹر شاہد!'' اُدھر سے آواز آئی۔ ''میں ڈاکٹر فرقان بات کر رہا ہوں۔''

''فرمایئے......'' شاہد نے بے چینی سے کہا۔ ''آپ کہاں غائب ہو گئے تھے آپ کی وجہ سے ہمیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آپ فوری طور پر اپنے موجودہ پتے سے آگاہ کریں۔ اور بغیر اطلاع دیئے آپ اس جگہ کو نہ چھوڑیں۔''

''میں آپ کے احکامات کا پابند نہیں ہوں مسٹر شاہد۔'' فرقان نے جواب دیا۔ ''یہ ٹھیک ہے کہ آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہیں لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ آپ مجھ پر اس قسم کی غیر ضروری پابندیاں لگا کر میری پیشہ وارانہ مصروفیات کو روک کر اپنے لیے کوئی نئی مصیبت پیدا نہ کریں۔ میں ملک کا آزاد اور باعزت شہری ہوں۔ اگر میری شخصیت مشتبہ ہے تو آپ مجھے تحریری طور پر احکامات صادر کریں۔''

''چالاک بننے کی کوشش نہ کریں مسٹر فرقان۔'' انسپکٹر شاہد جھنجھلا کر بولا۔ ''آپ ایک ذمہ دار آفیسر سے گفتگو کر رہے ہیں گذشتہ واقعات میں آپ کی شخصیت ہر ہر قدم پر ملوث رہی ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ آپ ہمیشہ بچتے رہیں گے۔''

''آپ مجھ پر گھٹیا الزام تراشی سے پرہیز کریں مسٹر شاہد! آپ کے الفاظ میرے جذبات کو مجروح کر رہے ہیں۔ میں آپ کے خلاف اعلیٰ احکام سے یقیناً شکایت کروں گا۔ اپنے پیش رو لوگوں کا حشر نہ بھولیں۔ انہوں نے بھی مجھے خواہ مخواہ ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج وہ کہاں ہیں......''

''کیا مجھے دھمکی دے رہے ہیں ڈاکٹر۔''

''نہیں...... میں دھمکیوں کا قائل نہیں ہوں۔ میں ایک واضح حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ پھر بھی اگر آپ آنکھیں بند کر کے حقائق کے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے میں آپ کو روک نہیں سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ بغیر کسی واضح ثبوت کے میرے خلاف الزام تراشیاں نہ کریں۔ ورنہ میں مناسب قانونی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اور پھر نتائج کی تمام ذمہ داری صرف آپ پر ہوگی۔''

''آپ کچھ بھی کہیں ڈاکٹر۔'' انسپکٹر شاہد نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔ ''وہ دن زیادہ دور نہیں جب تمام حالات پر سے پردہ اٹھ جائے گا۔ اور آپ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی کھل کر سامنے آ جائے گا۔ اس وقت تک آپ اور اکڑ لیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ آپ کا حشر بھی کچھ زیادہ اچھا نہ ہوگا۔''

''میں بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں انسپکٹر......'' ڈاکٹر فرقان کے لہجے میں شاید غصہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''میں فون بند کر رہا ہوں میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ میرے خلاف الزامات ثابت کریں اور مجھے پھانسی پر چڑھا دیں۔''

''غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر۔'' انسپکٹر شاہد بولا۔ ''بائی دی وے کیا اب آپ نہیں بتائیں گے کہ کہاں سے بول رہے ہیں میں آپ سے ملنا چاہوں تو کیا صورت ہو سکتی ہے؟''

''میں اسی شہر کے ایک ریستوران سے بات کر رہا ہوں۔ ویسے تھوڑی دیر کے بعد آپ مجھ سے مضافاتی کوٹھی پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا اور پھر ٹیلیفون رکھ دیا۔

سلیمہ اس کے برابر میں کھڑی گفتگو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور کسی نئے آنے والے طوفان کے خوف سے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے جیسے ہی ٹیلیفون بند کیا اس نے بے صبری سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہا تھا انسپکٹر......''

''وہی پرانی بکواس......'' ڈاکٹر فرقان نے اسے بتایا۔ ''تم نے یہ کیا...... وہ کیا...... میں یہ کر دوں گا۔ وہ کر دوں گا۔ نہ جانے یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر اس نے آئندہ اس قسم کی گفتگو کی اور مجھے دھمکانے کی کوشش کی تو میں اسے ایسا سبق دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''غصہ تھوک دو فرقان......'' سلیمہ بولی۔ ''ابھی ہمیں اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں سوچنا ہے کہ ان حالات سے کیسے نکلا جائے۔''

''اگر مجھے کامنی کے جسم کی بے حرمتی کا خدشہ نہ ہوتا تو کبھی کا یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا ہوتا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا تھا۔

''اب کہاں چلنا ہے؟'' سلیمہ نے بات ٹالتے ہوئے سوال کیا تھا۔ ''کیا کوٹھی پر......؟''

''ہاں...... لیکن کوٹھی جانے سے پہلے میں اباتا سے مل لینا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور سلیمہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گذر گیا پھر گاڑی تک پہنچنے تک ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

اور جب وہ کامران کی کوٹھی پر پہنچے تو وہ کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا تھا اور اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''آیئے ڈاکٹر......'' اس نے استقبالیہ انداز میں کہا۔ ''میں آپ کی کوٹھی کی طرف ہی جا رہا تھا۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ شہر واپس آ گئے ہیں۔ اور اپنی مضافاتی کوٹھی پر ملیں گے۔''

''آپ ذرا انسپکٹر شاہد کو سمجھا دیں۔ وہ خواہ مخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' ڈاکٹر فرقان اس کی بات کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ ''ورنہ نقصان کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔''

''بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔'' کامران مسکرایا۔ ''ویسے وہ خود بھی آپ کی شکایت کر رہا تھا۔ نیا خون ہے جوش میں آ ہی جاتا ہے۔ ڈاکٹر آپ کو تو حالات کا پتہ ہے۔ آپ درگذر کرنے کی کوشش کیا کریں۔ میں نے اسے آپ کے کہنے سے پہلے ہی کافی سمجھایا ہے۔ آئندہ وہ محتاط رہے گا۔ آیئے کچھ دیر بیٹھ کر گفتگو کریں گے...... آیئے مسز فرقان......'' اس نے دونوں کو دعوت دی۔

''ابانا نظر نہیں آئی...... کامران صاحب......'' سلیمہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

''آپ بیٹھیں...... وہ بھی آ جائے گی۔ اس وقت وہ شاید اپنے کمرے میں ہوگی۔''

''شاید...... کیا مطلب؟'' فرقان نے پوچھا۔

''رات سے کمرے میں جانے کے بعد میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' کامران نے بتایا۔ ''میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

''آج تو بہت شرافت سے بات کر رہا ہے۔'' کامران کے جانے کے بعد ڈاکٹر فرقان سلیمہ سے بولا۔

''شاید اسے اپنی ناکامی کے بعد اپنے پچھلے رویہ پر پچھتاوا ہوگا۔'' سلیمہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''یا پھر ابانا بھی اس کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔''

''ممکن ہے...... لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رویہ بھی اس کی کسی آئندہ اسکیم کا حصہ ہو......'' ڈاکٹر نے اس طرح جواب دیا جیسے وہ خود سے بات کر رہا ہو۔

''خیر دیکھا جائے گا......'' سلیمہ نے کہا۔

پھر ان میں مزید گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ ابانا اور کامران ایک ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ شاید ابانا ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی کیونکہ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''ابانا......'' سلیمہ نے بے تابی سے پکارا تھا۔ فرقان خاموشی سے اسے تکے جا رہا تھا۔

''جی......'' ابانا نے بے حد ادب سے سر جھکا کر کہا۔

''خیریت سے تو ہو...... تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں...... تکلیف تو نہیں ہوئی......'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' اس بار ڈاکٹر فرقان بولا تھا۔

''آپ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ بہت یاد آ رہے تھے۔''

''تم فکر مت کرو۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ''اب ہم آ گئے ہیں...... ہم بھی تمہیں یاد کرتے رہے ہیں۔''

''مہربانی ہے آپ کی......'' ابانا ایک چبھتی ہوئی نظر دونوں پر ڈالتی ہوئی بولی۔

ڈاکٹر کو خوشی ہو رہی تھی کہ ابانا بہت سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا رول بہت اچھی طرح ادا کر رہی تھی۔

''مسٹر کامران......'' ڈاکٹر فرقان نے کامران کو مخاطب کیا۔ ''میں ابانا سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں کچھ دیر کے لیے اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر......'' کامران نے جواب دیا۔ ''مجھے آخر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

اس نے ابانا کی طرف دیکھا لیکن ابانا کے چہرے پر اگر وہ کوئی تاثر دیکھنا چاہتا تھا تو یقیناً اسے ناکامی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا چہرہ تو سپاٹ ہو رہا تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو رہا تھا۔

''چلو ابانا......'' ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور ابانا خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لی تھی۔

کامران اپنی کوٹھی کے دروازے پر کھڑا دور تک انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

اچانک اس نے اس طرح جھرجھری لی تھی جیسے ابھی ابھی سوتے سے جاگا ہو۔ پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ کوٹھی کی طرف واپس مڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش اور تھکن کے آثار واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ اپنے کمرے میں واپس آنے کے بعد وہ بہت دیر تک گذشتہ ناکامیوں پر غور کرتا ہوا مستقبل کے لئے لائحہ عمل بناتا رہا تھا۔

ایک بات اس کے ذہن میں ہر مرحلے پر کھٹکتی رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں ابانا اور بوڑھے کا تعلق نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس تعلق کی نوعیت کیا تھی۔ اس نے بوڑھے کے لیے ابانا کی زبان سے ہر موقعہ پر بابا کا لفظ سنا تھا۔ تو کیا ابانا بوڑھے کی بیٹی ہے۔ جو کسی بناء پر اس کے خلاف ہو گئی ہے یا کوئی اور سبب ہے؟ شاید اس کی پرورش بوڑھے کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اس نے سوچا...... لیکن بوڑھے نے یہ کیوں کہا تھا کہ ابانا اس کی تخلیق ہے؟ وہ اس بارے میں جتنا سوچتا اس کا ذہن الجھتا گیا۔ وقتی طور پر اس نے اس مسئلے کو ذہن کے تاریک گوشوں کی طرف دھکیل دیا اور ایک بار پھر باہر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

☆......☆

واپسی کے سفر کے دوران تینوں خاموش رہے تھے۔

ڈاکٹر فرقان جب گاڑی گیراج میں کھڑی کر کے اندر آیا تو ٹیلیفون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ وہ ادھر بڑھ گیا۔

''ہیلو......'' اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکٹر فرقان۔''

''ڈاکٹر...... میں کامران بول رہا ہوں۔'' ادھر سے آواز آئی۔ ''اگر آپ ناگوار نہ محسوس کریں تو تھوڑی دیر کے لیے ہسپتال آ جائیں۔ آپ سے انفانسو کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر کے بعد آ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ اور ریسیور کریڈیل پر ڈال دیا۔

جب وہ نہا کر اور کپڑے بدل کر غسل خانے سے نکلا تو وہ دونوں آنکھیں بند کیے لیٹی لمبی لمبی سانسیں بھر رہی تھیں۔ دونوں کے چہرہ پر سکون تھے۔ اور اس وقت پھول کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ اس نے آہستہ سے سلیمہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور سوالیہ انداز میں ڈاکٹر فرقان کو تکنے لگی۔

ڈاکٹر فرقان نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سلیمہ اسی حالت میں اٹھ کر ڈاکٹر کے پیچھے چل دی۔ ابانا گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے فرقان؟'' سلیمہ نے باہر نکلتے ہی سوال کیا۔ ''کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے۔''

''ہاں......''

''کہاں جا رہے ہو۔''

''ابھی ابھی کامران کا فون آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''مجھے کسی ضروری کام کے سلسلے میں ہسپتال میں آنے کو کہہ رہا تھا۔''

''تو اکیلے ہی جاؤ گے۔''

''ہاں......اس نے صرف مجھے ہی بلایا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''گھبراؤ نہیں میں جلد ہی لوٹ آؤں گا۔ ابانا تو تمہارے ساتھ ہے ہی۔ اس کی موجودگی میں تمہیں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔''

''مجھے تو تمہاری فکر ہے فرقان۔'' سلیمہ نے تشویش ظاہر کی۔ ''میں جانتی ہوں کہ ابانا کی قوتیں صرف اسی وقت کار آمد ہوتی ہیں۔ جب وہ موقع پر خود موجود ہو۔ میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گی۔''

''ضد مت کرو سلیمہ۔'' ڈاکٹر فرقان اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''میں کہہ رہا ہوں کہ ابھی واپس آجاؤں گا۔ پھر ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مجھے وہ کھا تو نہ جائے گا۔ میں اس سے کسی طور پر کمزور نہیں ہوں اکیلا ہی اس سے مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوں۔''

پھر یہ بحث اسی وقت ختم ہوئی تھی جب کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی تھی۔ سلیمہ نے ابانا کے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور ڈاکٹر فرقان کا رخ بیرونی دروازے کی جانب ہو گیا۔

آنے والا عثمانی تھا۔

ڈاکٹر فرقان نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور سلیمہ کو آواز دی۔ پھر عثمانی سے مخاطب ہوا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں بنگلے پر واپس آ گیا ہوں؟''

''فی الحال میں تمہیں اپنا ذریعہ نہیں بتا سکتا۔'' عثمانی نے جواب دیا۔ ''مجھے تو یہ بھی معلوم

تھا کہ پہلے تم کہاں گئے ہوئے تھے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم برابر میری نقل و حرکت کی نگرانی کرتے رہے ہو۔'' ڈاکٹر نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو ڈاکٹر......'' عثمانی جلدی سے بولا۔ ''یہ معلومات میں نے خود حاصل نہیں کی تھیں۔ بلکہ دوسرے ذرائع سے مجھ تک پہنچی ہیں اور میں پہلے ہی تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس کے متعلق فی الحال مجھ سے کچھ مت پوچھو......''

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈاکٹر فرقان کی ناراضگی برقرار تھی۔ ''میں سب سمجھتا ہوں۔ تم مجھے بچوں کی طرح نہیں بہلا سکتے۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں ڈاکٹر کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آج تک میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا ہے اور ایسی صورت میں تو میں جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ جب کہ تم میرے بہترین کاروباری ساتھی ثابت ہو چکے ہو۔ تمہیں میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ تم شاید بھول رہے ہو ڈاکٹر کہ تمہاری شہرت میں میرا بھی ایک حد تک دخل ہے۔''

''اور شاید تم یہ بات یاد رکھنا نہیں چاہتے کہ میں تمہاری خدمات کا معاوضہ ہر مہینہ تمہیں ادا کرتا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر فرقان نے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا۔ اسی دوران سلیمہ وہاں آگئی تھی۔ اور عثمانی نے موقعہ غنیمت جانتے ہوئے بات کا رخ بدل دیا۔

''کہئے بھابی کیا حال ہیں آپ کے......؟''

''ٹھیک ہوں عثمانی بھائی......آپ اپنی سنائیے۔ ہماری غیر حاضری میں یہ آپ نے کیا ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے؟ آپ جیسے صحافیوں سے تو ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔''

''کیوں مجھ سے کون سی ایسی غلطی ہو گئی جو آپ اس قسم کی باتیں کرنے لگیں؟''

''آپ نے یہ کیوں لکھ دیا کہ ہم لوگ کامران کی حرکتوں سے پریشان ہو کر روپوش ہو گئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ ہم موجودہ حالات سے چند دنوں کا چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ کچھ سکون مل سکے۔ لیکن آپ نے اسے دوسرا رنگ دے کر ہمیں غیر ضروری پریشانیوں میں گھسیٹنے کی کوشش کی۔ جس کی وجہ سے ہمیں فوری طور پر واپس آنا پڑا۔''

''میں بالکل مجبور تھا بھابی۔'' عثمانی نے بے چارگی سے ڈاکٹر فرقان کی طرف دیکھا۔

''مجھے آپ کی پریشانی پر افسوس ہے۔''

''آخر ایسی کونسی مجبوری تھی جو اس وقت نہیں بتانا چاہتے۔''

''میں......میں......'' پھر اسے ایسا ہی محسوس ہوا تھا کہ جیسے کوئی اس کی یادداشت کو اس کے ذہن سے کھرچ رہا ہو۔ وہ اپنی پیشانی مسلنے لگا۔ اس نے یاد کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن اب اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ کس موضوع پر بات چیت کر رہے تھے۔ وہ چند لمحے اسی حالت میں بیٹھا رہا اور ذہن مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اب اسے صرف ایک ہی بات یاد رہ گئی تھی کہ وہ

یہاں کس لیے آیا تھا۔ پھر اسی خاموشی کو ڈاکٹر فرقان نے توڑا تھا۔

''جانے دو عثمانی......'' اس نے خاموشی سے تنگ آ کر کہا تھا۔ ''کیا یہ بھی نہ بتاؤ گے کہ اس وقت یہاں آنے کا کیا مقصد تھا؟''

''یہ میں آپ کو بتانے جا رہا تھا۔'' عثمانی بولا...... اس کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔ ''میں یہ کہنے آیا تھا کہ اس وقت کامران سے ملنے سے گریز کرنا تمہارے لیے بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔''

''کیا میں اس مشورے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''ضرور......'' عثمانی نے جواباً کہا۔ ''میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ وہ ڈاکٹر انفانسو کے ذریعے تمہارے گرد سازشوں کا جال بچھا دینا چاہتا ہے۔ تاکہ اس میں الجھا کر اسے تم پر ہاتھ ڈالنے میں آسانی ہو۔ ابانا کو حاصل کرنے کے لیے وہ دیوانگی کی حد تک جانے کو تیار ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ تمہیں راستے سے ہٹائے بغیر وہ اسے آسانی سے اپنا نہیں بنا سکے گا۔''

''لیکن یہ موقعہ تو ہم خود اسے فراہم کر چکے ہیں۔'' سلیمہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے یہ تو ایک وجہ ہوئی دوسری وجوہات بھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی گذشتہ شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کوئی تیسرا فریق بھی ہو جس سے ہم لوگوں کو الجھا دے تاکہ ہم اس کی طرف توجہ نہ رکھ سکیں۔ اور وہ اطمینان سے اپنا وار کر جائے''...... عثمانی نے جواب دیا۔

''ہاں یہ ممکن ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر فرقان نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ آج کل تمہارے شب و روز کہاں بسر ہو رہے ہیں؟''

''میں آج کل علامہ اقبال کی آدھی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ پہاڑی چٹانوں پر رہنے کا حوصلہ تو ہے نہیں۔ البتہ ایک غار میں پناہ گزیں ہوں۔ دیکھیں کب تک نجات ملتی ہے۔''

''آپ یہاں آ جائیں۔'' سلیمہ بولی۔

''نہیں...... میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟ کیا آپ کو ہم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے؟'' سلیمہ کے لہجہ میں شکایت تھی۔

''یہ بات نہیں ہے بھابی......'' عثمانی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ ناراض نہ ہوں حالات کچھ ایسے ہیں کہ ابانا میری مخالف ہو گئی ہے۔ اس صورت میں اگر میں یہاں رہا تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے تعلقات غیر ضروری الجھنوں کا شکار ہو جائیں۔''

''ہم ابانا کو آپ کی راہ میں آنے سے روک سکتے ہیں۔''

''ایسا شاید ممکن نہ ہو...... آپ تو جانتی ہیں کہ وہ کامران سے کتنا جذباتی لگاؤ رکھتی ہے اور

میں چونکہ کامران کی شکست کا سبب بن رہا ہوں اس لئے کامران کے ساتھ وہ بھی میری دشمن ہو رہی ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ میں اس مرحلہ پر آپ لوگوں سے دور رہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ لوگ کسی مصیبت میں گرفتار ہوں۔''

''اب تمہارا اگلا اقدام کیا ہوگا؟'' ڈاکٹر فرقان نے بات کا رخ بدلتے ہوئے مداخلت کی۔

''اس بارے میں ابھی کچھ سوچا نہیں ہے۔'' عثمانی نے جواب دیا۔ پھر اس نے سوال کیا۔ ''ابانا کو بھی تو شاید تم اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ نظر نہیں آئی؟''

''وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے...... کیوں...... کوئی خاص بات؟'' ڈاکٹر نے کہا۔

''نہیں...... بس یونہی پوچھ لیا تھا۔'' عثمانی بولا۔ ''اچھا میں اب میں چلتا ہوں......''

''بیٹھئے عثمانی بھائی......'' سلیمہ نے کہا۔ ''ابھی تو آپ نے چائے بھی نہیں پی...... میں ابھی لاتی ہوں بنا کر۔''

''رہنے دیں بھابی......'' عثمانی بولا۔ لیکن پھر زیادہ اصرار کرنے پر اسے رکنا پڑا تھا۔ اور چائے پینے کے بعد ہی جانے کی اجازت مل سکی تھی۔

☆......☆

کامران بڑی بے چینی سے ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے تاخیر کا سبب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر نے اسے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد پہنچنے والا ہے۔ پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے......؟ اس نے سوچا۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں آنے کے لیے روانہ ہوا ہو اور راستے میں کوئی حادثہ رکاوٹ بن گیا ہو۔ یہ خیال اس کے ذہن کے لیے قابل قبول نظر آیا تھا۔ ''مجھے خود جا کر معلوم کرنا چاہئے۔'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ انتظار گاہ سے باہر آ گیا تھا۔ اسی وقت ایک نرس نے آ کر اطلاع دی کہ ٹیلیفون پر کوئی شخص اس سے انتہائی اہم بات کرنا چاہتا ہے اور وہ نرس کے ساتھ ہو لیا تھا۔ آخر کس کا فون ہو سکتا ہے اور وہ کون سی اہم بات ہے جو اس نے اپنا نام بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ شاید وہ منظر عام پر نہیں آنا چاہتا ہو۔ ان حالات میں کوئی بھی شخص ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے ٹیلیفون کا رسیور اٹھایا تھا۔

''ہیلو...... میں کامران بول رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کون صاحب ہیں؟''

''میرے خیال میں آپ کو اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہونا چاہئے کہ میں کون ہوں۔'' ادھر سے بولنے والے نے کہا تھا۔ ''میں تو آپ کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ......'' وہ سانس لینے کے لیے رکا تھا۔

''کیسی اطلاع......؟'' کامران نے بے صبری سے سوال کیا تھا۔ اس کا ذہن برابر سوچ رہا تھا۔ کہ یہ کون ہو سکتا ہے کیونکہ آواز کچھ مانوس معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے عثمانی ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی سے نکلتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اور اس

وقت وہ شہر میں کسی جگہ موجود ہے۔''

''غالباً جگہ کا کوئی نام بھی ہوگا۔''

''ہاں...... لیکن میں آپ کی سہولت کے لیے صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت ہسپتال سے زیادہ دور نہیں ہے۔ باقی تفصیلات آپ خود معلوم کریں۔ آخر آپ ایک پولیس آفیسر ہیں کچھ خود بھی کرنے کی کوشش کیا کریں۔ کیا ہمیشہ اسی طرح دوسروں کا سہارا لیتے رہیں گے؟'' بولنے والے کے لہجہ میں تمسخر کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

''شکریہ!'' کامران کو غصہ تو آیا تھا لیکن وہ ضبط کر گیا...... ''آئندہ آپ کی گراں قدر نصیحتوں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''یہی آپ کے لیے بہتر بھی ہوگا۔'' ادھر سے ہلکے سے قہقہہ کے ساتھ کہا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کامران کے ذہن میں دھماکا سا ہوا فون کرنے والا خود عثمانی تھا جو آواز بدل کر بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن قہقہہ لگاتے ہوئے وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ اور اس کی آواز صاف طور پر پہچان لی گئی تھی۔

''عثمانی......'' کامران اتنی زور سے چیخا تھا کہ ٹیلیفون کے تار جھنجھنا اٹھے۔

''کیوں چلا رہے ہو یار......'' عثمانی بولا تھا۔ ''میں سن رہا ہوں...... بہرہ نہیں ہوں۔''

''بہرے کے بچے...... میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔'' کامران ابھی تک مشتعل تھا۔ ''تمہاری حرام زدگیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔'' جواب دینے کی بجائے عثمانی نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

کامران اور زیادہ مشتعل ہو کر مغلظات بکنے لگا تھا۔ کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا تھا کہ ٹیلیفون کی لائن تو کب کی بے جان ہو چکی تھی۔ پھر اس نے انسپکٹر شاہد سے رابطہ قائم کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

''انسپکٹر......'' اس نے رابطہ قائم ہوتے ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ ''جتنی جلد ممکن ہو ہسپتال کے ارد گرد کے تمام علاقے کو پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ گھیرے میں لے لو...... اور میری اجازت کے بغیر کتے کا پلا بھی یہاں سے باہر نہیں جانا چاہئے......''

''لیکن جناب......'' انسپکٹر شاہد نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس نے بات کاٹ دی۔

''اس وقت میں کچھ سننا نہیں چاہتا...... تمہیں جو کہنا ہے مکمل محاصرے کی رپورٹ دے کر کہہ سکتے ہو۔ میں ہسپتال میں تمہاری آمد کا ہر لحظہ منتظر رہوں گا۔'' اور اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

پانچ منٹ کے اندر اندر پولیس نے پورے علاقے کی ناکہ بندی کر لی تھی۔ اور انسپکٹر شاہد اپنی کارکردگی سے مطمئن ہو کر اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اور پھر محاصرے کی تفصیل سے آگاہ کیا۔

''کیا اب بھی آپ اس محاصرے کی وجہ نہیں بتائیں گے۔'' اس نے کامران کو تفصیل بتانے کے بعد سوال کیا تھا۔

''اس علاقے میں عثمانی موجود ہے۔'' کامران نے اسے بتایا۔ ''اور میں نہیں چاہتا کہ آج وہ بچ کر نکل جائے۔''

''آپ مطمئن رہیں۔'' انسپکٹر شاہد بولا۔ ''اگر وہ اس علاقے میں ہوا تو پولیس کے چنگل سے نکل نہیں سکے گا۔''

''ٹھیک ہے، اب چلو...... اس کی تلاش کا کام شروع کر دو۔''

پھر وہ دونوں پولیس کے چند جوانوں کے ساتھ ایک ایک گھر کی تلاشی لیتے پھر رہے تھے۔ پورے علاقے میں اس سے سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ پولیس کی ایک گاڑی علاقے میں اعلان کرتی پھر رہی تھی کہ پولیس ایک خطرناک مجرم کی تلاش میں ہے جو اسی علاقے میں کسی جگہ پوشیدہ ہے لہذا لوگوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ پولیس سے تعاون کرتے ہوئے اسے تلاش کرنے میں مدد کریں۔

اعلان سے لوگوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ہر طرف طرح طرح کی چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ کہ آخر کون ہو سکتا ہے؟ کس قسم کا مجرم ہوگا۔ شاید کوئی قاتل ہوگا؟

لوگ گھروں سے سڑک پر نکل آئے تھے۔ اور ایک دوسرے کو مشتبہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔

چار پانچ گھنٹے گذرنے کے بعد کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ اور اب کامران کو اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ غصہ اور انتقام لینے کی جلدی میں اندھا دھند کارروائی کر بیٹھا تھا۔ اس نے سوچا...... یہ ضروری تو نہیں کہ عثمانی اس سے سچ بول رہا ہو۔ اور اگر وہ اس علاقے میں تھا بھی تو یہ ضروری نہیں کہ وہ وہیں موجود رہتا۔ وہ اتنا بے وقوف تو نہیں کہ جگہ کے متعلق بتا دینے کے بعد بھی وہیں موجود رہتا جبکہ اسے معلوم ہے کہ میں اسے کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑوں گا۔

پھر ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا گیا۔ اس نے ہسپتال کی تلاشی تو اب تک نہیں لی تھی۔ ہسپتال نزدیک ہی تھا اس لیے وہ تیزی سے پیدل ہی اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ انسپکٹر شاہد اور پولیس والوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرنا نہیں بھولا تھا۔

☆......☆

دن کے ہنگامے فرو ہوتے جا رہے تھے۔ اور رات آہستہ آہستہ طلوع ہو رہی تھی۔ شام کے سرمئی اندھیرے کائنات کو نامحسوس طریقے پر اپنی گرفت میں لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور نائٹ کلبوں کی رنگینیاں لوگوں کے ذہنوں پر اپنا تسلط جمانے کے لیے پر تول رہی تھیں۔

عثمانی بستر پر لیٹا اپنی تمام دن کی مصروفیات کا جائزہ لے رہا تھا۔

صبح جب وہ سو کر اٹھا تھا تو بوڑھے نے اسے بتایا تھا کہ ڈاکٹر فرقان واپس آ گیا ہے۔ اور اس وقت اپنی کوٹھی پر ہے پھر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کامران اسے انفانسو سے الجھا کر اس پر اچانک وار کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اگر کامران اسے گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا تو عثمانی کے لیے بھی

زبردست خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا عثمانی کو چاہئے کہ وہ کسی طرح اسے کامران سے ملنے سے روک دے۔ وہ خود اس معاملے میں پڑ کر اباناکو بھڑکانا نہیں چاہتا تھا۔ اتنا کہنے کے بعد وہ غار سے رخصت ہوگیا تھا۔ اور عثمانی تیار ہوکر ڈاکٹر کی کوٹھی پہنچا تھا اور اسے کامران کے پاس جانے سے روکنے میں کامیاب ہوکر شہر روانہ ہوگیا تھا۔

شہر میں ہسپتال کے نزدیک واقع ایک فون بوتھ سے اس نے اپنے دفتر سے رابطہ قائم کر کے کچھ خبریں دی تھیں۔ اور پھر کامران کو ٹیلیفون کیا تھا۔

کامران کے متعلق سوچتے ہی اسے بہت زور کی ہنسی آئی...... اس کے حلق سے قہقہے آزاد ہونے لگے تھے۔ کامران نے خارش زدہ کتے کی طرح پورے علاقے کو چھان مارا ہوگا...... اس نے سوچا...... وہ ٹیلیفون کرنے کے فوراً بعد وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی وہ انسپکٹر شاہد کو علاقے کا محاصرہ کرنے کا حکم دے گا۔ اور پھر...... اس نے کامران کی حالت کو ذہن میں لاتے ہوئے سوچا...... جب وہ مجھے تلاش کرنے میں ناکام رہا ہوگا تو...... وہ ہنسا...... کامران اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور ہوگیا ہوگا۔ ''میں تمہارا غرور خاک میں ملا دوں گا۔'' اس نے سوچتے سوچتے بلند آواز میں کہا۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی پر سناٹے نے اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ دو انسانی ہیولے بڑی تیزی سے کوٹھی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور آگے آنے والا شخص شاید اپنے متعاقب سے ناواقف تھا۔ اب وہ کوٹھی کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس نے رک کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ پیچھے آنے والا اس کے رکتے ہی آڑ میں ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آنے والا شخص کمروں کی کھڑکیاں جھانکتا پھر رہا تھا۔ شاید اسے کسی خاص کمرے کی تلاش تھی۔ پھر ایک کمرے سے اندر جھانکتے ہی وہ ٹھٹھک گیا تھا۔

ابانا مسہری پر لیٹی رہی تھی۔ سوتے میں اس کا حسن کچھ اور نکھر آیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کھڑکی کو تھپتھپایا ساتھ ہی مدھم آواز میں اسے پکارا۔

''ابانا......''

ابانا نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر کھڑکی پر نظر پڑتے ہی اُس نے اٹھ کر کھڑکی کھول دی۔

''الفانسو......'' وہ بولی اس کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ ''اندر آجاؤ الفانسو......''

الفانسو بڑی آہستگی سے اندر کود گیا تھا۔ اور اب وہ پلک جھپکائے بغیر ابانا کو تکے جا رہا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو......'' ابانا نے شرمانے کی بہترین ایکٹنگ کی تھی۔ ''آرام سے بیٹھ

جاؤ۔'' اس نے مسہری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں ابانا۔'' الفانسو نے پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی۔ ''اس قید سے نکل چلو...... میرے ساتھ رہ کر میرے ملک میں جو آزادی کی فضا تمہیں ملے گی۔ وہ یہاں رہ کر میسر نہیں آ سکتی۔''

''مجھے بھی بڑا شوق ہے کہ تمہارا ملک دیکھوں لیکن......'' ابانا بولی۔

''لیکن کیا ابانا......''

''فی الحال یہ جگہ چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔'' ابانا نے جواب دیا۔ ''تم نہیں جانتے الفانسو اس وقت میں کن الجھنوں میں گرفتار ہوں۔ جب تک ان سے نجات نہ مل جائے میرے لیے ممکن نہیں کہ یہاں سے جاسکوں۔''

''مجھے بتاؤ ابانا......'' الفانسو نے بے تابی سے پوچھا۔ ''وہ کیا حالات ہیں؟ میں اپنے ملک کے سفارتخانے سے رابطہ قائم کر کے تمہیں یہاں سے نکال لے جانے کا بندوبست کرلوں گا۔ وہ ہماری ہر قسم کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔''

''اس معاملے میں سفارتخانہ کچھ نہ کرسکے گا۔ جن پراسرار قوتوں سے میرا مقابلہ ہے وہ انسانی فہم سے بالاتر ہیں۔ ان کے مقابلے میں انسانی فراست بے بس ہے۔ انہیں شکست دینے کے لیے ایسی مافوق الفطرت قوتیں درکار ہیں جو ان سے برتر ہوں۔''

''تو کیا اس وقت تک مجھے یوں ہی تشنہ رہنا پڑے گا؟ کیا میں یوں ہی تڑپتا رہوں ابانا؟'' الفانسو نے جذبات سے بھری ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''گھبراؤ نہیں الفانسو تھوڑا صبر کرلو۔ بہت جلد یہ پریشانیاں دور ہونے والی ہیں۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ وہ دن زیادہ دور نہیں جب میں ان مشکلات سے آزاد ہوچکی ہوں گی۔ اور پھر...... میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے ملک ضرور چلوں گی۔''

''ابانا......''

''ہاں، الفانسو......'' ابانا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہئے۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں؟''

''مجھے یقین ہے......'' الفانسو نے ابانا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اور پھر کمرے میں ان دونوں کی تیز تیز سانسوں کی مترنم آواز بکھرنے لگی۔

اور کھڑکی سے چھپ کر دیکھتے ہوئے کامران کے ذہن میں ابانا کے ہرجائی پن کے خلاف نفرت کا جذبہ سر ابھارنے لگا۔ ساتھ ہی اسے خود پر بھی غصہ آرہا تھا کہ آخر اس نے کیوں بغیر جانے بغیر پرکھے اس پر اعتماد کرلیا تھا۔ اس کی محبت پر بھروسہ کرلیا تھا۔ کیوں بے سوچے سمجھے اس کی جسمانی لگاوٹ کو پیار سے تعبیر کر کے اندھا دھند اس کو پرستش کی حد تک چاہنے لگا تھا۔ اسے پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس کی جنسی تشنگی بجھانے کے لیے صرف ایک ذات ہی کافی نہیں تھی۔ اگر ایسا

ہوتا تو ڈاکٹر فرقان اسے اتنی پابندیوں میں کیوں جکڑ کر رکھتا۔

نفرت اور غصہ کے ملے جلے جذبات سے اس کا چہرہ مضحکہ خیز حد تک بگڑ گیا تھا۔ اور مٹھیاں اتنی سختی سے بھینچی ہوئی تھیں کہ اس کی انگلیوں میں درد ہونے لگا تھا۔ ابانا کی موجودہ حرکت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ابانا بے قصور ہو۔ اس نے دل کو تسلی دینے کے لیے سوچا۔ ممکن ہے اس خبیث بوڑھے کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر وہ بے بسی کے عالم میں مجبوراً یہ سب کچھ کر رہی ہو۔ میں بھی تو ان حالات سے گذر چکا ہوں۔ پھر یکے بعد دیگرے گذشتہ تمام واقعات اس کے ذہن میں گھوم گئے۔ اچانک اسے بوڑھے سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی بوڑھے کی دھمکی بھی۔ اب اسے کمرے کے منظر سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ لہٰذا وہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔

اسے سب سے پہلے اس خبیث بوڑھے سے نمٹنا ہوگا۔ لیکن کیسے اور اس سوال کا جواب اسے آسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیا ابانا کی شخصیت اس کی شکست میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب بھی فی الحال اس کے پاس نہیں تھا۔ پھر اسے عثمانی کا خیال آیا تھا۔ اور ایک بار پھر اس کی مٹھیاں کس گئیں۔ اس سے انتقام لینے کے خیال نے کامران کو بے چین کر دیا۔ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟ اس نے سوچا۔ ''کیا بوڑھا ہر وقت اس کی حفاظت کرتا رہتا ہوگا۔ کیا سوتے وقت بھی اس کی پراسرار قوتیں کام کرتی رہتی ہوں گی؟ رات میں تلاش کر کے اس کی بے خبری میں وار کرنا چاہیئے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے واپسی کے لیے قدم اٹھا دیتے تھے۔

☆......☆

ہوٹل بل ٹاپ کی رنگینیاں اپنے شباب کی آخری حدود کو چھو رہی تھیں۔ جس وقت جعفری نے وہاں قدم رکھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک خالی میز کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی ہوٹل کے ایک گوشے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے سادہ پوش پولیس والوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا اور ان میں سے ایک شخص اٹھ کر تیزی سے پبلک ٹیلیفون بوتھ کی طرف لپکا تھا جبکہ دوسرا شخص اسے مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ ٹیلیفون کرنے کے بعد وہ شخص دوبارہ اپنے ساتھی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

جعفری نے بیٹھنے کے بعد اب تک نظر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اسے خاموش بیٹھے دیکھ کر ایک بیرا اس کی طرف آیا۔ تو اس نے کافی کا آرڈر دینے کے بعد پھر خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر کے بعد بیرا کافی کے برتن رکھ کر چل گیا تو وہ کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ کافی بنا کر اس کی چسکیاں لینے لگا تھا۔ پھر وہ اسی وقت چونکا تھا۔ جب انسپکٹر شاہد نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''ہیلو مسٹر جعفری......'' اس نے آواز سن کر نظریں اٹھائیں۔ سامنے انسپکٹر شاہد کھڑا تھا۔

''آئیے!'' اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ ''بیٹھئے شاہد صاحب۔''

''کہیئے کیسے حال ہیں؟'' انسپکٹر نے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ سنایئے۔'' جعفری بولا۔ ''کامران صاحب کیسے ہیں۔''

''وہ بھی خیریت سے ہیں۔ آپ سے کوئی کام تھا...... آپ کو تلاش کر رہے ہیں لیکن آپ نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔'' انسپکٹر شاہد نے جعفری کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ پھر سوال کیا...... ''کہاں تھے؟''

''میں......'' جعفری نے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے نہیں معلوم کہ میں وہاں کیسے پہنچا تھا...... وہ شاید کوئی غار تھا۔ جہاں میں مقید تھا۔''

''کوئی نشان دہی تو کر ہی سکتے ہوں گے کہ وہ غار کہاں واقع ہے۔''

''آپ شاید یقین نہ کریں۔'' جعفری بولا۔ ''میں اس بارے بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''وہاں سے واپسی میں کچھ اندازہ تو کیا ہوگا۔ محل وقوع کیا ہے اس غار کا......؟''

''یہی تو تعجب ہے مسٹر شاہد! کہ وہاں پہنچنے اور وہاں سے واپس آنے کے متعلق مجھے کچھ بھی معلوم نہیں...... جس طرح اچانک میں نے خود کو غار کے اندر پایا تھا۔ بالکل اسی طرح اچانک واپسی ہوئی تھی۔ مجھے نہیں یاد کہ میں کس طرح یہاں تک پہنچا۔ بس میں نے اچانک ہی خود کو ہوٹل کے سامنے کھڑا ہوا پایا تھا۔''

''اس عرصہ میں آپ نے کسی کو دیکھا بھی نہیں کیا......؟''

''نہیں......''

''آخر کون ہو سکتا ہے؟ کسے تمہاری قید سے دلچسپی ہو سکتی؟ کچھ اندازہ ہے......؟'' انسپکٹر شاہد نے سوال کیا۔

''نہیں انسپکٹر......'' جعفری نے تنگ آ کر ہتھیلیوں پر سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ ''میں کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں ہوں۔''

''اس عرصہ میں عثمانی تو کہیں نظر نہیں آیا؟'' انسپکٹر شاہد نے پھر پوچھا۔

''نہیں...... کیا وہ غائب ہے۔''

''ہاں......'' انسپکٹر شاہد نے اسے بتایا۔ ''تمہارے ساتھ ہی وہ بھی غائب ہے اور اب تک اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ دن میں اس نے کسی جگہ سے ٹیلیفون پر کامران صاحب سے رابطہ بھی قائم کیا تھا۔ لیکن پھر کافی تلاش کے بعد بھی وہ ہمیں نہیں ملا تھا۔''

''تعجب ہے وہ کہاں روپوش ہو گیا۔'' جعفری نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''ہو سکتا ہے وہ بھی آپ کی طرح کسی غار میں پناہ گزیں ہو۔'' انسپکٹر شاہد نے جعفری پر طنز کیا۔

''مسٹر شاہد......'' جعفری نے احتجاج کیا۔ ''آپ کو میری دیانت پر حملہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر میری بات کا یقین نہیں ہے تو آپ تفتیش کرنے کے بعد میرے خلاف کارروائی

کریں۔ میں اگر جان بوجھ کر بھی غائب ہوا تھا تو بھی کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھ سے مجرموں والا رویہ اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ ایک سانس میں بولتا گیا۔

''سوری...... مسٹر جعفری!'' انسپکٹر شاہد نے معذرت کی۔ ''میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ آپ حالات سے کسی حد تک واقف ہیں۔ آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں نے تو بائی دی وے ایک بات کہی تھی۔ آپ کی بات کی تکذیب کرنا نہیں چاہتا تھا۔'' اس نے بات بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھر جعفری نے مزید گفتگو کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور انسپکٹر شاہد کو وہاں سے اٹھ جانا پڑا تھا۔ اور انسپکٹر شاہد کے جانے کے تھوڑی دیر بعد جعفری نے بھی اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔

ooo

کامران نہایت حوصلہ شکن حالات کے شکنجے میں جکڑ کر رہ گیا۔

اسے اپنے محکمے کی طرف سے جو لتاڑ ملی تھی وہ اس کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ پیشہ ورانہ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ قدم قدم پر ایک طرف تو ناکامیاں اس کا استقبال کر رہی تھیں۔ اور دوسری طرف عثمانی نے اپنے اخبار کے ذریعہ اس کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی تھی۔ ان دونوں عوامل نے کامران کو پاگل کر دیا تھا۔

انسپکٹر شاہد اس کے سامنے بیٹھا تھا اور قصبے میں ہونے والے پراسرار وارداتوں کے فائلوں کا ڈھیر میز پر پڑا تھا۔ کامران ان تمام فائلوں کی ورق گردانی کر چکا تھا۔ اور اس وقت وہ آرام کرسی پر پشت سر ٹکائے آنکھیں بند کئے تمام وارداتوں، واقعات و حالات کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھا۔ اس کے لیے صرف ایک ہفتے کی مہلت تھی۔ جو اس نے بڑی دقتوں سے حاصل کی تھی۔ ورنہ اس کے محکمے کے چیف کا حکم تھا کہ وہ فوراً اس کیس سے دست بردار ہو کر دارالحکومت پہنچ جائے۔ اور اس پر اس نے کہا تھا۔

''جناب میں صرف چند گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے ماضی کا ریکارڈ پیش نظر رکھئے میں کبھی اخلاق باختگی کے اس پاتال میں نہیں گرا جس کا تذکرہ آپ نے صبح نو کے رپورٹر عثمانی کی خبر میں دیکھا ہے۔ آپ ذرا ایک لمحہ کو سوچئے کہ ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا، میں جن حالات سے گزر رہا ہوں اس وقت ان کی تفصیل بتانا بے سود ہے اور اگر بتا بھی دوں تو آپ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ اگر موت کی دو راہیں آدمی کے سامنے رکھ دی جائیں اور انتخاب اس آدمی پر چھوڑ دیا جائے تو بے بس انسان موت کا وہ طریقہ پسند کرے گا جس سے موت آسانی سے آ جائے یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور آپ اگر یہ سوچتے ہیں کہ میں اتنی ذلت اور رسوائی مول لے کر ناکام واپس چلا آؤں گا۔ تو یہ آپ کی بھول ہے میں نوکری سے استعفیٰ دے دوں گا لیکن قتل کی ان پراسرار وارداتوں کا معمہ حل کئے بغیر اور عثمانی کو اس کی بلیک میلنگ کی بنیاد پر قانون کی گرفت میں لائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا اور ویسے بھی اب عثمانی کا اور میرا معاملہ قطعی نجی نوعیت کا ہو گیا ہے اور میں اس کا حساب بے باق کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔''

یوں بڑی ردوکد کے بعد اس کے چیف نے اسے ایک ہفتے کی مزید مہلت دے دی تھی

اور کہا تھا کہ اس معاملے سے اس کی دستبرداری کے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔ ٹھیک ایک ہفتے بعد محکمے سے دوسرا شخص یہ تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے روانہ ہو جائے گا۔

''شکریہ......'' کامران نے نہایت سرد لہجے میں کہا تھا۔ ''مجھے امید ہے کہ میں ایک ہفتے میں ان تمام واقعات پر سے پردہ اٹھا دوں گا لیکن ایسا نہ ہو سکا تو آپ کو میرا استعفیٰ مل جائے گا۔''

دوسری طرف سے اس کے چیف نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن اس نے ٹیلیفون کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد ہی اس نے انسپکٹر شاہد کو تمام فائلوں سمیت اپنی کوٹھی بلایا تھا۔

''انسپکٹر......'' کامران نے کہا۔ ''تم چاہو تو ہاتھ اٹھا سکتے ہو میں اس معاملے میں تم سے زبردستی مدد نہیں لینا چاہتا۔ ہوسکتا ہے اس کی بنا پر تم کو بھی ویسے ہی الزامات اپنے سر مول لینے ہوں۔ جیسے کہ مجھے لینے پڑ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی بناء پر کسی دن تمہاری بھی لاش پراسرار حالت میں پولیس کو ملے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تم بلاوجہ میرے لیے ان خطرات کو مول لو۔ کیونکہ اب اس کیس نے میرے لیے قطعی ذاتی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اپنے ایک ہی کام کے لیے استعمال کروں۔''

انسپکٹر شاہد نے اس پر سخت احتجاج کیا تھا۔ اور آخر کار کامران کو اس سلسلے میں اپنے الفاظ واپس لینے ہی پڑے تھے۔ اس نے کہا تھا۔ ''میرا مطلب ہرگز تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ نہ میں تمہارے خلوص اور تمہاری جانثاری پر شبہ کر رہا تھا۔ میں نے ایک اصول کی بات کہی تھی۔ انسپکٹر شاہد کے اس احتجاج اور بحث نے کامران کو ایک ذہنی الجھن سے نجات دے دی تھی۔ کیونکہ حقیقتاً اب وہ اس معاملے کو خالص ذاتی اور نجی نوعیت کا معاملہ سمجھ رہا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ شاہد کو ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا غلط اور بے اصول سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر کمرے میں مکمل خاموشی طاری رہی اور پھر کامران نے کہا۔

''انسپکٹر شاہد تم نے اب تک کے حالات واقعات کی روشنی میں رپورٹ تیار کی ہے وہ منطقی اعتبار سے نہایت درست ہے اور اس کے اعتبار سے وقت ان تمام وارداتوں اور واقعات کے سلسلے میں اس بنیادی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ ان میں منطق اور دلائل کو کوئی دخل نہیں۔ ہمیں خلاف فطرت، خلاف منطق، خلاف عقل، اور خلاف دلائل واقعات کا سامنا ہے۔''

''میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔

''میرے ذہن میں یہ بات کھٹک رہی تھی۔ لیکن اس کی تصدیق میں کل ہی کر سکا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قطعی درست ہے۔ تم شاید مجھے پاگل اور احمق سمجھو اگر میں تم سے یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ ان حالات و واقعات میں فوق انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کا دخل ہے۔ ان کا روپ تو انسانوں جیسا ہے۔ لیکن ان کا ذہن اُن کی ذاتی قوتیں، ان کی صلاحیتیں اور حد یہ ہے کہ ان کا خون تک عام انسانوں جیسا نہیں ہے۔''

''کیا آپ کا مطلب ہے کہ ابانا......'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔ اس کے ذہن میں اچانک ابانا

سے متعلق ڈاکٹروں کے بورڈ کی اس رائے کی بازگشت ہوئی تھی کہ جس میں کہا گیا تھا کہ اس کا خون عام انسانی خون جیسا نہیں ہے بلکہ اس میں حیوانی خون کے خصائص موجود ہیں۔''

''ہاں......'' کامران نے نہایت تلخ لہجے میں کہا تھا۔ ''ابانا بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

''ابانا بھی انہی میں سے ایک ہے۔'' کامران نے زہریلے انداز میں یہ جملہ کہا، پھر اپنے دل میں دہرایا اور ایک مرتبہ پھر کرسی کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا۔

یہ حقیقت اس کے لیے بہت تلخ تھی مگر اس نے اپنے فرض کی صداقتوں اور سچائیوں کے لیے زہر کا یہ جام پیا۔ وہ جانتا تھا کہ جب بھی یہ حقیقت اس کے سامنے آئے گی کہ ابانا دراصل اس روپ کا نام ہے جس کو اس نے اپنے منطقی ذہن سے سوچا ہے تو اس کا وہ وجود جسے اس نے اپنی تیس سالہ طویل پھیلی ہوئی زندگی کے دوران پہلی مرتبہ محبتوں کے گجرے سے سجایا تھا۔ اس کے سر پر کانٹوں کا تاج اور اس کے ہاتھوں اور پیروں سے لوہے کی میخیں ٹھوک کر مصلوب کر دے گی۔ اس نے اپنے ایوان محبت کو شہر ملامت میں تبدیل کیا۔ اپنے کاندھے پر اپنی صلیب اٹھا کے مصلوب ہونے کے لیے چلا۔ گذشتہ روز ہی اس نے فرقان کی اجازت سے ابانا کو اپنے ساتھ لیا تھا اور ایک مرتبہ پھر وہ ابانا کو لے کر فرقان کے بچے کی آیا کے ہاں پہنچا تھا۔ اور آیا نے اس کو دیکھ کر کہا ''یہ ڈائن ہے۔ اسی نے منے کا خون کیا ہے۔'' چیخ چیخ کر اس نے کمرہ سر پر اٹھا لیا تھا۔ اور پھر بے ہوش ہو گئی تھی۔

''یہ ڈائن ہے۔'' وہ کلیدی جملہ تھا جس نے واقعات کے گرد پھیلے ہوئے اسرار کے تانے بانے توڑ ڈالے تھے۔ واپسی پر ابانا بے حد برہم تھی مگر اس نے اپنے دل میں پتھر اتار لئے تھے۔ ابانا کی برہمی، ابانا کی محبتیں اور اس کی رفاقتیں اور اس کی باتیں سب ان پتھروں پر لگ کر اچٹتی رہیں۔

کتنے کرب سے گذرا تھا وہ۔ یہ صرف کامران ہی جانتا تھا لیکن اسے یہ اطمینان تھا کہ اس کے بعد کوئی اور کامران، کوئی اور فرقان ابانا کا شکار نہ ہو سکے گا۔

''ابانا بھی انہیں میں سے ایک ہے۔'' کامران نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ ''انسپکٹر شاہد ہمیں ان واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے شروع سے تمام حالات کا نہ صرف معروضی جائزہ لینا پڑے گا بلکہ ان عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا...... جنہوں نے قتل کی تمام وارداتوں کو پراسرار بنا دیا ہے۔''

کامران اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لکھتے چلے جاؤ۔ یہ نہ صرف ہماری اب تک کی کارگذاری کا خلاصہ ہوگا بلکہ تمام واقعات کی ایک مربوط داستان بھی ہوگی۔ یہ ایک سرکاری دستاویز کی حیثیت سے ریکارڈ میں شامل کی جائے گی تاکہ اگر ہم پراسرار حالات کا شکار ہو جائیں تو آئندہ تفتیش وہاں سے آگے بڑھے جہاں سے ہم نے چھوڑا ہے۔''

انسپکٹر شاہد نے کاغذ قلم سنبھال لیا اور کامران کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے ماتھے پر بے شمار شکنیں تھیں۔ اس کی آنکھیں تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اور اس کا لہجہ بڑا بوجھل تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''انسپکٹر شاہد تم شاید مجھے احمق اور دیوانہ سمجھو۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ ہمیں انسانی ذہانت اور شیطانیت سے نہیں بلکہ مافوق الفطرت اور خبیث وجودوں سے سابقہ ہے اور میں نے ان سے مدافعت کی راہ اپنے طور پر یہ تلاش کی ہے کہ اس وقت میرے گلے میں ''پنجسورہ'' پڑا ہوا ہے اتنا کہہ کر کامران نے انسپکٹر شاہد کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سا تبسم تھا۔

''تم میری باتوں پر قہقہہ لگا سکتے ہو انسپکٹر! مگر حقیقتیں اس طرح نہیں بدلی جا سکتیں۔ میں تمہاری حفاظت کی خاطر بھی تمہیں یہی مشورہ دوں گا مجھے پتہ تھا کہ تم میری رفاقت سے دستبردار ہونے پر ہرگز تیار نہیں ہو گے۔ اسی لیے میں تمہارے لیے بھی ایک اور ''پنجسورہ'' لایا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ الماری کی طرف بڑھا اور اس میں سے جز دان میں لپٹا ہوا ایک ''پنجسورہ'' نکالا۔ مگر میں تمہیں اسے گلے میں ڈالنے کے لیے صرف اسی صورت میں مشورہ دے سکتا ہوں کہ تم پہلے غسل کر لو۔ بات یہ ہے کہ ہمارا مقابلہ غلاظت ناپاکی اور بدارواح سے ہے جن کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں طہارت، پاکیزگی، اور روحانیت ہی میں پناہ مل سکتی ہے۔'' یہ کہہ کر کامران نے وہ پنجسورہ بھی اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اور کونے میں رکھی ہوئی رائیٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھا اور اس کی دراز میں سے ایک پیکٹ نکال کر شاہد کی طرف آیا۔

''یہ پیکٹ'' اس نے پیکٹ کو انسپکٹر شاہد کے سامنے میز پر پٹختے ہوئے کہا۔ ''آج صبح ہی مجھے ملا ہے۔ اس میں جو تصویریں ہیں۔ وہ اگرچہ خود مجھے اپنی نظروں میں حقیر و ذلیل کرنے کے لیے کافی ہیں لیکن میں یہ تصویریں اس لیے دکھا رہا ہوں کہ تم بھی یہ جان سکو کہ ہم محض دنیاوی علوم سے اور اپنی جسمانی طاقت سے اور اپنے داؤ پیچ سے اور اپنے تمام دفاعی حربوں سے خبیث ارواح کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

انسپکٹر شاہد نے پیکٹ اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کر بغیر کھولے واپس میز پر ڈال دیا۔

''مجھے افسوس ہے کامران صاحب کہ آپ کو میرے رویے سے دکھ ہوا۔ میں اس پیکٹ کو کھول کر دیکھنے کا قطعی ارادہ نہیں رکھتا۔ آپ نے حالات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ممکن ہے درست ہو۔ لیکن ایک لمحے کے لیے یہ سوچئے کہ جب آپ یہ تمام باتیں سرکاری دستاویز میں شامل کریں گے تو خود آپ کی ساکھ کیا رہ جائے گی؟ محکمے کے دوسرے لوگ اور بالخصوص آپ سے حسد رکھنے والے اس کو کیا کچھ معنی نہیں پہنائیں گے۔''

''میں ان تمام باتوں سے اچھی طرح واقف ہوں انسپکٹر شاہد۔'' کامران نے کہا۔'' لیکن اس کے باوجود میں اپنی رائے تبدیل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اگر میں کامیاب ہوا تو میرے تمام شبہات خود بہ خود پایہ ثبوت کو پہنچ جائیں گے۔ اور اگر مجھے ناکامی ہوئی تو کم از کم مرتے ہوئے مجھے اتنا سکون ہوگا کہ میں نے اپنے بعد آنے والے شخص کے لیے صحیح راہ متعین کر دی ہے۔ بہر حال تم اس پیکٹ کو کھول کر تو دیکھو۔''

لیکن انسپکٹر شاہد پیکٹ کھولنے پر آمادہ نہ ہوا۔ تو کامران نے خود بڑھ کر پیکٹ اٹھایا اور اُس میں سے ایک ایک کر کے تمام تصویریں نکال کر اُس کو دکھاتا رہا۔

پھر کامران نے انسپکٹر شاہد کو ایک ایک کر کے پیکٹ کی تمام تصویروں کی تفصیلات بتائیں۔

ان دونوں میں دیر تک کوئی بات نہ ہوئی۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔ اس خاموشی کو کامران ہی نے توڑا۔

''ہاں تو انسپکٹر! اب کارگذاری کا خلاصہ تحریر کرو......'' کامران نے کہنا شروع کیا۔

''خلاصہ رپورٹ۔''

''حالات و واقعات اس بات کے شہد ہیں کہ پراسرار وارداتوں کا سلسلہ اس دن کے بعد سے شروع ہوا جب ابانا کو چار شکاری ہسپتال لے کر پہنچے۔ روایات اور عینی شاہدوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ابانا، ڈاکٹر فرقان کی اہلیہ کامنی کی ہمشکل ہے۔ ڈاکٹری رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ ابانا کا خون غیر انسانی ہے اور اس کی پرورش غیر انسانی ماحول میں ہوئی ہے۔ حد یہ ہے کہ انسانوں کی طرح دو پیروں پر چلنا بھی اسے ڈاکٹر فرقان نے سکھایا ہے۔ اس کو انسانوں کی طرح بولنا بھی ڈاکٹر فرقان نے سکھایا ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ یہ سب کچھ محض فریب اور دکھاوا ہے۔ ابانا انسانوں کی طرح ہر کام کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اور وہ انسانوں کو مسحور کرنے اور اپنے تابع کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ وہ ایسی قوت کی بھی مالک ہے کہ دوسروں کے خیالات پڑھ لیتی ہے اور دوسروں کے ذہن میں اپنے خیالات بغیر کچھ کہے داخل کر سکتی ہے۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ یہ قلب ماہیت کا ایک کیس ہے۔ ابانا کی اصل کچھ اور ہے جس نے کامنی کا روپ دھار لیا ہے اور ڈاکٹر فرقان نے اس کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ دراصل کامنی ہی کے لیے کیا ہے جس سے وہ بے پناہ محبت کرتا تھا۔ کامنی کا یہ روپ حاصل کرنے میں ابانا کو ایک بوڑھے نے مدد دی ہے جسے میں خبیث بوڑھے کے سوا اور کوئی نام نہیں دے سکتا اس لیے کہ اب تک میں اس کے نام سے ناآشنا ہوں۔ اس نتیجے پر میرے پہنچنے کا سبب یہ ہے کہ یہ بوڑھا ابانا کو اپنی تخلیق اور اپنے عمل کا ماحصل کہتا ہے۔ قتل کی وارداتوں میں بنیادی طور پر ابانا اور اسی خبیث بوڑھے کا جو مافوق الانسانی قوتوں کا مالک ہے، ہاتھ رہا ہے۔ یہ بوڑھا مختلف وارداتوں کے موقع پر مختلف انداز میں ابانا کے ساتھ پایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی مطلب براری کے لیے دوسرے افراد اور خاص طور پر ڈاکٹر فرقان کو آلہ کار بنایا ہو۔

ان وارداتوں کے ساتھ صبح نو کے رپورٹر شریف عثمانی کا کردار بھی اپنی جگہ خاصہ مشکوک ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ عثمانی جو فطرتاً اور طبعاً بلیک میلر ہے اور جو اس سے پہلے کئی افراد کو بلیک میل کر چکا ہے جن کا نام اس رپورٹ کے ساتھ علیحدہ ایک فہرست میں درج ہیں۔ ابانا کی حقیقت سے واقف ہے اور وہ ڈاکٹر فرقان کو بلیک میل کر رہا ہے۔ وہ یقیناً اس سلسلے میں اس حد تک آگے جا

چکا ہے کہ اب ڈاکٹر فرقان کی مدد کے سوا اسے کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ ڈاکٹر فرقان اس کے لیے ایک معقول آمدنی کا مستقل ذریعہ ہے اور ڈاکٹر فرقان بھی شاید عثمانی کو خفا کر کے اپنی مستقل شہرت کا راستہ بند نہیں کرنا چاہتا۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ ابانا اور بوڑھے کا مقابلہ عام انسانی ذہانت، فطانت، قوت اور وسائل سے نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے انسانوں کو خواہ وہ کامران ہو، انسپکٹر شاہد ہو فہیم ہو یا کوئی اور ہو طاغوتی قوتوں کا توڑ حاصل کرنے کے لیے ایسی ہی قوتوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور میں یہی راہ اختیار کر رہا ہوں۔

نوٹ:- اس خلاصے کو اس رپورٹ کے ساتھ پڑھا جائے جو انسپکٹر شاہد نے میری ہدایات پر ڈاکٹر فرقان اور سلیمہ سے بحث و جرح کی ریکارڈنگ سے مرتب کی ہے۔''

یہاں پہنچنے کے بعد کامران نے شاہد سے کہا۔ ''اس کے نیچے میرا نام اور تاریخ بھی لکھ دو اور اس کی تین نقلیں تیار کر کے ایک فائل میں لگا دو، دوسری دارالحکومت بھیج دو اور تیسری اپنے پاس ریکارڈ میں رکھ لو۔'' پھر وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم میری اس رپورٹ سے پوری طرح متفق ہو گے۔'' کامران نے انسپکٹر شاہد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کسی حد تک.....'' انسپکٹر شاہد نے جواب دیا۔

''کسی حد تک سے تمہاری مراد.....؟'' کامران نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''صرف واقعات کی حد تک لیکن آپ نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ یعنی میری مراد پراسرار حالات سے ہے۔ آپ نے رپورٹ میں لکھ دیا ہے کہ طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسی ہی قوتوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں اور آپ یہی راہ اختیار کرنے کے حق میں ہیں اور مجھے بھی آپ نے یہی مشورہ دیا ہے لیکن میں آپ کی اس بات سے ہرگز متفق نہیں ہوں۔ آپ نے کہا ہے کہ میں بھی آپ کی طرح اپنے گلے میں ''پنجورہ'' ڈال لوں۔ مجھے کلام الٰہی سے نعوذ باللہ کوئی اختلاف نہیں لیکن صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کلام الٰہی اس طرح تعویذوں اور دوسری صورتوں میں استعمال کرنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ انسانی زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ نا کہ اسے تعویز بنا کر گلے میں ڈالنے کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات کی روشنی میں زندگی گزارنے کا لائحہ عمل ہے۔ اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا میری فہم سے بالاتر ہے۔ آپ کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ پے در پے لاینحل حالات و واقعات نے آپ کے ذہن پر برا اثر ڈالا ہے جس کے نتیجے میں آپ عمل سے ہٹ کر ان چیزوں کا سہارا لینے کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ جن کے ذریعے حالات کا سلجھنا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔'' انسپکٹر شاہد یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اور اپنی گفتگو کا ردعمل اس کے چہرے پر تلاش کرنے لگا۔

کامران استہزائی انداز میں ہنسا اور کہا۔

میں تمہاری جگہ ہوتا تو شاید میرا بھی ردعمل یہی ہوتا لیکن انسپکٹر یہ بتاؤ کہ آج تک تجھے کسی حسین سے حسین لڑکی نے متاثر نہیں کیا لیکن ابانا نے مجھے پاگل بنا دیا میں وہ واردات کی تفتیش کے لیے نئے منصوبے اور نئی راہیں سوچ کر ڈاکٹر فرقان کے یہاں پہنچتا ہوں لیکن وہاں ابانا اور صرف ابانا میرے ذہن پر حاوی آ جاتی ہے۔ میں ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی کا تہہ خانہ تلاش کرتا ہوں اور عین اس وقت جبکہ میں اس کے دوسرے دہانے کے قریب پہنچتا ہوں تو مجھے ابانا کی یاد آتی ہے۔ اور میں وہاں سے واپس ہو لیتا ہوں۔ اور اس غار میں پہنچتا ہوں جہاں مجھے ابانا اور سلیمہ بے ہوش ملتی ہیں میں یہ سفر صرف آواز کے سہارے طے کرتا ہوں۔ جب کہ میں اس غار سے ناواقف تھا پھر بوڑھے سے میرا مقابلہ ہوتا ہے۔ وہ جسمانی طور پر نہایت لاغر ہوتا ہے لیکن وہ مجھے ہاتھ لگائے بغیر بے بس کر دیتا ہے پھر میں اس پر پستول اٹھاتا ہوں لیکن میری انگلیوں کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ یہ سب باتیں میرے ہوش و حواس میں ہوتی ہیں میرے تمام حواس زندہ اور متحرک ہوتے ہیں لیکن میرے جسم میں اتنی سکت نہیں ہوتی کہ میں مدافعت کر سکوں۔ میں کڑھتا ہوں غصے سے پیچ و تاب کھاتا ہوں لیکن بے سود اور جب وہ بوڑھا میرے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو میری جسمانی طاقت بحال ہو جاتی ہے۔ ابانا سے جب میں علیحدہ ہوتا ہوں تو میں اس کے خلاف پوری شدت سے کارروائی کرنے کے لیے منصوبہ بناتا ہوں۔ لیکن اس کے سامنے ایک وفادار کتے کی طرح دم ہلانے لگتا ہوں۔ آخر یہ سب کچھ یونہی تو نہیں ہے۔ تم اسے میرے ذہن کی کوئی نفسیاتی گرہ کہہ سکتے تھے لیکن یہ دونوں شخصیتیں اس سے پہلے کبھی میری زندگی میں نہیں آئی۔ اور نہ ہی ان سے ملتے جلتے لوگ اور پھر یہ اتفاق تو نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی جگہ میرے اعصاب پر حاوی آنے والی دو شخصیتیں اکٹھی ہو جائیں میں اپنے نتیجے میں کہاں تک صحیح ہوں اس کا تجربہ آج ہی ہو جائے گا۔''

''مجھے خوشی ہوگی کہ آپ کا یہ تجربہ کامیاب رہے۔'' انسپکٹر شاہد نے کہا۔ ''لیکن ایک آخری سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ اتنے یقین سے یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں؟''

''بہت معمولی سی بات ہے انسپکٹر! نہایت معمولی سی اگر میں اس پر پہلے غور کر لیتا تو شاید تمہیں تو نہ تصویریں دکھانے کی ضرورت ہوتی نہ یہ رپورٹ لکھانے کی۔ بوڑھے نے پہلی مرتبہ مجھے جب اس مکان میں اور اسی کمرے میں بے بس کیا تو اس کے آخری مرحلے میں، میں نے اسے بے جان لاشہ سا محسوس کیا اور وہ چیخ رہا تھا کہ میری ساعت میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔ اور پھر وہ یہاں سے گھسٹتا ہوا۔ واپس گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے نیچے آبادی کی مسجد سے فجر کی اذان سنی تھی۔ میرا خیال ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ بوڑھے کی چستی اور توانائی زائل ہونے کا سبب یہی اذان کی آواز تھی۔ ورنہ ساعت کا مصیبت بن جانا بے معنی ہو جاتا ہے۔ غالباً اب تم میرے استدلال کو پورے طور سے سمجھ چکے ہو گے۔'' کامران نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

کامران کو یقین تھا کہ اس نے ابانا اور بوڑھے کے بارے میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ درست ہے اس یقین نے کامران کو ایک نیا اعتماد اور ولولہ دے دیا تھا۔ اسے پورا پورا اعتماد تھا کہ ابانا کی ساحرانہ اور بوڑھے کی غیر انسانی قوتوں کے توڑ کے لیے اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ کامیاب ثابت ہوگا۔ اور اس کی بنا پر اب کوئی ابانا، کوئی بوڑھا، اس کے ذہن یا اعصاب یا جسمانی قوت کو اپنا پابند یا محکوم نہیں بنا سکے گا۔

سو اس نئے اعتماد اور نئے جذبے کے ساتھ اس نے اپنے دشمن کے خلاف میدان میں آنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس وقت وہ اپنے ان نئے انتظامات کا تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ کارگزاری کی خلاصہ رپورٹ لکھوانے کے بعد اس نے انسپکٹر شاہد کو رخصت کر دیا تھا۔ اور ان ہدایات کے سامنے کہ شہر میں داخل ہونے والے تمام راستوں کی نگرانی کی جائے اور جونہی عثمانی شہر میں داخل ہو اس کی نگرانی شروع کر دی جائے۔ وہ جانتا تھا کہ عثمانی کو جلد یا بدیر شہر میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ اس کا زیادہ دیر تک شہر سے باہر رہنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس نے اس بات پر بھی کافی غور خوض کیا تھا کہ آخر عثمانی پر ایسی کیا افتاد پڑی تھی کہ اس نے شہر سے باہر ویرانے میں پناہ لی ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہ تھی کہ وہ کامران سے ڈر کر ویرانے میں گوشہ نشین ہوا ہو۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ اس کی سمجھ میں آتی تھی اور وہ یہ کہ عثمانی بھی ان دنوں بوڑھے کی قوتوں کا تابع ہے۔ اور بوڑھا اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔

آج کا دن اس نے اپنی طرف سے تجربات کا دن مقرر کیا تھا آج وہ کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ صرف یہ تجربہ کرنا چاہتا تھا کہ اس نے ابانا اور بوڑھے کی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جو کچھ انتظام کیا ہے وہ اس کے اخذ کردہ نتیجہ کے مطابق ہے۔ یا نہیں۔ اس کے دشمن جانے پہچانے تھے۔ اور وہ ملزم بھی جانے پہچانے تھے جو قصبے میں ہونے والی پراسرار وارداتوں کے سلسلے میں اسے مطلوب تھے۔

بہر حال وہ اپنے آزمائشی مشن پر ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی پر پہنچا تھا۔ سلیمہ اور فرقان نے اس کا نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ پھر سلیمہ اس سے باتیں کرتی رہی۔ ڈاکٹر نے اس سے اس بات پر معذرت کی تھی کہ وہ اس کی ہدایت کے بموجب ہسپتال نہیں پہنچ سکا تھا۔ اور یہ عذر پیش کیا تھا کہ اس کی کار اچانک خراب ہوگئی تھی اور پھر کوٹھی کا فون خراب ہو گیا تھا۔ پھر فرقان اس سے معذرت کرتے ہوئے اس میز پر جا بیٹھا تھا جس پر چند فائلیں اور کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

کامران کو یہاں آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ فرقان اب بھی ابانا کی تربیت سے متعلق اپنی پندرہ روزہ رپورٹ لکھنے میں مصروف تھا۔ جو اسے مرکزی حکومت کو بھیجنی تھی۔ کامران کو تعجب اس بات پر تھا کہ فرقان یہ تمام سوانگ اتنی سنجیدگی سے کیونکر رچا رہا ہے اسے اپنے اس خیال پر یقین تھا کہ ابانا کی تربیت محض ایک ڈھونگ ہے۔ اس میں حقیقت کا کوئی گمان نہیں ہے۔

آخر کامران سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے پوچھ ہی لیا..... ''ابانا کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں..... سو رہی ہے۔'' سلیمہ نے کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی۔ وہ پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ فرقان بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر ان کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اچانک کامران نے ان سے کہا تھا۔

''آپ لوگوں کو ابانا سے ڈر نہیں لگتا؟''

''ڈر.....'' فرقان نے حیرانی سے کہا۔ ''کیوں.....؟''

''اس کی صلاحیتوں سے..... کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ وہ اتنی تیزی سے شائستہ آداب و تہذیب ہو رہی ہے۔''

''یہ اس کی ذہنی صلاحیت ہے اگر اس سے ڈرنے لگیں تو ماں باپ کو اپنے ذہین بچوں سے بھی ڈرنا چاہیے۔''

''بھئی مجھے تو خوف آتا ہے ذرا سوچیے اگر کوئی بھیڑیا انسانی آواز میں بولنے لگے تو آپ کو ڈر نہیں لگے گا۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' فرقان نے تیز لہجے میں کہا تھا۔ اس کا یہ تیز لہجہ اس کے چہرے پر اڑتی ہوئی ہوائیوں سے قطعی میل نہ کھاتا تھا۔ ''آپ کے ذہن میں جو کچھ ہے مسٹر کامران اس کی وضاحت کر دیجیے۔''

''بھیڑیا.....'' کامران کے ذہن میں ایک اور جھماکا سا ہوا تھا۔ اس کے ذہن کی ایک اور گرہ کھل گئی تھی۔ اس نے یہ جملہ محض یونہی مثالاً کہا تھا۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ یونہی روا روی میں ادا کیا ہوا یہ جملہ ایک اور معاملے کو حل کر دے گا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ ابانا کی پرورش جنگل میں اور جنگلی جانوروں میں ہوئی ہے۔ اس کے باوجود وہ اتنی تیزی سے تمام انسانی عادات و خصائل اپنا رہی ہے۔''

''یہ تمہارے نقطہ نظر کا فرق ہے۔ میں اس معاملے کو یوں سمجھتا ہوں کہ یہ ابانا اپنی عمر کے باوجود محض ایک بچہ ہے اور اس کا ذہن بچوں کی طرح بولنا، چلنا، اٹھنا، بیٹھنا سیکھ رہا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ابانا عام انسانی بچے سے کہیں زیادہ ذہین ثابت ہو رہی ہے۔ بہر حال یہ بھی ایک حیرت انگیز بات ہے اور ماہرین علم انسانیات کے لیے نہایت دلچسپ حقیقت.....''

لیکن اب کامران وہاں سے جلد از جلد اٹھ جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ اس تصویر کے معمے کو حل کر چکا تھا جو اس نے عثمانی کے گھر میں کیبنٹ میں دیکھا تھا۔ اور اسے غیر اہم سمجھ کر یونہی واپس رکھ دیا تھا۔ اور دوسری تصاویر وہاں سے اڑا لایا تھا۔ لیکن وہ ابانا سے ملے بغیر وہاں سے پلٹنا نہیں چاہتا تھا۔

ابانا آخر کار وہاں آئی۔ اس کا گلابی رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ آنکھوں میں خوف اور ڈر سمٹ آیا تھا۔ گالوں کی بیر بہوٹیاں میتھی کے زرد پھولوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ اس کے جسم پر کپکپی طاری تھی۔ وہ اس وقت کامران کے سامنے نہیں آنا چاہتی تھی۔ لیکن سلیمہ اسے زبردستی یہاں لائی تھی اور

اس نے کہا تھا۔ ''سلیمہ تمہاری یہ ضدیں کسی دن میری جان لے لیں گی۔ لیکن میں تمہاری بات ٹالنے کا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔ ابانا کی چال کا وہ مستانہ پن بھی غائب تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی چل رہی تھی۔ اس نے کامران کی طرف بے بسی کے انداز میں دیکھا۔ اور ایک صوفے پر بے جان مورت کے انداز میں ڈھیر ہوگئی۔

فرقان اس کی طرف لپکا۔ اس کی نبض پر ہاتھ رکھا...... ''کیا ہوا ابانا......'' اس نے پوچھا تھا۔

کامران بھی لپک کر ابانا کی طرف بڑھا۔ کامران کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ابانا نے زور کی ایک چیخ ماری اور صوفے سے اٹھ کر بھاگی۔ ''مت آؤ...... مت آؤ...... میرے پاس......'' اس نے کامران سے کہا تھا۔ اور بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی تھی۔ کامران اس کی طرف بڑھنے والا تھا کہ فرقان نے اس کا راستہ روک لیا...... ''بس مسٹر کامران...... وہ میری مریضہ ہے۔''

فرقان اور سلیمہ ابانا کی خبرگیری کے لیے اس کے کمرے میں جا چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کامران نے شاہد سے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہا۔ مگر شاہد سے اس کا رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ تھانے سے بتایا گیا کہ شاہد ابھی تک واپس نہیں آیا ہے یہ بڑی عجیب بات تھی۔ اس وقت وہ شاہد کو فون پر یہ ہدایت دینا چاہتا تھا کہ وہ عثمانی کے گھر سے وہ تمام تصویریں اڑا لائے اور خاص طور پر وہ تصویریں جس میں بھیڑیا دکھائی دے رہا ہے لیکن پریشان کن بات یہ تھی کہ شاہد ابھی تک تھانے نہیں پہنچا تھا۔ حالانکہ اب تک دو تین مرتبہ وہاں سے آ جا سکتا تھا۔ اسے شاہد سے یہ توقع بھی نہ تھی کہ وہ اس اہم کام کو جو اسے سپرد کیا گیا ہو ادھورا یا نامکمل چھوڑ کر کسی اور سیر سپاٹے کے لیے نکل جائے۔ نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ کامران کے حکم سے ذرا سی بھی غفلت کا ارتکاب کرے...... کامران نے اسے فوراً تھانے جانے اور رپورٹ ٹائپ کرنے کے لیے کہا تھا۔

☆......☆

عثمانی کے گھر سے اسے مطلوبہ تصاویر حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ وہ یہ تصویریں لے کر بلو ہیون میں آ بیٹھا۔ یہاں اس نے خاص طور پر وہی تصویر نکالی جس میں ایک بھیڑیا لیٹا ہوا تھا۔ اس تصویر کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کے شبہات قوی تر ہو گئے۔ یہ ایک قبر کی تصویر تھی۔ قبر جس میں ایک بھیڑیا لیٹا ہوا تھا۔ یہ تصویر فوٹو گرافر کے فن کا کمال نہیں تھی۔ اور کامران کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ یہ قبر دراصل کامنی کی قبر ہے۔

''تو گویا میرا یہ قیاس درست ہے کہ کوئی غیر انسانی مخلوق کامنی کے جسم پر قابض ہے۔''

کامران نے سوچا۔ ''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ جانور انسانوں کا روپ اختیار کر لیں۔''

فرقان سوچتا رہا۔ سوچتا رہا۔ لیکن یہ ایسے سوالات تھے جن کا قطعی جواب اس کے پاس نہ تھا۔

اس نے اپنے اس شبہ کو ثابت کرنے کے لیے رات کو قبرستان میں پہنچ کر کامنی کی قبر

کھولنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اگر اس وقت عثمانی اسے مل جاتا تو وہ اس سے ہی اس تصویر کی حقیقت کے بارے میں معلوم کر لیتا۔ ویسے اس نے کامنی کی قبر کے بارے میں جو معلومات حاصل کی تھیں۔ ان کے مطابق تصویر کا ماحول اسی کے بالکل مشابہ تھا۔ کامنی کی قبر چیڑ کے ایک درخت کے دامن میں تھی اور اس تصویر میں چیڑ کا پیڑ موجود تھا جس کے دامن میں ہی قبر تھی اور قبر میں بھیڑیئے کی لاش موجود تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اسے تھانیدار نے اطلاع دی تھی کہ شاہد اپنے گھر میں بھی نہیں مل سکا۔ نہ وہ خود کامران کی کوٹھی میں موجود تھا۔ ''ٹھیک ہے......'' اس نے کہا تھا۔ ''ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی کی نگرانی تو ہو رہی ہے نا......''

''جی ہاں......''

ایک لمحے کے لیے بھی اس کی نگرانی سے غفلت نہیں ہونی چاہئے۔'' اس نے کہا تھا۔ اور فون بند کر دیا تھا۔

رات تک اس کے لیے کوئی کام نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بلیو ہیون میں ہی بیٹھے رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں سے اس نے ہوٹل ہل ٹاپ میں جعفری کو فون کیا۔ لیکن جعفری بھی اس کو عثمانی کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔ پھر اس نے ڈاکٹر فرقان کی کوٹھی فون کیا اور دوسری طرف فرقان نے بڑی بے تابی سے کہا۔

''مسٹر کامران...... آپ کہاں ہیں۔''

''میں ہوٹل بلیو ہیون سے بول رہا ہوں۔ ابانا کیسی ہے؟''

''وہ غائب ہو چکی ہے مسٹر کامران۔''

''کیا......؟''

''ہاں......'' فرقان کی آواز سنائی دی۔ ''میں نے اسے نیند کا انجکشن دے دیا تھا۔ اس کی حالت بے حد غیر تھی وہ تم سے انتہائی خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔ نامعلوم کیوں؟ بہر حال تھوڑی دیر پہلے جب سلیمہ اس کے کمرے میں گئی تھی۔ تو ابانا وہاں موجود نہیں تھی۔ میں سمجھا کہ شاید وہ تمہاری طرف چلی گئی ہے۔ میں نے تمہاری کوٹھی پر بھی فون کیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے بتاؤ مسٹر کامران وہ تم سے کیوں خوفزدہ ہے؟ میں تمہیں اپنی تمام محنت یوں ضائع کرنے نہیں دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ خوف اس کی نشوونما کو کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''یہ تم جانو ڈاکٹر...... مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے کیوں خوفزدہ ہے۔''

''ابانا کو کوئی نقصان پہنچا تو میں تمہیں اس کا ذمے دار ٹھہراؤں گا۔ اور یہ بات صرف مجھ تک محدود نہیں رہے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرے پاس ایک قومی امانت ہے۔ میں ابانا کو تم سے لوں گا۔''

''صرف دو تین دن کی بات ہے ڈاکٹر! اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ ابانا تمہاری تحویل میں رہتی ہے یا کسی جیلر کی تحویل میں......'' کامران نے کہا اور فون بند کر دیا۔

''تو گویا میرے خدشات درست ثابت ہوئے۔'' کامران نے سوچا۔''ابانا کا مجھ سے خوفزدہ ہونا بے سبب نہیں ہے۔''اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆......☆

رات نہایت سرد تاریک اور ہولناک تھی۔ درختوں کے پتوں سے تیز ہوا سیٹیاں بجاتی گذر رہی تھی۔ قبرستان پر ہولناک سناٹا طاری تھا۔ گیدڑوں، چمگادڑوں اور بھیڑیوں کے رونے کی آوازوں نے دل کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ تیز ہوا کے نیزے لباس کی ڈھال کو چیرتے ہوئے کامران کے جسم میں داخل ہو رہے تھے۔ لیکن وہ اس ماحول اور سرد ہوا کے تھپیڑوں سے بے نیاز نہایت عزم کے ساتھ قبرستان میں داخل ہوا۔ اس نے اپنی کار قبرستان کے احاطے سے باہر ہی کھڑی کر دی تھی۔ گورکن بھی ماحول کی اس شدت سے سہم کر اپنی کٹیا میں چھپا ہوا تھا۔ اور اس کٹیا کے دروازوں سے لالٹین کی روشنی چھن چھن کر باہر لرز کر آ رہی تھی۔ شاید لالٹین کی روشنی بھی اس سرد ہوا کے حملوں سے سہمی ہوئی تھی۔

کامران نپے تلے قدم اٹھاتا قبروں کے درمیان سے ہوتا ہوا کامنی کی قبر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اندھیرے میں سامنے دو انگارے...... متحرک اور جاندار انگارے اسے گھور رہے تھے۔ کامران نے ٹارچ روشن کی اور یہ انگارے وہاں سے تیزی سے کھسک گئے۔ وہ کوئی بجو تھا جو ٹارچ روشن ہوتے ہی اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا۔

کامران نے اطمینان کی گہری سانس لی۔''لاحول ولا......''

چند قدم اور آگے بڑھ کر جب اس نے کامنی کی قبر کے پاس پہنچ کر ٹارچ کی روشن کی تو ایک اور صدمہ اس کا منتظر تھا۔ ایک اور ناکامی اس کے لیے آغوش وا کیے ہوئے تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں ملیں مگر حقیقت تبدیل نہ ہو سکی۔

کامنی کی قبر کھلی پڑی تھی۔ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ قبر خالی ہو گی۔ قبر میں ٹارچ کی روشنی پھینکی اس کا خیال درست تھا۔ قبر میں نہ کامنی کی لاش تھی، نہ لاش کا ڈھانچہ، نہ بھیڑیئے کی لاش تھی نہ اس کا ڈھانچہ صرف تعفن تھا۔ اتنا شدید تعفن کے کامران جیسے سخت حواس کے مالک شخص نے بھی جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھ لیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے قبر کی مٹی کو دیکھا۔ کسی نے تازہ تازہ ہی قبر کو کھولا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ٹارچ کی روشنی قبر میں ڈالی اور اسے قبر میں سفید سی چیز چمکتی نظر آئی۔ جسے اس نے جھک کر قبر میں سے اٹھایا۔ لیکن بدبو کے مارے اس کا دماغ پھٹ کر رہ گیا۔ اور وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ اور بڑی دیر تک ابکائیاں لیتا رہا۔

جب اسے ابکائیوں سے نجات ملی تو اس نے ٹارچ کی روشنی میں اس سفید چیز کا جائزہ لیا۔ یہ ملاقاتی کارڈ تھا۔ جس پر سیاہ روشنائی میں یہ الفاظ صاف نظر آ رہے تھے۔

شریف عثمانی

رپورٹر......صبح نو

''ہوں......''اس نے گہرا سانس لیا۔''شریف عثمانی تم کب تک میری گرفت سے بچو گے۔''

کامران وہاں سے واپس ہی مڑا تھا کہ وہ ایک گھٹی گھٹی آواز سے چونک پڑا۔ یہ آواز اس نے اس سے پہلے بھی سنی تھی۔ یہ آواز اس نے اس وقت سنی تھی جب وہ قبر میں سے عثمانی کا ملاقاتی کارڈ اٹھا رہا تھا۔ مگر اس وقت اس نے اس آواز کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی کہ حقیقت کیا ہے۔ تیز ہوا کے شور میں یہ آواز بھی اسی شور کا ایک حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ مگر اس لمحے جبکہ ہوا کے شور میں کمی ہو گئی تھی۔ یہ آواز بالکل علیحدہ اور انتہائی نمایاں انداز میں سنائی دی۔

یہ آواز انتہائی تکلیف میں مبتلا کسی انسان کی آواز تھی ایسی آواز تھی گویا کوئی شخص جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو اور وہ اپنی ناک سے آواز نکال رہا ہو۔ اس آواز میں کرب تھا۔ التجا تھی اپنی طرف متوجہ کرنے کا عزم تھا۔ کامران نے اس آواز کی سمت کا اندازہ لگایا۔ اور پھر ایک طرف بڑھ گیا۔ چار پانچ قبروں کے بعد ایک پکی قبر کے احاطے میں اسے انسپکٹر شاہد نظر آیا۔

شاہد کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور دونوں پیر بھی۔ رسی کی گرفت انتہائی سخت تھی اتنی سخت کہ دوران خون رک گیا تھا۔ کلائیوں اور پنجوں، پنڈلیوں اور پیروں کے درمیان دوران خون بند ہو گیا تھا۔ اور جسم کے یہ حصے اتنے سوج گئے تھے کہ رسیاں گوشت کے اندر اتر گئی تھیں۔ اس کے جسم پر بنیان اور انڈرویئر کے سوا کوئی اور کپڑا نہ تھا سردی سے اس کا جسم نیلا کچ ہو رہا تھا۔

''شاہد......'' کامران نے کہا۔ لیکن شاہد اسے کوئی جواب نہ دے پایا۔ اس کا جواب وہی کراہ تھی۔

کامران نے شاہد کے چہرے پر روشنی ڈالی۔ اس کی آنکھیں متحرک تھیں۔ ان میں خون سا اتر آیا تھا۔ تکلیف کی وجہ سے اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس کے منہ پر کوئی کپڑا بندھا ہوا نہ تھا۔ لیکن ہونٹ بری طرح سوجھے ہوئے تھے۔ اتنا ورم تھا کہ دونوں ہونٹوں کو حرکت کرنا بھی مشکل تھا۔''مگر......اف خدایا......'' کامران کے منہ سے چیخ سی نکل پڑی۔ شاہد کا بالائی اور نچلا ہونٹ آپس میں پیوست تھے۔ اور انہیں کسی انتہائی شقی القلب شخص نے سرخ ریشمی تلی سے سی دیا تھا۔ اس طرح جیسے فٹبال کا منہ بلاڈر میں ہوا بھرنے کے بعد تسمے سے بند کر دیا جائے۔

شاہد کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔''میں عہد کرتا ہوں شاہد کہ جس کسی نے بھی تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے اسے میں سسکا سسکا کر ماروں گا۔'' کامران اس کے سوا تسلی کے کوئی اور الفاظ نہ کہہ سکا۔

کامران نے غور سے دیکھا تو اصل صورت حال اس کی سمجھ میں آئی۔ اس کے ہونٹوں کو بند کرنے کے لیے جونکوں کا سہارا لیا گیا تھا۔ یہ جونکیں اس کے دونوں ہونٹوں پر نہایت ہوشیاری سے لگائی گئی تھیں۔ جونکیں شاہد کے ہونٹوں سے خون چوس رہی تھیں۔ اور یہ جونکیں اس کے ہونٹوں کو سینے

کے لیے گویا ٹانکے بن گئی تھیں۔

OOO

فرقان کی حویلی جہنم کی مانند دہک رہی تھی۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی سرخ سرخ زبانیں بار بار یوں لپلپاتی تھیں گویا کئی آتشیں اژدھے بار بار اپنے دشمن پر حملے کے لیے آگ اگل رہے ہوں۔ کوٹھی کے آس پاس کا ماحول آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں سے روشن ہوگیا تھا۔ آگ نے ہر طرف شفق کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ حویلی دھڑا دھڑ اس طرح جل رہی تھی۔ گویا وہ اینٹوں، پتھروں، سمیت لوہے اور لکڑی سے بنی ہوئی نہ ہو بلکہ اس کی تعمیر میں صرف مٹی کے تیل اور پیڑوں سے کام لیا گیا ہو۔ حویلی کی چھتوں، کھڑکیوں، دروازوں حتی کہ اس کی دیواروں تک سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ شعلے دیواروں کو چاٹتے ہوئے اس طرح اوپر بلند ہو رہے تھے۔ جیسے بیک وقت کئی سانپ لہراتے ہوئے اوپر بڑھ رہے ہوں۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ لپٹ کر اوپر چڑھنے والی عشق پیچاں کی بیلیں سلگ رہی تھیں۔ کھڑکیوں، روشن دانوں اور دروازوں سے حویلی کے اندر آگ بھڑکتی نظر آ رہی تھی۔ اور یوں لگ رہا تھا گویا حویلی اندر سے ایک بہت بڑے دہکتے ہوئے تنور میں تبدیل ہوگئی ہو۔ شعلوں کی زبانیں دیواروں میں چنی ہوئی اینٹوں کے جوڑوں کے اندر سے لپلپا کر باہر نکل رہی تھی۔

سب لوگ دم بخود تھے بستی کے لوگ بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ شروع شروع میں حویلی کے مکینوں کی مدد اور بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کے سلسلے میں جو شور و غوغا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اس احساس کے قوی تر ہونے کے ساتھ کہ ان کے لیے اب تمام کوششیں فضول ہیں۔ اور ان کی تمام تگ و دو بے فائدہ ہے ان کی ہاہا کار اور ان کی چیخ و پکار دم توڑ گئی تھی۔ اور وہ مایوسی، لاچاری اور بے بسی کے احساس کے ساتھ خاموشی سے اس جہنم کے سرد ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر آگ تھی کہ اس میں شدت ہی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اطمینان کی بات صرف اتنی تھی کہ یہ حویلی بستی سے دور تھی۔ ورنہ اگر کہیں یہ حویلی بستی میں ہوتی تو نا معلوم کتنے مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی کیونکہ اس آگ نے حویلی کے احاطے میں کھڑے ہوئے درختوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اور اس کا سبزہ زار سرخ انگاروں کے کھیت میں تبدیل ہوگیا تھا۔

مایوسی اور بے بسی کے احساسات کے ساتھ حویلی کی اس آتشیں تباہی کا منظر دیکھنے والوں میں پولیس پارٹی بھی شامل تھی۔ یہ وہی پولیس پارٹی تھی جو کامران کے حکم کے تحت حویلی کی نگرانی کے لیے یہاں متعین تھی۔ اس پولیس پارٹی کے دو جوان حویلی کی آگ کی نذر ہو چکے تھے۔ یہ دونوں حویلی کے ایک دروازے سے آگ کے شعلے بھڑکتے دیکھ کر اندر لپکے تھے۔ ان کے پیچھے پارٹی کے دوسرے جوان بھی تھے۔ اور ان لوگوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حویلی کے برآمدے میں جاتے دیکھا تھا اور پھر اچانک حویلی کے دروازے سے آگ کے شعلے لپکے تھے۔ اور انہوں نے ان دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور ان شعلوں نے انہیں اپنی طرف یوں کھینچ لیا تھا۔ گویا کسی دیو پیکر

اکٹوپس نے اپنی لاتعداد لجلجی ٹانگوں سے انہیں پکڑ کر اپنے منہ میں رکھ لیا ہو۔ حویلی کا دہکتا ہوا دروازہ ان کے لیے اکٹوپس کا منہ ثابت ہوا تھا۔

اور عین اسی وقت جبکہ ان دونوں کو شعلوں نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ پولیس پارٹی کے دو جوان اپنے ان ساتھیوں کی مدد کے لیے لپکے تھے لیکن ابھی وہ برآمدے کے قریب ہی پہنچے تھے کہ حویلی کے اندر دہکنے والی آگ کے شعلے فرش پر لاوے کی مانند پھیل گئے ...... اور وہاں بھی آگ کا کھیت لہلہانے لگا برآمدے کے ستونوں نے بھی آگ پکڑ لی تھی۔ اور انہیں شعلوں نے اپنے دو ساتھیوں کی مدد کے لیے لپکنے والے دونوں جوانوں پر حملہ کیا تھا۔ آگ کے شعلوں سے ان کی بھنویں اور پلکیں جھلس گئی تھیں۔ ان کے لباس کو جلا دیا تھا۔ اور ان کے چہروں ہاتھوں اور بدن کے کھلے ہوئے حصوں پر آبلوں کے بڑے بڑے کٹورے بنا دیئے تھے۔ یہ دونوں جوان اسی کیفیت میں اپنے ساتھیوں کی طرف بھاگتے ہوئے واپس آئے تھے۔ جنہوں نے ان کے کپڑوں کی آگ بجھائی تھی اور اب وہ گھاس کے ایک قطعے پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔

کامران کو حویلی میں آگ لگنے کی اطلاع اس وقت ملی تھی جب وہ انسپکٹر شاہد کو لے کر ہسپتال پہنچا تھا۔ اور اسے ڈاکٹروں کے حوالے کرنے کے بعد تھانے فون کیا تھا۔ اس نے آگ کی نوعیت کے بارے میں دو تین ابتدائی قسم کے سوالات کیے تھے۔ اور اسے پتہ چل گیا تھا کہ تھانے کو آگ کے بارے میں اس کے سوا کوئی اور علم نہیں کہ آگ انتہائی شدید نوعیت کی ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی اس نے ہسپتال کے ڈاکٹروں کو شاہد کے بارے میں ہدایات دے کر کہ شاہد کی کڑی نگرانی کی جائے اور اس سے کسی کو ملنے یا بات کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ وہاں سے فوراً فرقان کی حویلی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے اس نے شاہد سے ملاقات کی اور اس کیفیت میں کہ اس کے ہونٹوں سے جونکیں پیوست تھیں۔ اور اس کی آنکھیں تکلیف کی شدت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ یہ ہدایات دی تھیں۔

''شاہد میرے عزیز...... مجھے فوری طور پر فرقان کی حویلی پہنچنا ہے۔ وہاں آگ لگ گئی ہے۔ میں تمہیں اس حالت میں چھوڑنا تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر مجبوری ہے۔ میری تم سے اتنی درخواست ہے کہ تم میرے آنے تک کسی کو اپنی اس حالت کے بارے میں کوئی بیان نہ دینا۔ کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔''

مگر شاہد کے تو ہونٹ سلے ہوئے تھے۔ کامران کی اس بات کا جواب کیونکر دیتا۔ وہ تو بس آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔

''اگر تم میری بات سمجھ گئے ہو تو صرف اپنی آنکھیں ایک مرتبہ بند کر لو۔''

''شاہد کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ وہ یونہی ٹکٹکی باندھے کامران کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر حیرت یا تردد کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔

''اگر تم میری بات سمجھ گئے ہو تو اپنی آنکھیں بند کر کے مجھے اس کا جواب دو۔''

شاہد کی آنکھوں میں بے بسی منجمد تھی۔ پھر اس نے آہستگی سے آنکھیں یوں بند کیں کہ گویا ایسا کرنے میں بھی اسے بہت تکلیف سے گذرنا پڑ رہا ہو۔

''تم کسی کو بیان نہیں دو گے۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرو گے۔'' کامران نے پھر اس سے کہا۔

انسپکٹر شاہد کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر بند ہو گئیں۔

خدا حافظ میرے دوست۔'' کامران نے اس سے کہا تھا اور کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ اسی وقت ڈاکٹر سرجن اور نرسوں کی جماعت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ شاہد کو اس انسانیت سوز تکلیف سے نجات دلانے کے لیے تیاریاں ہو رہی تھیں۔

پھر کامران وہاں سے فرقان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے تھانے کو فون پر یہ ہدایت دینا نہ بھولا تھا۔ کہ شاہد کی نگرانی اور حفاظت کے لیے پولیس مامور کر دی جائے۔

کامران کے لیے حویلی تک کا سفر بڑا ناخوشگوار اور غیر متوقع حالات سے پر تھا۔ ویلی رڈ پر اس کو کار کی روشنی میں سڑک کے درمیان ایک آدمی بے حس و حرکت پڑا نظر آیا تھا۔ اور وہ کار روک کر اس شخص کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اندھیرے سے نکل کر تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور اس وقت وہ ایک چوتھا آدمی بھی انہی میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ چاروں پاگلوں کی طرح آس پاس سے بے نیاز ہو کر اس پر حملے کر رہے تھے۔ اور اسے اتنی مہلت بھی نہ مل رہی تھی کہ وہ کوٹ کے اندر چھپے ہوئے ہولسٹر سے پستول ہی نکال لیتا۔ پھر ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ وہ سڑک کے اس کنارے پر پہنچ گیا جس کے نیچے ہزاروں فٹ گہرا کھڈ تھا۔ فرقان کو اس طرح گھیرنے کے بعد وہ چاروں افراد چیتے کی مانند اس پر حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سے ماحول قدرے روشن ہو گیا تھا۔ ویلی روڈ دور دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی کسی طرف سے کوئی مدد ملنے کا امکان نہ تھا۔ کامران کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ اس کے لیے یہی ایک راستہ تھا کہ وہ بڑھ کر پوری شدت کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص پر ٹوٹ پڑے۔ بصورت دیگر اگر وہ چاروں بیک وقت اس پر ٹوٹ پڑتے تو وہ اسے دبوچ لیتے یا پھر ہزاروں فٹ گہرا کھڈ اس کا مدفن بن جاتا۔

اس کی نظریں اپنے چاروں حریفوں پر تھیں۔ وہ ابھی اپنے مقابل کھڑے ہوئے شخص پر حملہ کرنے کے بارے میں فیصلہ ہی کرنے والا تھا کہ اس نے کامران پر چھلانگ لگائی۔ وہ اڑتا ہوا کامران کی طرف آیا۔ اس کی ٹانگیں کامران کے سینے کی طرف تھیں۔ ایک لمحے کی بات تھی۔ کامران ایک دم زمین پر لیٹ گیا۔ اور چیتے کی طرح چھلانگ لگانے والے حریف کو اس کی زقند کے دوران ہی لیٹے لیٹے اپنی کی ٹانگ پر لے کر کھڈ کی طرف اچھال دیا۔ ایک تیز چیخ فضا میں بکھر گئی۔ پھر یہ چیخ کھڈ کی گہرائیوں میں دفن ہو گئی۔ اسی عرصے میں اس نے ہولسٹر سے پستول نکال لیا۔ باقی تینوں حملہ آور اپنے ساتھی کے بھیانک انجام پر کچھ دیر کے لیے سکتے میں رہ گئے۔ اور جب وہ اس کیفیت سے نکلے تو وہ انتہائی بپھرے ہوئے انداز میں اس کی طرف بڑھے۔

ایک فائر ہوا اور ان میں سے ایک شخص لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے دونوں ساتھی ٹھٹھک کر رہ گئے۔ مگر ان کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا وہ ایک سحر زدہ کیفیت میں ہوں اور انہیں اس کے سوا کوئی خیال نہ ہو کہ بس کامران کو ٹھکانے لگا دینا ہے۔ باقی دونوں حملہ آور وحشیانہ انداز میں پھر اس کی طرف بڑھے۔ دو اور فائر ہوئے اور وہ دونوں بھی لڑکھڑا کر سڑک پر ڈھیر ہو گئے۔ کامران کو ان تینوں حملہ آوروں کو رسی سے باندھنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ وہ اس صورت میں بھی کامران کو بھنبھوڑ ڈالنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس کوشش میں کامران کی کلائی اور بازو زخمی ہو گئے۔ وہ تینوں پاگلوں کی طرح اس کو کاٹ کھانا چاہتے تھے۔ تنگ آ کر اس نے ان تینوں کے منہ میں کار صاف کرنے کے لیے ڈکی میں رکھی ہوئی کاٹن ٹھونس دی۔ اور انہیں کار میں ڈال کر پھر فرقان کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

جس وقت اس نے کار اسٹارٹ کی تھی تو اس نے فضا میں کریہہ قہقہے امڈتے سنے تھے۔ یہ قہقہے وہ خوب پہچانتا تھا۔ یہ قہقہے خبیث بوڑھے کے تھے۔ ''شیطان کی اولاد.....'' کامران نے زور سے کہا تھا۔ ''میں تجھے بھی پاتال سے نکال لاؤں گا۔''

وہ اس وقت ان قہقہوں کا تعاقب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت فرقان کی حویلی پہنچنا اس کے لیے بہت ضروری تھا۔ اور اب کامران حویلی کے جلنے کا منظر نہایت بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ آگ اتنی شدید تھی کہ اس کے اندر کی کوئی چیز بچنے کا امکان نہ رہا تھا فائر بریگیڈ کے انجن جنہیں شہر سے طلب کیا گیا تھا ایک کنارے کھڑے ہوئے تھے وہ جتنا پانی لا سکتے تھے وہ سب خرچ ہو چکا تھا اور یہاں پانی کی مسلسل فراہمی کا کوئی مکان نہ تھا۔

فرقان کی حویلی رفتہ رفتہ آگ سے جھلس کر منہدم ہونے لگی۔ اس کی چھت بہت زوردار آواز کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ریت دھواں، اور آگ کے شعلوں کے مرغولے بلند ہوئے تھے۔ تپتی ہوئی راکھ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں پر بھی گری تھی۔

''تو یہ تمام سلسلہ بھی ختم ہوا'' کامران نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''اسے دکھ صرف اس بات کا تھا کہ اب وہ فرقان کو قانون کی گرفت میں نہ لے سکے گا۔ حویلی میں آگ بھڑکنے کے واقعات کی جو تفصیل اسے معلوم ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ بے حد پراسرار تھی۔

آگ اچانک بھڑکی تھی۔ اور چشم زدن میں پوری کوٹھی میں اس طرح پھیلی تھی۔ گویا کسی نے پہلے اسے مٹی کے تیل سے خوب تر بتر کر دیا ہو۔ پولیس پارٹی کے کہنے کے مطابق انہوں نے حویلی سے کوئی چیخ و پکار نہیں سنی تھی۔ اور نہ ہی فرقان یا سلیمہ اور اباناٹو کو حویلی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔

''تو گویا یہ خودکشی کی واردات ہے۔'' کامران نے سوچا...... کیونکہ صرف خودکشی کے دوران ہی مایوس انسان اپنی جان خاموشی سے دے دیتا ہے۔ اس نے یہ مفروضہ اس بنیاد پر قائم کیا تھا کہ کسی جھلسے ہوئے آدمی کے بارے میں یہ حکم کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی اس کی ہتھیلیاں دیکھ کر لگایا جاتا ہے۔ اگر ہتھیلیاں جھلسی ہوئی نہ ہوں تو یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے خودکشی کی کوشش

کی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنے جسم سے بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اگر ہتھیلیاں جھلسی ہوئی ہوں تو یہ گمان کیا جاتا ہے کہ جھلسنے ہوئے شخص نے اپنی زندگی بچانے کی پوری پوری جدوجہد کی ہے۔ کامران کو یقین تھا کہ حویلی کی آگ یقیناً اس کے کمینوں کی لگائی ہوئی تھی۔ اس یقین کا ایک سبب یہ تھا کہ آگ پوری کوٹھی میں بیک وقت بغیر انسانی کوشش کے نہیں بھڑک سکتی تھی۔ پھر فرقان ایک ڈاکٹر تھا۔ ممکن ہے اس نے آگ لگانے سے قبل سلیمہ کو بے ہوشی کی دوا دے دی ہو اور آگ لگانے کے بعد خود بھی اس دوا کو استعمال کرلیا ہو اور یوں وہ دونوں خاموشی کے ساتھ آتشیں موت کی آغوش میں چلے گئے ہوں۔

''مگر فرقان نے یہ اقدام کیوں کیا......؟''

یہ ایسا سوال تھا جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اب اس کے لیے یہاں کوئی کام نہ رہا تھا۔ سو اس نے شہر واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ راستے میں پیش آنے والے واقعے کے پیش نظر اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر تین سپاہیوں کو بھی اپنے ساتھ لیا تھا اور پولیس کی گاڑی میں تینوں حملہ آوروں کو ڈال دیا گیا تھا۔ ان کی ٹانگوں پر گولیوں کے زخم آئے تھے۔ لہٰذا ان کے ہلاک ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ابھی کامران نے اپنی گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی کہ اچانک حویلی کی چھت کا ایک اور حصہ زوردار آواز کے ساتھ نیچے آرہا۔ اور پھر آتشیں ملبے سے نسوانی قہقہہ ابل پڑا۔ بڑا دلفریب قہقہہ تھا وہ۔ اس میں مندروں میں بجنے والی نقرئی گھنٹیوں کی کھنک تھی۔ پھر یہ قہقہہ طویل ہوگیا۔ اس میں نا آسودگی کی چیخیں تھیں۔

کامران کے لیے یہ آواز نامانوس نہیں تھی۔ اپانا کی قربت میں وہ کئی مرتبہ اس مترنم قہقہے کی لذتوں سے آشنا ہو چکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے کامران کے ذہن میں ان تمام لمحوں کی بازگشت ہوئی اور اس کے تصور نے ان تمام لمحات کو اس کے لیے زندہ کر دیا جو اپانا کی صحبت کا عطیہ تھے۔

اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ بکھر گئی ''اپانا......'' اس نے اپنی تمام نفرتوں کو اس لفظ میں انڈیل دیا۔ ''کاش میں تجھ سے انتقام لے سکتا۔ کاش تو میرے سامنے ہوتو میں تجھ سے ان ذلتوں اور رسوائیوں کا سودا چکادوں جو تیری وجہ سے میری زندگی کا بدترین حصہ بن گئی ہیں۔

کامران نے گاڑی بند کر دی تھی۔ اپانا کے مترنم قہقہے اب بھی فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ اور اب وہ جذباتی انتہاؤں کی اس کیفیت کی غمازی کر رہے تھے۔ جہاں سے آسودگی کی منزل چند لمحوں کی مسافت پر رہ جاتی ہے۔ مگر چند لمحوں کی یہ مسافت طویل ہوتی گئی۔

جلتی ہوئی حویلی کی آگ سے روشن ماحول میں جذبات کی آگ پگھلنے لگی۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں اس پراسرار ہنسی نے خوف و ہراس پھیلانے کی بجائے دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ پھر ان میں اضطراب و اشتعال پھیلتا گیا۔ اس کیفیت میں ان کے جسم تھرکنے لگے۔ کامران کے ذہن نے ایک نئے خطرے کی بو محسوس کر لی تھی۔ اس نے سب سے پہلے پولیس وین میں بیٹھے

ہوئے تینوں سپاہیوں سے کہا تھا ''اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو۔ اگر تمہیں اپنے گھربار اپنے بچوں اور بھائی بہنوں سے محبت ہے تو تم گاڑی سے باہر نہ نکلنا۔ پھر اس نے پولیس وین کے تمام شیشے بند کرا دیئے تھے۔ اس کے پاس اس وقت پنجسورے کی دو جلدیں تھیں۔ ان میں سے ایک جلد اس نے ان سپاہیوں کو دے دی تھی۔''

قہقہوں کے ساتھ لوگوں نے اب رقص بھی شروع کر دیا تھا۔ اور اس رقص میں وحشت اور جنون پیدا ہوا جارہا تھا۔ یہاں سے کامران تیزی سے پولیس پارٹی کی طرف لپکا تھا۔ لیکن اس کے اور پولیس پارٹی کے درمیان رقص کرتے ناچتے اور شور مچاتے دیہاتیوں کا اژدہام حائل تھا۔ خود پولیس پارٹی کے لوگ بھی اس رقص بے ہنگم میں شامل ہو چکے تھے۔ اس نے رقص کرتے ہوئے ان لوگوں کے ہجوم سے گزر کر دوسری طرف جانا چاہا لیکن بے سود۔ وہ اس ہجوم کے باہر سے ہوتا دوسری طرف پہنچا تو صورت حال ہی تبدیل ہو چکی تھی۔ سپاہی اس ہجوم میں شامل ہو گئے تھے۔ اور وہ پوری جماعت ان لوگوں کے درمیان اس طرح گھری ہوئی تھی کہ کامران کے لیے ان میں سے کسی تک پہنچنا ناممکن ہو گیا تھا۔

قہقہے بکھرتے رہے۔ رقص تیز ہوتا رہا۔

کامران بے بسی سے دیکھتا رہا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر پاگلوں کے انداز میں ہجوم میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ سب لوگ رقص کرتے ہوئے جلتی ہوئی حویلی کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے ان لوگوں کو روکنے کی بے حد کوشش کی۔ وہ چیختا چلاتا رہا۔ ان لوگوں کو آگے بڑھنے سے منع کرتا رہا۔ مگر محو رقص انسانوں کا یہ قافلہ آگے ہی بڑھتا رہا۔ وہ سب مدہوشی کی کیفیت میں دہکتی ہوئی حویلی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ کامران بڑی بے بسی کے ساتھ ان وحشت زدہ انسانوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ اس ہجوم سے ایک آدھ شخص کو کھینچنا چاہا مگر اسے ایسی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اپنی تمام قوت استعمال کرنے کے باوجود بھی اسے ہجوم سے علیحدہ نہ کر سکا۔

پھر اس ہجوم سے ایک جماعت رقص کرتی ہوئی علیحدہ ہوگئی۔ ان کا رقص اپنے باقی تمام ساتھیوں کے مقابلے میں زیادہ وحشت لیے ہوئے تھا۔ وہ سب ایک دائرے میں منظم انداز میں ایسا رقص کر رہے تھے۔ جو کسی افریقی قبیلے کے رقص قربانی سے مشابہ تھا۔

جذبات سے آلودہ قہقہے اب بھی فضا میں بکھر رہے تھے۔

پھر وہی ہوا جس کا خدشہ کامران بڑی دیر سے محسوس کر رہا تھا۔ ہجوم سے علیحدہ ہوجانے والی جماعت رقص کرتی شور مچاتی حویلی کے جہنم میں اتر گئی تھی۔ وحشیانہ رقص تیز ہو گیا تھا۔ فضا میں انسانی گوشت کے جلنے کی چراندھ پھیل گئی تھی۔ سینوں کو شق کر دینے والی چیخیں ابھر رہی تھیں۔ اور ان سب سے بلند جنس کی آگ میں دہکتا ہوا وہ قہقہہ تھا جس نے ان سب دہقانوں، پولیس والوں اور

فائر بریگیڈ کے عملے کو پاگل بنا دیا تھا۔

اس کے بعد وحشت زدہ محو رقص انسانوں کا ایک اور قافلہ رقص قربانی کے لیے بقیہ ہجوم سے علیحدہ ہو گیا۔ اور وہ بھی اپنے اسی انجام کو پہنچا۔ کامران اپنی بے بسی محسوس کر کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اس کے سامنے دس زندہ جیتے جاگتے انسان آگ میں اتر چکے تھے۔ ان کے گوشت کے جلنے کی بدبو فضا میں پھیل رہی تھی۔ فرقان کی حویلی ان زندہ انسانوں کے لیے چتا بنی ہوئی اب بھی دہک رہی تھی۔ قہقہہ اب بھی فضا میں گونج رہا تھا۔ ایک اور انسانی جماعت اصل ہجوم سے کٹ کر چتا میں اترنے کے لیے قربانی کے رقص میں مصروف تھی۔

''تو کیا سب یونہی مر جائیں گے۔'' کامران نے بے بسی سے سوچا ابھی ۶۰-۷۰ افراد اور تھے۔ اور ان کے لیے کوئی سبیل نہ نکالی جاتی تو وہ بھی بقیہ دس آدمیوں کی طرح یونہی حویلی کی آگ میں اتر جاتے۔ کیا کروں خدایا......'' کامران نے بے بسی کے انداز میں زور سے کہا۔

''خدایا......خدایا......'' اچانک جیسے اسے کوئی راہ سوجھ گئی۔

اور پھر اس نے پوری رقتوں سے اللہ کو پکارا۔ اسے یاد آیا کہ جب بھی کبھی آندھی یا طوفان آتا ہے۔ تو بڑی بوڑھیاں بچوں سے اذان دینے کے لیے کہتی ہیں۔ کامران اس وقت اس کے سوا کچھ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ اپنی پوری طاقت سے پورے خلوص کے ساتھ ان مسحور انسانوں کو بچانے کے لیے اذان دے رہا تھا۔

''اللہ اکبر......اللہ اکبر......'' کامران کی آواز فضا میں تیرنے لگی۔ یہ آواز اس شیطانی قہقہے پر غالب آ گئی پھر قہقہہ چیخوں میں تبدیل ہو گیا۔

''اللہ اکبر......اللہ اکبر......'' اور شیطانی قہقہہ معدوم ہو گیا۔ رقص کرتے ہوئے مدہوش انسانوں کے قدم رک گئے۔ شیطانی قہقہے کی چیخیں معدوم ہو گئیں۔

کامران اذان ختم کر چکا تھا۔ اور شیطانی قہقہہ توڑ چکا تھا۔ پاگلوں کی طرح رقص کرتے ہوئے۔ انسان دم بخود اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے اور ان کے چہروں پر شرمندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

کامران اس ہجوم کے قریب ہی ایک طرف کھڑا تھا۔ حویلی سے اٹھتے ہوئے شعلے اب بھی ماحول کو روشن کیے ہوئے تھے۔ اور ان بھڑکتے شعلوں کی کانپتی لرزتی روشنی ان کے جسموں پر روشنی اور سائے کا کھیل کھیل رہی تھی۔ کامران کو افسوس اس بات کا تھا کہ اسے اذان دینے کا خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ اگر وہ پہلے اس نتیجے پر پہنچ جاتا تو اس کی نظروں کے سامنے دس زندہ جیتے جاگتے انسان یوں آگ کی موت سے فضا میں ہمکنار نہ ہوتے جن کے جسموں کا گوشت جلنے کی چراندھ اب بھی فضا میں گھلی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اسے اتنا اطمینان تھا کہ ان مسحور انسانوں کو جہنمی موت سے بچانے کے لیے اس نے اپنی تمام تر کوششیں کی تھیں۔ اور ایک بڑا المیہ صرف دس انسانوں کی موت کے بعد ٹل گیا تھا۔

حویلی کی آگ کی شدت میں کمی ہو گئی تھی۔ شاید حویلی میں اب کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی تھی۔ جو اس آگ کو مزید بھڑکانے کے لیے ایندھن کا کام دیتی۔ لوگ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسک رہے تھے۔ ان کے چہروں پر شرمندگی اور خجالت کے تاثرات تھے۔ ان کے چہرے لٹکے اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنا منہ چھپا لیں اور وہاں سے بھاگ جائیں۔

اب وہاں صرف پولیس اور فائر بریگیڈ کے لوگ رہ گئے تھے۔ یہ سب لوگ تعداد میں کل پندرہ تھے۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کے ۵ افراد شیطانی رقص کرتے ہوئے حویلی کے دوزخ میں اتر گئے تھے۔ دس آدمیوں کے ختم ہونے کے باوجود ان لوگوں کو ان کی موت کا کوئی احساس نہ تھا۔ انہیں خیال تھا تو صرف اس بات کا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ بھی اس رقص میں مصروف تھے۔ اور ان کی موت کے درمیان اذان کی آواز نے حائل ہو کر ان کو زندہ رکھا تھا۔ زندہ رہنے کی خوشی کا احساس ان کے لیے بڑا بوجھل تھا۔ کامران کے لیے اب یہاں کوئی کام نہ رہا تھا۔

کامران سے پولیس وین میں بیٹھے ہوئے تینوں سپاہیوں نے دو ایک مرتبہ پوچھا تھا۔

''صاحب آخر یہ سب کیا ہے۔'' مگر اس نے اس سوال کو ان سنا کر دیا تھا۔ اور نشست کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ واپسی کے سفر کے دوران اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا۔

☆......☆

اگلی صبح بڑی ہنگامہ خیز تھی۔

شہر کے مختلف علاقوں سے نو لاشیں ملی تھیں۔ ان سب کی موت کی وجہ ایک ہی تھی۔ کسی نے ان کی گردن سے شہ رگ کاٹ کر تمام خون چوس لیا تھا ان میں سے ۸ لاشیں نوجوان لڑکوں کی تھیں جو جسمانی اعتبار سے تندرست و توانا اور خط و خال کے اعتبار سے خوش شکل تھے۔ تمام لاشیں برہنہ حالت میں پائی گئی تھیں۔ ان لاشوں کے بارے میں خبر جنگل کی آگ کی مانند پورے شہر میں پھیل گئی تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے ترمیم و اضافے کے ساتھ دوسرے شخص کو ان لاشوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مضافاتی بستی میں فرقان کی حویلی میں آگ اور اس کے سامنے دہقانوں کے رقص اور دس افراد کے اس آگ میں اپنی مرضی سے اتر جانے کی خبر بھی مختلف ترامیم و اضافوں کے ساتھ جب شہر میں پہنچی تو وہ نہایت ہولناک ہو چکی تھی۔ شہر میں عجیب سراسیمگی کا عالم تھا۔ لوگوں میں کسی بلا کے شہر میں آ جانے کے چرچے عام تھے۔

ہسپتال میں گم شدہ نوجوانوں کے والدین اور عزیز و اقارب کا ہجوم تھا۔ وہ اپنے بچوں کے لیے بیقرار تھے۔ اور جب سے دس لاشوں کی خبریں پھیلی تھیں۔ ان کے اندیشوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خود انہی کا بیٹا ان میں شامل ہو۔ وہ ہسپتال کے احاطے میں کھڑے ہوئے تھے۔ موت کا سناٹا طاری تھا۔ وہ اپنے اندیشوں کو دور کرنے یا ان اندیشوں کی تصدیق کرنے کے لیے لاشوں کو جلد از جلد دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کی آنکھوں کے آنسو رواں تھے۔ اور گہری گہری

سسکیاں ان کے ہونٹوں سے نکل رہی تھیں۔

ڈاکٹر لاشوں کو پوسٹ مارٹم کر چکے تھے۔ اور کامران ان لاشوں کا جائزہ لینے کے لیے مردہ خانے پہنچ چکا تھا۔ پے در پے واقعات نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ ان تمام لاشوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ مردہ خانے سے باہر آ گیا۔

''ٹھیک ہے..... ان کی شناخت کرالی جائے۔'' اس نے ایس ایچ او کو ہدایت دی تھی۔

وہ پھر ہسپتال کے ایڈمنسٹریٹر کے کمرے میں آ بیٹھا تھا۔ اسے پوسٹمارٹم رپورٹ کا انتظار تھا۔

انسپکٹر شاہد بھی اسی ہسپتال میں زیر علاج تھا۔ اور اس وقت وہ بے ہوشی کی دوا کے نشے میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے حویلی سے واپس آتے ہی شاہد کو دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹ سوجے ہوئے تھے جن پر جونکوں کے چمٹنے کے نشانات واضح تھے۔ اس کی کلائیاں اور پنڈلیاں بھی سوجی ہوئی تھیں۔ اور ان میں رسی کی انتہائی سخت گرفت کا نشان اب بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ رسی جو اس کے جسم کے سوجے ہوئے حصوں کے درمیان اتر گئی تھی۔ اور جسے کاٹنے کے دوران نشتر کی تیز دھار سے کہیں کہیں شاہد کا جسم بھی زخمی ہو گیا تھا۔ شاہد کی حفاظت کے لیے اس نے اپنی طرف سے معقول انتظام کر لیا تھا۔ شاہد کے گلے میں پنچسورہ پڑا ہوا تھا۔ جو شیطانی طاقتوں کے خلاف فی الحال اس کا واحد دفاع تھا اور شاہد کے کمرے کے باہر پولیس کا پہرا تھا۔ جو شاہد کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی دنیوی اور انسانی کوششوں کے خلاف تحفظ تھا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ شاہد سہ پہر سے پہلے بیدار نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ طویل عرصے تک ناقابل بیان تکلیف برداشت کرنے کے بعد اسے سکون میسر آیا ہے۔

لاشوں کی شناخت ہو چکی تھی اور ہسپتال کا احاطہ رونے اور بین کرنے کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کامران آوازوں کو سنتا رہا۔ پھر وہ باہر آیا۔ ایس ایچ او سے معلوم ہوا کہ ابھی کم از کم دس اور نوجوان لاپتہ ہیں۔ جن کے والدین کے نام اور پتے نوٹ کر لئے تھے۔ ساتھ ہی گمشدہ نوجوانوں کے حلیے بھی اس نے لکھ لئے گئے۔

''تو گویا ہمیں ابھی دس اور لاشوں کا انتظار کرنا ہوگا'' کامران نے اپنے دل میں سوچا۔

پھر اس نے ایس ایچ او سے کہا..... ''ٹھیک ہے مسٹر رشید آج رات ہماری کڑی آزمائش ہے۔ تم ان لاشوں کو ان کے ورثا کے حوالے کر کے تھانے پہنچو اور شہر میں گشت کو موثر بنانے کے لئے شہر کو حلقوں میں تقسیم کر کے ہر حلقے میں گشت کے انتظامات کرو۔ میں سہ پہر تک تھانے پہنچوں گا تو ان انتظامات کو آخری شکل دے لی جائے گی۔ میں اس وقت تھوڑا آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کئی دن کی بے آرامی اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے میرے ذہن میں پتنگے اڑ رہے ہیں۔ میں تازہ دم ہونا چاہتا ہوں ہوٹل ہل ٹاپ میں میں نے کمرہ کرائے پر لیا ہے۔ تم مجھ سے وہاں کسی وقت بھی رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ کسی بھی وقت یہ خیال نہ کرنا کہ میں آرام کر رہا ہوں اور ہاں..... کوٹھی سے میرا سامان منگوالو۔ اب وہاں میرا رہنا بے سود ہوگا۔

ہوٹل ہل ٹاپ تک پہنچنے کے لیے آخری تنگ موڑ پر مڑنے کے لیے کامران نے کار کو انتہائی سست کر دیا تھا۔ اور کار آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے موڑ کاٹ رہی تھی کہ موڑ کے ساتھ بلند ہونے والی عمودی سنگین چٹان پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ سنگریزے تیزی سے نشیب کی جانب لڑھک رہے تھے۔ کامران نے اوپر دیکھنے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کار کو تیزی سے آگے بڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑا سا پتھر اوپر سے نیچے سڑک پر آ رہا۔ پتھر عین اس جگہ گرا تھا جہاں سے ابھی پانچ سیکنڈ قبل اس نے اپنی کار ہٹائی تھی۔ اس کے اور موت کے درمیان صرف پانچ سیکنڈ کا فرق تھا۔ مگر یہ فرقان کی تمام آئندہ کی زندگی پر محیط تھا..... یہ پانچ سیکنڈ اس کی پوری زندگی بن گئے تھے۔ اوپر سے نیچے آنے والا بڑا سا پتھر ایک چھوٹی موٹی چٹان تھا اور اگر یہ پتھر اس کی کار پر گر جاتا تو کار کا قیمہ بن جاتا اور اس کی حالت کیا ہوتی یہ صاف ظاہر تھا۔

کامران نے اپنی کار تھوڑی دور لے جا کر روک دی اور کار سے اتر کا اوپر دیکھا۔ اسے بلندی پر کچھ نظر نہیں آیا۔ سنگریزے مٹی اور پتھروں کے گرنے کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا مٹی کنکروں اور پتھروں کا آبشار گر رہا تھا۔ حالات جس انداز میں تبدیل ہو رہے تھے اور واقعات جس طریقے سے پیش آ رہے تھے۔ ان کی بنا پر کامران چٹان کے گرنے کو محض اتفاق قرار دینا نہیں چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ چٹان کا گرنا خالی از علت نہیں بلکہ اس کا نشانہ دراصل وہی تھا۔ یہ چٹان اتنی بڑی تھی کہ اس سے تمام راستہ رک گیا تھا کامران نے ایک مرتبہ پھر اوپر دیکھا اور کار میں بیٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ ''اگر یہ چٹان کسی شخص نے پھینکی بھی ہو گی۔'' اس نے سوچا۔ ''تو اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر وہ کھسک لیا ہو گیا۔'' چنانچہ اس نے حملہ آور کا تعاقب کرنے کو فضول سمجھ کر ہوٹل کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔

کامران کو یقین تھا کہ اس پر گذشتہ رات دیلی روڈ پر چار نیم پاگل افراد کے حملے میں ابانا یا خبیث بوڑھے کا ہاتھ ہے۔ اس نے اس سلسلے میں پہلے ابانا کو اور پھر خبیث بوڑھے کو مشتبہ قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ جب سے اس نے شیطانی طاقتوں اور ان کے حملوں سے بچنے کے لیے اپنے تحفظ کا سامان کیا تھا اس کی ملاقات یا براہ راست گفتگو صرف ابانا سے ہوئی تھی۔ خبیث بوڑھے سے ابھی تک اس کا سامنا نہ ہوا تھا۔ لیکن خبیث بوڑھے پر اس کے شبہے کی وجہ قبرستان سے انسپکٹر شاہد کا ملنا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہاں سے عثمانی کا کارڈ بھی ملا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ عثمانی اس سے کھل کر اس طرح ٹکر لینے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات بھی اس کے علم میں تھی کہ عثمانی اس وقت خبیث بوڑھے کے شیطانی جال میں پوری طرح پھنسا ہوا ہے۔

کامران کے لیے اس وقت بوڑھے یا ابانا کو تلاش کرنا بیحد ضروری تھا۔ اور اس وقت اس کے پاس ان دونوں میں سے کسی ایک تک پہنچنے کا راستہ صرف وہ دس نوجوان تھے جو ابھی تک لاپتہ تھے۔ اسے یقین تھا کہ شہر کے مختلف حصوں سے ملنے والی لاشوں میں ابانا یا خبیث بوڑھے کا ہاتھ ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ باقی گمشدہ نوجوانوں کا وہی حشر ہوگا جو ان سے پہلے نو کا ہو چکا ہے۔

اور اس وقت کامران ذہن میں یہی الجھنیں لیے ہوٹل ہل ٹاپ کے ایک آرام دہ کمرے

میں سو رہا تھا۔ مسلسل بے آرامی اور بے خوابی سے بوجھل ذہن اور اعصاب کو آرام دینا اس وقت بے حد ضروری تھا تاکہ وہ پھر تازہ دم ہوکر بیدار ذہنی اور جسمانی توانائیوں کے ساتھ آئندہ پیش آنے والے واقعات سے نمٹ سکے۔

لیکن شاید آرام اس کی قسمت میں نہ تھا۔ ابھی اس کی آنکھ لگے بمشکل نصف گھنٹہ ہی ہوا تھا۔ کہ تپش اور حدت سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا کمرہ جہنم بنا ہوا تھا۔ آگ نے پورے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ دھوئیں سے بار بار کھانسی آ رہی تھی۔ کمرے کے باہر لوگوں کا شور تھا۔ اور آگ بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ دروازے پر پے در پے ضربیں پڑ رہی تھیں۔ لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کمرے کے ماحول کا جائزہ لیا۔ دروازے کی طرف کا راستہ بالکل مسدود ہو چکا تھا۔ فرش پر بچھے ہوئے قالین نے آگ پکڑ لی تھی۔ کرسیوں اور صوفوں سے بھی آگ بلند ہو رہی تھی۔

کامران کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے کھڑکیاں کھولنی چاہیں مگر انہیں کسی نے باہر سے گویا کیلوں سے جڑ دیا تھا۔ کامران کے ذہن پر دھوئیں اور گیس نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ غسل خانے کے نل سے آگ بجھانے کی کوشش کرے لیکن نل کھولنے پر معلوم ہوا کہ نل میں پانی ہی نہیں ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر اسے غسل خانے کی کھڑکی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

کمرے میں اب فرش پر پڑے ہوئے بستر کمبل اور بیڈ میں آگ لگ چکی تھی۔ اس نے غسل خانے کا دروازہ بند کر دیا اس طرح وہ کمرے کی آگ کی تپش اور گرمی سے بچ گیا تھا پھر اس نے روشن دان کھول دیا۔ روشن دان کو توڑنا زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ اور پھر وہ بمشکل تمام روشن دان تک پہنچ گیا۔

اس کے سامنے موت کی آگ کی بجائے زندگی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ روشن دان کی چوکھٹ پکڑ کر باہر لٹکا اور آہستگی سے ساتھ دیوار سے باہر نکلے ہوئے ڈیڑھ فٹ کے چھجے پر اتر گیا۔ یہ چھجا دیوار کے ساتھ ساتھ پوری عمارت کے گرد بنا ہوا تھا۔

عین اسی وقت فائر بریگیڈ کی گاڑی شور مچاتی ہوٹل ہل ٹاپ میں داخل ہوئی اس کا رخ اسی سمت تھا جہاں سے اس کے کمرے اور دوسرے کمروں کی کھڑکیاں باہر کو کھلتی تھیں۔ اب اس کے اور زندگی کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔

ہوٹل کے مینجر کے کمرے سے اس نے تھانے فون کیا اس وقت اسے باہر جانے کے لیے کپڑوں کی ضرورت تھی۔ اور اسی ضرورت کے تحت اس نے فون کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تک مضافاتی بستی کی کوٹھی سے اس کا سامان آ چکا ہوگا۔ اور اس کا یہ خیال درست نکلا مگر اس کے ساتھ ہی اسے ایک اور اطلاع بھی ملی۔

اس کی کوٹھی سے ایک لڑکی کی لاش برآمد ہوئی تھی۔

یہ لاش موتیا کی تھی۔ جس کی شناخت ہو چکی تھی۔ اس کی موت وحشیانہ جنسی کجروی کا کیس تھا۔ اس کے تمام جسم کو کسی نے دانتوں سے چبا ڈالا تھا۔ اور اس کا دل اور کلیجہ بھی کھا لیا گیا تھا۔‘‘

ooo

رات اپنا آدھا سفر طے کر چکی تھی۔ لیکن نیند کامران کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رات کے اس حصے میں نہ صرف وہ جاگ رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ پولیس کی ایک بڑی جماعت بستروں کی راحت کو نظر انداز کر کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھی۔ کامران نے دار الحکومت سے خصوصی اختیارات لے کر شہر کی تمام پولیس کو اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے ایما پر شہر کو سات حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ تمام شہر میں پولیس کی گاڑیاں گشت کرتی پھر رہی تھیں۔ اور وہ سب آپس میں ٹرانسمیٹر کے ذریعے ایک دوسرے سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ ان ساتوں حلقوں کے انچارج وقفے وقفے سے کامران کو ٹرانسمیٹر کے ذریعے اپنی رپورٹ سے آگاہ کر رہے تھے۔ یہ تمام کارروائی کامران نے بہت سوچ سمجھ کر کی تھی۔ اس رات وہ ان سات گمشدہ نوجوانوں کی لاشوں کا منتظر تھا جو لاپتہ تھے۔ اس کی توقع کے مطابق ان نوجوانوں کی لاشیں آج رات شہر کے کسی نہ کسی حصے میں پائی جانے والی تھیں مسلسل گشت کے ذریعے وہ ان لوگوں یا اس شخصیت تک پہنچنا چاہتا تھا جو ان لاشوں کے پس پردہ اپنے گھناؤنے جرم کو عملی جامہ پہنا رہی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق کوئی نہ کوئی ان لاشوں کو ٹھکانے لگانے شہر کے کسی آباد ویران حصے میں ضرور آتا۔ اس کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ شہر کے ہر حصے میں پولیس ہر لمحہ مستعد اور چوکنی رہے تاکہ کسی قسم کے شبہے کو نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ اور کسی بھی قسم کی غیر معمولی سرگرمی اس کی نظر میں آ جائے۔ اسی لیے اگر کسی بھی حلقے کے انچارج کو اپنی رپورٹ دینے میں چند لمحے کی بھی تاخیر ہوتی تو وہ خود اس سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر کے رپورٹ طلب کرتا اور رپورٹ دیر سے دینے پر اسے سرزنش بھی کرتا وہ اپنی کار میں تنہا سفر کر رہا تھا۔ اور اب اس کی کار شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ کر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر تیزی سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔ وہ اپنے خیالوں سے چونکا اور اس نے سوچا کہ اسے اب واپس شہر کی طرف چلنا چاہئے۔ اس نے ابھی بریک پر پاؤں رکھا ہی تھا دائیں طرف کچھ فاصلے پر پیڑوں کے جھنڈ میں اسے ایک سایہ سا نظر آیا۔

’’یہ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے۔‘‘ وہ بڑبڑایا اور پھر اسی وقت دوبارہ پیڑوں کے نزدیک وہ سایہ لہرایا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی سماعت سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ بھی ٹکرائی۔ اس نے پوری قوت سے بریک لگا دیئے کار کے بریک لگنے سے زو کی آواز پیدا ہوئی کار کچھ فاصلے تک گھسٹ کر

رک گئی۔ کامران نے کار رکتے ہی دروازہ کھول کر اترنے میں دیر نہیں کی تھی۔ وہ تیزی سے پیڑوں کے جھنڈ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اور پھر وہ جیسے ہی پیڑوں کے قریب پہنچا ایک سایہ اچھل کر بھاگا۔

''ٹھہرو! ورنہ گولی ماردوں گا۔'' کامران چیخا مگر اس کے انتباہ کا اس سائے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ بائیں ہاتھ میں تھامی ہوئی ٹارچ کی روشنی بھاگتے ہوئے سائے کی پشت پر پڑی اور اسی لمحے سائے نے پلٹ کر دیکھا۔

''ابانا......؟'' کامران کی حیرت میں ڈوبی ہوئی چیخ سنائی دی پھر وہ دوسرے ہی لمحے اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اس نے خود کو سنبھالنے اور اپنے حواس پر قابو پانے میں بمشکل چند لمحے صرف کئے تھے۔ جب ابانا نے پلٹ کر دیکھا تو ٹارچ کی روشنی اچٹتی ہوئی سی اس کے چہرے پر پڑی تھی۔ اور اس منظر نے کامران کو ایک لمحے کے لیے لرزا دیا تھا۔ اس نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ ابانا کے ہونٹوں، ٹھوڑی اور رخساروں پر تازہ تازہ خون جھلک رہا تھا۔

''ابانا! ابانا! رک جاؤ ورنہ میں واقعی تمہیں گولی ماردوں گا۔'' کامران نے غالباً آخری بار وارننگ دی۔ مگر ابانا کے دوڑتے ہوئے قدم نہ ٹھہرے...... کامران نے مجبور ہو کر فائر جھونک دیا۔ دھماکے سے تمام فضا گونج گئی۔ کامران کے اندازے کے مطابق گولی ابانا کی پشت پر لگنی چاہیے تھی۔ ٹارچ کی روشنی مسلسل ابانا کے تعاقب میں تھی اور اس کی روشنی میں کامران نے دیکھا تھا کہ ابانا دوڑتے دوڑتے ایک لمحے کے لیے لہرائی تھی۔ اور پھر دوبارہ پہلے کی طرح دوڑنے لگی تھی کامران کو تین فائر کرنے کے بعد اپنی حماقت کا اندازہ ہو گیا...... وہ ایک پراسرار وجود پر فائر کر رہا تھا بھلا ریوالور کی گولی اس کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ یہ خیال آتے ہی جیسے کامران کو کچھ یاد آ گیا اور وہ سورہ ''جن'' کا ورد کرنے لگا۔ ابھی اس نے ابتدا ہی کی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ابانا کی حیرت انگیز طور پر تیز رفتار مدھم پڑنے لگی۔ پھر اس نے ابانا کی چیخ بھی سنی وہ دوڑتے دوڑتے کسی بڑے سے پتھر سے ٹکرا کر منہ کے بل گری تھی۔ کامران بہت جلد اس تک پہنچ گیا۔ ابانا ابھی تک اوندھے منہ زمین پر پڑی تھی۔ اس وقت نہ جانے کیوں اس کے قیامت خیز حسن نے کامران کے دل پر کوئی اثر نہیں کیا۔ غالباً اس لیے کہ اس کے گلے میں پنجسورہ اب بھی پڑا ہوا تھا۔ کلام الٰہی کی موجودگی میں وہ بدروح اور شیطانی قوتوں سے پوری طرح محفوظ تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی ابانا کے بے حس و حرکت جسم پر ڈالی۔

''ابانا! اٹھو ابانا! میں تمہیں معصوموں اور بے گناہوں کے خون کی پاداش میں گرفتار کرتا ہوں تم اس وقت بھی یقیناً کسی کا خون کر کے آ رہی ہو۔ بولو! کیا میرا اندازہ غلط ہے......؟'' کامران نے کہا مگر اس کے باوجود ابانا کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

''اب تمہاری کوئی اداکاری مجھے تمہارے اوپر رحم کھانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔'' یہ کہتے ہوئے کامران جھکا اور ابانا کے جسم کو پلٹ دیا۔

''ارے! یہ تو واقعی بے ہوش ہے۔'' کامران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کامران نے دیکھا کہ خون کی ایک پتلی سی لکیر ابانا کے ماتھے سے بہہ کر رخسار پر پھیل

رہی ہے۔ کامران نے سوچا کہ ابانا کا سر یقیناً کسی پتھر سے ٹکرایا ہوگا۔ اور وہ اسی لیے بے ہوش ہوگئی ہوگی کامران ابانا کی پراسرار قوتوں سے لاعلم نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کے گلے میں پنجسورہ نہ پڑا ہوتا اور اگر وہ سورہ ''جن'' نہ پڑھتا تو ابانا کچھ اس طرح اس کے سامنے بے بس نہ ہوتی یقیناً ابانا کی پر سرار شیطانی قوتیں کلام الٰہی کے زیر اثر مفلوج ہوگئی ہوں گی۔ کامران نے اس بات کا مکمل یقین کرنے کے بعد کہ ابانا واقعی بے ہوش ہے واپسی کا سفر کیا تا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ابانا کے بے ہوش جسم کو گاڑی تک پہنچانے کے انتظام کرے اور اس کے ساتھ اس بدنصیب نوجوان کی لاش بھی اس علاقے میں تلاش کرائے جسے ابانا نے تازہ شکار کیا تھا۔ کامران کو یقین تھا کہ اس نوجوان کی لاش اسے سڑک کے قریب پیڑوں کے جھنڈ میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گی۔ لاش کی تلاش اور ابانا کے بے ہوش جسم کو وہاں سے اٹھوانے کے لیے اس کا اپنی کار تک پہنچنا ضروری تھا۔ تا کہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے وہ کسی نہ کسی پولیس پارٹی کو وہاں پہنچنے کے احکامات دے سکے۔ کار تک پہنچنے میں اسے توقع سے زیادہ دیر لگی کیونکہ بھاگتے ہوئے اسے اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ وہ کتنا سفر طے کر پایا تھا۔ جلد ہی وہ ٹرانسمیٹر پر ایک پولیس پارٹی سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ٹرانسمیٹر آف کر کے وہ بے چینی سے سڑک پر ٹہلنے لگا۔ اور اس دوران اسے ایک خیال آیا جس نے اس کی پیشانی پر کئی لکیروں کا اضافہ کر دیا۔ مگر اب پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ وہ ایک بڑی غلطی کر چکا تھا۔ اور یہ غلطی اس وقت کامیاب بن سکتی تھی جب تقدیر اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابانا کے بے ہوش جسم کو چھوڑ کر اسے ہرگز یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ ممکن تھا کہ اس دوران ابانا ہوش میں آ جاتی اور وہ وہاں سے فرار ہونے مین کامیاب ہو جاتی۔ سر کی چوٹ اور ابانا کی جسمانی حالت سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ جلد ہوش میں نہیں آ سکے گی۔ اور غالباً لاشعوری طور پر اپنے ذہن کی اسی ترغیب کے سبب وہ ابانا کا بے ہوش جسم وہیں چھوڑ آیا تھا۔ ورنہ اس کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ ہی اسے، اسی وقت اٹھا لاتا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کی بے تابی میں اضافہ ہوتا جاج رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ اس پر بار گزر رہا تھا۔ اب وہ پولیس پارٹی کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں سے اس طرف روانہ ہو جانا چاہتا تھا جہاں اس نے ابانا کے بے ہوش جسم کو چھوڑا تھا کیونکہ اب وہ کوئی رسک لینے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ایک بار پھر اپنی کار کی طرف بڑھا اور ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

''ہیلو...... ہیلو...... پولیس پارٹی سیون...... پولیس پارٹی سیون ہیلو......'' اس نے ٹرانسمیٹر میں کہا۔

''پولیس پارٹی سیون دِس اینڈ اوور......'' دوسری طرف سے چند لمحے بعد جواب ملا۔

''تم لوگ اس وقت کہاں تک پہنچ چکے ہو؟ اوور'' کامران نے دریافت کیا۔

''ہم میونسپلٹی کی حدود پار کر رہے ہیں اور بہت جلد آپ کے بتائے ہوئے مقام تک پہنچنے والے ہیں اوور۔''

''میں تم لوگوں کو یہاں نہیں ملوں گا۔ البتہ تمہیں میری کار ضرور نظر آئے گی۔ تم سڑک کے دائیں طرف نظر آنے والے پیڑوں کے جھنڈ میں کسی نوجوان کی لاش تلاش کرنے کی کوشش کرنا اور لاش مل جانے کے بعد اس وقت تک وہاں رہنا جب تک میں واپس نہ لوٹ آؤں اوور اینڈ آل۔'' کامران نے یہ کہہ کر ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ اور تقریباً دوڑتا ہوا ایک بار پھر پیڑوں کے جھنڈ کی طرف لپکا۔

پیڑوں کا جھنڈ عبور کرنے کے بعد وہ تیزی سے اس سمت بڑھا جہاں اس نے ابانا کا بے ہوش جسم چھوڑا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ چکا تھا اور اس کی ٹارچ کی روشنی ادھر ادھر چکراتی پھر رہی تھی۔ اس لیے کہ وہاں ابانا کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا...... ابانا اسے جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس بات کا اسے پورا یقین تھا کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں اس نے ابانا کے بے ہوش جسم کو چھوڑا تھا۔ کیونکہ اس سے کچھ فاصلے پر اسے ایک پتھر پڑا نظر آ رہا تھا۔ جس پر تازہ خون کے نشانات تھے غالباً وہ ہی پتھر تھا جس سے ابانا کا سر ٹکرایا تھا۔

کامران تھکے تھکے بوجھل قدموں سے واپس ہوا۔ اس کے چہرے پر بلا کی اداسی تھی ہاتھ آیا ہوا شکار اس کی ذرا سی غفلت سے نکل گیا تھا۔ اسے خود پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔ مگر اب یہ سب کچھ لاحاصل تھا۔ کامران کے ذہن میں اس وقت ابانا کے وہ شیطانی قہقہے گونج رہے تھے۔ جب ڈاکٹر فرقان کی حویلی نذر آتش ہوئی تھی...... وہ سوچ رہا تھا کہ جس وقت حویلی چاروں طرف سے شعلوں سے گھری ہوئی تھی۔ اور جہنم کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ اس میں ابانا کس طرح موجود تھی؟ اس کی پراسرار قوتوں کا اندازہ تو اسے آج ابھی کچھ دیر قبل بھی ہو چکا تھا۔ جس وقت اس نے ابانا پر ریوالور سے پے در پے تین فائر کئے تھے۔ اور ابانا گولی لگنے کے باوجود بھاگتی رہی تھی۔ کامران کو اپنے نشانے پر بھروسہ تھا اسے یقین تھا کہ تینوں گولیاں ابانا کے جسم سے ٹکرائی تھیں۔ لیکن ابانا کی پراسرار قوتوں نے انہیں ناکارہ بنا دیا تھا۔ ابانا کے بارے میں مختلف خیالات اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے اور وہ انہی خیالات کے سہارے سڑک تک پہنچ گیا۔ وہ چونکا اسی وقت جب کسی نے زور کی ہانک لگائی تھی۔

''ہالٹ...... !'' سپاہی کی آواز سنتے ہی وہ ایک دم ٹھہر گیا تھا۔ کیونکہ یہ اسی کے احکامات تھے کہ اگر ان حالات میں کوئی مشتبہ شخص دکھائی دے اور تنبیہہ کے باوجود نہ رکے تو بے دریغ گولی ماردی جائے۔ فاصلہ اور کچھ اندھیرے کے سبب سپاہی اس کی وردی نہیں دیکھ پایا تھا لیکن جیسے ہی وہ قریب پہنچا سپاہی کی ایڑیاں بج گئیں۔

''سس...... سس...... سر! سر!'' سپاہی نے ہکلا کر معذرت کرنا چاہتی۔

''نہیں کوئی بات نہیں میں خوش ہوں کہ تم اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے چوکنے ہو۔'' کامران نے سپاہی کی پیٹھ تھپتھپائی اور آگے بڑھ گیا...... اس کی کار کے قریب ہی اسے ایک بڑی

پولیس وین نظر آ رہی تھی اور اس وقت اس وین میں ایک اسٹریچر رکھا جا رہا تھا۔ جس پر کسی نوجوان کی لاش تھی۔

کامران کو قریب آتے دیکھ کر پولیس پارٹی سیون کا انچارج آگے بڑھا اور سلیوٹ کرنے کے بعد اس نے کامران کو مخاطب کیا۔

''آپ کی کار کے ٹرانسمیٹر پر کئی بار سگنل موصول ہوا مگر ہم نے آپ کی غیر موجودگی میں اسے اٹینڈ نہیں کیا۔'' انچارج نے اطلاع دی۔

''آخر کیوں...... ؟ کیا تم نرے احمق ہو؟'' کامران کو اس کی بات سن کر غصہ آ گیا۔

''جی...... جج...... جی...... وہ...... وہ سر...... سر آپ'' انچارج ہکلایا۔

''بکومت!'' کامران کا پارہ چڑھ گیا اور وہ تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ انچارج اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

''لاش کہاں سے اور کس حالت میں ملی؟'' کامران نے چلتے چلتے بغیر مڑے اس سے سوال کیا۔

''سر ہم نے آپ کی ہدایت کے مطابق پیڑوں کے جھنڈ میں سے اپنی تلاش کا آغاز کیا اور ہمیں لاش ڈھونڈنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ لاش انہیں پیڑوں کے جھنڈ میں مل گئی اور......''

''بس! بس! خاموش رہو۔'' کامران نے اس کی بات کاٹ کر کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

کامران کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً ایک منٹ بعد ہی اسے پھر سگنل موصول ہوا۔

''کامران دس سائیڈ اوور......'' اس نے کہا۔

''پولیس پارٹی فور...... سر! ہم ایک مشتبہ شخص کا پیچھا کر رہے ہیں۔ جو کوئی بھاری سی چیز اٹھائے شہر کی قریبی پہاڑیوں کی سمت بڑھ رہا ہے۔ لیکن ہم اب تک اس کو پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ چھلاوے کی طرح پہاڑیوں کے درمیان دوڑ رہا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کی حرکات وسکنات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فرار بھی نہیں ہونا چاہتا۔ وہ مسلسل پولیس پارٹی کو پہاڑیوں میں چکرائے پھر رہا ہے۔ میں یہاں وین سے بھی ایک آدھ بار کسی بلند چٹان پر اسے چڑھتے دیکھ چکا ہوں۔ ان پہاڑیوں کو چاروں طرف سے گھیرنا صرف ہماری پولیس پارٹی کے لیے ناممکن ہے اس لیے آپ بقیہ پولیس کو بھی یہاں پہنچنے کے احکامات دیدیں تو بہتر ہے۔ وہ...... وہ مجھے پھر نظر آ رہا ہے اور اس کے پیچھے ہمارے جوان بھاگ رہے ہیں۔ لیکن وہ اب تک حیرت انگیز طور پر گولی کی زد سے دور ہی رہا ہے اس لیے اس پر فائر نہیں کیا جا سکا۔ ہم بے چینی سے آپ کے حکم کے منتظر ہیں اوور......''

''تم لوگ اسے الجھائے رکھو میں خود وہاں پہنچ رہا ہوں مجھے لوکیشن سمجھاؤ اوور''

کامران نے کہا۔

دوسری طرف موجود شخص نے کامران کو اس مقام کے بارے میں جب ضروری معلومات فراہم کردیں تو اس نے ٹرانسمیٹر آف کر کے فوراً کار اسٹارٹ کردی۔ اور پھر کچھ سوچ کر کھڑکی سے سر نکال کر پولیس پارٹی سیون کے انچارج کو مخاطب کیا جو اب تک ہاتھ باندھے کار کے برابر کھڑا تھا۔

''میرے پیچھے آؤ......'' یہ کہہ کر اس نے گیئر ڈالا اور کار ایک جھٹکا کھا کر تیزی سے یوٹرن بناتی ہوئی ایک سمت دوڑ گئی۔

مطلوبہ مقام تک پہنچنے کے لیے اس نے صرف دس منٹ لیے تھے۔ وہ اپنی کار پولیس وین کے نزدیک روک کر جلدی سے اتر پڑا اور اسی وقت ایک فائر کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔ وین میں بیٹھا ہوا سپاہی اس کی کار کی آواز سنتے ہی اتر پڑا تھا۔ اس نے سلیوٹ کیا ہی تھا کہ دھماکہ سنائی دیا۔ سپاہی دھماکہ کو سنتے ہی اچھل پڑا تھا۔

''سر! شاید اس بار وہ گولی کی زد میں آ گیا۔'' سپاہی نے خیال آرائی کی۔

کامران کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔ وہ اب تک کچھ بھی نہیں سمجھ پایا تھا کہ آیا وہ کون شخص ہوسکتا ہے جو ان پہاڑیوں میں پولیس والوں کو بے سبب دوڑاتا پھر رہا ہے۔ کسی خیال کے پیش نظر اس نے بقیہ پولیس پارٹیز کو اس جگہ پہنچنے کے لیے احکامات نہیں دیئے تھے۔ اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس کا خیال غلط رہا ہو۔ جب اس سپاہی نے یہ اطلاع دی تھی تو اس نے سوچا تھا کہ یہ بھی امکان ہے کہ کوئی ہستی تمام پولیس کو کسی ایک جگہ جمع کرنا چاہتی ہو تاکہ اس موقع سے کوئی فائدہ اٹھا سکے۔ یہی سوچ کر اس نے اپنے ہمراہ صرف پولیس پارٹی سیون کو لیا تھا۔ وہ ابھی انہیں خیالوں میں غرق تھا کہ دوسرے دھماکے نے اسے چونکا دیا۔ یہ دھماکہ پہلے دھماکے کی نسبت تیز تھا۔ کامران نے اندازہ لگایا کہ یہ دھماکہ بہت قریب سے سنائی دیا تھا پھر خود بخود اس کے قدم تیزی سے دھماکہ کی سمت بڑھنے لگے۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ خود بھی اس پہاڑی سلسلے میں گھس کر اس پر اسرار ہستی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا جو پولیس والوں کے لیے عذاب جان بنی ہوئی ہے۔ پولیس پارٹی سیون بھی اس کے اشارے پر پیچھے پیچھے تھی۔

وہ ایک پہاڑی درے سے گزر رہا تھا کہ اسے شور سا سنائی دیا۔

''وہ گیا...... وہ ادھر...... فائر کرو......'' کوئی چیخا۔

اور اس وقت کامران کی نظر اس چھلاوے پر پڑی جو اپنے ہاتھ میں کوئی بھاری سی چیز اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ کامران سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اس پر کسی نے پھر فائر کیا اور اس بار کامران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ وہ اس چھلاوے کو پہچان چکا تھا۔ وہ اس خبیث بوڑھے کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا جو ابانا کو اپنی تخلیق بتاتا تھا۔ اور جس نے کامران کو سخت اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ کامران کے جسم کا رواں رواں کھڑا ہوگیا۔ اس نے دیکھا کہ گولی خبیث بڈھے کے

سینے پر لگی تھی۔ لیکن بالکل اسی طرح اس کے جسم سے گزر گئی تھی جیسے کوئی پانی میں کنکر پھینک دے۔ بوڑھا نہ جانے اب کیوں کامران سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ پھر کامران نے اس کا شیطانی قہقہہ سنا اور اس قہقہے کے اختتام پر اس کی کڑک دار آواز سنائی دی۔ وہ کامران سے مخاطب تھا۔

''دیکھ لے تیرے عاشق تیرے دیوانے اور تیرے چاہنے والے کے سامنے تیری پولیس اور تیرے سارے ہتھکنڈے کتنے بے بس اور بے کار ہیں۔ کامران میری جان......''

''ذلیل! کمینے! کتے! خبیث میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' کامران کے منہ سے گالیوں کی بوچھاڑ سی ہوگئی۔ اور وہ پاگلوں کی طرح اس چٹان کی طرف لپکا جس پر بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔

''دیکھ میں تجھے اس سے پہلے بھی تنبیہ کر چکا ہوں مگر تو نہ مانا کیا تیرے لئے انسپکٹر شاہد کا ہیبت ناک انجام کافی نہیں تھا......'' بوڑھے کی آواز پھر گونجی...... ''میں چاہوں تو تجھے اپنے قریب آنے سے روک سکتا ہوں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا تیرے حکم پر چلنے والے خود تیرے پاؤں کی زنجیریں بن جائیں گے لے دیکھ!'' اس کے بعد بوڑھے کے وحشیانہ قہقہے گونجنے لگے اور ان قہقہوں میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ کامران کے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود رکنے لگے مگر اس نے اپنی پوری قوت ارادی صرف کر کے بڑھتے ہوئے قدموں کو رکنے سے باز رکھا۔

''اچھا تو یوں نہیں مانے گا......'' بوڑھے کی آواز پھر سنائی دی۔ اور ان الفاظ کے ختم ہوتے ہی ایک عجیب سی موسیقی کی لے سنائی دی جو حیرت انگیز طور پر بوڑھے کی آواز سے مناسبت رکھتی تھی۔ کامران نے دیکھا کہ اسی لے پر تمام سپاہی رفتہ رفتہ تھرکنے لگے۔ انہوں نے اپنی رائفلیں پھینک دیں...... اور لے تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔

چند لمحوں میں سپاہی حلقہ بہ حلقہ محو رقص ہو گئے۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اس لے کا کوئی اثر کامران پر نہیں ہوا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ میری پر اسرار قوتیں تجھ پر اس وقت پوری طرح اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ مگر میرے پاس اس کا توڑ بھی ہے۔ تیرے تمام سپاہی اس وقت میرے سحر میں ہیں اور اگر میں انہیں یہ حکم بھی دے دوں کہ وہ تیری تکا بوٹی کر ڈالیں تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ مگر میں اس سے بھی گریز کروں گا میں تمہیں ایک دوسرا تماشہ دکھاؤں گا۔'' بوڑھے کی آواز آئی اور پھر وہ سپاہیوں سے مخاطب ہوگیا۔ ''کامران کو چاروں طرف سے جکڑ لو اسے ذرا بھی جنبش نہیں کرنی چاہئے۔'' بوڑھے کی آواز میں اس بار حکم تھا۔

سپاہیوں کا ایک غول آگے بڑھا اور کامران پر جھپٹ پڑا۔ کامران کے لیے یہ صورت حال سخت نازک تھی۔ اگر وہ اب بھاگنا بھی چاہتا تو سپاہیوں کی زد سے نہ بچ پاتا۔ انہوں نے کامران کو کیا سوجھی کہ وہ جھپٹے ہوئے گھیر رکھا تھا پھر اچانک نہ جانے کامران کو کیا سوجھی جھپٹتے ہوئے چاروں طرف سے سپاہیوں کے غول سے الجھ پڑا۔ اس نے ایک دم دو سپاہیوں پر چھلانگ لگائی

تھی۔ اور انہیں اپنے ساتھ لیتا ہوا لڑھک گیا تھا اس نے سوچا تھا کہ اس طرح شاید وہ ان لوگوں کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر یہ اس کی بھول تھی سپاہیوں پر نہ جانے کیسی جنونی کیفیت طاری تھی کہ سخت زخمی ہونے کے باوجود بھی ایک دم اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے تھے جیسے انہیں معمولی سی چوٹ بھی نہ آئی ہو۔ اور پھر انہوں نے کامران کو دوبارہ اپنی گرفت میں لینے میں دیر نہیں کی تھی۔ اور اس کے ساتھ ان کے دوسرے ساتھی بھی اس وقت تک وہاں پہنچ چکے تھے۔ حالانکہ کامران نے گرتے گرتے ان دونوں کے سر پتھروں سے ٹکرا دیئے تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن وہ اس طرح پرسکون اور بے خبر نظر آ رہے تھے۔ جیسے وہ اپنے سروں پر آنے والی چوٹ سے قطعی لاعلم رہے ہوں اس لیے انہوں نے کامران کو فرار ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ادھر سپاہی کامران سے الجھے ہوئے تھے اور ادھر بوڑھے کے قہقہے کامران کے تن بدن میں آگ لگا رہے تھے۔ کامران یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ بوڑھے نے سپاہیوں کو جو حکم دیا تھا وہ اس سے تجاوز نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ کامران نے خود کو ان کی زد سے بچانے کے لیے خاصی جارحیت کا ثبوت دیا تھا جس کے نتیجے میں کئی سپاہی زخمی ہو چکے تھے۔ لیکن سپاہیوں نے اس کے جواب میں کامران پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

☆......☆

چند ہی لمحوں میں کامران بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بوڑھے نے سپاہیوں سے کہہ کر اُس کے گلے سے پنجسورہ اتروا لیا تھا۔ ایک سپاہی پنجسورہ لے کر دور جا کھڑا ہوا پھر بوڑھا آگے بڑھ کر کامران کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''ہٹ جاؤ!......اس سے دور ہٹ جاؤ۔'' بوڑھے نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

بوڑھے کو خود سے اتنے قریب دیکھ کر کامران اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اپنی جگہ سے اچھلا اور اس کے دونوں پیر پوری قوت سے بڈھے کے سینے سے ٹکرائے۔ مگر نہیں کامران تو شاید کسی چٹان سے ٹکرایا تھا بوڑھے کا جسم اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہ کر سکا تھا۔ بوڑھا قہقہہ مار کر زور سے ہنس پڑا۔

''مجھے اتنا مارو اور اس وقت تک مارو جب تک کہ تم تھک کر میرے پاؤں پر نہ گر پڑو۔'' بوڑھے کی سسکاری آمیز آواز سنائی دی۔

کامران کے دونوں ہاتھ اور پیر بجلی کی سی تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ اور آخر کار کچھ دیر بعد وہی ہوا جو بوڑھے نے کہا تھا۔ کامران بری طرح ہانپنے لگا تھا اور اس کے پیروں میں اتنی جان باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کھڑا بھی رہ سکتا۔ وہ نڈھال ہو کر ایک طرف لڑھک گیا اور جب بوڑھا اس کے قریب پہنچا تو اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

''بس تھک گئے؟'' بوڑھے کا سوال زہر کی طرح اس کی سماعت میں اتر گیا مگر وہ اس کے قدموں میں بے حس و حرکت پڑا رہا۔

''میں تیرے لیے ایک تحفہ لایا تھا۔ اور خود اسے اپنے ہاتھوں سے تجھے دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے یہ جھگڑا مول لیا تھا۔'' اتنا کہہ کر بوڑھے نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے بھاری اور ضخیم سے بنڈل کو کامران کے قریب رکھ دیا۔ ''اب میں جا رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے ابھی چند اہم کام انجام دینے ہیں۔''

شیطان صفت بوڑھا یہ کہہ کر جھکا اور اس نے اپنے ہونٹ کامران کے رخسار پر رکھ دیئے۔

''آج کی ملاقات کی نشانی۔'' یہ کہتے ہوئے بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کامران کے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کسی نے اس کے رخسار پر دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے ہیں۔ یہ تکلیف اس کے لیے انتہائی اذیت ناک تھی۔ اسے یہ دیکھنے کا بھی ہوش نہیں رہا کہ بوڑھا کب اور کیسے اس کے پاس سے غائب ہو گیا اور وہ اس کے لیے کیا تحفہ لے کر آیا تھا چند لمحوں میں اذیت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی۔ اسے اپنا ذہن گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اور پھر نہ جانے کب وہ نڈھال سا ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

آنکھ کھلی تو کامران نے خود کو ہسپتال میں پایا کچھ دیر تک اسے یاد نہ آ سکا کہ وہ کس طرح یہاں پہنچ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قطعی خالی تھا۔ مگر اس پر یہ کیفیت صرف چند لمحے طاری رہی اور رفتہ رفتہ اسے سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔ اور اسی کے ساتھ اس کا دایاں ہاتھ تیزی سے دائیں رخسار کی طرف بڑھا۔ رخسار پر ٹیپ لگا کر بینڈیج کی ہوئی تھی۔ اسی وقت ایک نرس کمرے میں داخل ہوئی۔

''آپ ہوش میں آ گئے مبارک ہو۔'' نرس نے خوش اخلاقی سے کہا۔ ''تمام ڈاکٹر آپ کی اس قدر طویل بے ہوشی پر سخت حیران تھے۔ میں ڈاکٹر کو اطلاع دے کر ابھی آئی۔'' نرس یہ کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گئی۔

کامران نرس کی بات سن کر چکرا گیا۔ نرس نے کہا تھا کہ وہ طویل بے ہوشی کا شکار رہا تھا۔ وہ نرس سے یہ بھی نہ پوچھنے پایا تھا کہ یہ عرصہ کتنا طویل تھا۔ اس سوال سے پہلے ہی نرس رخصت ہو چکی تھی۔ کامران اپنے خیالوں میں الجھا رہا مگر اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک جانی پہچانی شکل کمرے میں نظر آئی یہ ڈاکٹر جواد تھا جس سے کامران اچھی طرح سے واقف تھا۔ اسی کا زیر علاج انسپکٹر شاہد بھی تھا۔

''سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں کتنا عرصہ بے ہوش رہا ہوں ڈاکٹر۔'' کامران نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا۔

''پورے تین دن۔'' ڈاکٹر جواد نے جواب دیا اور کامران یہ جواب سن کر اچھل پڑا۔

''تین دن؟'' وہ بڑبڑایا۔

''ہاں تین دن...... اور ہم اس قدر طویل بے ہوشی کا سبب لاکھ کوشش کے باوجود معلوم نہ کر سکے۔ آپ بظاہر معمولی زخمی تھے آپ کے داہنے رخسار کو کسی سفاک اور بے رحم شخص نے کسی چیز سے بری طرح جلا دیا تھا جس کی ضروری مرہم پٹی کر دی گئی اور اب میرے خیال سے دو ایک دن میں زخم بھر جائے گا۔'' ڈاکٹر وجواد نے بتایا...... پھر کچھ دیر رک کر کہا۔ ''اب آپ خود کو کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''

''میں قطعی ٹھیک ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے کامران کہنیوں کے بل نیم دراز ہو گیا پھر اسے انسپکٹر شاہد یاد آیا۔ ''ڈاکٹر انسپکٹر شاہد کا کیا حال ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں اسے نہ بچا سکا۔'' ڈاکٹر جواد کی آواز میں دکھ تھا۔

''کیا......؟'' کامران تقریباً چیخا۔

''ہاں مسٹر کامران!...... کل رات ہی وہ چل بسا...... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اپنی طرف سے اس کے علاج اور نگہداشت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔''

کامران کے لیے یہ خبر انتہائی اندوہناک تھی۔ اس کی آنکھوں میں انسپکٹر شاہد کا چہرہ گھوم گیا۔ اور اس کی پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے جھکنے لگیں انسپکٹر شاہد نہ صرف ذہین تھا بلکہ اس نے کئی موقعوں پر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کامران کی زندگی بچائی تھی۔

''میں...... میں شاہد کا انتقام لوں گا۔'' غصے سے کامران کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ''میں اس کے قاتل سے واقف ہوں۔ میں اسے جانتا ہوں۔''

''مسٹر کامران صبر و ضبط سے کام لیجئے۔ ابھی آپ ایک طویل بے ہوشی سے اٹھے ہیں اور آپ کے اعصاب پر مزید بوجھ آپ کے لیے بہتر نہیں ہوگا۔'' ڈاکٹر جواد نے اسے تسلی دیتے ہوئے مشورہ دیا۔

''تم نہیں جانتے ڈاکٹر! تم نہیں جانتے کہ میں نے کیا کھو دیا ہے میں نے......'' اس سے آگے الفاظ نے کامران کا ساتھ نہیں دیا کیونکہ اس کا گلا رندھ گیا تھا۔

ڈاکٹر جواد نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے لٹا دیا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر بولا۔

''آپ کی دوا کا وقت ہو چکا ہے۔ مسٹر کامران میں آپ کے لیے دوا بھیجتا ہوں۔''

ڈاکٹر جواد نرس کو اشارہ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا جو اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر نے سفید جھوٹ بولا تھا۔

کچھ دیر بعد نرس کمرے میں پھر داخل ہوئی اور اس نے سہارا دے کر کامران کو اٹھایا اور دوا کی خوراک اس کے منہ سے لگا دی۔ نرس کے کانوں میں ڈاکٹر کے الفاظ اب تک گونج رہے تھے۔ ڈاکٹر جواد نے کہا تھا کہ اگر فوری طور پر اسے کوئی ایسی دوا نہ دی گئی جس سے اسے نیند آ جائے تو یہ اس کے لیے خطرناک ہوگا۔ اس کے اعصاب کو معمول پر لانے کے لیے نیند بہت ضروری ہے۔

دوسری صبح کامران بیدار ہوا تو اس کا ذہن ہلکا پھلکا تھا وہ خود کو ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ اور اب اس کے اعصاب میں وہ تناؤ بھی نہیں تھا۔ جو گزشتہ دن تھا۔ اسی دن شام کو اسے ہسپتال سے رخصت ہو جانے کی اجازت مل گئی۔

ہسپتال سے رخصت ہو کر وہ سیدھا آئی جی دلاور خاں کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ دارالحکومت سے آئی جی کو احکامات دیئے گئے تھے کہ کامران کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے۔ آئی جی دلاور خاں بنگلے پر موجود تھا مگر اس کے ساتھ اس وقت ایک اور آشنا چہرے کو دیکھ کر کامران کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ افضال حسین تھا اس کا پرانا رقیب جسے ہر موقع پر اس نے شکست دی تھی۔ افضال حسین سے اس کی ہمیشہ چلتی تھی۔ اور کامران ہمیشہ ہی اس کا مذاق اڑاتا تھا...... اسے یہاں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے کامران بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن افضال حسین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

☆......☆

''اوہ! مسٹر کامران! آیئے مجھے معلوم تھا کہ آپ ہسپتال سے سیدھے یہیں آئیں گے۔'' اس کی آواز کے طنز کو کامران نے محسوس کر لیا۔

''مگر آپ یہاں کس تقریب میں نظر آ رہے ہیں۔ بھائی فضلو!'' کامران نے بظاہر خوش مزاجی سے کہا۔ وہ افضال حسین کو چڑانے کے لیے ہمیشہ اسے بھائی فضلو کہتا تھا۔ جس کے جواب میں افضال اسے کمرو کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

''بھائی فضلو یہاں اسی لیے نظر آ رہے ہیں کہ بھائی کمرو اپنی تمام تر ذہانتوں کے باوجود ایک معمولی سے کیس کو نہیں نمٹا سکے۔ اور شاید بھائی کمرو کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اب یہ کیس ان سے لے لیا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو ایک ہفتے کی مہلت مانگی تھی وہ پوری ہو چکی ہے۔ غالباً اب بھائی کمرو سب کچھ سمجھ چکے ہوں گے۔'' افضال حسین نے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا۔

''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ زیادتی ہے میں اس کیس پر ابھی کام کر رہا ہوں۔'' کامران کی آواز میں غصہ اور جھنجھلاہٹ تھی۔

''مجبوری ہے پیارے بھائی تم اس سلسلے میں دارالحکومت سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔'' افضال کی آواز نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''بکومت!'' کامران غرایا۔

''مسٹر کامران میرا خیال ہے کہ آپ تشریف رکھیں اور اگر مناسب خیال کریں تو اسی وقت ٹیلیفون پر دارالحکومت سے رابطہ قائم کر کے معاملے کو سلجھائیں۔'' پہلی بار آئی جی دلاور خان نے مداخلت کی کیونکہ اب تک کامران کھڑا تھا۔

''میں یقیناً ایسا کروں گا......'' یہ سراسر ظلم ہے۔ اہل افراد پر نااہلوں کو ترجیح دینا سراسر ناانصافی ہے۔'' اس کی آواز ابھی تک غصے سے کانپ رہی تھی۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو کامران۔ آخر برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔'' افضال حسین

ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''ورنہ......؟'' کامران غرایا۔

اور پھر اگر آئی جی دلاور خاں درمیان میں نہ آجاتا تو نہ جانے ان دونوں کی تلخ کلامی کیا رنگ لاتی۔

کچھ دیر بعد ہی کامران دارالحکومت سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر اسے سخت مایوسی کا سامنا ہوا۔ اعلیٰ حکام اب مزید کسی قیمت پر بھی اسے مہلت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔ جب کامران نے اس بات کو اچھی طرح سے محسوس کرلیا تو اس نے نہ جانے کیا سوچ کر کہا تھا کہ اسے تین ماہ کی چھٹی دے دی جائے کیونکہ وہ اس کیس کے دوران کافی تھک گیا ہے وہ بائی پوسٹ چھٹی کی درخواست روانہ کرے گا۔ کامران کی یہ بات مان لی گئی تھی۔ فون کریڈل پر رکھ کر وہ فوراً آئی جی کے بنگلے سے نکل گیا تھا حالانکہ آئی جی نے اسے روکنے کے لیے بہت کوشش کی تھی۔

کامران کے ذہن میں خیالات کا طوفان برپا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ ذاتی طور پر اس کیس کو حل کرے گا۔ چین سے نہیں بیٹھے گا خواہ اس کے لیے اسے اپنی جان کی بازی ہی کیوں نہ لگا دینی پڑے۔

☆......☆

ڈاکٹر فرقان ابانا کے ہاتھوں میں ایک بے بس کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا تھا۔ یہ ابانا ہی کی تجویز تھی کہ ڈاکٹر فرقان، سلیمہ اور ابانا کو اب کسی جگہ اور چل کر رہنا چاہئے۔ کیونکہ ابانا کے کہنے کے مطابق ڈاکٹر فرقان کے لیے وہاں خطرہ تھا۔ ابانا نے ڈاکٹر کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ اب ڈاکٹر ابانا کے مشورے پر اس دور دراز پہاڑی مقام پر آبسا تھا۔ جہاں اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہاں آکر اس نے احتیاطاً اپنا حلیہ بھی بہت حد تک تبدیل کرلیا تھا و مقامی لوگ اسے ڈاکٹر فرقان کے بجائے ڈاکٹر احسان کے نام سے جانتے تھے۔ سلیمہ کو اس نے اپنی بیوی ہی ظاہر کیا تھا۔ اور ابانا کو اس کی بڑی بہن...... ڈاکٹر فرقان یہاں آنے سے پہلے اپنا تمام بنک بیلنس نکال چکا تھا۔ اور اب اس کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ سالوں بغیر کچھ کئے دھرے بہت آرام سے زندگی بسر کرسکتا تھا۔

دن سکون سے گزرا مگر رات ہوتے ہی ابانا غائب ہوگئی۔ ڈاکٹر سلیمہ کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ نہ جانے کس طرح اچانک سوتے سوتے اس کی آنکھ کھل گئی۔ غالباً اس نے کوئی آہٹ سنی تھی۔ ہلکے نیلے بلب کی مدھم روشنی میں اس کی نظر ایک چہرے پر پڑی جو سلیمہ پر جھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے چیخنا چاہا مگر اس کی چیخ حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ سلیمہ پر جھکنے والے چہرے کو ڈاکٹر پہچان چکا تھا۔ وہ چہرہ خبیث بوڑھے کا تھا۔ بوڑھے کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ ڈاکٹر فرقان کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر سی محسوس ہوئی۔

OOO

ڈاکٹر فرقان نے دیکھا کہ بوڑھے کے استخوانی ہاتھ سلیمہ کی کمر کے گرد حلقہ بنا رہے تھے

پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے بوڑھے نے سلیمہ کو بالکل کسی گڑیا کی طرح اٹھالیا جیسے اس کے جسم میں کوئی وزن نہ ہو۔ ڈاکٹر حیرت کے لمحے سے نکل کر اب ہوش وحواس کی دنیا میں آچکا تھا۔ خبیث بوڑھا اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بیوی کو اغوا کر کے لے جارہا تھا۔ اس کی رگوں میں جیسے خون کی رفتار تیز ہوگئی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس نے پوری قوت سے بوڑھے پر چلانگ لگائی۔ مگر کہاں؟ وہ اوندھے منہ زمین پر گرا۔ بوڑھا اس سے کچھ فاصلے پر اب سلیمہ کے خوابیدہ جسم کو کاندھے پر اٹھائے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ڈاکٹر بغیر وقت ضائع کئے اٹھا اور اس نے چاہا کہ دوبارہ بوڑھے پر حملہ آور ہو۔

''اب تم اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہیں کرو گے۔'' بوڑھا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پھنکارا۔ بوڑھے کی آواز میں ایسا ہی سحر تھا کہ ڈاکٹر فرقان جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس کے جسم نے اس کے ارادے کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ اب اپنی مرضی سے اپنے جسم کے کسی بھی حصے کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اس طرح کی کیفیت سے وہ پہلے بھی دوچار ہو چکا تھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا، سوچ سکتا تھا لیکن کسی قسم کی حرکت کرنا اس کے بس کا نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی قوت گویائی بھی سلب ہوچکی ہوگی اور جب تک بوڑھا نہ چاہے وہ بولنے اور حرکت کرنے سے محروم رہے گا۔ یہ عجیب محرومی تھی عجیب بے بسی تھی جو ڈاکٹر فرقان کو خون کے آنسو رلا رہی تھی۔ وہ اپنی بے بسی پر واقعی رو پڑا۔ اسے حیرت تھی کہ سلیمہ اب تک کس طرح خوابیدہ ہے۔ اس نے سوچا کہ اس میں بھی یقیناً بوڑھے کی پراسرار قوتوں کو دخل ہوگا۔

''میں اسے یہاں سے کہیں اور نہیں لے جاؤں گا۔ بلکہ تمہارے سامنے ہی آج اپنی محرومیوں کا انتقام لوں گا۔ تم نے اور ابانا نے مجھے بہت دنوں تک اس کے حصول سے محروم رکھا ہے۔ مگر اب میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ اسے یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا مگر اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے کیونکہ میری پراسرار قوتوں نے مجھے بتایا ہے کہ اس وقت ابانا اس گھر میں موجود نہیں ہے۔ اور اس کی غیر موجودگی میں مجھے میرے ارادے سے باز رکھنے والا کوئی نہیں۔ ابانا صبح سے پہلے نہیں آئے گی۔ میں نے اسے تخلیق کیا ہے۔ میں اسے جانتا ہوں وہ اگر یہاں ہوتی تو یقیناً مزاحمت کرتی۔''

یہ کہتے ہوئے بوڑھے نے ایک بار پھر سلیمہ کے جسم کو بستر پر ڈال دیا اور دوبارہ ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔ ''یہ میرے لیے کتنے اطمینان وسکون اور مسرت کا باعث ہے کہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوگا اور تم یہ سب دیکھنے پر مجبور ہو گے لیکن کچھ نہ کرسکو گے۔'' خبیث بوڑھے کے الفاظ گونجتے رہے اور ڈاکٹر فرقان کی روح کو جیسے کوئی گرم لوہے سے داغتا رہا۔ وہ ایک بے بس تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھنے پر مجبور تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی بار بوڑھے نے سلیمہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے اپنی ناپاک خواہشات پوری کرنے کی سعی کی تھی مگر ہر بار ابانا آڑے آگئی تھی۔ ڈاکٹر فرقان سخت مایوسی کا شکار ہونے کے باوجود بھی یہ توقع کئے ہوئے تھا کہ شاید اس بار بھی

ابانا سلیمہ کو بوڑھے کے چنگل سے بچالے۔ اسے صرف تشویش یہ تھی کہ بوڑھے نے کہا تھا کہ ابانا صبح سے پہلے نہیں آئے گی اگر واقعی ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ کیا بوڑھا سلیمہ کو برباد کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟ وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا۔ اس بات کا تصور ہی اس کے لیے سوہان روح تھا کہ بوڑھا اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائے۔

''سلیمہ......'' بوڑھے کی سسکاری آمیز آواز کمرے میں گونجی۔ ''اب تم جاگ سکتی ہو۔''

بوڑھے کی آواز سن کر سلیمہ کے جسم کو حرکت ہوئی۔ اس نے کروٹ لی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر فرقان مسہری سے کچھ فاصلے پر بے حس وحرکت کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا ہے اور مسہری کے بالکل قریب شیطان صفت بوڑھا اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

حیرت اور خوف کی زیادتی نے اب تک سلیمہ کی قوت گویائی سلب کر رکھی تھی۔ لیکن اب اچانک ہی اسے صورت حال کا اندازہ ہوا۔ اور اس کے منہ سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکل گئی۔

''فرقان......'' اس نے اپنی مدد کے لیے ڈاکٹر کو پکارا۔

''وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا سلیمہ اس لیے اسے پکارنا بے سود ہے۔ آؤ میری آغوش میں آجاؤ۔'' یہ کہہ کر بوڑھا سلیمہ کے اُوپر جھکتا چلا گیا۔

پھر وہ خبیث بوڑھا فرقان کی نظروں کے سامنے سلیمہ کے ساتھ اپنا ناپاک اور گھناؤنا کھیل کھیلتا رہا تھا۔ پھر آخر کار اُس نے بے سدھ سلیمہ سے کہا تھا۔

''اب سو جاؤ...... سو جاؤ...... ہمیشہ کے لیے سو جاؤ۔'' بوڑھے نے سلیمہ کے بے حس جسم کو ایک طرف دھکیلا اور اٹھ کھڑا ہوا سلیمہ کا جسم بے جان سا ہو کر ایک طرف مسہری پر لڑھک گیا......

اس کے بعد بوڑھا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رکا اور بغیر مڑے بولا۔

''ڈاکٹر مجھے افسوس ہے کہ سلیمہ اب ہمیشہ کے لیے تم سے دور ہوگئی ہے۔ شاید تمہیں ابانا نے یہ نہیں بتایا کہ میں ایک بار جس لڑکی کے جسم سے ہمکنار ہو جاتا ہوں اس سے دوبارہ کوئی اور شخص اپنے جسم کی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تم صبر کرو کہ میں تمہیں صبر کے علاوہ اور کوئی تلقین نہیں کر سکتا۔'' یہ کہہ کر بوڑھا کمرے سے نکل گیا اور اس کے کمرے سے باہر نکلتے ہی فرقان نے محسوس کیا کہ جیسے اس کی توانائی بحال ہو چکی ہو۔ جیسے وہ اپنے جسم کو حرکت دے سکتا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے ایک قدم آگے بڑھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کی توانائیاں واپس آچکی تھیں تو وہ تیزی سے تقریباً دوڑتا ہوا بستر کی طرف لپکا جس پر سلیمہ کا بے حس وحرکت جسم پڑا ہوا تھا۔

☆......☆

''یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اپنے معاملے میں کسی کی بھی اور کسی قسم کی بھی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔'' افضال حسین نے تیز اور چبھتی ہوئی نظروں سے کامران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ جسے تم نے آزادی سے گھومنے کی اجازت دے دی ہے۔ وہ خود ایک دن تمہارے لیے مصیبت بن جائے گا۔ وہ بہت خطرناک ہے۔ وہ ایک بلیک میلر ہے اور یہ سب کچھ میں قانون اور تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ ورنہ مجھے تمہارے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تمہیں میری بات ٹھنڈے دل سے سوچنی سمجھنی چاہئے۔ اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ ہم محکمہ جاتی طور پر ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔'' کامران نے پرسکون اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کوئی بچہ نہیں مسٹر کامران! میں اپنا اچھا برا خوب اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' افضال حسین کی آواز میں تلخی اور برہمی تھی۔

''تم جانو! میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ اس بنا پر کہا تھا کہ میں اس کیس پر پہلے کام کر چکا ہوں اور یہ میرے فرائض میں داخل ہے کہ تمہیں گزشتہ واقعات سے پوری طرح باخبر کر دوں۔'' کامران پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

''یہ کیس تمہاری نااہلی کے سبب تم سے لے کر میرے سپرد کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ مجھے تم پر فوقیت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے مقابلے میں زیادہ ذہین ہوں اس لیے تمہارے لیے میرا ایک مشورہ یہ ہے کہ خاموشی کے ساتھ اپنی چھٹیاں گزارو اور تم اپنا فرض پورا کر چکے ہو۔ لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جن لوگوں سے تمہاری ذاتی پرخاش اور رنجشیں تھیں میں ان سے تمہارا انتقام نہیں لوں گا کیونکہ یہ ایک ناانصافی ہے۔ تم میرے ذریعے صبح نو کے رپورٹر شریف عثمانی کو گرفتار کرا کے اپنے ذاتی مفادات کو پورا کرنا چاہتے ہو جس کا کیس سے کوئی تعلق نہیں۔'' افضال حسین نے طیش دلانے والے لہجے میں کہا۔

کامران سمجھ گیا کہ اب افضال حسین سے کچھ کہنا بے سود ہے۔ اس لیے وہ اٹھ گیا......

''میں جا رہا ہوں اور ایک بار پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرو یہ تمہارے ہی حق میں بہتر ہے۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''شکریہ! مجھے تمہارے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' افضال حسین نے رکھائی سے جواب دیا۔

''جہنم میں جاؤ!'' کامران یہ کہتا ہوا کمرے کا دروازہ عبور کر گیا۔

خبیث بوڑھے کے ہاتھ میں جو تھیلا تھا اس میں بے ہوش عثمانی تھا خبیث بوڑھے نے اس سے رخصت ہوتے وقت کہا تھا کہ وہ کامران کے لیے ایک تحفہ چھوڑے جا رہا تھا اور بعد میں پولیس نے اس تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اسے اس میں سے بے ہوش عثمانی کا جسم ملا تھا۔ پولیس کیونکہ پہلے سے اس کی تلاش میں تھی اور پولیس کو یہ احکامات کامران نے دیئے تھے۔ اس لیے عثمانی کو گرفتار کرلیا گیا لیکن جب کیس افضال حسین کے ہاتھ میں آیا اور عثمانی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اپنے ذرائع سے افضال حسین پر دباؤ ڈلوایا کہ اسے چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ بے قصور ہے اس

سلسلے میں عثمانی نے افضال حسین سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی اور کہلوایا کہ اس کے پاس افضال حسین کے لیے چند اہم اطلاعات ہیں اور وہ اس کے سامنے اپنی صفائی بھی پیش کرنا چاہتا ہے۔ بعض ذرائع سے عثمانی کے علم میں یہ بات بھی آ چکی تھی۔ کہ افضال حسین اور کامران ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ جب افضال حسین ،عثمانی سے ملا تو عثمانی اس کے سامنے مظلوم بن گیا۔ عثمانی نے افضال حسین کو بتایا کہ کامران کا کردار مشکوک تھا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کامران ایک بدکردار شخص ہے تو وہ اس کی ٹوہ میں لگ گیا۔ اور پھر اسے معلوم ہوا کہ کامران قانون اور اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کیس میں ملوث ایک لڑکی ابانا سے اپنی نفسانی خواہش پوری کر رہا ہے اس بات کے ثبوت کے لیے اس نے ابانا اور کامران کی چھپ کر تصویریں بھی اتار لیں۔ اور اسی دن سے کامران اس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ کامران اس سے بھی زیادہ بدکردار تھا کامران ایک بوڑھے کے ساتھ بھی ناجائز طور پر قابل اعتراض حالت میں دیکھا گیا اور اس کی تصویریں بھی عثمانی نے اتاریں۔ اور وہ تصویریں اس نے کامران کو غیرت دلانے کے لیے اسے بھجوا دیں۔ اس کے بعد تو کامران عثمانی کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ اس کہانی میں کسی حد تک صداقت بھی تھی اور اس میں کامران کی برائی کا پہلو بھی نکلتا تھا اس لیے افضال حسین نے اسے حرف بہ حرف درست اور سچ جانا۔ اس نے اسی دن عثمانی کی رہائی کے احکامات صادر کر دیئے اس طرح عثمانی اپنی چال میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب وہ ایک بار پھر لوگوں کو بلیک میل کر سکتا تھا جب کامران کو یہ سب کچھ معلوم ہوا تو اس کا خون کھول اٹھا اسے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ افضال حسین اس طرح اپنے اختیارات استعمال کر کے صرف اس کی دشمنی میں ایک بلیک میلر کو رہا کر دے گا۔ جب کہ وہ عثمانی سے دریافت کر سکتا تھا کہ اس نے کامران کی قابل اعتراض تصویریں کس لیے اتاری تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ ان تصاویر کا مقصد صرف بلیک میلنگ ہی ہو سکتا تھا۔ کامران یہی سب سوچ کر افضال حسین سے براہ راست ملا تھا کہ اسے اس کا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کر دے مگر افضال حسین تو اس کی دشمنی میں اندھا ہو رہا تھا۔ اس نے کامران کی ایک نہ سنی اور مجبوراً کامران کو بے نیل و مرام واپس آنا پڑا۔

کامران اس عرصے میں خاموش نہیں بیٹھا تھا۔ اس دوران وہ مسلسل اس کوشش میں رہا تھا۔ کہ کسی طرح اسے یہ معلوم ہو جائے کہ ڈاکٹر فرقان سلیمہ اور ابانا کہاں روپوش ہیں۔ اسے اس بات پر مکمل یقین تھا کہ ڈاکٹر فرقان، سلیمہ اور ابانا اس جگہ سے کہیں اور منتقل ہو گئے ہیں اور وہ لوگ ڈاکٹر کی جلنے والی حویلی میں جل کر نہیں مرے۔ ابانا کو تو وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ ابانا جو اسے جل دے کر نکل گئی تھی اپنی اس تحقیق و تلاش کے دوران اسے کچھ کڑیاں ملی تھیں۔ کچھ دیہاتیوں کا بیان تھا کہ جس دن حویلی میں آگ لگی تھی انہوں نے ایک شخص اور دو عورتوں کو اس صبح ایک کار میں بیٹھ کر شمال کی طرف جانے والی سڑک پر جاتے دیکھا تھا۔ ان دونوں کے حلیے سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ڈاکٹر فرقان...... ابانا اور سلیمہ تھے۔ شمال کی طرف جانے والی اس شاہراہ پر صرف ستر اسی میل دوری پر ایک پہاڑی بستی تھی۔ جس کا نام شاداب پور تھا۔ کامران کو یقین تھا کہ وہ

لوگ وہیں گئے ہوں گے۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے وہ عثمانی والا معاملہ نمٹا دینا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں ناکامی کے بعد اب اس کی منزل شاداب پور ہی تھی۔ لیکن اب شام ہونے والی تھی اس نے فیصلہ کیا تھا کہ دوسرے دن صبح ہی وہ شاداب پور کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ وہ کسی بھی قیمت پر ڈاکٹر فرقان اور ابانا کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

پھر دوسرے دن صبح ہی اس کی کار شاداب پور کی طرف تیزی سے دوڑی جا رہی تھی۔

☆......☆

''ابانا یہ کیا ہو گیا ابانا؟'' ڈاکٹر فرقان کے رخساروں سے آنسو بہہ بہہ کر زمین پر گر رہے تھے۔ اور ابانا گم سم سی سلیمہ کی لاش کو دیکھے جا رہی تھی۔

''آخر بابا نے اپنی خبیث اور غلیظ خواہشوں کو پورا کر ہی لیا۔'' ابانا کے ہونٹوں کو پہلی بار حرکت ہوئی پھر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ پھر بولی۔ ''مگر...... مگر...... میں بابا سے اپنی محبت کے خون کا انتقام ضرور لوں گی۔ ضرور...... چاہے اس کے لیے مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔''

''لیکن اب تمہارے انتقام لینے یا نہ لینے سے سلیمہ تو واپس نہیں مل جائے گی۔ تم نے میری زندگی کو جہنم بنا دیا ہے۔ جب سے تم ملی ہو میں ایک لمحے کو سکون کی سانس نہیں لے سکا۔ میری زندگی تم نے تماشا بنا دی ہے۔ میں تمہاری وجہ سے مجرموں کی طرح چھپتا پھرتا ہوں۔ بولو! تم نے مجھے کس قصور کی اتنی بڑی سزا دی ہے کیا یہ میرا قصور تھا کہ میں نے تم سے محبت کی، تمہیں چاہا ،تمہارے ہرجائی پن کو برداشت کیا۔ صرف اور صرف اس لیے میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا تھا بولو خاموش کیوں ہو جواب دو۔'' ڈاکٹر فرقان کی آواز چیختے چیختے بھرا گئی او اس نے دیکھا کہ ابانا کے رخساروں پر بھی آنسو بہہ رہے ہیں۔

''فرقان جتنا دکھ سلیمہ کی موت سے تمہیں پہنچا ہے اس سے بڑا صدمہ مجھے ہوا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سلیمہ تو میری محبوب تھی۔ میری زندگی تھی میں نے بھی اسے اتنا ہی چاہا تھا جتنا تم نے اور میں نے ہر بار اسے بچانے کے لیے اپنی تمام پراسرار قوتیں صرف کر دیں کیونکہ میں جانتی تھی کہ اگر وہ ایک بار بھی بابا کے ہتھے چڑھ گئی تو وہ زندہ نہ بچ سکے گی۔ اور وہی ہوا بھی...... میں نے دانستہ کبھی تمہیں آزار نہیں دیا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں بچانے کی کوشش کی ہے بابا کی پراسرار قوتوں سے بھی اور قانون کی گرفت سے بھی یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو ڈاکٹر۔'' ابانا ڈاکٹر کے قریب کرسی پر بیٹھے ہوئے بولی۔

''مگر میں ان عجیب پراسرار حالات کا شکار کیوں ہوا؟ بوڑھا شیطان کس لئے میرا دشمن بنا؟ قانون کے محافظ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے......؟ صرف تمہاری وجہ سے بولو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے پرجوش انداز میں کہا۔

''نہیں بلکہ اس لیے کہ تم مجھ سے دستبردار ہونا نہیں چاہتے تھے۔ تم مجھے اپنی آغوش کی

زینت دیکھنا چاہتے تھے۔ تم یہ برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ بابا مجھ سے اپنی نفسیاتی خواہشات پوری کرلے جبکہ میں اس کی دعاؤں اور ریاضتوں کا نتیجہ ہوں اسے مجھ پر حق تھا......'' ابانا نے جواب دیا۔

''مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں اس جسم کو کسی کی آغوش میں دیکھ سکوں جو کبھی صرف میری آغوش کی زینت تھا تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ تم میری بیوی کامنی کے جسم پر قابض ہو۔'' ڈاکٹر نے دلیل پیش کی۔

''لیکن تمہاری بیوی کامنی تو مرچکی تھی۔ اس لیے اگر میں تمہیں نہ ملتی تو بہرحال وہ تم سے جدا ہوچکی تھی۔'' ابانا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں اب اتنا بھولا بھی نہیں ہوں کہ یہ بھی نہ سمجھ سکوں کہ اس کی موت میں کس کا ہاتھ تھا۔ میں ایک طویل عرصے سے تمہارے ساتھ ہوں اور بہت سے پراسرار اور عجیب واقعات دیکھ چکا ہوں اب میرے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہا کہ کامنی خود نہیں مری اسے مارا گیا تھا۔''

''خیر جو بھی ہوا ہو حقیقتیں نہیں بدلا کرتیں۔ تمہیں صبر کرنا چاہئے تھا اور اگر تم ان حالات کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ تو تمہیں بابا کی شرط قبول نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کہ تم میرے عوض اس کے لیے لڑکیاں فراہم کروگے۔'' ابانا نے پرسکون انداز میں کہا۔

''میں مجبور تھا اپنے دل کے ہاتھوں مجبور اگر اس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ تم ہرجائی ہو۔ بے وفا ہو تو میں اس بوڑھے کی شرط کبھی قبول نہ کرتا۔ لیکن میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب پانی سر سے اونچا ہوچکا تھا۔'' ڈاکٹر فرقان کی آواز میں بے بسی تھی۔

''تو پھر اپنی قسمت کے فیصلے کو قبول کرنے سے کیوں گریز کررہے ہو۔ تمہاری مجبوری تمہاری مجبوری تھی اس کی ذمہ داری کسی بھی طرح مجھ پر نہیں آتی۔ میں نے تم سے کبھی نہیں کہا۔ میں ہرجائی نہیں ہوں میں نے تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔'' ابانا یہ کہہ کر کھڑی ہوگئی۔

''کہاں جارہی ہو تم؟'' فرقان اسے اٹھتے دیکھ کر بولا۔

''سلیمہ کی لاش کو ٹھکانے لگانے۔'' ابانا نے جواب دیا۔ ''اس کی لاش تمہارے لیے کوئی مصیبت بھی کھڑی کرسکتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم مزید کسی الجھن اور پریشانی میں گرفتار ہو۔''

یہ کہہ کر ابانا نے سلیمہ کے مردہ جسم کو اٹھالیا۔

''مگر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' ڈاکٹر فرقان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں...... ابانا کی آواز میں سختی تھی۔ تمہارا ساتھ چلنا خطرناک ہے......''

''یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ میں اپنی بیوی کو مٹی بھی نہیں دے سکتا۔'' ڈاکٹر فرقان نے احتجاج کیا۔

''یہ ظلم تمہیں اپنی بھلائی میں برداشت کرنا پڑے گا۔ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو نتائج تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوں گے۔'' ابانا یہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

ڈاکٹر فرقان اسے بے بسی سے جاتا دیکھتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے ابانا کے کہنے پر عمل نہیں کیا تو ابانا زبردستی بھی اس سے اپنا حکم منوا سکتی ہے۔ اور یہ بھی اس کے ذہن میں تھا کہ ابانا جو کچھ کہہ رہی ہے وہ غلط نہیں ہوگا۔ وہ دوبارہ نڈھال سا ہوکر کرسی پر گر پڑا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ حالات نے جتنی تیزی سے کروٹ بدلی تھی اس کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔ فرقان سر جھکائے اب تک اسی کرسی پر بیٹھا تھا اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی اور رنج وغم کے آثار تھے اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ ابانا کب کمرے میں داخل ہوئی اور کب اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں کے سبب دھندلائی ہوئی تھیں۔ اس لیے جب اس نے ابانا کی آواز سنی تو وہ چونک پڑا۔

''فرقان! ہمیں اب یہ جگہ بھی چھوڑ دینی چاہئے کیونکہ ہم یہاں اب محفوظ نہیں رہ سکتے۔'' ابانا نے کہا۔

''کیوں......؟'' فرقان کھوئی کھوئی سی آواز میں بولا۔ ''آخر ہمیں یہاں کیا خطرہ ہے۔''

''خطرہ...... ہاں خطرہ یہاں سے قریب ہوتا جارہا ہے اس لئے اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہوجانا ہے۔'' ابانا معنی خیز لہجے میں بولی۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ پایا۔ اپنے الفاظ کی وضاحت کرو۔ میرا ذہن اس وقت یوں بھی زیادہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ تم میری حالت سے واقف ہی ہو۔'' ڈاکٹر فرقان نے بجھے بجھے انداز میں کہا۔

''کامران ہماری راہ پر لگ چکا ہے اور اب سے کچھ دیر بعد وہ ہماری بو سونگھتا ہوا یہاں پہنچنے والا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہارے لیے مشکلات کھڑی کردے۔ ہر چند کہ وہ اب صاحب اختیار نہیں رہا۔'' ابانا نے جواب دیا۔ ڈاکٹر فرقان کے استفسار پر ابانا نے اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کامران اب ذاتی طور پر یہ کیس نمٹانا چاہتا ہے اور سرکاری طور پر اس سے یہ کیس واپس لے لیا گیا ہے۔

ڈاکٹر فرقان کو کامران کے بارے میں یہ سب کچھ جان کر نہ جانے کیوں خوشی ہوئی۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ کامران ابانا کے سلسلے میں ماضی میں اس کا رقیب رہ چکا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جب کامران سے سرکاری طور پر کیس واپس لے لیا گیا ہے۔ تو وہ کیوں اس کیس میں الجھنے پر بضد ہے۔

''تم کیا سوچنے لگے......؟'' ابانا کی آواز سن کر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آگیا۔

''کچھ نہیں......'' وہ بڑبڑایا۔

''مجھ سے...... یعنی ابانا سے تم چھپا رہے ہو کہ تم کچھ نہیں سوچ رہے تھے۔ غالباً یہ بھول رہے ہو کہ میں تمہارے ذہن کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ تم اس وقت کامران کے بارے میں

سوچ سوچ کر خوش ہو رہے تھے کہ اس سے یہ کیس واپس لے لیا گیا۔ تم شاید مجھے اس لیے کچھ بتانے سے اجتناب برت رہے تھے کہ میں کامران کو پسند کرتی ہوں۔ مگر یقین جانو ڈاکٹر کہ اب ایسا نہیں ہے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا وہ ہو گیا۔ لیکن اب اس کا اعادہ نہیں ہو گا۔'' ابانا عجیب سے لہجے میں بولی۔

کچھ دیر بعد ہی ابانا اور ڈاکٹر فرقان وہ مکان چھوڑ چکے تھے۔ اور اب ان کی کار ایک اور پہاڑی قصبے کی طرف جا رہی تھی۔ ابانا خاموش خاموش سی کسی سوچ میں کھوئی ہوئی تھی اور ڈاکٹر فرقان ڈرائیو کر رہا تھا۔

''آخر ہم کب تک قانون سے اس طرح چھپتے پھیریں گے؟'' ڈاکٹر فرقان نے ابانا کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''اب اس کی زیادہ دن ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' ابانا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔'' ڈاکٹر فرقان نے وضاحت چاہی......

''اور وقت تمہیں سب کچھ بتا دے گا ابھی میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔'' ابانا نے جواب دیا۔

انہیں سفر کرتے ہوئے ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا ہو گا کہ ڈاکٹر فرقان نے محسوس کیا کہ ابانا آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے ابانا کی طرف تعجب خیز نظروں سے دیکھا۔ ابانا کے چہرے پر کرب واذیت کے آثار تھے۔

''کیا تم کسی تکلیف میں مبتلا ہو؟'' ڈاکٹر نے سوال کیا۔

''ہاں کافی دن سے اور کبھی یہ تکلیف میرے لیے مصیبت بھی بن جاتی ہے۔ مگر اس وقت یہ کچھ زیادہ ہی شدید ہے۔'' ابانا نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ پھر بولی۔ ''ذرا ادھر ہاتھ لاؤ۔''

ابانا نے ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑا اور اپنا چہرا ذرا سا اوپر کھسکا کر ڈاکٹر کا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ دیا۔

''اوہ!'' ڈاکٹر ابانا کے غیر معمولی طور پر پھولے ہوئے پیٹ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ ''تم......تم تو حاملہ ہو۔ لیکن یہ بچہ کس کا ہے۔ اس کے بارے میں تمہی بہتر طور پر بتا سکتی ہو۔''

''تمہارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ بچہ تمہارا بہر حال نہیں ہے۔'' ابانا نے جواب دیا۔

''تو کیا کامران؟......'' ڈاکٹر نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''نہیں'' ابانا بولی۔

''پھر فرانسیسی کا۔ کیا نام تھا اس کا...... غالباً الفانسو۔''

''نہیں نہ تم نہ کامران نہ وہ فرانسیسی سیاح الفانسو تم میں سے کوئی بھی اس کا باپ نہیں۔'' ابانا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''پھر کیا کوئی ایسا شخص ہے جسے میں نہیں جانتا۔'' ڈاکٹر مسلسل سوال کیے جا رہا تھا۔

''کوئی نہیں تمہارے سارے اندازے غلط ثابت ہوں گے۔ اور......'' ابانا اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک بار پھر کراہنے لگی۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ حمل کسی بھی طرح آٹھ ماہ سے کم نہیں لیکن تم نے اب تک مجھ سے یہ بات کیوں چھپائے رکھی۔'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''میرے لیے کوئی اہم بات نہیں تھی اور میں تمہیں اس کے بارے میں بتانا بھی ضروری خیال نہیں کرتی تھی۔'' ابانا نے کہا۔

تقریباً دوپہر سے کچھ پہلے وہ اس چھوٹے سے قصبے میں پہنچ گئے جسے دو طرف سے پہاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ وہاں مکان حاصل کرنے میں انہیں خلاف توقع پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ یہ ایسا قصبہ نہیں تھا جہاں لوگ عموماً تعطیلات گزارنے یا سیر وتفریح کرنے کی غرض سے آتے ہوں۔ ایسے پہاڑی مقامات پر تو مکان ملنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی جہاں اکثر ہی لوگ سیر وتفریح کی غرض سے آتے ہوں۔ یہ قصبہ کیونکہ نسبتاً دور تھا اس لیے یہاں کوئی نہیں آتا تھا۔ اور غالباً یہی سبب تھا کہ یہاں مکان کرائے پر ملنا ڈاکٹر فرقان کے لیے مسئلہ ہو گیا تھا۔ اور اس مسئلے نے اس لیے اور بھی سنگین صورت اختیار کر لی تھی کہ اب ابانا کی تکلیف پہلے کی نسبت کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی اور ڈاکٹر فرقان کے خیال میں اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر کے پاس اس کی دواؤں کا بکس اور ضروری سامان کار میں موجود تھا لیکن اس کے لیے کسی مناسب جگہ کا ہونا ضروری تھا۔ خدا خدا کر کے کسی طرح وہ ایک مکان کا آدھا حصہ جو صرف دو بڑے کمروں پر مشتمل تھا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ بھی اس لیے کہ اس کے ہمراہ ایک لڑکی موجود تھی۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید ایسا بھی ممکن نہ ہوتا۔

ڈاکٹر فرقان نے اس مکان میں پہنچتے ہی سب سے پہلے ابانا کو دوا دی پھر اسے ایک چارپائی پر لٹا کر چادر اڑھا دی ابانا کے لیے اب تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر فرقان اس کے قریب چارپائی پر بیٹھ گیا وہ اس کے حالات کا بغور جائزہ لیتا رہا او اسی طرح شام ہو گئی۔

''ابانا شاید مجھے تمہارے پیٹ کا آپریشن کرنا پڑے گا۔'' ڈاکٹر فرقان نے کہا۔

''کچھ بھی کرو ڈاکٹر مگر یہ تکلیف اب میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔'' ابانا ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

ڈاکٹر فرقان نے اپنی دواؤں کے بکس سے سرنج نکالی اور ایک انجکشن لگایا۔

''آپریشن کے دوران تمہارا بے ہوش ہونا ضروری ہے۔'' ڈاکٹر سرنج کو بکس میں رکھتے ہوئے بولا۔ بقیہ ضروری سامان وہ پہلے ہی ایک چھوٹے سے اسٹول پر نکال کر رکھ چکا تھا۔ پھر ڈاکٹر نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ڈاکٹر فرقان کا یہ پہلا آپریشن نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی اس سے زیادہ

خطرناک قسم کے آپریشن کر چکا تھا۔لیکن اس وقت نا معلوم کیوں اس کے چہرے پر کچھ فکرمندی کے آثار نمایاں تھے۔وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔آپریشن میں اسے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی وقت لگا۔جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوا تو ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔اسی دوران وہ ایک بار بہت زور سے چونکا تھا لیکن وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ وہ کچھ سوچ سکتا۔اگر وہ اپنے خیالوں میں کھو جاتا تو ابانا کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔اس کے کانوں میں ابانا کا ایک فقرہ گونج رہا تھا کہ اس کے سارے اندازے غلط ثابت ہوں گے۔اور ہوا بھی یہی تھا۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ابانا کے بطن سے کسی انسانی بچے کی بجائے ایک ریچھ کا بچہ پیدا ہوگا۔آپریشن سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ریچھ کے بچے کی طرف توجہ دی وہ زندہ تھا اور صحیح حالت میں تھا۔ڈاکٹر نے اسے ایک چادر میں لپیٹ کر دوسری چارپائی پر رکھ دیا۔

تقریباً گھنٹے بھر بعد ابانا ہوش میں آ گئی اسے ہوش میں آتے دیکھ کر ڈاکٹر اس کے قریب آ گیا۔

''تم اسی طرح چت لیٹی رہو گی۔ ہلنے جلنے کی کوشش نہیں کرو گی۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''پانی...... پانی......'' ابانا نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''ابھی کل تک تمہیں پانی نہیں ملے گا۔ضبط اور ہمت سے کام لو۔'' ڈاکٹر نے اس کو رخسار تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔ابانا اسے بے بسی سے دیکھنے لگی پھر اس نے بمشکل اپنے بچے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

''وہ وہاں ادھر رکھا ہے۔دوسری چارپائی پر۔'' ڈاکٹر نے قریب پڑی ہوئی چارپائی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بتایا۔

''مجھے دکھاؤ! مجھے دکھاؤ!'' ابانا کی آواز میں اضطراب تھا۔

ڈاکٹر فرقان کو مجبوراً ریچھ کا بچہ ابانا کو دیکھانا پڑا۔ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ ریچھ کے بچے کو دیکھ کر ابانا کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔حالانکہ ڈاکٹر متوقع تھا کہ ابانا بچے کو دیکھ کر چیخ پڑے گی۔

''کیا یہ تمہارے لیے خلاف توقع نہیں ہے؟'' ڈاکٹر نے حیرت پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں......'' ابانا نے صرف ایک لفظ ادا کیا اور خاموش ہو گئی۔

پھر جیسے وہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے بڑبڑائی۔

''اب بابا سے انتقام لینا میرے لیے آسان ہو جائے گا۔''

OOO

چند دن کے مختصر سے عرصے میں ابانا کے بطن سے پیدا ہونے والے ریچھ کے بچے نے حیرت انگیز طور پر غیر معمولی جسامت اختیار کر لی تھی اور ڈاکٹر فرقان یہ دیکھ کر سخت حیران تھا کہ وہ ریچھ کا بچہ اسے بھرپور جوان ریچھ نظر آ رہا تھا۔اس عرصے میں ابانا اور وہ ریچھ کا بچہ اکثر غائب رہے تھے۔اس سے پہلے ڈاکٹر فرقان خود یہ دیکھ چکا تھا کہ ابانا نے بھیڑیئے کے بچوں کو دودھ پلایا تھا۔ممکن ہے کہ ریچھ کے بچے نے بھی اسی کا دودھ پیا ہو مگر فرقان یہ منظر نہ دیکھ پایا تھا۔ کیونکہ بچہ پیدا ہونے کے تقریباً ایک ہی گھنٹے بعد ابانا قطعی طور پر اس طرح صحت یاب نظر آنے لگی تھی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔اس دوران ڈاکٹر فرقان اس کے قریب رہا تھا۔اسے اندازہ تھا کہ ابانا کسی بھی طرح ایک ہفتے سے قبل بستر سے اٹھنے کے قابل نہ ہو سکے گی۔مگر ایک گھنٹہ بعد ہی وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ ابانا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اس پر ڈاکٹر نے اپنے تعجب کا اظہار بھی کیا تھا پھر جب وہ ریچھ کے بچے کو اپنے ہمراہ لے کر کہیں جانے لگی تھی تو فرقان کے استفسار پر ابانا نے اسے بتایا تھا کہ وہ نصف شب سے پہلے پہلے لوٹ آئے گی وہ کہاں جھا رہی تھی؟ اور اس کے جانے کا مقصد کیا تھا؟ یہ اس نے دریافت کرنے کے باوجود بھی نہیں بتایا تھا۔آج بھی اندھیرا پھیلتے ہی ابانا ریچھ کے بچے کو لے کر غائب ہو گئی تھی۔ابانا کی پراسرار حرکات وسکنات ڈاکٹر فرقان کی سمجھ سے باہر تھیں۔وہ ان باتوں پر جتنا بھی غور کرتا اس کا ذہن الجھتا جاتا۔کئی بار اسے ابانا کا وہ فقرہ بھی یاد آیا کہ اب وہ شیطان صفت بوڑھے سے باآسانی انتقام لے سکے گی۔ریچھ کے بچے کی پیدائش سے انتقام کا کیا تعلق تھا وہ نہیں سمجھ پایا تھا۔اسی ادھیڑبن میں نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔وہ آرام کرسی پر نیم درازی سو گیا تھا۔لیکن ظاہر ہے کہ وہ بستر پر لیٹ کر سونے کے ارادے سے مسہری پر دراز نہیں ہوا تھا۔اس لیے اس کی نیند گہری نہیں تھی۔سوتے سوتے کسی غراہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔اس نے آنکھ کھلتے ہی بھیانک منظر دیکھا وہ اس کی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لیے کافی تھا۔وہ بغیر پلک جھپکائے حیرت سے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔غالباً وہ اپنے ذہن کو یہ باور کرانے میں ناکام رہا تھا کہ وہ بیدار ہو چکا ہے۔وہ اسے کوئی ڈراؤنا خواب سمجھ رہا تھا۔مگر کب تک؟ آخر اسے حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔کمرے میں ابانا اور وہ ریچھ کا بچہ دونوں موجود تھے۔مگر ان دونوں کے علاوہ بھی وہاں کوئی تھا۔وہ جس کی لاش کے ٹکڑے کمرے کے فرش پر بکھرے ہوئے تھے

۔اور ریچھ کا بچہ غرا غرا کران پر جھپٹ رہا تھا۔ ابانا کا چہرہ اسے انتہائی بھیانک اور مکروہ نظر آرہا تھا۔ اس کے لب ورخسار پر گاڑھا گاڑھا تازہ خون لگا ہوا تھا۔ غالبًا اس نے اپنے خون کی پیاس بجھا کر لاش کو ریچھ کے بچے کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا جو اب اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد اپنے حلق سے نیچے اتار رہا تھا۔ ڈاکٹر فرقان نے اپنی تمام زندگی میں درندگی کا اتنا بھرپور تماشا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک دم گم سم سا ہوکر رہ گیا تھا۔ غالبًا اب ابانا بھی فرقان کے بیدار ہونے سے واقف ہوچکی تھی۔

''ڈاکٹر اگر یہ منظر تمہیں خوفزدہ کررہا ہو تو تم دوسرے کمرے میں جا سکتے ہو۔'' ابانا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ڈاکٹر فرقان اس کا جملہ سن کر ایک دم اپنی جگہ سے اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کے جسم کا کوئی حصہ بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو۔ اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کوئی بھیانک خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

''ابانا!'' ڈاکٹر فرقان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس ایک لفظ کی ادائیگی میں سب کچھ تھا۔ حیرت واستعجاب بھی غصہ خفگی بھی جواب طلبی اور احتجاج بھی۔

''میں اس وقت تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔'' اس سے پہلے کہ ڈاکٹر فرقان کچھ اور کہتا ابانا کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ ''اس لیے بہتر ہے کہ تم خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔''

''مگر...... مگر...... میں اب یہ سب برداشت نہیں کرسکتا۔'' ڈاکٹر فرقان نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے ہوتے ہوئے اب یہ خونی کھیل نہیں کھیل سکتیں۔ ہرگز نہیں میں تمہیں یہ سب کچھ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔''

''تم سے کہا بھی کس نے ہے کہ تم یہ سب برداشت کرو۔ بتاؤ کیا میں نے تمہیں اس پر مجبور کیا ہے۔'' ابانا کے لہجے میں روکھا پن تھا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی انسانوں کے ساتھ یہ سلوک انتہائی بہیمانہ ہے۔'' ڈاکٹر فرقان چیخا۔

''میں تمہارے جذبات کا احترام کرتی ہوں۔ تم واقعی انسانوں کے دکھ کو مجھ سے زیادہ محسوس کرسکتے ہو۔ مگر یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میرا کوئی تعلق انسانوں سے نہیں ہے۔'' ابانا نرم لہجے میں بولی۔

''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم بے گناہ انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگو۔'' ڈاکٹر فرقان طیش کے عالم میں بولا۔

''میں اپنے اور اپنے بچے کی زندگی اور بقا کے لیے جو ضروری سمجھتی ہوں وہ کروں گی جس طرح انسانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے وہ بے گناہ اور بے زبان جانوروں کا قتل عام کریں اس طرح ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی بچانے کے لیے جو ممکن

ہو کریں۔ تمہیں اصولاً اس سلسلے میں معترض نہیں ہونا چاہئے۔'' ابانا نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ ضرور ہے کہ میں تمہیں کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دوں گی۔ یہ کسی انسان کا وعدہ نہیں ہے جو وہ پورا نہ کرسکے۔'' ابانا کے لہجے میں چبھن ڈاکٹر فرقان نے محسوس کی۔

ریچھ کا بچہ اس دوران لاش کا بیشتر حصہ ٹھکانے لگا چکا تھا۔ اب اس کے کریہہ اور بالوں بھرے ہاتھ میں لاش کا سر تھا جسے وہ اپنے دانتوں سے نوچ رہا تھا یہ منظر ڈاکٹر فرقان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔

''جب تم اپنے اس بھیانک کھیل سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آجانا۔ مجھے تم سے آج کچھ فیصلہ کن باتیں کرنی ہیں۔ وہ دوسرے کمرے کا دروازہ عبور کرتے ہوئے بولا۔

''بہتر یہی تھا کہ آرام کی نیند سو جاتے بہر حال اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں ضرور آؤں گی۔'' ابانا نے اس آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا جس پر چند لمحے قبل ڈاکٹر فرقان بیٹھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر فرقان دوسرے کمرے میں پہنچ کر نڈھال سا بستر پر جا گرا۔ کچھ دیر قبل دیکھا ہوا بھیانک منظر اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا اور دہشت وخوف کے سبب اس کا جسم نمایاں طور پر کانپ رہا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ ابانا ریچھ کے بچے کو آدم خور بنا دے گی۔ ریچھ کے بچے کا آدم خور ہونا خود اس کی زندگی کے لیے خطرناک تھا۔ وہ خود ڈاکٹر فرقان پر بھی حملہ آور ہوسکتا تھا ۔اور یہ ایک انتہائی سنگین صورتحال تھی۔ وہ اس سلسلے میں ابانا سے صاف صاف اور دوٹوک بات کرنا چاہتا تھا وہ اپنے ساتھ ریچھ کے آدم خور بچے کو کسی طرح رکھنے پر آمادہ نہیں تھا۔

☆......☆

کامران کی کار شاداب پور کی حدود میں داخل ہوئی تو اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں ابانا سلیمہ اور ڈاکٹر فرقان اسے واقعی مل گئے تو وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور اس صورت میں جبکہ وہ چھٹی پر ہے اور یہ کیس بھی اس سے لے لیا گیا ہے وہ ان لوگوں کے خلاف کیا کارروائی کرسکتا ہے۔ اس کا شناختی کارڈ اس کے کوٹ کی جیب میں تھا اور کچھ نہیں تو وہ مقامی پولیس سے مدد حاصل کرکے کم ازکم ان لوگوں کو وقتی طور پر زیر حراست تو کر ہی سکتا تھا اس کے بعد وہ افضال حسین کو فون پر اس کی اطلاع دے سکتا تھا کہ اس نے مجرموں کو گرفتار کرلیا ہے۔ اسی طرح اسے کچھ فائدہ ہوتا یا نہیں؟ اس سے قطع نظر کہ اس کا حریف افضال حسین کامیاب ہو جاتا یہ تو ہو جاتا کہ مجرم گرفتار ہو جاتے۔ ان لوگوں کے خلاف اس کے پاس بہت سے ثبوت تھے۔ جن کے بارے میں وہ اپنی گزشتہ رپورٹوں میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکا تھا۔ اور وہ تمام ریکارڈ اب اس سے کیس لے لیے جانے کے بعد افضال حسین کے پاس پہنچ گیا تھا اس نے سوچا تھا کہ اگر ڈاکٹر فرقان وغیرہ اس کے ہاتھ لگ گئے تو وہ مقامی پولیس حکام کو اپنا شناختی کارڈ دکھا کر انہیں گرفتار کرالے گا۔ اور اگر اسی سلسلے میں پولیس کی مدد درکار ہوئی تو وہ بھی اسے بآسانی دستیاب ہو جائے گی۔ کیونکہ

وہ کوئی معمولی حیثیت کا شخص بہ حال نہیں تھا۔ ایک تجویز اس کے ذہن میں یہ تھی کہ وہ بجائے افضال حسین سے رابطہ قائم کرنے کے براہ راست دارالحکومت سے اس سلسلے میں گفتگو کرے گا اس طرح وہ اپنے حریف کی بالواسطہ مدد سے بھی بچ جائے گا۔ اپنے ذہن کی دوسری تجویز اسے کچھ مناسب معلوم ہوئی تھی اس طرح وہ اپنے افسران کی نظر میں بھی گرنے سے بچ جائے گا۔ کہ وہ کیس حل نہ کر سکا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دوسری تجویز ہی پر عمل کرے گا افضال حسین گزشتہ دن اس کے ساتھ جس طرح پیش آیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے اسے یہ کچھ اچھا نہ لگا کہ وہ اس کی شہرت وعزت میں اضافے کا سبب بنے۔ اگر افضال حسین اس کے کہنے کے مطابق صبح نو کے کرائم رپورٹر عثمانی کو رہا نہ کرتا تو ممکن تھا کہ وہ یہی کرتا کہ مجرموں کو گرفتار کرنے کے بعد انہیں افضال حسین ہی کے حوالے کر دیتا۔ ہر چند کہ وہ اس کا حریف تھا لیکن کامران بہر حال اس قدر بے ضمیر نہیں تھا کہ اپنی توہین کے باوجود افضال حسین کی مدد کرتا۔

کامران کے لیے یہ قصبہ قطعی نیا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر فرقان اور ابانا وغیرہ کی تلاش کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ پولیس کی مدد حاصل کرے اسی لیے وہ اب پولیس تھانے کی تلاش میں تھا۔ اسی چھوٹی سی آبادی میں پولیس تھانہ تلاش کرنا کوئی ایسا مشکل نہیں تھا۔ ایک آدھ راہگیر سے پوچھتا پاچھتا وہ پولیس تھانے کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اپنی کار تھانے کے سامنے ایک طرف دیوار کے سہارے کھڑی کی اور کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ تھانے کے دروازے پر اسے دروازے پر کھڑے ہوئے ایک سپاہی نے روکنا چاہا مگر وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ابے او! میں نے تجھ سے رکنے کو بولا تھا۔'' سپاہی بدتمیزی سے چیختا ہوا اس کی طرف لپکا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے قریب پہنچ پاتا کامران سامنے نظر آنے والے برآمدے میں داخل ہو چکا تھا جس کے سامنے ہی ایک کمرے پر چق پڑی تھی۔ کامران نے اندازہ لگایا تھا کہ ایس ایچ او وہیں ہوسکتا تھا۔ غالباً کمرے میں موجود ایس ایچ او نے بھی سپاہی کی تیز آواز سن لی تھی۔ اور وہ آواز سنتے ہی چق اٹھا کر باہر نکلا تھا تاکہ حقیقت حال معلوم کر سکے۔ پھر اس سے پہلے کہ سپاہی کامران کے پاس پہنچتا اس نے ایس ایچ او کو کمرے سے نکلتے دیکھ لیا وہ کچھ فاصلے پر ہی ٹھہر گیا۔ اب ایس ایچ او کامران کے قریب پہنچ کر اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ کامران نے بغیر وقت ضائع کئے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اپنا شناختی کارڈ اس کے سامنے کر دیا کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر گھبراہٹ سی نظر آئی اور دوسرے ہی لمحے اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ دور کھڑا ہوا سپاہی انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا پھر اس سپاہی نے وہاں سے کھسکنے میں دیر نہیں کی تھی کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ آنے والا یقیناً خاص اہمیت کا حامل تھا جسے اس کے آفیسر نے سلوٹ کیا تھا اور وہ اس آنے والے مہمان کی شان میں گستاخی کر چکا تھا ظاہر ہے کہ اسے اس کی گستاخی کی سزا بھی مل سکتی تھی۔

ایس ایچ او کامران کو لئے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''تشریف رکھئے سر! میرا نام سلیم الرحمٰن ہے اور میں یہاں کا ایس ایچ او ہوں۔'' وہ کامران کے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے ایک طرف مودب کھڑا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک گھبراہٹ تھی اور غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ وہ سوچ رہا تھا کہ دارالحکومت سے اس افسر کو کہیں اس کے خلاف تحقیقات کے لیے نہ بھیجا گیا ہو اس کی نظروں میں ایسے لوگوں کے چہرے گھوم رہے تھے۔ جن سے اس نے ماضی قریب میں رشوتیں لی تھیں۔ کامران سے بھی اس کی خوف وگھبراہٹ چھپی نہ رہ سکی۔

''میں یہاں چند مجرموں کی تلاش میں آیا ہوں۔'' کامران نے بات صاف کر دی۔ اور سلیم الرحمان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اب اس کے چہرے سے خوف اور گھبراہٹ کے سائے چھٹنا شروع ہو گئے تھے۔

''میں اس سلسلے میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گا۔'' سلیم الرحمان نے ٹھوس آواز میں کہا۔

''پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اس قصبے سے فرار ہونے کے کتنے راستے ہیں۔'' کامران نے پہلا سوال کیا۔

''تین......'' سلیم الرحمان نے جواب دیا۔ ''چوتھی سمت پہاڑیاں ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں کہ فوری طور پر تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جائے تاکہ اگر مجرم یہاں موجود ہوں تو راہ فرار اختیار نہ کر سکیں۔'' کامران نے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے اندر اندر قصبے سے باہر جانے والے راستوں کی مکمل ناکہ بندی کر دی گئی۔ پولیس کو ڈاکٹر فرقان، ابانا اور سلیمہ کے حلیوں سے آگاہ کیا جا چکا تھا۔ آبادی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ ایک مرد اور دو عورتوں کو جو مقامی نہ ہوں تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں تھا۔ شام تک کامران اس مکان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس میں اس دن صبح تک وہ لوگ موجود تھے۔ وہ مکان ایک مقامی شخص کا تھا۔ جس نے معقول کرائے پر ڈاکٹر فرقان کو مکان دیا تھا۔ اور اس سے تین ماہ کی پیشگی کرایہ بھی وصول کر چکا تھا۔ کامران جب وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ مکان کے تمام دروازے کھلے پڑے ہیں۔ اور مکان کے اندر کوئی موجود نہیں۔ مالک مکان نے بتایا کہ وہ لوگ مکان خالی کرنے سے پہلے اس سے نہیں ملے تھے۔ اور کل شام تک اس نے ان لوگوں کو مکان میں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ یا تو رات کے کسی حصے میں یہاں سے فرار ہو گئے یا صبح ہوتے ہی یہاں سے چل دیئے۔ کافی تلاش وجستجو کے بعد کامران ایک گڈریے سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکا کہ علی الصبح اس نے مذکورہ حلیے کے شخص کو ایک عورت کے ہمراہ کار میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تھا۔ لیکن اسے اپنے اس بیان پر پورا یقین تھا کہ اس نے اس فرار ہونے والے شخص کے ساتھ صرف ایک عورت کو دیکھا تھا کامران اس کا بیان سن کر الجھ گیا گڈریے نے عورت کا جو حلیہ اور خدوخال بیان کئے تھے وہ ابانا کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اگر ڈاکٹر فرقان کے ہمراہ صرف ابانا فرار ہوئی تھی تو سلیمہ کہاں گئی؟ یہ سوال اس کے لیے پریشان کن تھا جس مکان میں ڈاکٹر فرقان رہا تھا وہاں سے بھی اسے کوئی کام کی

چیز دستیاب نہ ہو سکی تھی۔ کامران ایک بار پر اندھیرے میں تھا۔ گڈریے نے اس کار کو قصبے کے اندر دیکھا تھا۔ جب وہ اپنے مویشی چرانے گھر سے نکلا تھا۔ اس لیے یہ اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ قصبے سے نکل کر ان لوگوں نے کس سمت سفر کیا ہوگا؟ مگر کامران اس مایوسی کے بعد بھی ڈاکٹر فرقان کا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے قریبی تمام قصبوں ہی میں وہ ان لوگوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے سوچا کہ اب چونکہ رات ہو چکی ہے اس لیے صبح ہوتے ہی سفر کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیے وہ رات اس نے شاداب پور ہی میں گزار دی۔ وہ وہاں ایس ایچ او کا مہمان تھا۔ جو اس کی خدمت بجالانے کے لیے فرش راہ بنا ہوا تھا۔

صبح اٹھتے ہی کامران نے سلیم الرحمان سے قریبی قصبوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ جن سے پتہ چلا کہ یہاں سے قریب صرف دو قصبے ہیں قائم آباد اور حویلی صاحب جی اس کے بعد تقریباً دو سو میل تک کوئی آبادی نہیں کیونکہ یہ علاقہ صرف چھوٹی بڑی پہاڑیوں پر مشتمل ہے۔ کامران کا کام خلاف توقع بہت آسان ہو گیا تھا۔ دو قصبوں کو دو دن میں بآسانی نمٹایا جا سکتا تھا۔ اب وہ اپنی کار میں حویلی صاحب جی کی طرف جا رہا تھا۔

ابھی اس نے چند میل کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ اسے محسوس ہوا کہ کار میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔ یہ احساس اسے بس اچانک ہی ہوا تھا۔ اسے اس کی چھٹی حس بھی کہا جا سکتا تھا۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں کا دباؤ بریکوں پر بڑھ گیا اور اچانک کار بیچ سڑک پر رک گئی۔

''میں اگر چاہتا کہ تم میرے وجود سے باخبر نہ ہو سکو تو یہ میرے لیے ممکن تھا مگر میری ہی مرضی تھی کہ تم کار میں میری موجودگی سے آگاہ ہو جاؤ۔'' کار رکتے ہی ایک آشنا آواز کامران کی سماعت سے ٹکرائی اور وہ بغیر مڑے یہ سمجھ گیا کہ اس کے علاوہ کار میں شیطان صفت بوڑھا بھی موجود ہے۔ وہی منحوس اور ذلیل بوڑھا جس نے خود کامران کو اس کی نظروں سے گرا دیا تھا۔ کامران کی رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا اور غصے کے سبب اس کی دونوں مٹھیاں بھنچ گئیں۔ وہ طیش کے عالم میں پلٹا اس دوران وہ اپنے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال چکا تھا اس نے پلٹتے ہی بوڑھے کی کھوپڑی کا نشانہ لیا۔

''نہیں...... نہیں...... میں اس وقت تم سے لڑنے نہیں آیا اور اپنا یہ کھلونا واپس جیب میں رکھ لو کیونکہ یہ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ پائے گا۔'' بوڑھے نے نہایت پرسکون آواز میں کہا۔

کامران اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے چلا کر کہا۔ میں تجھے جہنم میں پہنچا کر دم لوں گا۔ ذلیل بوڑھے۔'' اور یہ جملہ کہتے ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔

☆......☆

کامران کافی دیر سے افضال حسین سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاداب پور کا ایس ایچ او سلیم الرحمٰن اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ آخر وہ رابطہ قائم کرنے میں

کامیاب ہو ہی گیا۔

''ہیلو افضال حسین اسپیکنگ!'' دوسری طرف سے گونجدار آواز سنائی دی۔

''میں کامران بول رہا ہوں۔ شاداب پور سے یہ ایک پہاڑی قصبہ ہے جہاں تک تم ایک ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کر کے آ سکتے ہو۔'' کامران نے کہا پھر ایک لمحے رک کر بولا۔ ''یہاں آنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا کیونکہ اس کیس میں ملوث ایک ہستی کی لاش تمہاری منتظر ہے۔ غالباً تم کیس کی فائل کا مطالعہ کر چکے ہو گے۔ اور سلیمہ نامی لڑکی بھی تمہارے ذہن میں ہوگی۔ یہ وہی سلیمہ ہے جس نے ڈاکٹر فرقان سے شادی کی تھی۔ میرے اندازے اور تحقیق کے مطابق ڈاکٹر فرقان ابانا اور سلیمہ کو اس قصبے میں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ لوگ یہاں سے فرار ہو چکے ہیں۔ پھر جن حالات میں مجھے سلیمہ کی لاش ملی وہ میں تمہیں زبانی ہی بتا سکوں گا۔''

دوسری طرف سے ٹیلیفون پر کچھ کہا گیا جسے سن کر کامران کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نظر آئے۔

''ٹھیک ہے میں یہاں تمہارا منتظر ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ ''احمق کہیں کا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''جی کچھ مجھ سے کہا۔'' قریب کھڑے ہوئے سلیم الرحمان نے چونک کر اس سے کہا۔

''نہیں......'' کامران سلیم الرحمٰن کی حماقت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر وہ آرام کرسی میں گر کر گذرے ہوئے حالات پر غور کرنے لگا۔

جب وہ حویلی صاحب جی کی طرف جا رہا تھا تو پراسرار طور پر اس کی کار میں شیطان صفت بوڑھا نہ جانے کہاں سے آدھمکا تھا۔ اور بوڑھے کو خود سے اس قدر نزدیک دیکھ کر وہ اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اس نے ریوالور نکال کر بوڑھے پر فائر جھونک مارا تھا مگر ریوالور کی گولی بوڑھے کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی۔ گولی اس کے ماتھے میں اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ جیسے کوئی کنکر پانی میں کود پڑے اور بوڑھا اپنی جگہ بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے کسی طرح کامران کے غصے کو یہ بتا کر ٹھنڈا کر دیا تھا کہ وہ ابانا کے خلاف اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ کامران کی سمجھ میں پہلے پہل کچھ بھی نہ آیا تھا کہ بوڑھا ایک دم کس طرح ابانا کے خلاف ہو گیا۔ بوڑھے نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی تھی۔ کامران نے چند لمحے سوچا تھا اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ دو پراسرار قوتوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ پھر بوڑھے نے اسے بتایا تھا کہ ڈاکٹر فرقان اور ابانا، سلیمہ کو موت کے گھاٹ اتار کر یہاں سے فرار ہو گئے ہیں اور اب وہ ایک اور قصبے قائم آباد میں موجود ہیں۔ اس بات کی صداقت کے لیے اس نے کامران کو اس جگہ کا پتہ بھی بتا دیا تھا۔ جہاں سلیمہ کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بوڑھا یہ کہہ کر غائب ہو گیا تھا کہ جب ضرورت ہوئی وہ ڈاکٹر اور ابانا کے خلاف اس کی مدد کرنے پہنچ جائے گا۔ کامران نے ان حالات کو جاننے کے بعد پہلا قدم یہ اٹھایا کہ بوڑھے کی بتائی ہوئی جگہ سے سلیمہ کی لاش برآمد کر لی۔ اس سلسلے میں اس

نے مقامی پولیس کی مدد حاصل کی تھی۔ اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ وہ افضال حسین کے سپرد یہ لاش کرنے کے بعد ڈاکٹر فرقان اور ابانا کی تلاش میں قائم آباد روانہ ہو جائے گا۔ اس نے پروگرام کے مطابق افضال حسین کو سلیمہ کی لاش سے مطلع کر دیا تھا۔ اور وہ اس کا منتظر تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد افضال حسین وہاں پہنچ گیا اس کے ہمراہ اس کے دونوں ماتحت بھی تھے لاش تھانے ہی میں رکھی ہوئی تھی۔

''پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس لاش کا پوسٹ مارٹم کرایا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ سلیمہ کی شناخت کرانے کے لیے اس کے والدین سے رابطہ کیا جائے۔ اس کے بعد ڈاکٹر فرقان کے خلاف کیس قائم کیا جائے۔'' اس نے افضال حسین کو مشورہ دیا۔

''مجھے کیا کرنا ہے یہ میں بخوبی جانتا ہوں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اس لاش کو لے کر دارالحکومت روانہ ہو جاؤں۔ اور وہیں اس کا پوسٹ مارٹم بھی کرایا جائے۔ سلیمہ کے والدین بھی، کیونکہ وہیں ہیں اس لیے ان سے رابطہ قائم کرنا بھی دشوار نہیں ہوگا اور تم میرے ہمراہ چلو گے۔ میں تمہارا بیان دارالحکومت پہنچ کر ہی لوں گا۔'' افضال حسین نے اپنے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کامران کو گھورا۔

''لیکن میں تمہارے ہمراہ جانے پر آمادہ نہیں ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں چھٹی پر ہوں تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔'' کامران نے برہمی سے کہا۔

''تم چھٹیاں اسی طرح گزار رہے ہو؟ کیوں؟'' افضال حسین چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم چاہتے ہو کہ یہ کیس میں نمٹا نہ سکوں اس لیے تم اس کیس میں مداخلت کر رہے ہو۔ تاکہ یہ اور بھی الجھ جائے۔''

''تم ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کر رہے ہو افضال!'' کامران پھنکارا۔

''اس صورت میں جب کہ تم چھٹی پر ہو تمہاری سرکاری قیمت کچھ بھی نہیں ہے۔ تم میرے لیے ایک معمولی آدمی ہو جس نے ایک کیس میں ملوث لڑکی کی لاش دریافت کی ہے۔ ان حالات میں مجھے پورا حق حاصل ہے کہ میں تم سے مکمل پوچھ گچھ کروں اور جب مطمئن ہو جاؤں تو تمہیں جانے کی اجازت دوں۔'' افضال حسین نے کامران کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

''تم میرا بیان یہاں بھی لے سکتے ہو۔'' کامران نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ جانے سے انکار کیا تو میں تمہارے خلاف بھی کوئی قدم اٹھانے پر مجبور ہو سکتا ہوں۔'' افضال حسین ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''تم بے کار میرا اور اپنا وقت ضائع کر رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ اس کے لیے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔'' کامران نے زچ ہو کر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ افضال حسین اپنی حماقت سے باز نہیں آئے گا۔ اور وہ اسے دارالحکومت لے جائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ افضال حسین کیونکہ اس وقت با

اختیار تھا اس لیے بہر حال کامران کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی تھے۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ افضال حسین کو یہاں بلا کر اُس نے حماقت ہی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ براہ راست دارالحکومت سے رابطہ قائم کر کے کچھ خصوصی اختیارات حاصل کر لیتا اور اپنے افسران کو اس بات پر آمادہ کر لیتا کہ وہ بھی خفیہ طور پر اسی کیس پر کام کرنا چاہتا ہے تو یہ نوبت نہ آ پاتی۔ موجودہ صورت حال میں ایک بڑی الجھن اس کے سامنے یہ تھی کہ اگر اس عرصے میں ڈاکٹر فرقان اور ابانا قائم آباد سے بھی کہیں اور غائب ہو گئے تو بہت برا ہوگا۔ ان تمام حالات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد اس نے یہ بھی سوچا کہ افضال حسین کو ڈاکٹر اور ابانا کے بارے میں بتا دے مگر اس نے افضال حسین کے جارحانہ رویے کو دیکھتے ہوئے اتنی اہم اطلاع اسے دینے سے گریز کیا۔ ممکن تھا کہ وہ کامیاب نہ ہو سکتا یا معاملہ بگاڑ دیتا اچانک اُس کے ذہن میں ایک خیال اور آیا۔ اس طرف اُس نے اب تک کوئی توجہ ہی نہ دی تھی۔ صبح نو کے رپورٹر عثمانی کے پاس اب تک ان تصاویر کے نیگیٹیو تھے جن کے ذریعے وہ کبھی اسے بلیک میل کر سکتا تھا۔ اس سے وہ نیگیٹیو حاصل کرنا بے حد ضروری تھا۔ عثمانی اب رہا ہو کر سکون سے زندگی گزار رہا تھا۔ عثمانی بھی دارالحکومت میں تھا اور افضال حسین اسے یہاں سے دارالحکومت لے جانا چاہتا تھا لگے ہاتھوں عثمانی ہی سے کیوں نہ نمٹ لیا جائے۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

''کیا ٹھیک ہے؟'' افضال حسین نے اسے بڑبڑاتے دیکھ کر سختی سے پوچھا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ دارالحکومت چلنے پر آمادہ ہوں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور اس کی مسکراہٹ نے افضال حسین کو الجھن میں ڈال دیا۔ وہ کامران سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے آج تک افضال حسین کے سامنے اس آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ اب افضال حسین سوچنے لگا کہ آیا اسے اپنے ہمراہ لے بھی جائے یا نہیں۔''

''تم اب کیوں جانے پر ایک دم آمادہ ہو گئے۔'' افضال حسین نے الجھے ہوئے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''تم بھی عجیب آدمی ہو پہلے میں جانے پر آمادہ نہیں تھا تو تم مجھے دھمکیاں دے رہے تھے۔ اور اب میں تیار ہو گیا ہوں تو اوندھے سیدھے سوال کرنے لگ گئے۔'' کامران نے خشکی کا مظاہرہ کیا۔

اس گفتگو کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد افضال حسین اس کے دونوں ماتحت اور کامران، سلیمہ کی لاش لیے ہوئے دارالحکومت جانے والی سڑک پر تیزی سے دوڑے جا رہے تھے۔ افضال حسین ایک پولیس وین اپنے ساتھ لایا تھا جس کے پچھلے حصے میں سلیمہ کی لاش رکھ دی گئی۔ کامران اپنی کار ہی میں سفر کر رہا تھا۔

OOO

کامران نے دارالحکومت پہنچ کر بہت جلد افضال حسین سے اپنی جان چھڑا لی لیکن شریف

عثمانی کو نہ جانے کس طرح سلیمہ کی لاش کے بارے میں معلوم ہوگیا اور وہ موقع واردات پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے اخبار کے لئے سلیمہ کی لاش کی کئی تصویریں بھی اتاریں۔ کامران نے اسے وہاں دیکھ کر چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اور کچھ دیر بعد ہی وہاں سے رخصت ہوگیا۔ عثمانی کے بارے میں کامران کو علم تھا کہ اس نے اپنی رہائش گاہ کے علاوہ بھی شہر میں ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے۔ جہاں اس نے اپنا اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی وہ تصویریں جن کی اسے تلاش تھی انہی اسٹوڈیو میں ہونی چاہئے۔ کامران کا ارادہ تھا کہ وہ آج ہی اس کام سے فارغ ہو جائیگا تا کہ دوسرے دن صبح ہوتے ہی وہ قائم آباد کے لیے روانہ ہو سکے۔

جب رات نصف سے زیادہ گزر چکی تو کامران اپنے گھر سے نکلا۔ اس نے اپنے جسم پر سیاہ سوٹ پہن لیا تھا۔ اور اس کے پاؤں میں ربر کے جوتے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ آج ہر قیمت پر عثمانی کے فلیٹ میں داخل ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ضروری سامان وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ راستے دور دور تک سنسنان ہو رہے تھے۔ نہ جانے کس طرح اس کا ذہن بھٹکتا ہوا افضال حسین کی جانب منتقل ہوگیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر نمودار ہوگئی۔ اس نے افضال حسین کو بڑی آسانی سے بے وقوف بنا دیا تھا۔ اس نے افضال حسین کو بتایا تھا کہ اسے کچھ ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر فرقان، ابانا اور سلیمہ شاداب پور کی طرف فرار ہوئے ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی پرتجسس طبیعت سے مجبور ہو کر شاداب پور کی طرف روانہ ہوگیا وہاں اس نے ان لوگوں کو ڈھونڈنے کے لیے پولیس سے مدد حاصل کی اور جب وہ ناکام ہو کر شاداب پور سے جا رہا تھا تو راستے میں ایک جگہ ان کی گاڑی نے دھچکا کھایا۔ اور گڈھے میں پھنس گئی۔ اسی وقت اس کی نظر زمین پر پڑی تو اسے محسوس ہوا کہ زمین تازہ تازہ کھدی ہوئی ہے۔ پھر وہاں سے اس کی نظر اس مکان پر پڑی جس میں مجرم اس صبح تک رہائش پذیر تھے۔ اسے شک ہوگیا۔ اس نے گاڑی واپس موڑی اور دوبارہ ایس ایچ او سلیم الرحمٰن اور کچھ پولیس والوں کو ساتھ لے کر وہاں جا پہنچا۔ وہ اس جگہ کو کھدوا کر اپنا شک دور کرنا چاہتا تھا۔ پولیس والوں نے اس جگہ کی کھدوائی کی تو وہاں سے سلیمہ کی لاش برآمد ہوئی۔ اس کے بعد اس نے افضال حسین سے رابطہ قائم کر لیا وہ اس پورے بیان میں سے خبیث بوڑھا کے ذکر کو سرے سے غائب کر گیا تھا۔ کامران انہیں خیالوں میں غرق اپنی مطلوبہ جگہ تک پہنچ گیا اس نے کار کو ایک نیم تاریک گلی میں کھڑا کیا اور وہاں سے پیدل ہی عثمانی کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

عثمانی کا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کامران اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھا کچھ دیر بعد ہی وہ فلیٹ کے تالے پر جھکا ہوا تھا۔ چند ہی لمحوں میں ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ تالا کھل گیا کامران نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر جیسے ہی اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی وہ اچھل پڑا۔

''مجھے یقین تھا مسٹر کامران کہ آج رات آپ غریب خانے تک آنے کی زحمت گوارا ضرور کریں گے۔'' شریف عثمانی کی چبھتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

''تم ذلیل بلیک میلر!'' کامران نے خود پر قابو پاتے ہوئے غصے سے کہا۔

''میں آپ سے صرف اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں مسٹر کامران کہ اتنی رات گئے چوروں کی طرح ایک باعزت شہری کے مکان میں ناجائز طور پر داخل ہونا کس قانون کا احترام ہے۔'' عثمانی کی آواز میں بدستور طنز موجود تھا اسی کے ساتھ کمرہ ایک دم روشن ہوگیا کامران نے دیکھا کہ عثمانی سوئچ کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ اور عثمانی ہی کے قریب افضال حسین کھڑا کامران کو تیز اور چبھتی ہوئی نظروں سے گھور رہا تھا۔

OOO

کامران کی نظر جیسے ہی افضال حسین پر پڑی وہ زور سے چونک پڑا۔ چند لمحے کے لیے وہ گم سم سا ہو کر رہ گیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں اس کی ملاقات نہ صرف شریف عثمانی سے ہو جائے گی بلکہ افضال حسین بھی اس کا منتظر ہوگا۔ شریف عثمانی اس کی توقع سے زیادہ ذہین اور چالاک ثابت ہوا تھا۔ یقیناً وہ اسی بات کا متوقع رہا ہوگا کہ کامران اس کے اسٹوڈیو سے ان تصویروں کے نیگیٹیو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جن سے وہ آئندہ کامران کو بلیک میل کر سکے۔

''کامران!'' وہ افضال حسین کی آواز سن کر اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آگیا۔ افضال حسین اسے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ''اتنی رات گئے شریف اور باعزت شہری کے گھر کا تالہ توڑ کر اندر داخل ہونا سراسر قانون کو ہاتھ میں لینا اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے تمہیں اس حرکت کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔''

کامران اس دوران اپنے اوپر قابو پا چکا تھا۔

''تمہاری گیدڑ بھبکیاں میرے اوپر کوئی اثر نہیں کریں گی افضال حسین۔'' کامران نے سنبھل کر کہا۔ ''یہ مت بھولو کہ محکمے میں میری حیثیت تم سے زیادہ ہے میں سمجھ چکا ہوں کہ تم اس بلیک میلر کے ساتھ مل کر میرے خلاف کوئی خطرناک منصوبہ بنا رہے ہو۔ لیکن میں تمہارے سارے منصوبوں کو خاک میں ملانے کا حوصلہ اور ہمت رکھتا ہوں۔''

''بکومت!'' افضال حسین حلق کے بل چیخا۔ ''اب میرے پاس تمہارے خلاف واضح ثبوت اکٹھے ہو چکے ہیں۔'' افضال حسین نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا ایک لفافہ لہراتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملزمہ ابانا کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کئے۔ اس کے علاوہ تم کچھ بری اور انتہائی غلیظ وارداتوں میں بھی ملوث تھے۔ ایک بوڑھے شخص کے ساتھ تمہاری قابل اعتراض تصویریں میں نے حاصل کر لی ہیں۔ وہ تمام تصویریں اور ان کے نیگیٹیو اب میرے قبضے میں ہیں تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ یہ شریف آدمی تمہیں بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ شخص مجھے وہ تصویریں اور نیگیٹیو ہرگز نہ دیتا میں اس معاملے کو یوں نہیں چھوڑوں گا۔ اسے اوپر تک لے جاؤں گا تا کہ آئندہ کسی سرکاری افسر کو اس بات کی جسارت نہ ہو کہ وہ اپنے اختیارات سے

ناجائز فائدہ اٹھا سکے۔اور......''

مگر...... افضال حسین کی بات ادھوری ہی رہ گئی اور وہ ارے ارے کرتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ کامران نے بس اچانک ہی ایک ایسی حرکت کی تھی جس کے بارے میں افضال حسین اور عثمانی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کامران ایک دم کسی بلی کی طرح افضال حسین پر جھپٹا تھا۔ اور پھر اس کے ہاتھ سے تھیلا چھین کر بھاگ لیا تھا۔ اور اب وہ نیم تاریک گلی میں تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمیوں کے بھاگنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جو یقیناً عثمانی اور افضال حسین تھے۔ کامران بھی اپنے تعاقب سے واقف تھا لیکن وہ رکا نہیں تھا۔

''رک جاؤ...... رک جاؤ...... کامران! ورنہ میں فائر کر دوں گا۔'' افضال حسین بھاگتے بھاگتے چیخا تھا لیکن اس وقت تک کامران گلی کی نکڑ تک پہنچ کر غائب ہو چکا تھا۔ اور افضال حسین ابھی گلی کے وسط میں تھا پھر جب تک افضال حسین اور عثمانی سڑک پر پہنچے کامران اپنی کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر چکا تھا۔ کار زن کی آواز سے ان دونوں کے قریب سے تیزی کے ساتھ گزر گئی اور وہ دونوں کچھ فاصلے تک کار کے پیچھے دوڑتے چلے گئے اور پھر جب انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا تو ان کے قدم خود بخود رک گئے۔

☆......☆

''اب...... آ...... نا...... اب آنا...... ابانا...... ابانا'' ڈاکٹر فرقان کی سماعت سے ایک بین کرتی ہوئی آواز ٹکرائی۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ غنودہ ذہن پہلے پہل کچھ بھی نہ سمجھ پایا لیکن چند لمحے بعد اس نے محسوس کیا کہ یہ آواز اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اسی وقت اس نے ایک ہلکی سی آہٹ سنی جیسے کسی نے قریبی کمرے کا دروازہ کھولا ہو۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ ابانا برابر والے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ اٹھ کر کمرہ روشن کر دے مگر اٹھنے کے باوجود اس نے اپنے خیال کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ بستر سے اٹھ کر اب وہ پنجوں کے بل دوسرے کمرے میں جا رہا تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی لیکن کھڑکی سے چھن چھن کر چاند کی مدھم اور ٹھنڈی روشنی اس بستر پر پڑ رہی تھی۔ جو کھڑکی کے قریب دیوار کے سہارے بچھا ہوا تھا اور جس پر ڈاکٹر فرقان کے خیال کے مطابق ابانا کو ہونا چاہئے تھا لیکن ڈاکٹر یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ بستر خالی تھا اور ساتھ ہی اس کی نظر کمرے کے دروازے کی طرف اٹھی دروازہ کھلا ہوا تھا اور ابانا غائب تھی وہ بین کرتی ہوئی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اچانک فرقان کے قدم دروازے کی طرف اٹھے۔ وہ ننگے پاؤں ہی دروازہ عبور کر کے برآمدے تک پہنچ گیا۔ اور پھر اس کی نظر کچھ فاصلے پر ایک متحرک سائے پر پڑی ڈاکٹر فرقان اس سائے کے تعاقب میں لپکا لیکن کوشش کے باوجود وہ اس تک پہنچنے میں ناکام رہا۔

ابانا اس وقت کہاں جا رہی ہے۔ اس نے تو کہا تھا کہ وہ خبیث بوڑھے سے سلیمہ کا انتقام لے گی۔ تو پھر وہ بوڑھے کی پکار پر کیوں لبیک کہہ رہی ہے؟'' ڈاکٹر فرقان آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ بین کرتی ہو آواز خبیث بوڑھے ہی کی تھی۔ اور ڈاکٹر فرقان وہ آواز پہچان چکا تھا۔ اس آواز کی سمت بڑھتے ہوئے سائے کو بھی اس نے شناخت کر لیا تھا وہ یقیناً ابانا تھی...... ڈاکٹر فرقان کو اس وقت وہ رات یاد آ گئی جب پہلی بار ابانا بالکل اسی طرح بوڑھے کی بین کرتی آواز کی سمت گئی تھی۔ اور ڈاکٹر فرقان نے پہلی بار ہی وہاں شیطان بوڑھے کو دیکھا تھا۔ آج بھی ویسی ہی چاندنی رات تھی اور ماحول بھی تقریباً ویسا ہی تھا۔ کیونکہ اس قصبے کے نواح میں بھی پہاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

ڈاکٹر فرقان ابانا کا تعاقب کرتا ہوا اونچے نیچے پتھریلے راستوں پر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر فرقان کے لیے ان پتھریلے راستوں پر چلنا دوبھر ہوا جا رہا تھا لیکن اس کے باوجود وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ابانا بوڑھے سے کیا بات کرنا چاہتی ہے؟ یا بوڑھے نے ابانا کو کیوں بلایا ہے۔ یہ اس کا تجسس ہی تھا جو اسے آگے بڑھتے رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ ابانا اس سے کچھ فاصلے پر جیسے فضا میں تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ڈاکٹر فرقان کے لیے یہ حیرت انگیز نظارہ نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ یہ منظر کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ ابانا کی پراسرار قوتوں سے اچھی طرح واقف تھا۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ابانا کے قدم ایک چھوٹی سی پہاڑی کی طرف اٹھے اور اس کے نزدیک پہنچ کر وہ رک گئی۔ اس نے اب تک ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ حالانکہ ڈاکٹر فرقان جانتا تھا کہ ابانا کسی طرح اس کے تعاقب سے بے خبر نہیں ہو گی اب وہ ایک پہاڑی غار کے سامنے کھڑی تھی۔

''اب...... آ...... نا...... ابانا...... ابانا......'' شیطان صفت بوڑھے کی آواز بہت قریب سے سنائی دی۔ ڈاکٹر فرقان نے محسوس کیا کہ وہ آواز اسی غار کے دہانے سے آ رہی تھی جس کے سامنے ابانا رکی تھی۔ پھر آواز کو سنتے ہی ابانا بے دھڑک غار میں داخل ہو گئی۔

اب ڈاکٹر فرقان کے قدم بھی غار کے دہانے کی طرف اٹھ رہے تھے۔ غار کے دہانے پر پہنچ کر اس نے محسوس کیا کہ اندر یقیناً الاؤ روشن ہے جس کی روشنی کا عکس غار کے دہانے پر پڑ رہا تھا۔ وہ ہاں ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر اس کے قدم اندر کی جانب بڑھ گئے۔

غار کے اندر قدم رکھتے ہی فرقان پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے وہ بغیر پلک جھپکائے اس عجیب منظر کو دیکھ رہا تھا۔ وہی بوڑھا شیطان ابانا کی آغوش میں کسی معصوم بچے کی طرح سمٹا ہوا دودھ پی رہا تھا۔ جس سے ابانا نے انتقام لینے کا عہد کیا تھا۔ الاؤ کی روشنی میں ڈاکٹر نے دیکھا کہ بوڑھے کے جسم کے مختلف حصوں سے خون رس رہا ہے جیسے وہ شدید زخمی ہو۔

''بابا میں تجھے اس وقت تک نہیں مرنے دوں گی۔ جب تک کہ میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔'' ابانا بڑبڑائی۔ ابانا کا فقرہ سن کر جیسے بوڑھے کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر فرقان نے دیکھا کہ بوڑھے کا چہرہ انتہائی ہیبت ناک دکھائی دے رہا تھا۔

''تو جانتی ہے.....تو جانتی ہے ابانا..... میں..... میں..... اگر مر گیا تو..... تو.....'' بوڑھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''میں سب کچھ جانتی ہوں بابا سب کچھ مگر..... مگر میں سلیمہ کا معصوم چہرہ نہیں بھول سکتی۔ تو بھی جانتا ہے کہ وہ..... وہ میری محبوب ہے اور تو نے یہ جانتے بوجھتے اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔''

وہ دونوں جیسے فرقان کی موجودگی سے بے خبر ایک دوسرے سے ہم کلام تھے۔ چند لمحے غار میں خاموشی رہی۔ اور ایک بار پھر ابانا کی آواز گونجی۔

''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تو بھوک سے بلک بلک کر مر جائے گا بابا تو شاید میں نہ آتی۔ شاید میں تجھے اس طرح مر جانے دیتی مگر میں تجھے اتنی آسان موت نہیں مرنے دوں گی۔'' ابانا کی آواز میں غصہ اور نفرت تھی۔

''تو..... ابانا تو میری تخلیق ہے اور..... اور جب تک خالق موجود ہے تخلیق بھی زندہ ہے لیکن جس دن خالق ختم ہو گیا تو تخلیق بھی خود بخود موت کی آغوش میں چلی جائے گی۔ جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جا بھول جا ابانا بھول جا.....''

''میں اب تیری باتوں میں نہیں آؤں گی۔ میں تجھے اچھی طرح پہچان چکی ہوں۔ وہ تو ہی ہے جس کی خاطر میں نے ماتا کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ اور میرے سامنے میرے بچے موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ بابا میرے صبر کا امتحان نہ لے۔ یہ کہتے ہوئے ابانا کی آواز بھرا گئی۔

''تو پھر ماضی کی بھول بھلیاں میں کھو گئی جو کچھ ہوا میں اس پر نادم ہوں مگر اب..... آ پھر ہم ایک ہو جائیں۔ آ پھر ہم جنگلوں میں چلیں۔ شہر کی فضا تجھے راس نہیں آ سکی۔ اور میں بھی اب یہاں سے بیزار ہو چکا ہوں میں وہیں اپنی ساری زندگی تیرے ساتھ گزاروں گا۔ بول کیا تو راضی ہے؟''

بوڑھے نے ابانا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''نہیں.....'' ابانا کی آواز میں پختگی تھی پھر وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ''لیکن میں تجھے بھوکا مرنے نہیں دوں گی۔ اتنی آسانی موت نہیں

ڈاکٹر فرقان نے اپنے بالکل قریب کسی کی آہٹ محسوس کی اس کے کان سے کسی کی گرم سانس ٹکرائی تھی۔ اس کے ساتھ اسے بدبو کا سا احساس ہوا تھا اور پھر اس نے ایک تیز غراہٹ سنی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا۔ اس نے دیکھا کہ غار میں ایک ریچھ نے چھلانگ لگائی اور وہ ایک ہی جست میں بوڑھے اور ابانا کے سر پر جا پہنچا۔ بوڑھا ابانا کے سینے سے دودھ پی رہا تھا۔ ریچھ نے اپنا بالوں بھرا ہاتھ ابانا کے جسم کی طرف بڑھایا۔ ڈاکٹر فرقان نے دیکھا کہ ریچھ کو دیکھ کر اچانک بوڑھے کے چہرے پر تاریکی پھیل گئی تھی۔

ابانا نے اچانک ہاتھ بلند کیا اور نہ جانے کس عجیب زبان میں ریچھ سے مخاطب ہوئی ڈاکٹر فرقان صرف چند بے ہنگم سی غراہٹیں سن سکا تھا۔ ریچھ کا آگے بڑھا ہوا ہاتھ اپنی جگہ ساکت ہو

گیا تھا۔ ابانا خاموش ہوئی تو ریچھ پھر غرایا۔ اب وہ اپنے نوکیلے دانت باہر نکال کر بوڑھے کی طرف جھک رہا تھا۔ ابانا اٹھ کھڑی ہوئی ابانا کے کھڑے ہوتے ہی اچانک ریچھ نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے اور اسے اپنی آغوش میں سمیٹ کر ایک ہی جست میں غار سے باہر نکل گیا۔

''بابا..... بابا..... میں مجبور ہوں وہ مجھے تیرے قریب نہیں دیکھ سکتا'' ابانا کی دور ہوتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور بوڑھا غار کے پتھریلے فرش پر اس طرح بے حس و حرکت پڑا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ پھر اس کی نظر غار کے پتھریلے فرش پر کھڑے ہوئے ڈاکٹر فرقان پر پڑی اور اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

''ڈاکٹر ادھر آؤ..... آؤ.....'' بوڑھے کی آواز میں حکم تھا۔

ڈاکٹر فرقان کو محسوس ہوا جیسے وہ خود بخود کھنچتا ہوا بوڑھے کی طرف جا رہا ہے۔ ڈاکٹر کے چہرے سے ایک خوف اور بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ بوڑھے کی شیطانی قوتوں سے اچھی طرح واقف تھا وہ سخت حیران تھا کہ بوڑھا اسے کیوں بلا رہا ہے۔ آخر وہ ڈاکٹر فرقان سے کیا چاہتا ہے وہ بوڑھے کے قریب پہنچ کر اسی تذبذب کا شکار تھا۔

اور اسی لمحے ڈاکٹر نے اپنی کمر کو کسی مضبوط ہاتھ کی گرفت میں دیکھا اور پھر جیسے ہی اس کی نظر ہاتھ پر پڑی تو ڈاکٹر فرقان کے حواس جیسے گم ہو گئے۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ لیکن اب اس کے پاؤں غار کے فرش سے اٹھ چکے تھے۔ ڈاکٹر کے ذہن میں وہ دہشت ناک منظر گھوم گیا جب اس نے اسی ریچھ کو ایک انسانی کھوپڑی سے گوشت نوچ نوچ کر کھاتے دیکھا تھا جو اب اسے اٹھائے پہاڑی راستوں پر تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس خیالی منظر کی دہشت ڈاکٹر فرقان کے حواس پر اس حد تک مسلط ہوئی کہ رفتہ رفتہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کا آخری احساس یہ تھا کہ وہ ایک آدم خور ریچھ کی گرفت میں ہے جو کسی بھی لمحے اسے لقمہ تر بنا سکتا ہے۔

☆.....☆

افضال حسین اس طرح غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ کامران اسے تلاش کر کر کے تھک چکا تھا۔ کامران نے اسے ہر اس جگہ تلاش کر لیا تھا جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔ افضال حسین کی پراسرار گمشدگی کو پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ افضال حسین کو جس کیس پر تعینات کیا گیا تھا اس نے اس کے بارے میں دارالحکومت کو اب تک ایک رپورٹ بھی نہیں بھیجی تھی۔ آخر کار حکام نے تنگ آ کر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ افضال حسین کو چار پانچ روز سے اس کے کسی ماتحت نے بھی نہیں دیکھا۔ افضال حسین دارالحکومت سے دوبارہ اسی پہاڑی بستی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جہاں اُسے حکام نے بھیجا تھا۔ اس سلسلے میں کامران باخبر تھا۔ جس رات وہ افضال حسین اور عثمانی کو چوٹ دے کر بھاگا تھا اسی کے دوسرے دن افضال حسین دارالحکومت سے چل دیا تھا۔ روانگی سے قبل اس نے حکام سے کامران کی شکایت ضرور کی تھی اور خود بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ناکام رہا تھا۔ افضال حسین اور کامران کی چپقلش سے حکام بھی

واقف تھے۔ اور پھر اس نے جو کچھ کامران کے بارے میں کہا تھا اس کا کوئی ثبوت اس کے پاس نہیں تھا۔ اس لیے اعلیٰ احکام نے اس کی شکایت سنی ان سنی کر دی تھی۔ وہ مایوس ہو کر پھر کیس کو نمٹانے پہاڑی قصبے کی طرف چل دیا تھا۔ کامران جسمانی اور ذہنی طور پر اس کیس کے دوران اس قدر تھک چکا تھا کہ اس نے سوچا کچھ دن آرام کر کے اپنے اعصاب کو سکون پہنچا لے اس لیے وہ دارالحکومت ہی میں رک گیا تھا اور اپنی موجودگی سے ان افسران کو بھی آگاہ کر چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی چھٹیاں پوری ہونے کے بعد پھر ڈیوٹی پر حاضر ہو جائے گا۔ کامران نے ارادہ کیا تھا کہ کم از کم ایک ہفتے مکمل آرام کرنے کے بعد وہ نئے سرے سے اس کیس پر کام شروع کرے گا لیکن ابھی اسے پانچ دن ہی گزر رہے تھے کہ اسے طلب کر لیا گیا۔ اس کے افسران چاہتے تھے کہ کامران دوبارہ اس کیس پر کام شروع کر دے۔ کیونکہ افضال حسین پراسرار طور پر لاپتہ ہو چکا تھا۔ افسران کے کہنے پر اس نے اپنی چھٹیاں منسوخ کر دیں اور ایک بار پھر نئے سرے سے تازہ دم ہو کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگ گیا۔ اس کے سامنے پہلا مسئلہ افضال حسین کی گمشدگی کا تھا۔ وہ لاکھ اس کا حریف تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف سے فکرمند تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں افضال حسین اپنی کسی حماقت کے سبب پراسرار حالات کا شکار تو نہیں ہو گیا۔ کامران افضال حسین کی تلاش میں ناکام ہو کر ایک بار پھر وہیں سے کیس کی گتھی کو سلجھانے کی کوشش میں لگ گیا جہاں اس نے تفتیش کو چھوڑا تھا۔

گزشتہ حالات سے وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ کسی بھی سبب خبیث بوڑھا ابانا کا دشمن ہو چکا ہے۔ اسی لیے سلیمہ کی لاش کی بازیابی میں اس نے کامران کی مدد کی تھی۔ کامران کا منصوبہ یہ تھا کہ ابانا اور بوڑھے کے درمیان پیدا ہونے والی دشمنی سے فائدہ اٹھائے لیکن خبیث بوڑھا اسے کہاں مل سکتا تھا اس سلسلے میں وہ قطعی تاریکی میں تھا۔ بوڑھے نے اس سے رخصت ہوتے وقت صرف اتنا کہا تھا کہ جب کامران کو بوڑھے کی مدد درکار ہوگی وہ کامران تک پہنچ جائے گا۔ اس لئے کامران بوڑھے کے سلسلے میں سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کامران کا پہلے خیال تھا کہ وہ شاداب پور کے بعد حویلی صاحب جی اور لکھیم پور میں ابانا اور ڈاکٹر فرقان کو تلاش کرے کیونکہ اس سمت صرف وہی دو بستیاں ایسی تھیں۔ جہاں ڈاکٹر فرقان اور ابانا شاداب پور میں رہے تھے۔ اور وہاں ان کے ہمراہ سلیمہ بھی تھی لیکن وہاں کسی سبب انہوں نے سلیمہ کو ٹھکانے لگا دیا اور فرار ہو گئے۔ اس فرار میں بھی اب اسے ابانا کی پراسرار قوتوں کا ہاتھ دکھائی دیتا تھا۔ کیونکہ وہ جس دن وہاں پہنچا تھا۔ اسی دن کی صبح وہ لوگ وہاں سے فرار ہوئے تھے۔ یہ معلوم کر لیا گیا ہوگا کہ کامران اس کی تلاش میں شاداب پور پہنچ رہا ہے اسی لیے وہ وہاں سے ڈاکٹر کو لے کر فرار ہو گئی۔

اب کامران کا ارادہ یہ تھا کہ وہ باری باری حویلی صاحب جی اور لکھیم پور کے پہاڑی قصبوں میں ڈاکٹر اور ابانا کو تلاش کرے کامران سلیمہ کی پراسرار موت کے سلسلے میں خاصا الجھا ہوا تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد ڈرتے ڈرتے اس نے لکھیم پور جانے کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے وہاں جانے سے قبل ہی ابانا اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے اس کے بارے میں

معلوم کر لے اور وہاں سے بھی فرار ہو جائے۔ لیکن وہ کسی بھی امکانی صورت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہاں سے بھی فرار ہو جائے تو اپنے پیچھے کوئی نہ کوئی ایسا سراغ ضرور چھوڑ جائے گی جس کی روشنی میں وہ آگے بڑھ سکے گا۔

کامران کا ذہن لکھیم پور روانہ ہوتے وقت اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ لکھیم پور پہنچتے پہنچتے اسے رات ہو جائے گی۔ راستے بھر بھی اس کا فعال ذہن حالات اور واقعات کی گتھیاں سلجھانے میں محو تھا۔ وہ چونکا اس وقت جب اس نے محسوس کیا کہ سورج ڈوبنے لگا ہے۔ وہ شاداب پور کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ تقریباً تیس میل پیچھے اور اب جو آبادی پڑنے والی تھی وہ لکھیم پور ہی تھی۔ اس وقت اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا وہ شب بسری کے لیے واپس ہو کر شاداب پور پہنچ جائے یا رات کی پرواہ کیے بغیر لکھیم پور ہی کی طرف چلتا رہے۔ آخر اس نے اپنے سفر کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس کے بعد اس کے پاؤں کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھتا چلا گیا۔ وہ اب کافی تیز رفتاری سے فاصلہ طے کر رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد اسے سفر کرتے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے۔ اب ہر طرف دبیز تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اب اس کا سفر بمشکل آدھ پون گھنٹے کا اور ہے اس کے بعد وہ لکھیم پور کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔ پندرہ منٹ اور تیز رفتاری سے گزر گئے لیکن سولہواں منٹ کامران کے لیے اپنے اندر بہت سے اسرار لئے آیا اور اگر کامران اپنے ہوش و حواس درست نہ رکھتا تو ممکن تھا کہ سڑک کا موڑ کاٹتے ہوئے اس کے ہاتھ بہک جاتے اور تیز رفتار کار سڑک سے اتر کر سڑک کے متوازی نشیب میں لڑھک جاتی اس نے ایک ایسا ہی ناقابل یقین عجیب اور پراسرار منظر دیکھا تھا۔ جو ایک لمحے ہی میں اس کے سامنے آ کر غائب ہو گیا تھا۔ کامران کی کار کے سامنے سے ایک ریچھ تیزی سے سڑک عبور کر کے پہاڑی نشیب کی طرف گیا تھا لیکن وہ بات کچھ اور ہی تھی جس نے کامران کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ اگر وہ ریچھ تنہا ہوتا تو کامران پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی۔ کامران کی کار کی ہیڈ لائٹس ریچھ کے علاوہ ایک انسانی جسم پر بھی پڑی تھی۔ جو یا تو بے ہوش تھا۔ یا مر چکا تھا۔ اور وہ جسم جس انسان کا تھا وہ کامران کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس نے ایک ہی لمحے میں اس جسم کو پہچان لیا تھا۔ وہ ڈاکٹر فرقان کے علاوہ کسی اور کا جسم نہیں تھا۔

''تو کیا... کیا ڈاکٹر فرقان کو بھی ابانا نے اپنے راستے سے ہٹا دیا... کیا وہ بھی پراسرار حالات کا شکار ہو گیا؟'' کامران بڑبڑایا اب وہ اپنے حواس پر کسی حد تک قابو پا چکا تھا۔ اتنی رات گئے فرقان کو اٹھائے وہ ریچھ کہاں سے آ رہا تھا۔ اور کہاں جا رہا تھا۔ کامران کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اسی لمحے اسے اپنے وجود میں ایک خوف کی لہر محسوس ہوئی اور بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے گلے کی طرف بڑھا مگر اس کے گلے میں پنجسورہ نہیں تھا۔ وہ جلدی میں پنجسورہ گلے میں ڈالنا بھول ہی گیا تھا۔ اسے اب اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ اس سے غلطی ہو چکی تھی اور اب اس کا تدارک کسی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس کے علم میں تھا کہ اس کا مقابلہ چند شیطانی قوتوں سے

ہے اور اسی لیے اس نے کلامِ الٰہی کا سہارا لیا تھا۔ لیکن گزشتہ ایک ہفتے کے دوران اس کے ذہن سے یہ بات جیسے نکل ہی گئی تھی۔ اب اس کے لیے یہاں تک آنے کے بعد یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ لوٹ جاتا ڈاکٹر فرقان کو یہاں دیکھ کر تو اب اسے پختہ یقین ہو چلا تھا کہ ابانا لکھیم پور ہی میں ہے۔

وہ رات کامران نے لکھیم پور کے تھانے میں گزاری اس سلسلے میں اسے صرف اپنا شناختی کارڈ ایس ایچ او کو دکھانے کی ضرورت پڑی تھی۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنی تفتیش کا آغاز کر دیا۔ چھوٹی سی آبادی میں اس نے بہت جلد ڈاکٹر فرقان اور ابانا کو تلاش کر لیا۔ مگر یہ بات اس کے لیے حیرت انگیز تھی کہ اس بار ابانا نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس مکان کے دروازے پر پہنچنے کے بعد اسے یقین تھا کہ وہاں صرف ابانا ملے گی۔ کامران نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولنے والے کو دیکھ کر وہ اس طرح چونک پڑا جیسے اس کا ہاتھ نادانستگی میں بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو۔ دروازے کے درمیان ڈاکٹر فرقان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کامران نے بہت جلد خود پر قابو پا لیا۔

''ڈاکٹر فرقان! ہم دونوں قدیم شناسا ہیں کیا تم مجھ سے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گے۔'' کامران نے شائستگی سے کہا۔

''کیوں نہیں؟ ضرور کہوں گا۔'' ڈاکٹر فرقان کے لہجے میں چبھن تھی۔ ''آیئے آپ کو کون روک سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے پاس شریف اور باعزت شہریوں کو تنگ کرنے کے اختیارات موجود ہیں۔''

''شریف اور باعزت شہری تمہاری طرح قانون اور پولیس سے بھاگتے نہیں پھرتے سمجھے ڈاکٹر فرقان اور نہ وہ تمہاری طرح اپنی بیویوں کے قاتل ہوتے ہیں۔'' اس بار کامران کے لہجہ میں بھی معنی خیزی اور طنز تھا۔ یہ جملے ادا کرتا ہوا وہ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے مکان میں داخل ہو گیا۔

''مسٹر کامران! تم مجھ پر الزام تراشی نہیں کر سکتے۔ نہ تو میں تمہارے کہنے کے مطابق قانون سے بھاگتا پھر رہا ہوں۔ اور نہ ہی میں اپنی بیوی کا قاتل ہوں جو پراسرار طور پر اچانک لاپتہ ہو گئی ہے۔'' ڈاکٹر فرقان نے کامران کے طنز کو نظرانداز کرتے ہوئے سختی سے جواب دیا۔

کامران کمرے میں داخل ہو کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

''اب تم اپنے نازل ہونے کا مقصد بیان کر سکتے ہو۔'' ڈاکٹر فرقان پھنکارا۔

''بقول تمہارے، تمہاری بیوی پراسرار طور پر اچانک لاپتہ ہو چکی ہے اگر یہ حقیقت ہے تو کیا تم اس بات کا جواب دو گے کہ تم نے اس کی گمشدگی کے بارے میں کوئی اطلاع پولیس کو کیوں نہیں دی۔ اس کی وجہ؟'' کامران نے ڈاکٹر فرقان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے تم اس میں دخل اندازی کرنے والے کون ہوتے ہو۔ یہ میری مرضی پر منحصر ہے کہ میں پولیس کو اس واقعے سے باخبر کروں یا نہ کروں۔'' ڈاکٹر فرقان کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''بہرحال ڈاکٹر یہ تو تمہیں وقت ہی بتائے گا کہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ تھا یا کچھ اور لیکن تمہاری اطلاع کے لیے اتنا عرض کر دوں کہ جہاں تم لوگوں نے اس کے جسم کو بے کفن زمین کے سپرد کیا تھا وہاں سے اس کی لاش برآمد کر لی گئی۔'' کامران نے اچانک ڈاکٹر فرقان پر ایک نفسیاتی حملہ کیا۔

''کب؟...... کہاں؟...... کس طرح؟'' ڈاکٹر فرقان ایک دم تقریباً چیخ پڑا۔

''تم ایک اچھے اداکار کبھی ثابت نہیں ہو سکتے ڈاکٹر! تمہاری اداکاری میں ابھی کچا پن ہے۔'' کامران نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ابھی اس کا جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ اس نے کمرے میں اپنے اور ڈاکٹر کے علاوہ کسی تیسرے وجود کو بھی محسوس کیا۔ وہ ایک دم مڑا اب اس کا رخ اندرونی کمرے کے دروازے کی طرف تھا جہاں ابانا کھڑی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا کہ کامران کو اپنا تمام غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر اسی لمحے کمرہ ابانا کے وحشت زدہ قہقہے سے گونج اٹھا۔ کامران کو جھرجھری آ گئی۔

''اب تم آ ہی گئے ہو تو آؤ ہم اپنی گزشتہ محبتیں تازہ کر لیں۔'' ابانا نے اپنی باہیں کامران کی طرف پھیلا دیں اور کامران کسی چھوٹے سے بچے کی طرح کھنچا ہوا ابانا تک پہنچا اور اس کے سینے سے جا لگا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ذہن کو گہری تاریکی میں ڈوبتے محسوس کیا۔

☆......☆

بوڑھے کی چیخوں، ابانا کے قہقہوں اور ریچھ کی غراہٹوں سے غار گونج رہا تھا۔

''پاگل نہ بن ابانا! اب بھی وقت ہے مان جا میری بات۔'' بوڑھا ایک زقند بھر کر ریچھ کے حملے سے بچتا ہوا چیخا۔

''بابا اپنی قسمت کے فیصلے کو قبول کر لے۔'' ابانا نے اس کی بات کا جواب دیا اور پھر زور زور سے قہقہے لگانے لگی۔

اسی وقت ریچھ نے اپنا پنجہ بوڑھے کی پشت پر مارا اور اس کی کمر کی کھال ادھڑ گئی اور گاڑھا گاڑھا خون بہنے لگا وہ بھیانک انداز میں چیخا۔

''اس طرح...... اس طرح تو خود بھی اپنی زندگی خطرے میں ڈال رہی ہے۔'' بوڑھا ہانپتے ہوئے چیخا۔

''سلیمہ کی موت کے بعد مجھے اپنی زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی بابا تو ناحق چیخ چیخ کر اپنا گلا دکھا رہا ہے۔'' ابانا پھر بولی۔

''اچھا تو پھر سنبھل......'' بوڑھا اچانک ہوا میں لہراتا ہوا ابانا پر آ پڑا اور اس کے جسم سے شعلے سے نکلنے لگے۔ ان شعلوں کی زبانیں ابانا کے جسم کو چاٹنے لگیں۔ ابا کے لباس میں آگ لگ گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور پھر وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائی اور ایسا لگا کہ جیسے بادل زور سے گرجے ہوں۔ شعلوں کی لمبی لمبی زبانیں اچانک ہی غائب ہو گئیں۔ اور بوڑھا ایک بار پھر ریچھ

کے حملے سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ لیکن اب اس کے جسم پر زبردست کپکپی طاری ہو چکی تھی۔

"تیرا حربہ رائیگاں گیا بابا! تو شاید بھول گیا تھا کہ تو نے مجھے ایسی پراسرار قوتیں دے رکھی ہیں جن کے سامنے تیرا کوئی حربہ کارگر نہیں ہو سکتا۔" ابانا ہذیانی آواز میں چیخی۔

غار کا درجہ حرارت ایک دم غائب ہو گیا تھا اور انتہائی سردی کی شدید لہر بوڑھے کو اپنے رگ و پے میں سرایت کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ بالکل کسی سردی کھائے ہوئے بچے کی طرح اب اس کی حرکات میں پہلی سی پھرتی اور تیزی برقرار نہیں رہی تھی۔ اس کا تمام جسم لہولہان تھا۔ ریچھ اس اس پر چھاتا جا رہا تھا۔

"اب...... اب...... با...... نا" بوڑھے کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس نے بمشکل کہا۔ "ابانا میں تجھے آخری بار تنبیہ کرتا ہوں کہ باز آ جا ورنہ میری موت کا مطلب خود تیری موت ہو گا۔"

"میں نے خوب سوچ کر اپنی موت کو قبول کیا ہے بابا! مجھے اب تیری کوئی بات نہ بہلا سکے گی۔ ابانا نے جواب دیا۔

اب بوڑھا ریچھ کی گرفت میں آ چکا تھا۔ اور اس کے نوکیلے دانت بوڑھے کی گردن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بوڑھے کی آنکھیں خوف سے پھٹی جا رہی تھیں۔ پھر نہ جانے ایک دم کیا ہوا کہ بوڑھے کے استخوانی ہاتھ ریچھ کی دونوں ٹانگوں کی طرف بڑھے۔ بوڑھا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا تھا۔ مگر اس وقت تک ریچھ کے دانت اس کے نرخرے میں اتر چکے تھے۔ بوڑھا آخری بار زور سے ڈکرایا اور پھر نہ جانے ایک دم کیا ہوا کہ بوڑھے کا جسم ریچھ کے نیچے زور سے اچھلا اور اس میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے ریچھ کے بھاری جسم کو اپنے اوپر سے دھکیل دیا اور ریچھ کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر مخالف سمتوں میں چیر دیں۔ لیکن اس کوشش میں اس کا نرخرہ کٹ چکا تھا۔ نس سے گاڑھا گاڑھا خون بہہ رہا تھا اور بوڑھے کے برہنہ جسم پر پھیل رہا تھا ایک ساتھ ہی بوڑھے اور ریچھ کے جسم زور سے کانپے اور ساکت ہو گئے۔ غار میں دور تک بوڑھے اور ریچھ کا خون پھیلا ہوا تھا۔

"میرے بچے!" ایک دم ابانا چیخی اور ریچھ کے مردہ جسم کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔

☆......☆

کامران کو اس کے افسران کے علاوہ خود اس کے ساتھیوں نے بھی کیس کو کامیابی سے نمٹانے پر مبارک باد دی تھی۔ اور اب پھر فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اسے اخباری نمائندوں نے بھی گھیرا ہوا تھا اور کامران اداس اداس سا بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اس کیس کو حل کرنے میں نہ تو اس کی کسی کوشش کو دخل تھا اور نہ ہی ذہانت کو اسے تو صرف اتنا معلوم تھا کہ ایک طویل بے ہوشی کے بعد جب ہوش میں آیا تھا تو اس نے ڈاکٹر فرقان اور ابانا کو اپنے قریب پایا تھا۔ وہ لاعلم تھا کہ وہ دن اس بے

خبری میں رہا تھا۔ لیکن بعد میں اسے بتایا گیا تھا کہ وہ پورے تین دن اور تین راتیں لاپتہ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اسے ابانا کا چہرہ اپنے اوپر جھکا ہوا نظر آیا تھا۔

"کامران! تم نے میرے ساتھ کچھ اچھے لمحے گزارے ہیں۔ میں تمہارے قرب کی خوشبو اب بھی اپنی روح میں اترتی محسوس کرتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہیں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں سمجھا۔" ابانا اسے کہے جا رہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔ "اسی لیے میں نے افضال حسین اور دوسرے افسران کی طرح تمہیں اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے تمہاری زندگی ختم نہیں کی۔ لیکن اب یہ کھیل ختم ہو چکا ہے میری خواہش ہے اس کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے سر بندھے لیکن میری صرف ایک شرط ہے اور وہ بھی جائز شرط ڈاکٹر فرقان اس پورے کیس میں کسی بھی غیر قانونی حرکت کا مرتکب نہیں ہوا۔ جو کچھ کیا ہے میں نے کیا ہے اور میں تنہا اس کی ذمہ دار ہوں میں اپنے جرائم کا اعتراف کرنے پر آمادہ ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ڈاکٹر فرقان کو وعدہ معاف گواہ بنا لیا جائے۔" ابانا نے کامران کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

کامران سوچنے لگا کہ کہیں یہ بھی ابانا کی کوئی چال نہ ہو۔ وہ حیران تھا کہ ابانا خود کو قانون کے حوالے کرنے پر کیوں تیار ہو گئی۔

"ایسا نہ سوچو کامران۔" ابانا کی آواز نے کامران کو چونکا دیا۔ ابانا نے اپنی پراسرار قوتوں کے ذریعے اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔ "میں اگر چاہوں تو اب بھی تم میرے قابو میں ہو۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں ڈاکٹر فرقان کو لے کر تمہاری آنکھوں کے سامنے فرار ہو سکتی ہوں۔ اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اب یہ سب کچھ فضول ہے۔ بولو تمہارا کیا فیصلہ ہے۔"

کامران نے ابانا کی بات مان لی تھی۔ ڈاکٹر فرقان کو وعدہ معاف گواہ بنا لیا تھا اور اس کے بعد ڈاکٹر فرقان نے ابانا کے کہنے پر اپنا پورا بیان حرف بہ حرف صحیح صحیح دیا تھا۔ جو کچھ اس پر گزری تھی اس نے سب کچھ بیان کر دیا تھا اور پھر ابانا نے اپنے تمام جرائم کا واضح الفاظ میں اعتراف کر لیا تھا۔ ڈاکٹر فرقان کے بیان کی روشنی میں صبح نو کے رپورٹر عثمانی کو بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

☆......☆

ابانا حراست میں تھی اور گرفتار ہوئے اسے تیسرا روز تھا۔ آج کامران کو اسے عدالت میں پیش کرنا تھا۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ڈاکٹر فرقان آ گیا۔

"چلو اچھا ہوا ڈاکٹر کہ تم بھی آ گئے۔ میں ابانا کو حوالات سے نکال کر عدالت میں بھیجنے کی تیاری کر رہا تھا۔ چلو آؤ......" کامران اس کے شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھا اور پھر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔

"تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو ڈاکٹر......" کامران اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں...... مگر میں...... کوئی بات نہیں......" ڈاکٹر کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

''تم کچھ چھپا رہے ہو شاید۔'' کامران چلتے چلتے رک گیا۔

''مجھے ایک خطرہ ہے خدا کرے ایسا نہ ہو......ایسا نہ ہو۔'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔

کامران کے اصرار کے باوجود ڈاکٹر فرقان نے اسے کچھ نہ بتایا اور وہ دونوں چلتے ہوئے حوالات کے دروازے پر جا پہنچے۔ سپاہی نے انہیں قریب آتے دیکھ کر سلیوٹ کیا اور حوالات کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی ڈاکٹر فرقان کے منہ سے ایک طویل چیخ نکل گئی۔ اور کامران اچھل پڑا۔ اسی کے ساتھ اس کی نظر بھی اس منظر پر پڑی جسے دیکھ کر ڈاکٹر فرقان چیخ پڑا تھا۔ حوالات کے فرش پر ایک بھیڑیے کی تعفن زدہ لاش پڑی تھی۔ اور ابانا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ ابانا کی روح اپنے حیوانی وجود میں پہنچ کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکی تھی۔

The End